اسلام کا نظامِ حکومت

مولانا حامد الانصاری غازی

مکتبۃ الحسن لاہور

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

اِسلام کا نظامِ حکومت

مولانا حامد الانصاری غازی

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِسلام کا نظامِ حکومت

یعنی
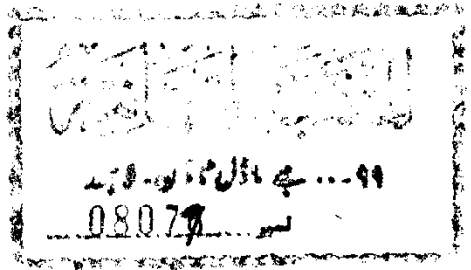
اسلام کی ریاستِ عامّہ کا مکمل دستورِ اساسی اور ضابطۂ حکومت
جس میں اسلام کے نظامِ حکومت کے تمام شعبوں، اُس کے نظریۂ سیاست و
سیادت کے تمام گوشوں، ریاست و مملکت اور اُس کے متعلقات اور عام
دستوری معلومات کو وقت کی نکھری ہوئی زبان اور جدید تقاضوں کی روشنی
میں نہایت تفصیل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے

تالیف

مولانا حامد الانصاری غازی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام مصنف ——— مولانا حامد انصاری غازی

تعداد ——— ایک ہزار (۱۰۰۰)

ناشر ——— مکتبۃ الحسن ۹/۲۹ لال چوک
سٹریٹ عبدالکریم روڈ قلعہ
گجر سنگھ لاہور۔

مطبع ——— ایکس ٹو پرنٹنگ پریس لاہور

قیمت ——— ۳۰ روپے

سول ایجنٹ ——— اشرف اکیڈمی جامعہ اشرفیہ
نیلا گنبد لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

د

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ
نقشِ آغاز	۴
اسلامی نظام اور قدیم نظریے	۷
عصرِ نمرود	″
یونانی نظریہ	″
چین اور ہند	″
نظریۂ عجم	۸
یہود و نصاریٰ	″
نظریۂ عصرِ حاضر	″
ترتیب و تدوین کے محرکات	۹
اسلامی حکومت کے تکوینی اور ارتقائی دور	۱۱
ابتدائی دور	۱۲
اجتماعی دور	″
تنظیمی دور	″
اسلامی دورِ حکومت	″
مسلمانوں کا دورِ حکومت	۱۳
اسلامی دور	″
مسلمانوں کا دور	۱۴
مناسب طریق کار	۱۵
حکومت کا مفہوم	۱۷
پستالوزی کا نظریہ	۲۱
حکومت کی پہلی تقسیم	۲۲
دینی حکومت ۔ دنیاوی حکومت	″
نظریۂ دینی	″

عنوان	صفحہ
نظریۂ دنیاوی	۲۳
لارڈ برائس کی رائے	۲۵
علامہ وجدی کی تصریح	۲۶
شیروانی کی تصریح	″
شریعت اور سلسلۂ انبیاء	″
انبیاء	۲۷
خلفاء	″
ملکِ سیاسی	۲۸
خلافت	″
امام شاہ ولی اللہ کی تصریحات	″
اہم اور تاریخی نظریے	۳۴
نظریۂ ربانی	″
مہاتما بدھ کا نظریہ	۳۵
حکومت کا قیام	۳۷
نظریۂ ابتدائی	″
نظریۂ حکومت آبائی	۳۸
نظریۂ معاہدۂ عمرانی	۳۹
زمانۂ تاریخ کی حکومتیں	″
ہندوستانی سلطنتیں	۴۰
مصری سلطنتیں	″
بنی اسرائیلی سلطنتیں	″

عنوان	صفحہ
یونانی سلطنت	۴۰
روما کی سلطنت	۴۱
کلیسائی حکومتیں	″
جرمن ٹیوٹن سلطنت	″
حکومت بحیثیت تنظیم انسانی	″
انسانی حکومتیں اور ان کی قسمیں	″
تین اچھی حکومتیں	۴۲
زمانۂ حال کی حکومتیں	″
شاہی حکومت	۴۳
جاگیر شاہی	″
دستور شاہی	″
شہنشاہی	″
اعیانی	″
عمومی حکومت	″
جمہوریت	″
مرکزی حکومت	″
لامرکزی حکومت	۴۴
فیڈرل (وفاقی) حکومتیں	″
وحدانی حکومتیں	″
وفاقی حکومتیں ۔ وفاقی عہدیت	″
فطری حکومت	۴۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فطری حکومت کے عناصر ترکیبی ٤٨
نبوت کا منصبِ عظیم اور انبیاء کی آئینی حیثیت ٤٩
اسلام کے علماء اجتماعیات کی آراء ٥٢
قانونی قوت ٥٣
ربانی مہم ٥٤
ربانی سفارت "
قرآنِ حکیم میں انبیاء کی فطری حکومتوں کا ذکر ٥٧
ابتدائی دور "
تنظیمی دور ٥٨
انبیاء کے دو طبقے "

فطری حکومت سیاسی تاریخ ٦١

اسلامی معاشرہ کی تخلیق "
انسانی معاشرہ کے تکوینی رجحانات ٦٢
ربانی معاہدہ انسانی تکوین سے پہلے ٦٣
فطری سیاست کا ابتدائی ظہور ٦٤
انسانی معاشرہ کی تقسیم ٦٥

اسلام سے پہلے تاریخی حکومتیں ٦٦

جزیرۃ العرب کے محلِ وقوع پر ایک نظر ٦٨
جزیرہ نما یا جزیرۂ عرب ٧٠
جزیرۃ العرب کے حق میں چند دلائل ٧٠
عرب کا سیاسی احول ٧١
علاقوں کی تقسیم ٧٢
عرب اور اس کا اجتماعی نظام ٧٣
عرب کی قدیم قومیں ٧٤
عدنانی عرب اور قحطانی عرب "
ریاست غسان ٧٥
ریاست حیرہ ٧٦
ریاست کندہ "
عصرِ جاہلیت کی امارت ٧٧
پیغمبر اعظم سے پہلے تاریخی ملکوں اور قوموں کی حالت ٨١
ایشیا ٨٣

اسلامی دور ١٨٦

عہدِ محمدی "
خلافت راشدہ دورِ اول "
سیاسی آثار ٨٨
سرداریت کی پیدائش "
واقعہ ہجرت کا سیاسی پہلو ٩٠
اجتماعی کردار ٩٢
اسلامی سوسائٹی کی بناء "
انسانی سوسائٹی کی تنظیم ٩٣
خفیہ انجمن ٩٤
دار السلام "
ہجرت ایک سیاسی اصول کی حیثیت سے "
پیغمبرِ اعظم مدبرِ حکومت کی حیثیت سے ٩٥
پیغمبر اعظم کے اجتماعی کارنامے ٩٦

اسلامی حکومت ١٠٠

خلافتِ راشدہ (ریاست عامہ)
دورِ اول ١٠٠
اسلامی حکومت صدیق اکبرؓ کے عہد میں ١٠١
صدیق اکبر کا سیاسی مرتبہ "
تاریخ اسلام کی ایک سیاسی حقیقت ١٠٤
نظامِ حکومت ١٠٨
حکومتِ نظام ١١٠
اسلامی حکومت فاروق اعظمؓ کے عہد میں "
منصبِ خلافت ١١١
نظامِ حکومت ١١٢

خلافتِ راشدہ دورِ دوم ١١٤

اسلامی حکومت حضرت عثمانؓ کے عہد میں "
نظامِ حکومت ١١٦
اسلامی حکومت حضرت علیؓ کے عہد میں ١١٨

دفعہ اسلام اور حکومت ١٢٤

قانونی تشریحات اور نظائر "
مذہب اور سیاست ١٢٧

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
چند قانونی حوالے	۱۲۹
ایک عظیم تاریخی واقعہ	۱۳۲
حکومت کا زمانہ	۱۳۳
دفعہ (۲) اسلامی حکومت کی عام حقیقت	۱۳۸
حکومت کی تعریف	״
قانونی تشریحات	۱۴۱
قرآنِ عظیم کے نظریات	۱۴۲
حکم ۱۴۲ ۔ امانت	۱۴۶
وراثت ۱۴۶ نعمت	۱۴۷
علماءِ امت کے نظریات	۱۴۸
حکومت اعلیٰ	۱۵۰
دفعہ (۳) حکومتِ الٰہی	״
فرمانروائے اعلیٰ / دفعہ (۴) حاکم بالادست	۱۵۱
دفعہ ۵ فرمانروائے اعلیٰ کے نام	۱۵۲
دفعہ ۶ فرمانروائے اعلیٰ کی خصوصیات	״
دفعہ ۷ فرمانروائے اعلیٰ کے حقوق و اختیارات	۱۵۳
قانونی تشریحات	۱۵۴
دفعہ (۸) اقتدارِ اعلیٰ	۱۵۹
قرآنِ عظیم اور اقتدارِ اعلیٰ	״
قانونی تشریحات	۱۶۱
اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیات	״
ا ۔ وحدتِ اقتدار	״
ب قدرتِ عامہ	۱۶۲
آزادی ۔ جلالتِ عامہ	۱۶۴
زندگی و دوام ۔ نظائر	۱۶۵
جدید نظریہ اور اس کی تنقید	۱۶۶
دفعہ ۹ ریاستِ عامہ	۱۷۰
نیابتی حکومت	״
دفعہ ۱۰ اسلامی حکومت کا قانون	۱۷۱
نیابتی حکومت	״
قانونی تشریحات	۱۷۲
قانونِ سنت	۱۸۰
قانونِ صحابہ	۱۸۳
یادداشت	۱۸۴
قانونِ اجماع ۔ یادداشت	۱۸۵
قانونِ شوریٰ ۔ قانونِ امامت	۱۸۶
قانونِ اجتہاد ۔ قانونِ فقہ	۱۸۷
فقہائے قانون ۔ یادداشت	۱۸۸
ارتقاء پذیر قانون	۱۸۹
دفعہ ۱۱ اسلامی حکومت اور سیاست	۱۹۰
تشریحات اور نظائر	״
حکمت اور سیاست	״
یادداشت	۱۹۹
سیاستِ حاضرہ اور علماءِ امروز	۲۰۰
یادداشت	۲۰۱
اسلام کا طرزِ حکومت اور اس کی خصوصیات	۲۰۲
یادداشت ۔ یادداشت	۲۰۵، ۲۰۶
انسانی امن، آزادی اور مساوات کے متعلق تین تاریخی اعلان	۲۰۷
موروثی ولیعہدی	۲۱۲
دفعہ ۱۲۔ اسلامی حکومت کی غایت الغایات	۲۱۵
نظائر اور قانونی تشریحات	״
اسلامی حکومت کے نام	۲۲۳
دفعہ (۱) امامتِ کبریٰ	״
قانونی تشریحات	״
ریاستِ عامہ	۲۲۷
دفعہ ۲ خلافتِ عظمیٰ	״
دفعہ ۳ خلافتِ راشدہ	۲۳۰
قانونی تشریحات	۲۳۱
دفعہ ۴ امارتِ امت	۲۳۴
قانونی تشریحات	״
دفعہ ۵ ولایتِ عامہ	۲۳۷
قانونی تشریحات	״
مملکت اور مملکتِ	۲۳۹
دارالاسلام	״
دارالاسلام ۔ قانونی تشریحات	״
ارض ۔ ملک	۲۴۱
دفعہ ۶ امام (قائد الحکومۃ)	۲۴۴
رہنمائے حکومت کے خطابات	״
یادداشت	۲۴۵
قانونی تشریحات و نظائر	״
امام ۔ اولوالامر	۲۴۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
خلیفۃ المسلمین	۲۴۷
امیر المؤمنین۔ زعیم الامۃ	″
دفعہ۱۷ صدرِ حکومت کا انتخاب	″
قانونی تشریحات ونظائر	۲۴۸
انتخابِ اول۔ انتخابِ دوم	۲۴۹
انتخابِ سوم	″
انتخابِ چہارم	۲۵۱
ولیعہدی ونامزدگی	۲۵۲
انتخاب کے بنیادی اصول	۲۵۶
اصولِ صلح	″
نظائر۔ اصولِ رائے عامہ	۲۵۸
اصولِ شوریٰ	۲۶۰
اصولِ تقررِ مجلس	۲۶۱
اصولِ منظوری اہل حل وعقد	″
انتخاب کی شرطیں	″
آزادی۔ بالغ ہونا	۲۶۳
شجاعت اور طاقت	۲۶۴
قرشی ہونا	″
قانونِ بیعت (معاہدۂ اجتماعی)	۲۶۷
اصولِ معاہدۂ اجتماعی	″
قانونی یادداشت	۲۶۸
ضمنی دفعات	۲۶۹
یادداشت ۱، ۲ یادداشت	۲۷۲
دفعہ۱۸ رئیس حکومت کے فرائض اور اختیارات	۲۷۲
یادداشت	۲۷۳
عمرانی فرائض۔ طریقِ کار	۲۷۳
دفعہ۱۹ امت بحیثیت تنظیم اجتماعی	۲۷۵
قانونی تشریحات اور نظائر	″
امتِ اسلامیہ کے اسماء حسنیٰ	۲۷۹
امت وسطیٰ	۲۸۲
اسلام کے قانون میں نظامِ اجتماعی کا مرتبہ	۲۸۴
امتِ اسلامیہ کی تاریخی تشکیل	۲۸۹
تنظیم امت کے سیاسی مرحلے	۲۹۰
خاندانی معاشرہ	۲۹۱
شہری معاشرہ	″
خفیہ معاشرہ	۲۹۲
عالمگیر سیاسی معاشرہ	″
پیغمبرِ اعظم کا اجتماعی تعامل	۲۹۳
دفعہ۲۰ شوریٰ	۲۹۹
قانونی تشریحات ونظائر	″
شوریٰ کی حقیقت	۳۰۰
شوریٰ کی قانونی حیثیت	۳۰۱
شوریٰ ایک نعمتِ عملی کی حیثیت سے	۳۰۲
ایوانِ شوریٰ	۳۰۵
شوریٰ کے عناصر	″
شوریٰ کے تاریخی اجلاس سنہ ۱ تا ۳۵ھ	۳۰۷
عہدِ نبوی	″
عہدِ خلافت راشدہ	۳۰۷
شوریٰ کی قانونی صورتیں	۳۰۹
امام اور شوریٰ۔ یادداشت	۳۱۰
شوریٰ اور عزم	۳۱۲
شوریٰ کے متعلق تاریخی تعامل	۳۱۴
یادداشت	۳۱۷
شوریٰ کے تاریخی اجلاس	۳۱۸
شورائے بدر الکبریٰ	۳۲۰
دوسرا انتخابی شوریٰ	۳۲۳
غلط اندیشی کی بنیاد	۳۲۴
تیسرا انتخابی شوریٰ	۳۲۷
یادداشت	۳۲۸
شوریٰ اور استصوابِ رائے عامہ	۳۲۹
چوتھا انتخابی شوریٰ ۳۵ھ	۳۳۰
شورائے جیش۔ یادداشت	۳۳۶
شوریٰ کا امتیاز اور خصوصیات	۳۳۸
شوریٰ کی خصوصیات	۳۴۰
معین قانون۔ ایوان	″
یادداشت	۳۴۱
رئیس حکومت کی طاقت	″
یادداشت۔ ترکیبی حیثیت	″
یادداشت۔ جماعت بندی	۳۴۲
عمومیت (ڈیماکریسی)	۳۴۳
دفعہ۲۱ امامتِ کبریٰ کا دفتر	۳۴۴
امامِ ملت حکومت اور مملکت کا قائدِ اعظم	″

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
ریاستِ عامہ کا سب سے بڑا رہنما	۳۴۴
امین الامۃ ۔ یادداشت	۳۴۵
اولوالامر ۔ کاتب ۔ یادداشت	〃
امین الخاتم	۳۴۷
دفعہ ۲۲ مجلس وزراء	〃
قانونی نظائر	۳۴۸
صدیقی وزارت	۳۴۹
ریاستِ عامہ کے وزارتی صیغے	〃
دفعہ ۲۳ صیغۂ دینی	۳۵۰
صیغۂ دینی کے محکمے	〃
وزارتِ دینی کی تشکیل	〃
دفعہ ۲۴ صیغۂ امن عامہ	〃
وزارت امن عامہ	۳۵۲
دفعہ ۲۵ صیغۂ خارجہ	۳۵۴
وزارتِ خارجہ کی تشکیل	۳۵۵
اسلامی عہد کے معاہدے	۳۵۷
معاہدوں کا اساسی مقصد	〃
پہلا تاریخی معاہدہ	〃
معاہدۂ عقبہ	۳۵۹
معاہدہ عقبہ اول ۱۲ سنہ نبوت	〃
معاہدہ عقبہ دوم ۱۳ سنہ نبوت	۳۶۰
معاہدہ جہینہ ۔ معاہدہ بنی ضمرہ ۲ھ	〃
معاہدہ یہود مدینہ ۱ھ	۳۶۱
معاہدۂ حدیبیہ ۶ھ	۳۶۳
اسلامی صیغۂ خارجہ اور دولِ عالم	۳۶۵

عنوان	صفحہ
اسلامی صیغۂ خارجہ کے تعلقات دنیا کی حکومتوں سے	۳۶۵
تبوک کا معاہدہ صلح ۹ھ	〃
صلحنامہ ثقیف ۹ھ	۳۶۷
معاہدۂ بیت المقدس ۱۵ھ	۳۶۸
دفعہ ۲۶ صیغۂ امور خارجہ	۳۶۹
دفعہ ۲۷ صیغۂ جہاد و دفاع	۳۷۲
جہاد کا نصب العین	۳۷۳
جہاد فی سبیل اللہ	۳۷۴
حکم جہاد	۳۷۵
حکم اور مفہوم حکم	〃
اسلامی فوج (جند)	〃
مجاہد سپاہیوں کا باہمی تعلق	۳۷۷
فوجی خدمت سے مستثنیٰ شہری	〃
فوج کی تشکیل	〃
محاذِ جنگ کی تشکیل	۳۸۰
نقشۂ محاذِ جنگ	۳۸۱
فوجی جاسوسی اور عسکری تفتیش	〃
فوجی علم یادداشت	۳۸۲
محاذ کی تشکیل	〃
فوج کی صف بندی	〃
قلعہ بندی	۳۸۳
خندقیں اور کمین گاہیں	〃
حالتِ جنگ	〃
طریقۂ جنگ	〃
فوج کشی	〃
جنگی شعور	۳۸۴

عنوان	صفحہ
طرزِ جنگ ۔ اختتامِ جنگ	۳۸۴
جنگی قیدی	۳۸۵
صیغۂ عدل وانصاف	〃
نظائر	۳۸۶
قضا وجزاء	۳۸۷
نظائر	〃
قانون عدالت	۳۸۸
نظائر	۳۸۹
محاکمِ عدلیہ	〃
عدالت عالیہ مرافعہ امامت کبریٰ	〃
عدالت عالیہ وزارت عدل	〃
عدالت عالیہ ولایت	۳۹۰
عدالت فوق العادہ	〃
ابتدائی عدالتیں	〃
عدالت اصلاح	〃
عدالت اصلاح بین الناس	۳۹۱
عدالتِ تحکیم	〃
اسلامی عدالت کی تقسیم	۳۹۲
امامت کبریٰ	〃
وثیقہ ہدایات عدلیہ	۳۹۳
ضابطۂ شہادت (گواہی)	۳۹۵
شہادت کی تعریف	۳۹۶
احکام شہادت	۳۹۷
گواہوں کی قانونی تعداد	۳۹۸
حق گواہی ۔ حق یمین	〃
حلف ۔ جھوٹا حلف	〃
صیغۂ نظامِ اقتصادی	〃

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عنوان	صفحہ
صیغہ کی ذمہ داریاں	۳۹۸
معاشی زندگی اور اقتصادی نظم	۳۹۹
معاشی زندگی کے عناصرِ ترکیبی	۴۰۰
عام معاشی حقوق	۴۰۱
معاشی ذرائع	۴۰۳
صنعت و حرفت	〃
وراثت	〃
بیت المال کے مالی وسائل	۴۰۴
مدات آمدنی زکوٰۃ	〃
صدقات ـــ خمس	〃
فئی، خراج، عشر، جزیہ،	۴۰۵
عشور، کراء الارض	〃
وقف، **ضرائب**	۴۰۶
اموالِ زائدہ	〃
اسلام کا اشتراکی دستور	۴۰۶
(معاشی حقوق اور قانونِ مساوات)	〃
اشتراکی مساوات	۴۰۸
معاشی اصول	۴۱۰
امتناعی احکام	۴۱۱
سرمایہ داری	۴۱۲
معاشی اصول	۴۱۵
اسلامی حکومت کا موازنہ قدیم حکومتوں سے	۴۱۷
دنیا کی قدیم ترین حکومتیں	۴۱۸
یونان و روما	۴۲۰
یونانیوں کا نظریۂ حکومت	〃
افلاطون کا نظریۂ حکومت	۴۲۱
ارسطو کا نظریۂ حکومت	۴۲۲
روما کا نظریۂ حکومت	۴۲۳
دوسری تاریخی حکومتوں پر نظر	۴۲۴
دورِ جدید کی حکومت	۴۲۶
اور اسلامی حکومت کے خاص خاص فرق	۴۲۶
اسلامی حکومت اور اشتراکیت کے خاص خاص فرق	۴۲۵
اسلامی حکومت اور جمہوری حکومت کے خاص خاص فرق	۴۴۰
اسلامی حکومت ـ فاشی اور نازی نظام	۴۴۳
مختصر نقشہ	۴۵۱
اسلامی حکومت کا عروج و زوال	〃
انقلاب اور حقِ انقلاب	۴۵۲
شوروی انقلاب	۴۵۳
فوجی انقلاب	〃
اجتماعی منشور	۴۵۴

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربنا لک الحمد

ہمارے پروردگار! ہر ایک تعریف و تحسین تیرے ہی لیے ہے۔

الحمد للہ رب العلمین ۞ الرحمٰن الرحیم ۞ ملک یوم الدین ۞ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۞ اھدنا الصراط المستقیم ۞ صراط الذین انعمت علیھم ۞ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۞

عرش عظیم کے پروردگار!

(ربُّ النّاس!) اے انسانیتِ عامہ کے مُربی! (مَلِکُ النّاس!) اے بنی نوع انسان کے فرمانروا! (اِلٰہُ النّاس!) اے انسانوں کے معبود! ہر قسم کی ستائش، خوبی، تعریف تیرے ہی لیے ہے، تو کائناتِ عالم کا پروردگار، بڑا مہربان، بڑا محسن اور جزا و سزا کے دن کا مالک اور بادشاہ ہے، ہم تیری عبادت کے علمبردار، تیرے وجود کے پرستار، تیرے احکام کے علمبردار ہیں اور تجھ سے، خاص تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔ (ہمارے آقا!) تو ہی صراطِ مستقیم پر ہماری رہنمائی فرما، ہم کو سیدھی سچی راہ دکھا، اُن لوگوں کی راہ جن کو تو نے اپنی نعمت سے سرفراز کیا نہ کہ ان کی جو تیرے غصہ کی آماجگاہ بنے اور جو راہِ راست سے بھٹک گئے

(الملک الملک) اے مملکت اور سلطنت کے فرمانروا! ہم تیرے ہیں اور تیرے لیے ہیں تیرے فرمانبردار اور تیری حکومت کے علمبردار ہیں اور تیرے حکم کی قوت کو توحید کا سب سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برائے مطمح نظر تصور کرتے ہیں۔

عرشِ عظیم کے شہنشاہ! ہمیں پھر اپنے لیے منتخب فرما، ہمیں اپنے اقتدار کے ماتحت مقتدر کر اور اپنی حکومت کو ہمارا نصب العین بنا، تاکہ انسانیتِ عامہ کی محفل میں ہماری جدوجہد کا فانوس از سرِ نو روشن ہو سکے اور ہم اپنی سچی کوششوں کے آئینہ میں دنیا کو اسلام کے اقتدار کی حقیقی صورت دکھا سکیں۔

ر[illegible] تقبل منا انك انت السميع العليم،

ربنا آمین!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیرازۂ عنوان

یہ کتاب ایک پیغام ہے خدا کی حکومت کا پیغام ظلوم وجہول انسانوں کی ساختہ پرداختہ حکومتوں کے نام ــــ عالمگیر انسانیت اور ہمہ گیر امن وسلامتی کا پیغام ملکوں، قوموں نسلوں اور طبقوں میں بٹی ہوئی جنگجو طاقتوں کے نام!

اسلام کا نظامِ حکومت سیاسی دنیا کے لیے ناموسِ اکبر ہے حاکمیت کی جان ہی اس حکومت کا ماخذ خدا کا آخری قانون ہے، تمام بُرائیوں کا خاتمہ کرتا ہے اور تمام بھلائیوں کا حکم دیتا ہی، جو انسانِ کامل کو خدا کا نائب بناتا ہے اور انسانوں کو انسانیتِ عامہ کی فلاح اور بہتری کے لیے اپنے سایہ میں بلاتا ہی، شوریٰ (مرضیِ عامہ) کو سیاسی ارتقاء کے لیے فیصلہ کن قوت قرار دیتا ہے، اور خدا کی دنیا کو ہزاروں وطنوں کی جگہ انسانیت کا وطنِ اکبر بناتا ہی۔

یہ وقت ہے کہ اس فطری نظام کو علم وتحقیق کے حوصلہ کے ساتھ قبول کیا جائے، نئی اور پرانی دنیا نے سیاسی ترقی کے لاجواب ارتقائی دور (اسلامی دور) کو درمیان سے ہٹا کر اور یونان، روما، اسپارٹا اور کریٹ کے سیاسی نظریوں سے راست رشتہ ملا کر دیکھ لیا[1]۔ اس عالمگیر تباہی اور صدیوں کی ناکام آزمائش کا یہ نتیجہ ضرور ہونا چاہیے کہ اسلام کے نظامِ سیاست اور طرزِ حکومت کو تحقیق کے لیے انتخاب کیا جائے ـ نپولین کا قول ہی کہ مسلمانوں نے نصف صدی میں نصف دنیا کو فتح کر ڈالا[2] یہ تھا اسلام کا اثر اور اسلام کے ابتدائی نظام کا اثر، آج آدھی دنیا کی جگہ پوری دنیا پر یہی اثر ہونا چاہیے کیونکہ تباہ حال انسانیت کی نجات کے لیے یہی آخری چارہ کار ہے اور یہی ترقی پسند انسانیت کی معراج ہے۔

---

[1] ان نظریوں کے نقائص کے لیے دیکھو نظریۂ سلطنت بلنچلی ج ۲ ص ۱۵۱۔

[2] حاضر العالم الاسلامی (جدید دنیائے اسلام ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ) امیر شکیب ارسلان ج ۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

اللہ اکبر آج کتنی عظیم و جلیل ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہا ہوں! احکم الحاکمین کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ایک ظلوم وجہول انسان اپنے دل کی امانت کو سالہا سال کی سچی عزیمت کے بعد اسلامی دنیا کے کروڑوں پریشاں حال مسلمانوں اور اس بدحال دنیا کے دوار ب سے زیادہ پامال انسانوں کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

کتنی خوش آئند ہے وہ توفیق جس کی قوت سے دنیا کے بڑے بڑے کام انجام تک پہنچتے ہیں، کس قدر خوشگوار ہے وہ تائید جس کی طاقت سے تاریخ عظیم کارناموں کو منظر عام پر لاتی ہے اور کس درجہ خوش وقت و خوش قسمت ہے علم و تحقیق کا وہ حوصلہ جو دنیا کی تمام نظر فریب اور دلگداز باطل داستانوں کو رد کر کے تنہا اس ایک حقیقت کو اپنے لیے پسند کرتا ہے، جو تمام اجتماعی ارادوں کی اصل اور حکومت کے فطری مطمحِ نظر کی حیثیت سے اصل الاصول ہے۔

"اسلام کا نظامِ حکومت" یعنی یہ کتاب اول سے آخر تک خدا کی عطا کردہ توفیق و تائید کا سرمایہ ہے۔ اس سے زیادہ اس کے متعلق کچھ کہنا انسانی کوششوں کی حقیقی تصویر کو مسخ کرنا ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی تاریخ خدا کی مرضی ہی کی تاریخ ہے۔

ہر کام خدا کی قدرت سے پورا ہوتا ہے اور خدا ہی کے قانون کے ماتحت اپنی صورت کا صحیح عکس دنیا کو دکھاتا ہے۔

یہ مجموعہ اگر عنوان اور نام کے اعتبار سے "اسلام کا نظامِ حکومت" ہے تو موضوع و مضمون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اعتبار سے اسلام کا نظامِ حکومت، دستورِ سلطنت اور نظریۂ سیاست ہے۔ نام کے اعتبار سے کسی قدر محدود اور موضوع کے لحاظ سے بڑی حد تک وسیع۔ یہ اس لیے کہ اصطلاح میں حکومت (گورنمنٹ) نام ہے قانون کی متحرک قوت کا۔ سلطنت (STATE) ریاست سے مراد وہ رقبۂ زمین (LAND - ارض) ہے جہاں انسانوں کی سیاسی تنظیم ایک اجتماعی ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ سیاست؟ وہ حکمتِ ارادی یا حکمتِ عملی ہے جس سے حکومت کا کارخانہ چلتا ہے۔ یہ تینوں مفہوم اس کتاب کا موضوع ہیں اور اسلامی مطمحِ نظر کے ان تینوں پہلوؤں سے کتاب کو یکساں تعلق ہے۔

جہاں تک حکومت کے قواعد و ضوابط اور طور طریقوں کا تعلق ہے اسلام پہلے دن سے انسانیتِ عامہ کے مناسبِ وقت فطری واجبات کو پورا کرتا رہا ہے، اس نے اجتماعی خدمت اور سیاسی حوصلہ مندی کے کئی دور دیکھے اور ہر دور میں اپنی ذمہ داریوں کا ساتھ دیا۔

ہماری اس بوڑھی دنیا کے زمانۂ طفلی میں اس کی ابتدا ہوئی اس کو پھلنا پھولنا نصیب ہوا، بالآخر وہ زمانہ آیا جس کو تکمیل و ترقی کا دور کہا جاتا ہے۔ ایک عام اور قوی الاثر نصب العین کی حیثیت سے اسلام کے ابتدائی رجحانات اور آخری دور کے ترقی یافتہ فاتح میلانات ایک ہی سلسلۂ تنظیم کے دو سرے ہیں جن میں سے ایک کا تعلق حسنِ آغاز سے ہے تو دوسرے کا تعلق حسنِ انجام سے۔

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اسلامی طرزِ حکومت، حکومت کی تخلیق کی ایک معروف تاریخی مثال ہے جو عصرِ آدم سے سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اپنے ارتقائی مدارج کے ساتھ معراجِ کمال پر نظر آتی ہے۔ اس کو فلسفہ و منطق کے پُرپیچ نظریات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ فہمِ انسانی کے لیے ایسی ہی سادہ سی شے ہے جیسا کہ اسلام فطرتِ انسانی کے لیے عام فہم اور سہل الحصول ہے۔

دنیا میں سب سے اچھی حکومت وہ ہے جو خداوندِ عرش کے قوانین کی تعمیل کرے جو سب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ انسانوں کی بہتری کا کام انجام دے جس کا مدار ایسے پسندیدہ اصولوں پر ہو جو انسانی فطرت اور قدرت کے ابدی قوانین سے مکمل مطابقت پیدا کر سکیں جس کے اصولوں اور سیاسی اعمال میں عدل و اعتدال اور یکسانیت پائی جائے۔ اس قسم کی حکومت کے قیام کے متعلق اسلام کے علاوہ آج تک کسی مذہب، کسی سوسائٹی، کسی قوم نے دعویٰ نہیں کیا۔

اسلام اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے اور دنیا کے ان انسانوں کو اپنے دعوے کی صداقت پر جمع کر سکتا ہے جو مثالی، معیاری اور اچھی حکومت کے طالب ہوں۔ عالمگیر امن اور عالمگیر بہتری کے لیے تڑپ رکھتے ہوں اور ہر قسم کے مذہبی، سیاسی اور اجتماعی تعصبات سے پاک و صاف ہو کر اس کے دعوے کی تنقیح کے لیے آگے آئیں۔

نئے زمانہ کا نظریہ کیا ہے؟ "یہ کہ سلطنت کا تخیل عالمِ خیال میں ایک اہم اور اکمل سلطنت کی جگمگاتی ہوئی تصویر پیش کرتا ہے جو ابھی تک عالمِ وجود میں نہیں آئی، مگر جس کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے"[1]

اسلام اس نظریہ کے مقابلہ میں آکر یہ کہتا ہے کہ یہ اہم و اکمل سلطنت عالمِ وجود میں آچکی ہے۔ اس کی جگمگاتی ہوئی تصویر موجود ہے اگر اس کو دیکھنا مطلوب ہو تو علم و تحقیق کے سچے حوصلہ سے بے تعصبی کا چشمہ لگا کر اس تصویر کو دیکھا جا سکتا ہے۔

کتاب کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس جگمگاتی ہوئی تصویر کا نقش دنیا کی عقل کے صفحات پر پیش کیا جائے چونکہ یہاں اس تصویر کے تصوری دائروں کو زیر قلم لانا مناسب ہو گا اس لیے اس طرف بھی مختصراً توجہ کرنا ضروری ہے۔

اسلامی نظام اور قدیم نظریے

ایک پاک نفس ضمیر عام انسانی تعقل کی گمراہی کے باوجود تحقیق کے اولیں مرحلہ پر یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اسلام کے اجتماعی تقاضوں میں ابتدا سے انتہا تک خدا پرستی، خدا ترسی، نظمِ انسانیت، عدل اور اعتدال کارفرما نظر آتا ہے۔ ہزار سال تک اسلامی

---

[1] نظریہ سلطنت طبلجی۔ مقالہ اوّل، باب اول صفحہ ۱۳، باب دوم صفحہ ۳۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظریات کا ایک مُسلّمہ طرز پر قائم و باقی رہنا ان کی صداقت کی ایسی دلیل ہے جس کی بنیاد محکم اور غیر متحرک نظر آتی ہے اور جس کے مقابلہ میں دنیا داری کے بے لگام اجتماعی تصورات نہیں آسکتے۔

عصرِ نمرود تاریخ کے قدیم ترین نظریوں کو دیکھیے ۲۰۰۰ قبل مسیح بابل میں ایک متمدن[1] حکومت نے اپنا جاہ و جلال دکھایا لیکن نتیجہ کیا ہوا فرمانروا نے اپنے سیاسی تشخصات میں اُلوہیت کا رنگ پیدا کر کے تمام رعایا کو عذاب میں مبتلا کر دیا اور وقت کے مصلح کو آگ کے غار میں جھونک دیا۔ کیا اسلام اس قسم کے باطل انسانی استبداد کو برداشت کر سکتا ہے؟ کبھی نہیں!

یونانی نظریہ آج سے دو ہزار سال قبل یونانی فلسفی ارسطو نے یہ تسلیم کیا کہ انسان ایک سیاسی حیوان ہے، اس دور میں اسکندر (یونانی) کے تصورِ حکومت پر غور کیجیے تاریخ کا بیان ہے کہ "وہ یونانیوں کے مردانہ جوش کا عقد ایشیائیوں کی زنانہ چستی سے کرنا چاہتا تھا[2]"۔ ایک براعظم پر دوسرے براعظم کے تفوق کی یہ مضحکہ انگیز مثال اسلام کے دور میں تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتی۔ مزید براں "یونانی سلطنت کو خود سلطنت کی غایت تصور کرتے تھے" "سلطنت اصل تھی اور جمہور اس کے ماتحت اجزاء، ہر فرد سلطنت کا خدمتگزار تھا سلطنت افراد کی خدمتگزار نہ تھی[3]"۔ اسلام اس طرزِ فکر کو بھی ایک لمحہ کے لیے گوارا نہیں کرتا۔

چین اور ہند چین کے قدیم پیشوا کنفیوشش[4] اور ہندوستان کے روحانی رہنما بدھ[5] کے تصوراتِ حکومت میں کچھ باتیں اچھی نظر آتی ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان میں تخلیقی یا تنظیمی دور کے فطری احکام کا

---

[1] تاریخ الامم طبری ج ۱ ص ۱۱۹ (حسینیہ مصر) رحمۃ للعالمین جسٹس سلیمان منصور پوری مقدمہ ج ۱ ص ۲۳
[2] نظریہ سلطنت بلیجلی ص ۲۷ [3] ایضاً ص ۳۲۱۔ [4] کنفیوشش کے نظریہ سیاسی کی رو سے مملکت کے سردار (فرمانروا) کو بیک وقت امیر اور حکیم (سلطان اور عارف) ہونا چاہیے۔ اس کی نظر میں معاشرہ کی اصلاح کا جو طریقہ ہے وہ اس طریقہ کے مطابق ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ (صلعم) نے آج سے تیرہ سو برس پہلے پیغمبر کی حیثیت سے اختیار فرمایا جس میں اصلاح گھر سے شروع ہو کر اجتماعی نظام اور تنظیم مملکت تک پہنچتی ہے (دیکھو انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس (دائرۃ المعارف مذہب و اخلاق) ج ۴ ص ۱۲)

(۵ بر صفحہ ۸)

www.KitaboSunnat.com

اثر ہو لیکن بعد کے زمانہ میں ان نظریات میں باطل تصورات کی اتنی آمیزش ہو چکی ہے کہ ان کو اس قانون کی برابر نہیں رکھا جا سکتا جس کا دامن اصل اصول کی حد تک پاک صاف ہے اور جس کی تاریخ کا بہترین دور آج تک مکمل اور محفوظ ہے۔

نظریۂ عجم | قدیم ایرانی، حکومت کو آسمانی منصب جانتے تھے لیکن ان کے تصورات کے قلعہ پر کمزور سمت سے باطل نظریوں نے اس طرح حملہ کیا جس سے آسمانی تصور زمین کی تہ میں اتر گیا پستی کی انتہا کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایرانی سکندر کو خدا کا برتر فرزند ماننے کے لیے تیار تھے[۱]

یہود و نصاریٰ | بنی اسرائیل کے تاریخی ادوار اپنی خوبیوں کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ سے متعلق ہیں، رہا عیسائیوں کا یہ تصور کہ خدا کی بادشاہت ابھی آئی نہیں، آنیوالی ہے اور یہود و نصاریٰ کے خیالاتِ مابعد لوان کی تردید تاریخ کے حوادث پوری طرح کر چکے ہیں[۲]۔

نظریۂ عصرِ حاضر | زمانۂ موجودہ کے جعلی نظریوں اور نمائشی طرز کو اسلام کے مقابلہ میں لانا بھی اصلاً غلط ہے کیونکہ اس طرزِ حکومت کی ہر شاخ، ہر شعبے اور ہر فیصلے میں قول و عمل کا اتنا اختلاف ہے جس نے دنیا کو نفاق سے بھر دیا ہے اور خدا کے آزاد بندوں کو غلامی اور بربادی کے عذاب میں ڈھکیل دیا ہے، اس زمانہ کی ستم ظریفی کی داد دینا مشکل ہے۔ عام انسانی فراست پر ماضی و مستقبل سے زیادہ اثر پڑتا ہے۔ زمانۂ حال کی بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے اس کے دعووں کی نمائش ایسے طریقوں سے ہو رہی ہے جو سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یورپ کے معزز نظامِ حکومت کی تاریخ میں اسلامی نظامِ سلطنت اور طرزِ حکومت کا شایانِ شان

(نوٹ صفحہ) [۵] دیکھو پاکٹ تاریخ ہندوستان۔ وشنداس ایم اے سینیر پروفیسر تاریخ دی بی کالج ڈیرہ اسمٰعیل خاں طبع لاہور ص ۲۱-۲۲ - مہاتما بدھ نے ۵۶۷ قبل مسیح برہمنی دور کی انانیت کو توڑ کر عوام الناس کے فائدوں کو مقدم رکھا سنسکرت کو پامال کر کے عام لوگوں کے لیے عام فہم پالی زبان کو رواج دیا اس مذہب کے حکمرانوں ماشوک (۲۷۳ تا ۲۳۲ ق م) اور کنشک (۱۲۰ ق م) نے پرہیزگاری اور انصاف کی حکومت کا اعلان کیا اور یہ اصول قائم کیا کہ کبھی دوسرے کے مذہب پرست وستم نہیں کرنا چاہیے

نوٹ صفحہ ہذا: [۱] نظریہ سلطنت شبلی ص ۲۷۔ [۲] دیکھو اسلام اور مسلمانوں کی حکومت (خلافت راشدہ) تفسیر القرآن العظیم حافظ عماد الدین ابن کثیر ج ۳ ص ۳۰۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر نہیں پایا جاتا۔

ترتیب و تدوین کے محرکات

مغربی مصنفوں نے سلطنت اور نظامِ سلطنت پر جو کتابیں ترتیب دی ہیں اُن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ معلومات کا رُخ دنیا بھر کے نظامہائے حکومت کی طرف ہے مگر معمولی غور و فکر کے بعد ہی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر مصنف تنگ نظری کے ساتھ ایک بہت ہی محدود دائرہ میں خامہ فرسائی کر رہا ہے۔ اس کو دنیا اور اقوامِ دنیا کے نظاموں اور نظریوں سے عمومی لگاؤ نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد صرف یونان، روما کے جھٹپٹے آثار سے گزر کر موجودہ یورپ کے نظر و ترتیب، قوانین اور ضابطوں کی تشریح اور ترتیب ہے۔ یورپ کے فضلاء (مستشرقین) نے ہم زبان ہو کر مختلف لہجوں میں اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ عصرِ حاضر کے علمی، صنعتی، سیاسی اور اجتماعی تنظیمات اسلامی دور کے اجتماعی عوامل کا ناگزیر نتیجہ ہیں[1] اس عام اعتراف کے بعد ہمیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یورپ کے نظامِ حکومت میں کتنے ضابطے ایسے ہیں جو اسلام کی عالمانہ قوت اور سیاسی تاریخ کا عطیہ ہیں، اس مرحلہ پر بیشتر مصنفین ایک سازشی بخل کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی فروگزاشت ہے جس نے علم و تحقیق کے دائرہ میں تصنیفی صداقتوں کو پامال کر دیا ہے

اس کتاب کی ترتیب کا ایک مقصد اس کمی کو پورا کرنا ہے، اس کے علاوہ حسبِ ذیل

---

[1] دائرۃ المعارف علامہ وجدی ج ۱ ص ۲۵۸۔۲۵۱۔ الاسلام والحضارۃ العربیہ ڈاکٹر کرد علی (تعلیقات) ضمیمہ ۱ (ج ۱ ص ۵۵) بحوالہ Jolivet castelat: La loi de l Histoire. (قانون التاریخ جولیوٹ کسٹلاٹ) ضمیمہ ۵ ج ۱ ص ۹۵) بحوالہ غزوات العرب موسیو رینو ۔۔۔۔ ضمیمہ (ج ۱ ص ۲۱۱)
ضمیمہ ۸ (ج ۱ ص ۲۲۴) بحوالہ السفر الفرانسیسی رینہ مارشل Rene Martial La ruce Française
ضمیمہ ۱۰ ج ۱ ص ۲۲۸ بحوالہ (نظریات یورپ اور تمدن یورپ۔ ڈاؤسن
Dawsan Les origines de l Europe et de la civilisation Europeenne Christopher.
ضمیمہ ۱۱ امریکہ میں عربوں کی نوآبادیاں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امور بھی اساسی وجوہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

(۱) صدیاں گزرنے کے باوجود اسلام کے نظامِ حکومت کا کوئی مکمل خاکہ مرتب نہیں کیا گیا۔

(۲) مسلمانوں نے سالہا سال سے اجتماعی میدان کو دوسری طاقتوں کے ہاتھ میں چھوڑ رکھا ہے، علمی دائرہ میں الٰہیات کی درس و تدریس ہمارا اصل نصب العین تھا۔ اس کے لیے ہم نے قابلِ تعریف کوشش کی لیکن ہمارے افکار و اعمال کی جولانگاہ میں اجتماعیات کو وہ درجہ حاصل نہ ہو سکا جو خدا کے پیغمبروں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں (خلفائے راشدینؓ) کے جہادِ حق سے حاصل ہوا تھا۔ غالباً ایسا ہونا قدرتی حالات کے تابع تھا۔ جب ہمارے اجتماعی اقتدار کے عالمگیر اختیارات ختم ہو گئے اور بیرونی دباؤ زیادہ ہو گیا تو ہمارے علماء کو مذہب اور سیاست کے درمیان مصنوعی فرق پیدا کرنے کے لیے اپنے مجبور و معذور ہاتھوں سے خط کھینچنا پڑا۔

(۳) خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کے دورِ حکومت نے فرمانروائی کا جو شخصی عنوان اختیار کیا اُس نے اسلامیت کی حقیقت پر پردہ ڈال دیا۔ علماء کو جزئی قوانین کا وسیع میدان ملا جس میں اُنھوں نے شاندار، قابلِ تعریف اور یادگار کارنامے کر کے دکھائے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت و سلطنت کے متعلق خلافتِ نبوی اور ریاستِ عامہ کے جو اصولی احکام تھے وہ آنکھوں سے اوجھل اور علم و تحقیق کی دسترس سے باہر ہو گئے۔ یہاں تک کہ صدیوں سے اس طرف کافی توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔

(۴) یورپ نے سلطنتِ روما کی شکست کا انتقام مسلمانوں سے لیا۔ مادی ارتقاء نے روحانیت کے قلعہ کے دروازوں کو بند کر دیا۔ سب سے پہلے سیاسی ارتقاء ایشیا اور شمالی افریقہ میں ہوا تھا۔ پھر یونان و روما کے زوال کے بعد مسلمان ہی تھے جنھوں نے یورپ کو علمی اور سیاسی میدان میں لا کھڑا کیا۔ یورپ نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا۔ اس کو یاد ہی

لہ نظریۂ سلطنت۔ ہلنچلی مقالہ (۶) ب ۶ ص ۳۶۳

www.KitaboSunnat.com

مذ رہا کہ اسلام کا نظام کوئی محدود ملکی، قومی نظام نہیں بلکہ انسانیتِ عامہ کا مقصد و منشا ہے۔ یورپ نے پہلے مسلمان حکومتوں کی قوت کو ختم کیا اور اس کے بعد اپنے اجتماعی طور طریقوں کی اس طرح نمائش کی کہ اسلامی حکومت اور طرزِ حکومت کا داعیہ خواب و خیال ہو گیا۔ ان طریقوں کے اجرا کے لیے جو حیب و سیلے اختیار کیے گئے اُنھوں نے ہماری زبان و قلم کو اجتماعیات کے میدان سے نکال دیا۔ قول و عمل کی احتیاط نے ایک مستقل بہانہ کی صورت اختیار کر لی۔ اس طرح جہادِ حق کے محاذ پر ہماری مقاومت کمزور ہو کر ختم ہو گئی اور ہم قانونِ عافیت کی پناہ لے کر جسم و جان کی حفاظت میں لگ گئے۔

(۵) اس زمانہ تک کسی کتب خانہ میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس کو گزشتہ چند صدیوں کے مطالبے کے جواب میں پیش کیا جائے۔ اور جس کو اسلام کے مکمل دستورِ حکومت کا نام دیا جا سکے۔

اسلامی حکومت کے تکوینی اور ارتقائی دور

اسلام کی نظر میں انسان ایک تکوینی وجود ہے اور سلطنت ایک تکوینی شے۔ انسان اور سلطنت کا تصور ایک ساتھ اور ایک زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں جس برتر وجود نے انسان کو پیدا کیا ہے اسی نے سلطنت کو پیدا کیا ہے، جو کارخانۂ عالم کا موجد ہے وہی کارخانہ حکومت کا موجد ہے۔ یہ نظریہ ہمارے اجتماعی تصور کی پہلی شاخ ہے، اس کا دوسرا پہلو جو پہلے سے زیادہ اہم ہے، یہ ہے کہ انسان اور حکومت کے وجود کی غایت، رجا اول پر اسی برتر وجود کی مرضی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور ایسی غایت ہے جس کا تعلق انسان کی بہتری سے ہے تو اس کا متعین کرنا بھی اسی بالا دست وجود کا کام ہے۔ جہاں تک اسلام کے نقطۂ نظر کا تعلق ہے ہم انسان اور حکومت کے تعلق پر اجتماعیاتِ قرآن کے مستند عالم امام راغب اصفہانی کی زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ "انسان[۱] بحیثیت انسان افضل ہے۔ صحیح علم اور عاقلانہ تدبیر یہ دو ایسے ستون ہیں

[۱] الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ، امام ابوالقاسم الحسین بن محمد بن المفضل الراغب الاصفہانی ص ۱۵-۱۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس سے انسان اخلاق و عمل کے دائرہ میں معراجِ کمال پر پہنچتا ہے۔ خدا کی حکومت کی غایت (اطاعتِ احکام) کو پورا کرتا ہے اور منجانب اللہ حکومت کی ذمہ داریوں کا مستحق ہوتا ہے"۔[1]

انسان اور حکومت کا یہ تعلق ابتدا سے انتہا تک ایک ہی عنوان کے ماتحت نظر آتا ہے۔ دنیا کے ہر نظریہ میں تغیر ہو سکتا ہے مگر اس تعلق میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہمیں جس بات کا علم ہے وہ یہی ہے کہ حکومت کے لیے جتنے عوامل کا ہونا ضروری تھا وہ سب سیاستِ الٰہی سے ایک ایک کر کے موجود ہو گئے۔ چونکہ حکومت انسانوں کی باہمی تنظیم سے بنتی ہے، اس لیے انسان پیدا ہوا، ربانی حکومت کے لیے رقبہ کی ضرورت تھی اس لیے روئے زمین نے صورت وجود حاصل کی، حکومت کے استحکام کے لیے وحدت و وفاق ضروری تھا اس لیے نظریۂ توحید نے اپنے عالمگیر اوصاف کو ظاہر کیا۔ حکومت کے کام اور نظام کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کے لیے صلاحیت مند افراد کی ضرورت تھی اس لیے پیغمبر کلمۂ حق بلند کرتے ہوئے دنیا میں آئے جن میں سے ہر پیغمبر خلیفۃ اللہ تھا[2] (حکومت کے کام میں اللہ کا نائب!)

بیشک ہم انسان اور حکومت کی تخلیق کا وقت متعین نہیں کر سکتے لیکن انسانی زندگی کے اچھے زمانوں کو مقصد کی وضاحت کے لیے مناسب عنوان سے تقسیم کر سکتے ہیں۔ ہمارے خیال میں انسان اور مذہب، انسان اور حکومت تخلیقی حقیقتیں ہیں اور ایک ساتھ تخلیق کی نمودگاہ میں ظاہر ہوئی ہیں۔ ہم اس اعتبار سے اسلامی حکومت کے زمانوں[3] کو ابتدائی، تنظیمی، اور اجتماعی ناموں پر تقسیم کرتے ہیں اور اپنے مقصد کا آغاز اسلامی دورِ حکومت سے کرتے ہیں۔

اسلامی دورِ حکومت | سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عصرِ ظہور (۵۷۱ء) سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دور تک اسلامی حکومت کا حقیقی اور اصطلاحی دور ہے[3]

---

[1] بحر المحیط ج ۱ ص ۱۴۰۔ [2] اسلام کے پیغمبروں کے تاریخی اور سیاسی آثار کے لیے دیکھو (الف) البدایۃ والنہایۃ حافظ عماد الدین ابن کثیر (ب) قصص الانبیاء استاذ عبد الوہاب۔ جامع ازہر۔ [3] البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲-۳۵۶ ج ۴-۵-۶-۷-۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عرصہ میں اسلام کی حکمبرداری کے قوانین، حاکمیت کے اصول اور حکومت کے طرز سے دنیا کو مکمل طور پر تعارف حاصل ہوا۔ گویا حکومت کا وہ نازک پودا جو عصر آدمؑ میں زمین پر قائم کیا گیا تھا اُس نے تجربات سے پورے طور پر نشوونما حاصل کرنے کے بعد ایک پُر ثمر اور بار آور درخت کی صورت اختیار کر لی، حکومت و سلطنت کا تصور ترقی کرتے کرتے درجۂ کمال پر پہنچ گیا، پرانی دنیا کے مرکز سے ایک ایسی حکومت اور قوم کا ظہور ہوا جو تمام قوموں اور حکومتوں کے مقابلہ میں بے مثال تھی یا اپنی مثال آپ! حکومت کے دائرۂ عمل میں ارتقائی عمل نے اپنا آخری کارنامہ دکھایا۔ آبائی معاشرے اور محدود قومیت نے وسیع حلقہ میں قدم رکھا، ساری دنیا کے لیے ایک فطری مذہب، ایک قدرتی نصب العین ایک ربانی حکومت کا خیال اس طرح نمایاں ہوا کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک عالمگیر نظامِ حکومت، عالمگیر تحریری قانون، عالمگیر قوم، عالمگیر صلاح و فلاح کے لیے بروئے کار آیا جس کی قوت سے نپولین کے قول کے مطابق "نصف صدی میں نصف دنیا کو فتح کر لیا گیا" اور ایک ایسی حکومت قائم کی گئی جس کے اصول اور عمل میں مکمل مطابقت تھی۔

مسلمانوں کا دورِ حکومت

دنیا نے ۴۱ھ ۶۶۲ء سے ۱۳۳۹ھ ۱۹۱۸ء (عہد بنی اُمیہ سے عہد خلافت عثمانیہ) تک حکومت کے جو شاندار اور قابلِ رشک مظاہرے دیکھے ہیں ہم ان کو مسلمانوں کا دورِ حکومت کہتے ہیں۔

اسلامی دور اور مسلمانوں کے دور کی حدود تاریخی اعتبار سے حسب ذیل ہیں:

اسلامی دور

خلافت الٰہی:۔ سید کونین پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابتی حکومت کا عہد با سعادت (۶۱۰ء سے ۱۱ھ ۶۳۲ء تک)

خلافت محمدیؐ دور اوّل:۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا عہد حکومت (۱۱ھ ۶۳۲ء سے ۱۳ھ ۶۳۴ء تک)

---

[1] عربی انسائیکلوپیڈیا۔ دائرۃ المعارف بستانی ج، صفحہ ۳۰۴ لفظ خلافت۔ دائرۃ المعارف وجدی ج ۶ الخلافۃ فی الاسلام ج ۶ ص ۴۳، ۶۲-۶۳، طبع ۱۹۲۳ء مصر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلافت محمدی دور دوم :۔ سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کا زمانہ امارت (۱۳ھ ۶۳۴ء سے ۲۴ھ ۶۴۴ء تک)

خلافت محمدی دور سوم :۔ سیدنا عثمان غنیؓ کا زمانہ امارت (۲۴ھ ۶۴۴ء سے ۳۵ھ ۶۵۵ء تک)

خلافت محمدی دور چہارم :۔ سیدنا علیؓ کا زمانہ امارت (۳۵ھ ۶۵۵ء سے ۴۱ھ ۶۶۱ء تک)

مسلمانوں کا دور | خلافت بنی اُمیہ : خاندان بنی اُمیہ کی حکومت دمشق میں ۴۱ھ ۶۶۱ء سے ۱۳۲ھ ۷۵۰ء تک)

امارت بنی اُمیہ اندلس میں (۱۳۹ھ ۷۵۶ء سے ۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء تک)

خلافت عباسیہ عباسیوں کی حکومت (۱۳۲ھ ۷۵۰ء سے ۶۰۵ھ ۱۲۰۸ء تک)

خلافت فاطمیہ۔ فاطمی شیعان علی کی حکومت مصر اور ممالک بربر میں ۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک

خلافت عثمانیہ۔ عثمانی ترکوں کی حکومت[1] ۶۹۹ھ ۱۲۹۹ء سے ۱۳۳۹ھ ۱۹۱۸ء تک

مغلیہ سلطنت۔ ہندوستان میں مغلوں کی حکومت ۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک

موجودہ دور کی مسلم حکومتیں بھی اس تاریخی سلسلہ میں داخل ہیں۔

اسلام اپنے ابتدائی دور سے اسلامی دور تک جن سیاسی نظریات کو پیش کرتا رہا ہے ان سب کا تعلق اس کتاب کے موضوع سے ہے اس تعلق کے پُرجوش اور حاصل خیز نظارے جا بجا صفحات پر نظر آئینگے لیکن اصل اور اساسی موضوع یہ ہے کہ اسلامی دور کے طرزِ حکومت کا خاکہ پیش کیا جائے اور یہ نمایاں کیا جائے کہ اس منزل میں اسلامی نظریات کیا ہیں اور دنیا کے نظریات کے مقابلہ میں اسلام کے اساسی دستور کا کیا درجہ ہے۔ مسلمان حکومتوں کا دور نہ تو پوری طرح موضوعِ کتاب کا حصہ ہے اور نہ موضوعِ کتاب سے بالکل خارج، بلکہ یہ دور اسلامی دور کے آثار ما بعد میں داخل ہے۔ ان آثار کو قطعاً نظر انداز کرنا نامناسب ہوتا۔ اس لیے مناسب مواقع پر ان سے بھی امداد لی گئی ہے۔

---

[1] دائرۃ المعارف بستانی ج ۶ ص ۹۶ طبع بیروت ۱۸۸۲ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کا نظامِ حکومت انسان کے اجتماعی نظم پر مبنی ہے اس کے اعلان و اظہار کے لیے اس زمانہ سے بہتر دوسرا زمانہ نہیں آئیگا۔ ایشیا نے یورپ کو مذہب عطا کیا تھا اب اس کو حکومت کا طرز اور سلیقہ بھی عطا کرنا چاہیئے۔ اگر یورپ کے علم، صناعی (سائنس) اور عقلی عروج کو اسلام کے ربانی نصب العین کے ماتحت کر دیا گیا تو یہ عالمگیر امن، عالمگیر مساوات، عالمگیر آزادی اور عالمگیر حکومت کا پہلا دن ہوگا جس پر انسانی تاریخ ناز کریگی۔

مناسب طریق کار اس اہم مقصد کے لیے حکومت کا دستور مرتب کرنا ایک انسان کا کام نہیں جماعت کا کام ہے جماعت بھی وہ جو اسی فرض سے بالکل وابستہ ہو جائے۔ اس ذمہ داری کو نصب العین قرار دے کر دائرہ کار میں داخل ہو، اس کے ارکان مدتوں یکجا رہیں۔ ایک کتب خانہ کو اپنے لیے مرکز فکر تصور کریں۔ اسلامی آثار اور اسلام کے مستند علماء اجتماعیات کی کتابوں کا مطالعہ خاص اسی نقطۂ نگاہ سے کریں۔ ہر مطالعہ کے بعد اپنے افکار کو سمیٹیں باہم ملیں، مل کر مسلسل بحث کرکے علم و تحقیق کی قوت سے ایک قطعی راہ پیدا کریں۔ جو نظریہ ثابت ہو جائے اُس کو لکھ لیا جائے۔ جب تمام نظریات گہرائی کی موتی کی طرح سطح پر آجائیں تو اُن کو اس سلیقے سے جمع کر دیا جائے کہ اگر اس مجموعہ کو دنیا کی ترقی یافتہ غیر مسلم اقوام کے دل پر رکھ دیا جائے تو اُن میں سے ہر ایک اس کو اپنے دل کی امانت تصور کر سکے۔ اس کام کے لیے عظیم سرمایہ، زبردست محنت، محکم عزم، مسلسل مصروفیت، سازگار ماحول اور ممکن وقت کی ضرورت ہے۔ میری روح ۱۹۲۳ء سے اس وقت کی منتظر ہے۔ جب تک ہماری ان ضرورتوں کا شیرازہ پریشان ہے۔ ہمیں اس وقت سے پہلے ان تمام کوششوں سے واسطہ رکھنا پڑیگا جو اسلام کے عظیم الشان اجتماعی سرمایہ کے مدفون خزانہ کو بے خبری کی تہ سے علم و تحقیق کی سطح پر لا رہی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش نظر کتاب اسی سلسلہ کی مضبوط کڑی ہے، اس کی ترتیب میں خدا کی زبردست تائید کا حقیقی حصہ ہے۔ اس کے بعد سالہاسال کے مضبوط عقیدے، مدتوں کے سیاسی اور اجتماعی ذوق۔ ابتدا کی صحیح رہنمائی اور انتہا کی بیحد و نہایت مصروفیت کا بڑا دخل ہے، کتنے دن تھے کہ راتوں سے جا ملے اور کتنی راتیں تھیں کہ صبح کی سرحد میں داخل ہو کر ختم ہوئیں، جاگتے ہوئے کتابوں کے ذخیرے نے فرصت نہ دی اور سوتے ہوئے دل و دماغ کی بیداری سے مہلتِ خواب میسر نہ ہوئی۔ ضرورت تھی کہ یہ عظیم مقصد روح کی پوری توجہ کو جذب کرلے اس ضرورت کے لیے ان تمام میلانات کو چھوڑا جن کا تعلق سیاسیات سے تھا اس سے زیادہ شخصی زندگی کا جو عنصر مانع آیا خواہ وہ کتنا ہی عزیز تھا مگر اس سے بھی کنارہ کشی کو حقِ ترجیح حاصل ہوا۔ اس تمام تفصیل کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب میں بہت کچھ ہے مگر ابھی اس میں بہت کچھ شامل ہو سکتا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس موضوع پر اس قسم کی کوئی کتاب آج تک اس طرز پر نہیں لکھی گئی۔

چونکہ اس کتاب میں اسلامی نظامِ حکومت کے تمام عناصر اور آئینِ مملکت کا مکمل خاکہ موجود ہے اس لیے اگر اس کو ایک مکمل عمارت قرار دیا جائے تب بھی یہ کہنا مناسب ہوگا کہ تعمیر کی وضع و ساخت میں ترقی کی گنجائش پائی جاتی ہے۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ کہنا بھی بجا ہوگا کہ اس کتاب میں مستند معلومات کا جو ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے اور اس سے جو نتائج پیدا کیے گئے ہیں وہ آنے والے دور کے مصنفین اور علماء قانون کے تصنیفی کام کے لیے مأخذ قرار پا سکیں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کا مفہوم

دنیا میں سب سے بڑی قوت مذہب ہے، اور اس کے بعد حکومت، حکومت کا لفظ زبان پر آتا ہے تو سب سے پہلے اپنی عظمت کی حکایت بیان کرتا ہے۔ کانوں پر اس کا سنگین اثر پڑتا ہے، دل اس کے رُعب کو محسوس کرتا ہے۔ دماغ پر اس کا دباؤ پڑتا ہے اور مغرور عقل بھی تھوڑی دیر کے لیے اس کی قیدی نظر آتی ہے۔ حکومت اپنے دائرۂ عمل میں کتنی عظیم الشان اور حیرت انگیز چیز ہے؟ اس کو ظاہر کرنے کے لیے صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ دنیا کی نظر میں جس قوم کے پاس حکومت ہو اُس کے پاس سب کچھ ہے اور جس کے پاس حکومت نہیں اس کے پاس اول تو کچھ ہے ہی نہیں، اگر کچھ ہے بھی تو برائے نام!

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کی بُنیادی تعریف اور اس کا مفہوم کیا ہے؟ جہاں تک انسانی نظریہ کا تعلق ہے پانچویں صدی (۵۰۰ء) قبل مسیح کے یونانی مقننین اور چوتھی صدی قبل مسیح (۳۰۰ء ق م)[1] کے رومی علماء قانون کے زمانہ سے لے کر آج تک تمام فلاسفر (فلاسفہ) حکومت کے طور طریقوں کے متعلق ہم آہنگ نہیں ہیں۔ البتہ حکومت کے اس نام نہاد اصل مفہوم پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ایک ایسی ہیئت حاکمہ کی شکل میں رونما ہوتی ہے۔ جس کی تنظیم انسانی افراد کی اجتماعی تصویر اور تدبیر سے ہوتی ہے یعنی جہانبانی اور جہانداری کا وہ عزم جو زمین کے کسی مخصوص حصہ میں ایک ہیئت حاکمہ اختیار کر لیتا ہے اور اس ہیئت

---

[1] ۳۰۰ء ق م۔ ابن کثیر ج ۶ ص ۱۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اس کا اختیار و اقتدار پورا پورا کام کرتا ہے[1]۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی ہر سیاسی اور اجتماعی ہیئت کی ایک غرض ہوتی ہے جو اس کے کاموں اور کارناموں کی غایت سمجھی جاتی ہے۔ یہ غایت ماحول کے تقاضوں، نیک ارادوں اور سچی امیدوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیتی ہے۔ خواہ اس غایت کا ظہور کتنی ہی سادہ صورت میں کیوں نہ ہو۔ اس کے ادراک اور متعین صورت میں محسوس کرنے کے لیے ایسے مسلسل کاموں اور پیہم کوششوں کا وجود میں آنا ضروری ہے جو بلند فراست اور صحیح تدبر کا نتیجہ ہوں۔ سیاستداں اور سیاست کار اصحاب کی وہ جماعت جو انسانی ہیئت کی غرض و غایت کا صحیح ادراک کر سکتی ہو، تمام کاموں کو ایک دائرہ پر حرکت دے سکتی ہے۔ اور جو اپنے تدبر کو اس طرح بروئے کار لا سکتی ہو کہ اس کی کاوش سے اجتماعی ہیئت بن جائے۔ ہماری سیاست کی اصطلاح میں اسی کوشش و کاوش کو جس کا مصدر ارادہ ہے **حکومت** کہتے ہیں۔ اس تعریف کی رو سے حکومت کا سرچشمہ حکم ہے۔ جو جماعت حکم کے منبع سے سیراب ہوتی ہے وہ حکومت ہے[2]۔ یا وہ طاقت جس کے ارادہ اور کلام سے انسانی سیاست کی اجتماعی مشین چلتی ہے۔

دنیاوی حکومت کی تعبیر اور تشریح کے متعلق علمائے قانون کی رائے ایک نہیں ہے۔

(۱) **افلاطون** کہتا ہے "حکومت کی اصل خوبی یہ ہے کہ اس کے دائرہ میں قوم کے ہر فرد کو وہ درجہ حاصل ہو جس کا وہ مستحق ہے اور جس کے ماتحت اس کی استعداد منظرِ عام پر آسکے۔ قوم کا ہر فرد ایک احتیاج رکھتا ہے۔ حکومت کی ذمہ داری یہ ہے وہ اس کو پورا کرے[3]۔"

احمد امین افلاطون کی اس رائے کی پیشبندی کرتے ہوئے لکھتے ہیں "حکومت قانون اور نظم کی وہ اعلیٰ ہیئت ہے جو قوم کے ہر فرد کی ذاتی ترقی کے لیے مرکز اور منشار بنتی ہے اور ایک

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۱ ص ۹۔ دیکھو گورنمنٹ"۔ نظریہ سلطنت۔ جے کے بلنچلی۔ باب اول ص ۱۴۳،۱۴۲
دائرۃ المعارف (فرید وجدی) ج ۳ ص ۴۷۳ "الحکومۃ" [2] دائرۃ المعارف۔ پطرس بستانی
(لفظ حکومۃ) ج ۷ ص ۱۳۲ [3] کتاب الاخلاق احمد امین مصری ص ۲۸۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آسان وسیلہ کی حیثیت اختیار کر کے قوم کے تمام طبقوں کی طبعی استعداد کے سدھار کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے جس حکومت میں قوم کے ہر شخص کو اس کا حق ملجاتا ہے تو وہ ایک متوازن سوسائٹی کے قیام کا موجب بن جاتی ہے[۱]"

(۲) ارسطو نے حکومت اور متعلقاتِ حکومت کو ایک خاص حکیمانہ ترتیب سے بیان کیا ہے " دنیا ایک باغ ہے، حکومت اُس کا باغبان۔ حکومت ایک طاقت ہے اور قانون اس کے بل پر زندہ رہتا ہے۔ قانون ایک سیاست ہے، حکمراں اس کو چلاتا ہے۔ حکمراں ایک نظام ہے، فوج اس کی قوت بنتی ہے۔ فوج مددگار ہے اور مال فوج کی امداد کرتا ہے۔ مال ایک سرمایہ ہے جس کو عام رعایا جمع کرتی ہے۔ رعیت زبردست غلام ہے جو انصاف کے سایہ میں رہتی ہے۔ انصاف ایک جوہر ہے جس سے دنیا کا نظام قائم ہے[۲]۔ ارسطو کی نظر میں عقل کی بہترین ایجاد بہترین حکومت ہے[۳]۔

(۳) ابن خلدون کی نظر میں ملک زندگی کا طبعی مرکز ہے۔ جہاں انسانی ضرورتوں نے قدرتی اہمیت حاصل کر لی ہو۔ انسان عادۃً اقتدار پسند ہے۔ حکومت انسان کی اُس حیوانی قوت کا اثر ہے جس کا رجحان غلبہ کی طرف رہتا ہے اور جو انسان کے اندر بجائے خود موجود ہے[۴]

تاریخ میں حکمائے اسلام کی ایک مستقل جماعت ایسی پائی جاتی ہے جو حکومت کی حقیقت اور اصل مفہوم پر قانونی انداز میں روشنی ڈالتی ہو، ان کے نظریوں کا ذکر اسلام کے حکومتی رجحان کے ماتحت آئیگا۔ یہاں صرف ایک رائے کا پیش کر دینا کافی ہے، یہ رائے ایک مستقل اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ موجودہ دور کے تمام ترقی یافتہ نظریوں سے بہت پہلے فلسفۂ

---

[۱] کتاب الاخلاق احمد امین مصری ص ۲۸۳ [۲] کتاب السیاستہ ارسطو (بحوالہ) دائرۃ المعارف پطرس بستانی لفظ السیاستہ ج ۱۰ ص ۲۷۴ (مطبوعہ بیروت ۱۸۹۸ء) [۳] ایضاً ج ۳ ص ۱۸۰ (ارسطو) [۴] کتاب العبر ابن خلدون (۸۰۸ھ) ف امامت و خلافت ص ۱۳۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانون کے ایک مسلمان عالم نے اس کو پیش کیا ہے۔

علامہ ابو البقاء جو گیارہویں صدی ہجری میں امام ابوحنیفہ کے قانونی طبقہ کے ایک ممتاز رکن اور قانونی اصطلاحات کے مانے ہوئے شارح قرار دیے گئے ہیں حکومت کی بنیادی تعریف لغت کی امداد سے ان الفاظ میں کرتے ہیں[1]

"حکم اور امتناعِ حکم کی صورت میں ایک ایسا تصرف جس کا مقصد و منشا اصلاح ہو"

اس تعریف کی رو سے حکومت اور حکومت کے فعل کا فرق صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ ایک تنظیمی ہیئت یا ایک مرکز قوم کو کہتا ہے۔ ایسا کرنا چاہیے اور ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اس مرکز کا وہ اصلاحی ارادہ یا حکمتِ ارادی جس کا تصرف امر و نہی کی صورت میں صادر ہو رہا ہے حکومت ہے یا حکومت کی اصل اور جو باتیں اس تصرف کے نتیجہ میں بر روئے کار آ رہی ہیں وہ حکومت کا فعل ہے یا اس کی حکمت عملی۔

عصرِ جدید کے سرکردہ علمارِ قانون اور فلاسفہ میں ژان ژاک روسو اپنی فکر کے اعتبار سے ابن خلدون اور ابی البقار کی تصریح سے قریب ہے اور پستالوزی ابن خلدون کے نظریہ کا مقلد نظر آتا ہے۔

روسو[2] کا نظریہ:- روسو کے نزدیک سلطنت کی بنا معاشرۃ پر ہے۔ ایک مجتمعہ گروہ یا شہریوں کی تعدادِ کثیر جو ایک سلطنت کے قیام کے لیے باہم متفق ہو گئے ہوں، مملکت کی اعلیٰ طاقت کا مظہر ہے، اور حکومت کی بنیاد[3]۔ روسو یہ بھی کہتا ہے کہ ہر آزاد فعل کی طرح حکومت کا صدور دو اسباب سے ہوتا ہے، ارادہ[1] سے اور قوت[2] سے۔

---

[1] کلیات ابوالبقار ص ۲۰۸ مطبوعہ عامرہ ۱۲۸۶ھ۔ یہ کتاب اسلامی قانون کے اصطلاحی الفاظ کی مستند کتاب ہے۔ اس کا نام کلیات العلوم بھی ہے۔ موجودہ دور میں انسائیکلوپیڈیا کا لفظ جس مفہوم میں بولا جاتا ہے اسلامی عہد میں اس کے لیے کلیات العلوم کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ ابوالبقار الحسینی الکفوی (م ۱۰۹۵ھ)

[2] ژان ژاک روسو (Rouseau) (۱۷۱۲ء تا ۱۷۷۸ء) [3] علامہ ابن خلدون اور روسو کے نظریہ کی یکسانیت کے لیے دیکھو مقدمہ کتاب العبر ف ۱ ص ۲۵ ف ۲۵ ص ۱۵۰ مطبوعہ مصر۔ نظریہ سلطنت بلنچلی۔ مقالہ دوم باب ۷ ص ۱۰۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) وہ ارادہ جو حکومت کا تعین کرتا ہے۔

(۲) وہ قوت جو حکومت کے وجود کو عمل میں لاتی ہے۔

ارادہ کیا ہے ——— قانون سازی کا اختیار۔ قوت کیا ہے ——— عاملانہ اختیار۔

حکومت ان دونوں چیزوں کی باہمی ترکیب سے بنتی ہے۔ اگر سوال کیا جائے حکومت کا اصل مفہوم کیا ہے تو کہا جائیگا ——— ملکی قوت کے لیے ایک موزوں عامل، ایک کارفرما ہیئت جو قوت کو ایک مرکز پر لا کر ارادۂ اجتماعی کے مطابق استعمال کرے سلطنت اور فرمانروا کے درمیان واسطہ کا کام دے۔ سیاسی ہیئت میں وہ بات پیدا کر دے جو انسان میں روح اور جسم کے اتحاد سے پیدا ہوتی ہے۔ مملکت کے اندر حکومت کا اصلی کام یہی ہوتا ہے جسے غلطی سے فرمانروا کا کام سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ حکومت فرمانروا نہیں ہے بلکہ فرمانروا کا عامل اور کارندہ ہے[1]۔

پستالوزی کا نظریہ | پستالوزی حکومت کے کاروبار سے کچھ مایوس ہے۔ اس کا خیال ہے کہ[2]:-

حکومت اور فرد کا تعلق بالکل ایک حیوانی تعلق ہے۔ فرد اپنے آپ کو حکومت کے تحت اس لیے نہیں لاتا کہ وہ ایک اخلاقی فریضہ ہے یا خدا کے احکام انجام دینا چاہتا ہے بلکہ حکومت کی اطاعت اس لیے کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو پورا کرے اور اپنے دن چین سے گزارے۔ حکومت کیا ہے؟ اخلاق کی روح نہیں قوت جس کا تعلق حیوانی خواہشات سے ہے[3]۔

لارڈ برائس کی رائے | مشہور انگریزی قانون داں وائی کاؤنٹ جیمس برائس (James Bryce) نے اپنی کتاب موڈرن ڈیماکریسی میں مغربی جمہوریت کی تاریخ پیش کرتے ہوئے جو کچھ سپرد قلم کیا ہے اُس سے بھی حکومت کے لفظ کا مفہوم متعین کرنے میں امداد ملتی ہے[4]: ایک سیاسی طاقت جو شخص یا جماعت اس سیاسی طاقت کو استعمال کرتی ہے وہ حکمران ہے۔ اگر ایک شخص اس سیاسی طاقت کا سربراہِ کار ہے تو حکومت شخصی ہوگی، اگر یہ سیاسی طاقت عوام کے

---

[1] معاہدۂ عمرانی روسو (جامعہ) ص ۱۲۰ تا ۱۹۹ [2] پستالوزی مصنفہ ڈاکٹر عبدالحمید ایم اے۔ پی ایچ ڈی (جامعہ) باب ۲ ص ۱۰۶۔ [3] موڈرن ڈیماکریسی جیمس برائس باب ۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ میں ہے تو حکومت جمہوری ہوگی۔

علامہ وجدی کی تصریح عربی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) کے مصنف فرید وجدی حکومت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"وہ ہیئت یا جماعت جو قوم پر حکومت کرتی ہے اور قوم ہی کے افراد سے بنتی ہے"[1]

شروانی کی تصریح پروفیسر ہارون خاں شروانی اُردو زبان کے مستند سیاسی مصنف کی حیثیت سے حکومت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے عصرِ حاضر کا "تازہ ترین اور عام فہم نظریہ" پیش کرتے ہیں:

"مملکت؛ انسانوں کی منظم سیاسی ہیئت کا نام ہے اور حکومت اس کل کا نام ہے جس کے ذریعہ سے مملکت کے کاروبار انجام کو پہنچتے ہیں، گویا مملکت ایک ادارہ ہے اور حکومت اس ادارہ کا آلۂ کار ہے"[2]

حکومت کی پہلی تقسیم

دینی حکومت ــــــ دنیاوی حکومت

حکومت کی اولین تقسیم دو مستقل نظریوں پر مبنی ہے۔ نظریۂ دینی اور نظریۂ دنیاوی۔ ان دونوں نظریوں کا نام نظریۂ ربانی ــــ اور ــــ نظریۂ انسانی بھی ہو سکتا ہے۔

نظریۂ دینی وہ مثالی حکومت جو قانون سازی، اجرائے قوانین اور نفاذِ احکام کے دائرہ میں انسانیت عامہ کے ضوابطِ اجتماعی سے متاثر ہو، ایک بلند اور برتر وجود کے مافوق بالادراک آئینی اقتدار، قانونی بالادستی اور حقِ قانون سازی کا زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اعتراف کرتی ہو، اپنے تمام سیاسی افکار و اعمال میں مذہب کی حاکمیت کو ایمان و یقین کا معیار قرار دیتی ہو، نظریۂ نبوت و آخرت پر ایمان رکھتی ہو ــــ مادی عناصر کے لیے روحانی عوامل کو بشریت کی اصلاح اور ترقی کا واحد

[1] دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۳ ص ۳، ۴ لفظ الحکومۃ (دوسرا ایڈیشن) از پروفیسر ہارون خاں شروانی

[2] مبادی سیاسیات۔ ب ص ۲۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذریعہ تصور کرتی ہو، اور سب سے پہلے اور سب سے آخر اللہ کو کارخانۂ عالم اور کائنات کے اجتماعی نظام کا موجد اور اُس کے طاقتور ارادہ کو متصرف سمجھتی ہو ـــــ ایسی حکومت کا ظہور جہاں کہیں ہو اور جب کبھی ہو اس کو نظریۂ دینی اور نظریۂ ربانی کی حکومت قرار دیا جائیگا۔

نظریۂ دنیاوی | وہ حکومت جو اپنی وضع و ساخت میں خدائی پیغام کی برکت سے محروم ہو جس کے قوانین، ضوابط اور احکام کے بنانے اور بگاڑنے میں تنہا اور تنہا انسان کے دماغی پندار اور عقلی غرور کا دخل ہو، جو دنیا میں ہوا کے رُخ پر بگڑی ہوئی گھڑی کے پنڈولم کی طرح کبھی اِدھر کبھی اُدھر حرکت کرے، کبھی آہستہ کبھی تیز، کبھی متحرک اور کبھی ساکن ہو، جو دنیاداری کے خالص مادی حوائج پر مبنی ہو، جس کا مدار نفس کی آزاد خواہشیں ہوں۔ ظلوم وجہول انسان کے بے مہارارادے بے فیض اعمال اور بے قید علوم وفنون ہوں، ایسی حکومت دنیاوی طرز کی حکومت ہوگی جس کو انسانی حکومت کا خطاب دینا بھی صحیح ہے۔

مختصر یہ کہ حکومت اگر دین کی ازلی وابدی صداقتوں کے ماتحت ہو تو دینی ہے اور اگر صرف دنیاداری کے لیے ہو تو دنیاوی ہے۔ حکومت کا سب سے بڑا کام انسانیت عامہ کی وصلاح ہے۔ اگر یہ کام مذہب کی اصلاحی حکمت عملی کے ماتحت کیا جائے اور مقصد دنیاداری کے علاوہ اور کچھ نہ ہو تو حکومت دنیاوی ہوگی۔

اگر دریافت کیا جائے کہ دونوں نظریوں کا سرمایۂ امتیاز کیا ہے تو کہا جائے گا کہ جو باتیں مذہبی حکومت کے آئینہ میں جوہر کی طرح جھلکتی ہیں دنیاوی حکومت میں ان کا نظر آنا دشوار ہے اور جو نمائشی طور طریقے دنیاوی حکومت کے دلآویز جسم کو آراستہ کرکے اہلِ دنیا کی ظاہر بیں نگاہوں کو وقتی طور پر مسحور کرتے ہیں مذہبی حکومت کا دامن ان سے پاک صاف رہتا ہے۔

ہمارے علماء اجتماع اور یورپ کے علماءِ سیاست[1] دونوں اس تقسیم کو تسلیم کرتے ہیں۔

ہمارے علماء نے اسلام کے نظامِ حکومت کو تفصیلی موشگافیوں سے اس طرح دور رکھا ہے

---

[1] نظریۂ سلطنت بلنچلی۔ م ۳ ب ۴ ص ۲۵۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس طرح اسلام ہر قسم کی پیچیدگیوں سے دور ہے تاہم اوّل اوّل دوسری تیسری صدی ہجری میں ان کا قاعدہ یہ رہا ہے کہ وہ امارت و امامت کے اصولی تصورات اور متعلقات کو احادیث کی امداد سے جمع کر دیتے تھے۔ اس دور کی نمایاں مثال امام ابو عبید کی تصنیف ہے جس میں امارت کی احادیث کے بعد اسلام کی مالیاتِ عامہ کے مختلف پہلوؤں کو تیسری صدی میں پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے دور میں حکومت اور اخلاق کے قوانین اور جزئیات کو جمع کر دیا جاتا تھا اور کبھی کبھی تاریخ کے واقعات بھی اس کے ساتھ شامل کر دیے جاتے تھے۔ علامہ ابو الحسن ماوردی کے اجتماعی اور سیاسی آثار، امام ابو الحسن راغب اصفہانی کے نظریات اور علامہ ابن خلدون کی تمدنی تحقیقات اسی سلسلے سے تعلق رکھتی ہیں۔

ہمارے علماء کا قاعدہ یہ رہا ہے کہ وہ اصولاً دینی تصورِ حکومت سے بحث کرتے ہیں اور ضمنی طور پر دنیاوی حکومت کا نام لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہبی حکومت اصلی اور حقیقی شے ہے اور دنیاوی حکومت اس کی بگڑی ہوئی تصویر۔ ربانی حکومت ایک اصلاح ہے اور انسانی حکومت اس کی خرابی۔ ربانی حکومت ہمیشہ فرد کی اصلاح اور جماعت (سوسائٹی) کی ترقی پر متوجہ رہتی ہے۔ انسانی حکومت اس نیک کام کو برباد کر کے اپنی غلط کاریوں کا تخت بچھاتی ہے۔ جب زمانہ کا انقلاب قدرت کی اجازت سے انسانی اختراع کا خاتمہ کر دیتا ہے اور اس کی خرابیاں اپنے اندرونی اور بیرونی دباؤ سے حکومت کی اجتماعی ہیئت کو متزلزل کر دیتی ہیں تو مذہبی حکومت، انسانیت، اخلاق، تمدن اور ابدی قوانین کی قوت سے بگڑے ہوئے نظام کو بدلنے کے کام پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتی ہے۔

ہمارے علماء کی کتابوں سے یورپ نے جو استفادہ کیا ہے، اس کا اعتراف وہ علمی ذخیرے ہیں جو یورپ کی الماریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ جدید یورپ نے کمال دلیری سے ہمارے تاریخی، اجتماعی، سیاسی اور قانونی ذخیرے سے استفادہ کیا لیکن جب سیاسی نظریوں کی جدید تنظیم کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے استادوں کے جواب میں جو راہ اختیار کی اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو محتاط اور نامعلوم جوابی حملہ قرار دینا بجا ہوگا۔ اس سلسلہ کی پہلی کوشش تو یہ نظر آتی ہے کہ کار آمد مواقع پر قرونِ وسطیٰ اور موجودہ عہد کے درمیان اسلام کے سیاسی دور کے جو نقوش موجود ہیں اُن کو درمیان سے نکال دیا جائے۔ اور دوسری کوشش یہ کی گئی کہ انسانی نظریۂ حکومت کو بحث کا اصل موضوع قرار دے کر علم و تحقیق کے لیے چھانٹ لیا گیا اور مذہبی تصورِ حکومت کو ضمنی حیثیت دے کر اعتراضات کی فرودگاہ بنایا گیا، اور معمولی انداز میں ذکر کرنے کے بعد نظر انداز کر دیا گیا۔

علامہ ابن خلدون[1] ہمارے علماءِ اجتماعیات میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے دونوں نظریوں کا جائزہ لے کر آج سے پانچ سو سال قبل ربانی نظریہ کے سرِ اقتدار کو اونچا کیا ہے۔

علامۂ محترم اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں[2]:۔

"انسانوں کی لازمی اجتماعی ہیئت حکومت کی حقیقت ہی، اس کا مطمح نظر غلبہ اور قہر و جبر اور تشدد ہے۔ یہ دونوں رخ انسان کی غضبناک فطرت اور حیوانی سرشت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان صفات کی موجودگی میں ایک حکمراں اکثر و بیشتر حق سے دور ہو جاتا ہے۔ فرمانروا کا ماتحتوں کے معاملات، مطالبات، اُمیدوں اور خواہشوں میں دخیل کار ہونا، مقاصد میں اختلافی صورتوں کا ظہور میں آنا۔ رعایا کا وفاداری کے قانون کی اطاعت سے انکار کر دینا، پارٹیوں کا پیدا ہونا، جماعتی خود غرضی کا ظاہر ہونا اور خونی انقلاب کے لیے آمادہ ہو جانا۔ یہ سب ایسے امکانات ہیں جو حکومت کی سرگرمیوں سے زیادہ دور نہیں رہتے یہی وہ منزل ہے جہاں سے قانونِ حکومت کا عمل شروع ہوتا ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو حکومت اپنے استحکام کو قائم نہیں رکھ سکیگی۔ حکومت کی قانون سازی کا یہ کام اگر عقلِ انسانی انجام دیتی ہے تو حکومت عقلی سیاست کے ماتحت قائم ہوتی ہے اور اگر اللہ کی جانب سے کسی ایسے

---

[1] ابن خلدون ۷۳۲ھ۔۸۰۸ھ (۱۳۳۲ء۔۱۴۰۲ء)

[2] مقدمہ کتاب العبر ابن خلدون فصل ۲۵ (خلافت و امامت) ص ۱۵۸۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص کی معرفت فرض کی شکل میں عائد ہوتی ہے جو قانون سازی کا مظہر اور شارع ہے تو حکومت کے لیے دینی سیاست کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ جو حیاتِ دنیا اور ثباتِ آخرت میں مفید اور کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ دینی سیاست کی اہمیت کا نقطہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیقی زندگی کا مقصد صرف دنیا نہیں ہے۔ دنیا میں اس وقت بظاہر حیات موثر ہے مگر یہ حیات موت کی حد پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس زندگی کا مقصود عارضی زندگی سے بلند ہے۔ زندگی کا اصل مقصد منشاء دین ہے۔ نام کا دین نہیں بلکہ وہ دین جو ہم کو ارتقائی راہ سے انجام کے مرکز (کمالِ آخرت) پر پہنچا سکے۔"

شریعتیں اور سلسلۂ انبیاء

جب مذہب کے ساتھ شریعت کا نام لیا جاتا ہے تو اس سے قوانین کا وہ مجموعۂ احکام مراد ہوتا ہے جس کا منبع الہام ہے اور جس کو دین کی قوت نافذ کرتی ہے۔ جو ہستیاں ان قوانین کے نمود و ظہور اور نزول و تنزیل کا ذریعہ بنتی ہیں ان کو پیغمبر، رسول اور نبی کا لقب دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن خلدون اسی پہلو کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"شرائع (شرعی قوانین) اسی لیے اپنے مرکز سے آتے ہیں تاکہ ابدی سعادت کی طرف رہنمائی کریں۔ شریعتوں کا مقصد، عبادت بھی ہے اور معاملات کی تنظیم بھی۔ انتہا یہ کہ مذہب کے اصولی معیار پر انسان کا اجتماعی ہیئت کے ساتھ حکومت و سلطنت قائم کرنا بھی خدائی شریعتوں کے دائرۂ عمل میں داخل ہے۔"

یہی بات دینی اور دنیاوی حکومت کے درمیان امتیاز کو نمایاں کر دیتی ہے۔ دینی حکومت میں ہر عمل کا محور واضع شریعت ہوتا ہے۔ ایک دینی حکومت اپنے اصل شرعی قوانین کے لحاظ سے جبر و استبداد، قاہرانہ تسلط اور تغلب، ظلم و زیادتی، زور زبردستی، بُری خواہشوں اور برائیوں سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ جو بات عام سیاسی نقطۂ نگاہ سے متعلق ہو کر برائی سے خوبی کا جامہ پہن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی یہ وہ مذہبی دائرۂ اثر میں ہر وقت، ہر طرح اور ہر صورت میں بری رہتی ہے۔ عام سیاسی حکومتیں اللہ کی روشنی کو نہیں قبول کرتیں ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور اور خدا کا قانون یہ ہے کہ جو اللہ کی روشنی کا اکتساب نہیں کرسکتا وہ کوئی روشنی حاصل نہیں کرسکتا۔ ایک مافوق العادۃ قانونی طاقت ہی یہ جانتی ہے کہ انسانیتِ عامہ کا عام مفاد جو سب کے لیے یکساں ہے کیا ہے۔ اس بارے میں رسولِ خدا کا بھی ایک قانونی اثر موجود ہے "یہ تمہارے کام ہیں اور تم پر ہی عائد کردیے گئے ہیں"۔ اللہ جو قانون نافذ کرتا ہے وہ انسانوں کے مصالحِ عامہ ہی سے وابستہ ہوتا ہے اور انہی کے فائدہ کو ظاہر کرتا ہے۔

واحکام السیاسۃ انما تطلع علی مصالح الدنیا فقط یعلمون ظاھرا من الحیاۃ الدنیا[1] رہے سیاسی حکومتوں کے احکام وہ دنیاوی مصلحتوں کے اثر سے باہر نہیں آتے صرف دنیاوی زندگی کے نمائشی دائرہ میں نظر آتے ہیں۔

دینی قانون کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ تمام انسانی ذمہ داریوں کو خواہ وہ دنیا کے ماحول سے متعلق ہوں یا صلاحِ آخرت سے مذہب اور شریعت کے قوانین کی دفعات کے ماتحت کردیا جائے

انبیاء | ان ذمہ داریوں کی رو سے جو حکومت صورت پذیر ہوتی ہے اس کا کام شریعت کے علمبرداروں کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یعنی وہ شخصیتیں جن کو ہم انبیاء کا خطاب دیتے ہیں۔ اور جن میں سے ہر ایک کو نبی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

خلفاء | وہ انسانی افراد جو دین اور دنیا کی ذمہ، فرائض، اور امورِ حکومت اور مصالحِ عامہ کے معاملات میں نائب السلطنت کی حیثیت سے کام کرتے ہیں ہماری اجتماعیات میں ان کو خلفاء کا خطاب دیا جاتا ہے۔ ابن خلدون اس وضاحت کے بعد لکھتے ہیں۔

فقد تبین لك من ذلك معنی الخلافۃ یہ بیان خلافت کے مفہوم کو واضح کردیتا ہے۔

---

[1] مقدمہ کتاب العبر ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۵۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینی اور دنیاوی نظریوں کی تنقیح کے لیے علامہ ابن خلدون نے اپنے نظریہ کی توضیح کرتے ہوئے آخر میں ایک قطعی اور اصطلاحی عنوان اختیار کیا ہے۔ سیاسی مملکت اور خلافت' یہ دو اصطلاحی لفظ ہیں اور دنیاوی حکومت اور دینی حکومت کے ہم معنی ہیں۔ ان دونوں کی اصطلاحی تعریف مستقل پیرایۂ بیان اختیار کرکے ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔

ملک سیاسی | سیاسی حکومت وہ ہے جو سوسائٹی کو عقلی مطمحِ نظر کے ماتحت دنیاوی دستبرد اور دفاع کے لیے تیار کرے۔

خلافت | وہ حکومت جو شرعی نصب العین کے ماتحت آخرت اور عافیت کی صلاح و فلاح کو اصل تصور کرے اور اس عظیم مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے دنیا کو مصالحِ عامہ کے لیے تیار کرے۔ کیونکہ دنیا کے تمام معاملات، کوائف و احوال، ذمہ داریاں اور فرائض آخرت کے تصور اور عاقبت کے مفاد کے ماتحت ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہ تمام فرائض اور واجبات درحقیقت نیابتی واجبات ہیں۔ خلیفہ درحقیقت نبی کے ایوانِ سیاست میں نیابتی واجبات کو پورا کرتا ہے۔ وہ نبی اور رسول کا نائب، جانشین اور حکمبردار کارندہ ہوتا ہے، اور دین کے دفاع اور دنیا کی سیاست میں پیغمبر کی نمائندگی کرتا ہے۔ (ص ۱۵۹)

امام شاہ ولی اللہ کی تصریحات

جس طرح علامہ ابن خلدون حکومت کو دینی اور دنیاوی قرار دینے میں اسلام کے مذہبی نظریۂ اجتماع کی ترجمانی کرتے ہیں اسی طرح امام شاہ ولی اللہ دہلوی جن کو ہمارے آخری دور کے علماءِ اجتماعیات میں اول درجہ کی اہمیت حاصل ہے، حکومت کی اس تقسیم کو اس کی مخصوص شکل میں تسلیم کرتے ہیں[1]۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کے دائرہ میں انسان کے ہاتھوں سے جو سیاسی نظام بنتا ہے وہ شہری اور شاہی اوصاف رکھنے والی حکومت کی بنیاد قائم

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب الارتفاق الرابع (سیاسۃ الاعوان) ص ۴۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیتا ہے۔ اس نظامِ حکومت کے ماتحت فرمانروا (حکومت کا ذمہ دارِ اعلیٰ) اپنے شہری مرکز میں قیام کرتا ہے، یہاں سے حکومت کی تشکیل شروع ہو جاتی ہے۔ اِدھر اُدھر سے سرمایہ سمٹ کر آنا شروع ہوتا ہے، جنگجو سپاہی اور لڑنے مرنے والے افراد اُس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، ان کے مزاج مختلف ہوتے ہیں، صلاحیتیں جُدا جُدا ہوتی ہیں اور وہ خود جبر و استبداد کے عادی ہوتے ہیں۔ ایک ارجمند حکومت کو جس مثالی قانون (سُنتِ راشدہ) کا پابند ہونا چاہیئے، یہ لوگ اُس سے اپنے تعلق کو توڑ لیتے ہیں۔ ان میں دنیاداری کی حقیر طمع پیدا ہو جاتی ہے۔ دشمنی اور حسد بڑھ جاتا ہے سرمایہ داری اور زمینداری یہ دو ایسے مفاد ہیں جو معرکۂ جنگ کا باعث بن جاتے ہیں۔

یہ وہ خرابیاں ہیں جو اکثر دنیاوی شہنشاہیتوں کا ساتھ دیتی ہیں اس لیے نسلِ انسانی کے افراد بےچین ہو کر شہنشاہ کی جگہ خلیفہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ یعنی اس ہستی کا جو دنیا کے امن و نظم میں انبیا کی قانونی نیابت کا حق ادا کرتی ہے۔ ایسا شخص بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے اس کے لیے زبردست امتحان، عظیم جدوجہد، بڑے اجتماعات غیر معمولی سرمایہ کے خرچ جان کی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب خلیفہ اپنا عہدہ سنبھال لیتا ہے اور عوام یہ محسوس کر لیتے ہیں کہ ان کی بہتری کے لیے ایک ہستی مل گئی ہے، تو انسانیت کی بہتری کا وقت آجاتا ہے۔ روئے زمین کا کردار (کریکٹر) درست ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے ظالم اور جابر لوگ (جن سے بندگانِ خدا تنگ ہوتے ہیں) ذلیل کر دیے جاتے ہیں شہنشاہتیں خلیفہ کی اطاعت کر لیتی ہیں اور انسانیتِ عامہ کے معیاری نظامِ حکومت کے سامنے گردن جھکا لیتی ہیں خدا کی نعمت مکمل ہو جاتی ہے۔ قرآن کے نظریۂ اتمامِ نعمت کے ماتحت مثالی حکومت کا مکمل ظہور ہو جاتا ہے۔ سلطنت میں امن قائم ہو جاتا ہے، عوام کو امان اور پناہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر اس مثالی حکومت کا سردار (خلیفہ) جنگ کی ضرورت دیکھتا ہے تو وہ میدانِ جنگ میں بھی نکلتا ہے۔ اس کا مقصد دفاع ہوتا ہے۔ جب نفسِ انسانی درندگی پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس سے نقصانات اور خطرات پہنچنے کا امکان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہو تو خلیفہ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ جوابی حد تک مقابلہ کرے اور میدانِ جنگ میں پہنچ کر ہر خطرہ کو دور کرے۔"

ہمارے علماء نے دینی حکومت کو روشناس کرنے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے مذکورہ بالا تشریحات سے اس کی گراں قدر کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں علماءِ مغرب کا طور وطریقہ دوسرا رنگ لیے ہوئے ہے۔ ہمارے علماء کے نزدیک جب دنیاوی حکومت دنیا داری کی سرحد سے فساد کے منتہا پر پہنچ جاتی ہے، اپنی اندرونی خرابیوں کو بروئے کار لے آتی ہے، شخصی استبداد عمومیت اختیار کر لیتا ہے اور انسانیت کے قوانین کے انکار کے ساتھ ظلم کو بھی جمع کر دیا جاتا ہے۔ انسان اپنی مصیبتوں کو کھلے طور پر محسوس کر لیتا ہے۔ جبر عام ہو جاتا ہے، انصاف گم ہو جاتا ہے، انسان انسان کو ذبح کرتا ہے اور انسان کا خون کھلے شہروں کی نالیوں میں پانی کے بھاؤ بہتا ہے۔ بچے، بوڑھے، عورتیں پناہ چاہنے کے باوجود پناہ گاہ سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ جارحانہ انفرادیت، وحشیانہ شہریت اور شیطانی عسکریت، اجتماعی اوصاف کی فرشتگی کو فنا کے گھاٹ اُتار دیتی ہے۔ اُس وقت دینی حکومت اپنا کام شروع کرتی ہے۔ اب وہ اپنے کارخانہ کی بڑی مشین کا پہیہ گھماتی ہے اور زندگی کی جولانگاہ میں اپنا کاروبار پھیلاتی ہے۔ خاص کر اسلام کی دینی حکومت جو انسانیت کے ترقی یافتہ رجحان کے لیے سایۂ رحمت، تمام انسانوں کے لیے موجب صلاح وفلاح اور ایک اعلیٰ نصب العین کی حیثیت سے مکمل ہے۔

علماءِ مغرب کہتے ہیں کہ دینی حکومت ماضی کے ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ دور کی پیداوار ہے اور موجودہ زمانہ کا علمِ سیاست اس سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ جدید تصانیف میں دینی تصورِ حکومت کو زیادہ جگہ نہیں دی جاتی۔ اگر کسی مرحلہ پر اس قسم کی حکومت کا نام لینا ضروری ہوتا ہے تو اس کی بنا اعتراف پر نہیں اعتراضات پر ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بجے کے بلنچلی نے یونان وروما اور عہدِ جدید کے جو نظریات ترتیب دیے ہیں ان میں اس طرزِ عمل کی نمایاں مثالیں ملتی ہیں۔ بلنچلی اپنی رائے بھی ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

"مذہبی حکومت سلطنت کی وہ شکل ہے جس کا تعلق نوعِ انسانی کے عہدِ طفولیت سے ہے۔ مذہبی حکومت میں قوائے انسانی جو قانون وحکومت کے فیصلے کے لیے لازمی ہیں بہت ہی نامکمل طور پر ترقی کرتے ہیں اور کبھی اُن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ مذہبی سلطنت میں لامحالہ مردانہ قوتیں زنانہ قوتوں کے تابع ہو جاتی ہیں۔ خود اعتمادی اور آزادی کو کبھی پوری طرح نشوونما نہیں ہوتا ہے"[۱]۔

اہلِ مغرب ان خیالات میں زیادہ تر اس لیے معذور ہیں کہ اُنھوں نے اسلام کے دورِ اوّل کے طرزِ حکومت سیاسی حکمت عملی اور قانونی محرکات کی تحقیق میں وقت صرف نہیں کیا۔ بعض مصنفین نے اپنے آزاد خیالات کے ماتحت اس طرف توجہ کی ہے لیکن سلطنت کی عام تاریخ اسلام کے نظریہ سلطنت سے خالی ہے۔ اس لیے یہ کہنا حق بجانب ہے کہ جو بات ان کے تصنیفی موضوع سے خارج ہے، اس میں اُن سے آسانی سے غلطی کا ارتکاب ہو سکتا ہے اس کی بڑی ذمہ داری آخری دور کے علماءِ اسلام پر بھی ہے جن کو زمانہ نے قانونی جزئیات کی سطح سے بلند ہو کر اجتماعی میدان میں کام کرنے کا موقع نہیں دیا اگر ہماری آبادی میں راہ کے چراغ روشن نہیں ہیں اور ایک اجنبی مسافر راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے تو یہ اس کا نہیں خود ہمارا قصور ہے۔

البتہ یہ بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ اہلِ مغرب کو قرونِ وسطیٰ کی جو عصبیت بطور میراث پہنچی ہے اس نے ان کی راہ کو سنگلاخ چٹانوں سے بھر دیا ہے۔ تاریخی تحقیق سے یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ نپولین کے حوصلوں، لوتھر کی تحریکِ اصلاح، فرانس کے جمہوری انقلاب، یورپ کے اجتماعی عوامل اور اشتراکیت کے نظریہ مساوات میں اسلام کے تیرہ سو سالہ

---

[۱] نظریہ سلطنت بجے کے بلنچلی عثمانیہ۔ باب تصوری یا مذہبی حکومت ص ۳۶۳ نظریہ سلطنت ص ۳۰۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتماعی دور اور مسلمانوں کی جاری کی ہوئی تحریکِ انسانیت کا زبردست دخل ہے۔ اگر نظریۂ ارتقاء اصلاً صحیح ہے تو خلفاء اربعہ کے مذہبی دور کے معیاری اور مثالی طرزِ حکومت سے ربط ظاہر کیے بغیر یورپ کی موجودہ ترقی کا نام نہیں لیا جا سکتا۔ اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیاوی طرز کی موجودہ حکومتیں اپنے پسندیدہ اوصاف کا سلسلہ روما اور یونان سے ملا رہی ہیں تو اس کا سبب سیاسی تعصب کے علاوہ اور کسی شے کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ارتقاء کا سارا عمل مسلسل ہے جب یورپ اسلام کے اجتماعی دور کی برکات سے انکار کرتا ہے تو وہ اس کو بھول جاتا ہے کہ اس کے انکار سے درمیان کی سنہری کڑی ٹوٹ کر علیحدہ ہو جاتی ہے اور بلند نظر محققین کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ علم کا دامن آج بھی جہل کے ہاتھ میں ہے۔ علماء کے لیے لاعلمی کسی وقت بھی علمی دلیل کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتی، اور جب لاعلمی خود اختیاری ہو تو اس کا نام جہلِ مرکب ہو جاتا ہے۔ علماءِ یورپ کچھ تو اسلام سے بےخبر ہیں اور کچھ بےخبر رہنا چاہتے ہیں اور اس کو مفید مقصد سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی حقیقتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جو مجازی راہیں اختیار کی ہیں اور جس جس طرح اسلامی دور کے حقائق کو نظرانداز کیا گیا ہے اس کی ساری داستان انسانی علم کی نظر میں قابلِ سرزنش ہے

مشہور امریکن مستشرق ڈاکٹر ایس پی اسکاٹ اس روش پر ذیل کے الفاظ میں ماتم کرتے ہیں :-

"مسلمانوں نے جو مفید کارنامے دکھائے ہیں خاص کر وہ فوائد جن کا تعلق قرونِ وسطیٰ سے ہے، ان سے پہلے دور کے مورخین گزشتہ صدی تک دانستہ چشم پوشی کرتے رہے ہیں یا ان کو کم کر کے دکھاتے رہے ہیں۔ اس کی عام وجہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس کا علم بھی نہیں تھا۔ مگر اکثر و بیشتر یہ ہے کہ اسلام کی عجیب و غریب سریع ترقی کا اگر دوسرے مذاہب کی سست رفتار سے مقابلہ کیا جائے تو ایک قسم کی رقابت و تعصب پیدا ہو جاتا ہے"

---

[1] اخبار الاندلس اسکاٹ۔ دیباچہ مصنف صفحہ ۶۰ مطبوعہ لاہور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس زمانہ میں ہر شخص تشنۂ علم ہے یہ ممکن نہیں کہ کلیسا کے پیروؤں کی بے توجہی اسلامی سائنس کے نور کو مکدر کر سکے۔"

جہاں تک مذہبی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا تعلق ہے جواب میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ علم و تحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفاء اربعہ کے بے داغ عہدِ حکومت کے مقابلہ میں رکھ کر مفادِ عامہ کے لحاظ سے وزن کر لیا جائے۔ آج ظلم و جبر عہد شکنی، مالی دستبرد، کشت و خون، بربادی و ہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی، افراد کی عدمِ مساوات، جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دوربین سے دیکھے بغیر نظر آ رہی ہیں خلفاء کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا ادنیٰ سا نقشہ بھی نہ ملیگا۔ بیان کردہ خرابیاں مذہبی طرزِ حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں بلکہ ان انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں جنہوں نے دنیاوی طرزِ حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ خرابی اصل میں نہیں بلکہ انسانی تجربہ کی غلط کاری میں ہے جو عقل کی رہنمائی میں اپنی مذہبی اصل سے جدا ہو کر اکثر پستی کے گڑھے میں گر جاتا ہے

دینی طرزِ حکومت کو سراسر انسان کے عہدِ طفلی سے وابستہ کرنا بھی غلط ہے۔ یہ عقل کی ٹھوکر ہے جو تاریخی واقعیت کی جگہ غصب کرنے کے لیے ناجائز طور پر نوکِ قلم پر دکھائی گئی ہے۔ درحقیقت دنیاوی حکومت کی طرح دینی حکومت کا زمانہ بھی منقسم ہے۔ اجتماعی ہیئت بھی زندہ افراد کی طرح ہوتی ہے۔ حکومت بھی ایک انسان کی طرح زندگی بسر کرتی ہے اس کا جسم ہوتا ہے اور روح ہوتی ہے، اس کا بچپن ہوتا ہے، جوانی ہوتی ہے، بڑھاپا ہوتا ہے۔ دینی حکومت کا ایک زمانہ عہدِ طفلی تھا، پھر ایک زمانہ زمانۂ جوانی آیا۔ انسانیت کا بچپن مذہبی حکومت کا بھی بچپن تھا۔ جب انسانیت کا عہدِ شباب آیا اور اسلام نے انسان کے عقلی اور اجتماعی قویٰ کو مکمل کر دیا تو دینی حکومت نے بھی اپنے کمال اور شباب کو ظاہر کر دیا۔

اسلام سے پہلے عیسائیت کا حقیقی ظہور درجۂ کمال سے ربط پیدا کرنے کے لیے اپنی تڑپ ظاہر کر چکا تھا، تاہم کہ یہ عیسائیت اپنی حقیقت کے اعتبار سے اسلام کے علاوہ کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری قابل رد شے نہ تھی۔ ہر مسلمان کو تسلیم کرنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت برحق کا ظہور اسلام کے مطلوبہ نصب العین کے ابتدائی آثار میں سے ایک قابل اعتراف اثر تھا۔ الہامی انجیل اور خدا کے قرآن کا وہی ربط تھا جیسا نوجوانی اور جوانی کے درمیان ہوتا ہے۔ جس طرح نوجوانی ایک قابل فخر شے ہے مگر اس کی کمی کو پاکیزہ جوانی کا آخری پیغام ہی مکمل کر سکتا ہے اسی طرح اسلام نے آکر حضرت عیسیٰ روح اللہ کے پیغام کو مکمل کر کے انسانیت کی عظیم خدمت انجام دی۔

اب یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ دینی حکومت کی عام غایت سیاسی مبادیات نہیں بلکہ اجتماعی ہیئت کی تکمیل و تنظیم ہے جو آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ ترقی کر کے تیرہ سو سال قبل اپنی معراج کو ظاہر کر چکی ہے۔

حکومت کی ابتدا اور اس کی ترقی

اہم اور تاریخی نظریے سلطنت کے آغاز کے متعلق تاریخی قیاسات نے متعدد رائیں پیدا کر دی ہیں۔ دورِ جدید کی دستوری موشگافیوں نے حکومت کے نظریوں کو ایک مرکب شے کے لاتعداد ترکیبی عناصر کی طرح بہت زیادہ پھیلا دیا ہے تاہم تمام نظریوں کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(ا) حکومت کے وجود پانے سے قبل انسان کی اجتماعی کیفیات کس حالت میں تھیں۔

(ب) اور بعد میں نظریۂ حکومت نے کتنی اندرونی تقسیموں، تصورات اور خاکوں کو قبول کیا۔

نظریۂ ربانی پہلے نظریہ کی رو سے سب سے پہلا تصور ربانی تصور ہے "خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اور خدا ہی نے حکومت کو پیدا کیا ہے"۔ یہ ہے اس تصور کی غایت! گویا سلطنت خدا کی پیدا کردہ تنظیم ہے جو الہام کے سرچشمہ سے آبحیات حاصل کرتی ہے۔ دنیا میں تمام مذہبی حکومتیں اسی نظریہ کی روشنی میں اپنا چہرہ دنیا کو دکھاتی ہیں۔ ان میں اسلام کی سلطنتیں فطری اساس اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح طریقہ پر قائم رہی ہیں[1]۔ بودھ سلطنتیں اور بنی اسرائیل کی سلطنتیں بھی اس تصور سے وابستہ تھیں

نظریۂ ربانی میں ابتدا ہی سے دو خیال کارفرما رہے ہیں:-

سلطنت خداوند تعالیٰ کا بلاواسطہ فعل ہے، خدا نے سلطنت کو پیدا کیا ہے۔ اور وہی اس کو بلاواسطہ برقرار رکھتا ہے اور اس پر حکمرانی کرتا ہے۔

سلطنت کو خدا نے بالواسطہ قائم کیا ہے اور بالواسطہ ہی اس پر حکومت کرتا ہے۔

یہ دوسرا خیال نظریۂ خلافت سے قریب ہے[2]۔ اس نظریہ کی تشریح آئندہ صفحات میں کی جائیگی۔

نظریۂ ربانی کی رو سے اگرچہ حکومت کا مکمل اور معیاری نمونہ ابتدا میں دنیا کے سامنے نہ آیا تھا لیکن کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں انسان سیاسی کیفیات سے آشنا نہ رہا ہو[3]۔ پروفیسر ہارون خاں شروانی نے مشرق و مغرب کے جدید سیاسیات میں اس امر کو بعنوان ذیل تسلیم کیا ہے:-

"شاید تاریخ میں کسی ایسی انسانی معاشرہ کا ذکر نہیں جس میں سیاسی تخیل کا کلیۃً فقدان ہو[4]"

مہاتما بدھ کا نظریہ | ملتے جلتے تاریخی تصورات میں مہاتما گوتم بدھ[5] کا نظریہ پہلا مانا جاتا ہے، انہوں نے کسی کے سوال کے جواب میں یہ کہا ہے:-

"ابتدا میں انسان کی حالت بالکل مکمل تھی، رنج و فکر کا پتہ نہ تھا، رفتہ رفتہ خاندان قائم ہو گئے ذاتی ملک کا رواج ہوا، قوم چار طبقوں میں تقسیم ہو گئی، لوٹ کا بازار گرم ہو گیا۔ ایسے وقت میں ضرورت پیش آئی کہ ظلم و جبر کا انسداد کیا جائے۔ تمام لوگ یکجا جمع ہوئے۔ انہوں نے اپنے مفاد باہمی کے لیے ایک حکمراں کو انتخاب کر کے مملکت کی بنیاد قائم کی"

---

[1] دیکھو نظریۂ ربانی کی ابتدائی حکومتیں اور ان کے سیاسی آثار۔ تاریخ الکامل ابن اثیر الجزری ج ۱ ص ۲۷
[2] نظریہ سلطنت پہلی مقالہ ۲ باب ص ۲۹۷۔ زمانۂ انقلاب کی تاریخ۔ بی پور۔ ج ۱ ص ۲۱۴۔ مبادی سیاسیات شروانی باب ۳ ص ۴۲۔ الذریعہ الی مکارم الشریعہ۔ ص ۱۹۔
[3] دیکھو تاریخ ابن اثیر ج ۱۔ ص ۱۵ [4] مبادی سیاسیات باب ۳ ص ۴۔
[5] گوتم بدھ ۵۶۷ قبل مسیح ریاست کپل وستو (نیپال) کے راجہ سدھودھن شاکیہ کا بیٹا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کے سیاسی میدان میں دوسرا نظریہ کوٹلیا کا ہے جس کی رو سے راج سے پہلے نراج کی کیفیت تھی، ہر شخص خود غرض تھا، اور انسان کی وہی کیفیت تھی جو سمندر کی مچھلیوں کی ہوتی ہے، یعنی ہر طاقتور کمزور کو کھانے کے درپے تھا۔ کوٹلیا اس صورتِ حال کو متسیا نائے یعنی "منطق ماہی" سے تعبیر کرتا ہے۔ قریب قریب اسی عصر میں چینی فلسفی موہ ٹی نے یہ رائے ظاہر کی ہے مملکت کے قیام سے پہلے ہر شخص کے نزدیک حق اور ناحق کا تخیل جداگانہ تھا۔

مغربی علمائِ سیاست میں اس موضوع پر سب سے پہلے انگلستان کے فلسفی ہوبز نے کھلا ہوا میدان پیش کیا ہے وہ منطق ماہی کے نظریہ کا قائل ہے اور یہ رائے رکھتا ہے مملکت سے پہلے انسان کی فطری حالت میں قانون کا کلی طور پر فقدان تھا جب خود غرضیوں کے تصادم میں انسان اپنی زندگی سے عاری ہو گئے تو انہوں نے آپس میں معاہدہ کر کے اپنی قوتوں کو ایک اقتدارِ اعلیٰ کے ہاتھ میں دے دیا۔ مشہور انگریز فلسفی جان لوک کی رائے میں یہ صحیح نہیں ہے کہ مملکت کے قیام سے پہلے کوئی قانون نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی قانونِ قدرت رائج تھا۔ ہر انسان عقل و شعور رکھتا تھا، حق و باطل میں تمیز کر سکتا تھا، ہر شخص ضروریاتِ زندگی پر اختیار رکھتا تھا، بشرطیکہ دوسروں کے لیے سنگِ راہ نہ بنے۔

یورپ کا شہرۂ آفاق سیاستداں، انقلاب فرانس کا روحانی باپ ژان ژاک روسو Rousseau کہتا ہے کہ انسان اپنی فطری حالت میں بہت آرام سے تھا۔ انصاف و اخلاق کا تخیل تو بالکل مفقود تھا، لیکن ہر شخص پوری طرح آزاد ہونے کی وجہ سے فطرتاً دوسروں کے احساسات اور جذبات کا پاس کرتا تھا۔ کوئی شے کسی کی ملک نہ تھی بلکہ غیر مقبوضہ شے پر ہر شخص کو قبضہ کا اختیار تھا۔ اس عہدِ زریں کا خاتمہ افراد کی حرص کی وجہ سے ہمیشہ کے واسطے ہو گیا۔

اس سلسلہ میں قرآن حکیم کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ انسان ابتدا میں معیارِ احسن پر تھا بعد میں اسفل سافلین کے گہرے گڑھے میں اتر گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کا قیام

دنیا کی ہر عمارت اپنی سطح کی تہ میں ایک بنیاد ضرور رکھتی ہے۔ جب ہماری زمین کی سطح پر حکومت اور سلطنت کا ایوان تیار ہونے لگا تو اُس کی بنیاد انسانی فکر و عمل کے مسلمات پر رکھی گئی۔ دنیا داری کی نظر سے دیکھا جائے تو ہم ان مسلمات کی نظری تاریخ سے یقین کے ساتھ آگاہ نہیں ہیں۔ ایسا ہونا ایک قدرتی امر ہے انسان آج کے واقعات آج ہی بھول جاتا ہے۔ حال کو یاد رکھنا اور اس کی لاتعداد تحریکوں کو دماغ کی فرودگاہ میں علیحدہ خیموں میں رکھنا بڑے بڑے دماغوں کے لیے مشکل امر ہے، ہزاروں برس پہلے کی تاریخ جس میں جاہلیت کے ان گنت دور بھی شامل ہیں۔ اپنی بعینہ شکل میں کس طرح ہمارے علم میں رہ سکتے تھے۔ خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ ہماری دنیا، ہمارا دین مملکت اور اس کے دائرۂ کار میں ہماری ذمہ داریاں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ اس کے علاوہ کون ہے جو تخلیق کے راز کی صداقتوں سے آگاہ ہو۔ یہ فخر مذہب ہی کو حاصل ہے کہ خدا کی منشا کے ہر مفہوم کو ہر موضوع کے ماتحت سچائی، یقین اور قطعیت کے ساتھ ظاہر کرتا ہے اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کے مقصد و منشا میں ادنیٰ فرق نہیں پیدا ہوتا۔

دنیا کو یہ دعویٰ ہے کہ مملکت کا قیام چند بنیادی نظریات پر عمل میں آیا ہے لیکن انسانی فکر و نظر کا اختلاف ان بنیادی نظریات میں بھی معلوم ہوتا ہے۔ ہم یہاں ان نظریات کو چند الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

نظریۂ ابتدائی | نہایت قدیم اور ابتدائی نظریہ جس کی دریافت اسٹریلیا کے وحشی قبائل کے قدیم معاشی اطوار سے ہوئی ہے۔ پروفیسر ایڈورڈ جنکس کہتے ہیں کہ یہ نظریہ بھی اس درجہ پر ہے کہ اگر اس کو آسان سے آسان الفاظ میں بھی لکھا جائے تب بھی اس کا تصور مشکل سے قائم ہو سکے گا کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ قدیم انسانی معاشرہ کا نمونہ موجود ہے۔ اس سے وہ نقشِ قدم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمایاں ہوتا ہے جس پر چل کر انسان نے اگلا اور ارفع قدم رکھا۔ اس نظریہ کا دوسرا نام نظریہ طوطمی ہے۔ زمانۂ حال کی تحقیق کے مطابق کہا جا سکتا ہے۔ انسانی سوسائٹی ابتدائی یا طوطمی نظریہ کی معاشی تنظیم میں پہلی پہل بر روئے کار آئی۔

نظریۂ حکومت آبائی[۲] انسان نے دنیاوی تصور کے ماتحت اپنے ابتدائی دور وحشت سے ترقی کرکے "آبائی معاشرہ" کی صورت اختیار کی۔ پہلے درجہ میں انسانی دور وحشت کا دور تھا، زندگی موجود تھی، آوارہ معاشرت کا نمونہ بھی پایا جاتا تھا۔ معاشرت کی کوئی نہ کوئی قانونی صورت بھی تھی لیکن ہر صورت میں وحشت نمایاں تھی۔

جب ارتقائے معاشرت نے دوسرا قدم اُٹھایا تو آبائی معاشرہ کی صورت پیدا ہو گئی جس کے تین عناصر تھے:۔

رشتہ داری کا احساس، مستقل ازدواج، گھر کی سوسائٹی کا قیام اور اس پر باپ کی حکومت۔

گھر کا فرمانروا (جد اعلیٰ) مذہب کا محاسب۔ اخلاق و کردار کا نگراں۔ گھرانے کی ذمہ داریوں کا ضامن اور گھر کی جماعت اور سوسائٹی کی تمام باتوں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ قدیم رومۃ الکبریٰ میں اقتدار آبائی (Patria Potestas) زندہ مورث کی تمام اولاد پر شامل ہوتا تھا۔ آبائی معاشرہ کنبہ اور قبیلہ دونوں پر حاوی رہا ہے۔ کنبہ اس معاشرہ کی چھوٹی حکومت ہے اور قبیلہ بڑی۔ مذہبی دور میں حضرت آدم، بنی ابراہیم اور بنی اسرائیل کی حکومتوں میں آبائی معاشرہ کا رنگ صاف نمایاں ہے۔ ارسطو کے زمانہ سے لے کر انیسویں صدی عیسوی تک

---

[۱] پروفیسر ایڈورڈ جنکس لکھتے ہیں کہ اسٹریلیا والوں کی معاشرتی وحدت فی الحقیقت قبیلہ نہیں بلکہ طوطم گروہ ہے یعنی آوارہ جماعت جو کسی قدرتی نشان سے پہچانی جاتی ہے اور جس کے افراد ایک دوسرے کے ہاں شادی نہیں کرتے۔ ان کے یہاں قانون محض ممنوعات کا نام ہے۔ ان کے عقائد اور تصورات میں ارتقائے انسانی کے وقتی قریبی عناصر قانون اور مذہب کی مبادیات کی بتقریب جھلک نظر آتی ہے۔ تاریخ سیاسیات رحمانیہ باب ص ۹۔۱۵۔ [۲] علامہ غزالی نظریۂ آبائی کو مملکت کی بنیاد تصور کرتے ہیں۔ دیکھو احیاء العلوم ج ۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشکل سے ایسا دور گزرا ہو گا جس میں علمائے سیاست کی ایک نہ ایک جماعت نے نظریہ آبائی پر اس کی تائید میں قلم نہ اٹھایا ہو[۱]۔

نظریہ جبر[۲] حکومت ظلم و جبر کا نتیجہ ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس جس کی طاقت اس کی حکومت جو قہر اور غلبہ سے تسلط حاصل کرے وہی سلطنت کا مالک ہو۔ اس نظریہ کے ماتحت قوت ہی حق کی دلیل ہے۔ پلوٹارک نے (سوانح کمیوس بائٹ) میں برنیوس شاہ گال کی زبان سے یہ نظریہ ادا کیا ہے "تمام قوانین میں سب سے قدیم تر قانون وہ ہے جو قوی کو کمزور پر حکمراں بناتا ہے"۔ اکثر فلسفی بھی ہم کو یہی بتلاتے ہیں اور ان سے زیادہ مطلق العنان جابر بادشاہ ہمیں یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ حکومت نظریہ جبر پر قائم ہے۔

نظریہ معاہدہ عمرانی حکومت، حکمراں اور عوام کے درمیان ایک معاہدہ ہے۔ گویا جب عوام بدنظمی سے گھبرا گئے تو انہوں نے اپنی خوشی سے اپنے اختیارات حکمراں کو سپرد کر دیے۔ اس نظریہ کے ماتحت رائے عامہ کا اختیار باقی رہتا ہے جس کا قدرتی نتیجہ جمہوری انقلاب ہو۔ یہ تصویر اپنی حقیقت کے اعتبار سے نظریہ جبر کے برعکس ہے[۳]۔

زمانہ تاریخ کی حکومتیں

زمانہ تاریخ کی حکومتوں کے متعلق انسانی علم اب تک کوئی یقین حاصل نہیں کرسکا ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کی کونسی قوم نے سب سے پہلے حکومت قائم کی اور سلطنت کی تنظیم کا فرض انجام دیا۔

انسانی علم الہامی قانون کی امداد سے صرف ایک دعویٰ کرسکتا ہے اور وہ یہ کہ سب سے

[۱] تاریخ سیاسیات ایڈورڈ جنکس باب ۳ ص ۱۰ مبادی سیاسیات شروانی باب ۲ ص ۴۲۔ دیکھو ارتقاء مملکت
[۲] نظریہ سلطنت بلنچلی عثمانیہ مقالہ ۸ باب ۳ ص ۳۰۵۔ مبادی سیاسیات باب ۳ ص ۴۶۔
[۳] نظریہ سلطنت بلنچلی مقالہ ۸ باب ۹ ص ۳۰۸۔ لیوی تھن ہابس باب ۱۷۔ رسائل حکومت لاک کتاب ۲ دفعہ ۶ معاہدہ عمرانی روسو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے سلطنت کا ظہور ربّانی تنظیم کی صورت میں ہوا۔ خدا کی ہستی سب سے پہلی اور سب سے بلند ہے۔ انسانی عقیدے نے صدیوں تک اس اصول کو مانا ہے کہ انسان کی سیاسی تنظیم کا آغاز خداوند عظیم کے نمائندوں کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ اس اصول سے تاریخی زمانوں سے قبل تاریخی سلطنتیں ربانی سلطنتوں کی صورت میں قائم ہو چکی تھیں۔

جرمنی کا ماہر سیاست وقانون جے کے بلنچلی بھی اس خیال کی صداقت کو مانتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ہمارا تاریخی علم جس زمانہ تک پہنچتا ہے اُس سے بہت پہلے ابتدائی سلطنتوں کا قیام ہو چکا تھا تاریخ کا احساس اُس وقت تک نہیں پیدا ہوا تھا جب تک زمین پر بہت سی سلطنتیں قائم نہ ہو چکیں۔"[۱]

ہندوستانی سلطنتیں قیاسی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصریوں اور یہودیوں سے پہلے ہندوستانی سلطنتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ ہندوستان میں حضرت آدم کی پیدائش کے مسئلہ سے ربانی نظریہ بھی اس قیاس کی تائید کر سکتا ہے۔

مصری سلطنتیں بنی اسرائیل کی سیاسی سلطنتوں سے پہلے مصر میں سلطنت کا قیام عمل میں آ چکا تھا، حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ کی اجتماعی زندگی کی تخلیق سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بنی اسرائیلی سلطنتیں یہود کی قدیم مقدس کتابوں اور قرآن حکیم سے ان سلطنتوں کا حال معلوم ہوتا ہے ان سلطنتوں کے بعد تاریخی اور انسانی سلطنتوں کا آغاز ہوتا ہے۔

یونانی سلطنت یونانیوں کی سیاسی تنظیمات نے ایشیائے کوچک، اٹلی، سسلی، بحر متوسط (بحر روم) کے ساحلوں اور یونانی جزیروں کو سلطنتوں کی شکل میں پیش کیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ فی الحقیقت نئی سلطنتوں کی پہلی تخلیق تھی۔ یونانیوں نے کوئی بڑی شہنشاہی نہیں قائم کی بلکہ منتشر سیاسی اداروں کی حیثیت سے اپنا کام کیا۔ (یونانی حکومت کی ابتدا ۱۲۳۳ق م)[۲]

---

[۱] نظریہ سلطنت بلنچلی م ۴ باب اول ص ۳۶۹ [۲] دائرۃ المعارف بستانی ج ۲ ص ۵۰۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رومای سلطنت تاریخ کا دعویٰ ہے کہ رومیوں کی سلطنت ابتدا ہی سے ایک عام قانونی تنظیم تھی۔ وہ بنی بنائی حکومتوں کی توسیع تھی جس کا مقصد عالمگیر سلطنت کا نظام قائم کرنا تھا۔

کلیسائی حکومتیں کلیسا نے شہنشاہ سے علیحدہ ہو کر پوپ کے نام سے روما کو پایۂ تخت قرار دے کر رومی تخیل کی پیروی کی۔ یا انسانی سلطنت کو مذہبی سلطنت بنانے کی غرضمندانہ کوشش تھی جو عرصہ تک یورپ میں چمک دمک دکھاتی رہی۔

جرمن ٹیوٹن سلطنت روما کی عالمگیر شہنشاہی کو جرمن ٹیوٹن نسل نے شکست دے کر شاہی اقتدار حاصل کیا۔ اس طرح ازمنۂ وسطیٰ میں یورپ پر ہر جگہ ٹیوٹن حکمران تھے۔ کلیسا کا مذہبی تصور اور رومی تہذیب دونوں ان میں جمع تھے۔ اس کے بعد جدید دور شروع ہوتا ہے۔ یہ زمانہ پندرہویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے شروع ہوتا ہے۔ نکولاس پنجم (۱۴۴۷ء-۱۴۵۵ء) جولیس دوم (۱۵۰۳ء-۱۵۱۳ء) اس عہد کے سرگروہ سمجھے جاتے ہیں[1]

حکومت بحیثیت تنظیم انسانی

انسانی حکومتیں اور اُن کی قسمیں دو ہزار برس پہلے ارسطو نے دنیاوی حکومت اور سلطنت کی تین قسمیں[2] بیان کی تھیں۔ اگرچہ ہمارے زمانہ میں ان کی تنقید[3] اور تنقیح میں کافی کوشش صرف کی گئی ہے پھر بھی ان کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے[4] ارسطو نے اس تقسیم کی تصویر بنانے میں فرمانروائی اور حکومت کے اقتدار کی تصوری قوت کو بنیاد قرار دیا ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ ہر انسانی سلطنت میں ایک بڑی ہستی طاقت کا مرکز ہوتی ہے۔ اور تمام دوسرے افراد اس کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ ہستی سلطنت کے سب سے بڑے رکن کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس اعلیٰ رکن کی

---

[1] نظریۂ سلطنت بلنچلی مقالہ چہارم ب۱ ص ۲۶۹ باب ۴ ص ۲۸۷ - م (۱) باب ۶ ص ۳۰۶ و ۳۰۴

[2] علم الاخلاق۔ الی نیقوماخوس۔ تالیف ارسطو ترجمہ عربی احمد لطفی سید ک ۸ ف ۱۰ الجزاء الثانی ۲۵۷

[3] تاریخ سیاسیات پروفیسر ایڈورڈ جنکس ایم اے۔ طبع عثمانیہ باب ۱۳ ص ۱۵۷۔ مبادی سیاسیات پروفیسر شیرانی باب ۱۳ ص ۲۳۴

[4] نظریۂ سلطنت مترجمہ بلنچلی (المانی) عثمانیہ مقالہ ۹ ب۱ ص ۳۴۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیبت سلطنت کے دل پر اپنا خاص نقش قائم کرتی ہے، اس لیے قدرتی طور پر وہی حکومت کی تقسیم کا مرجع اور مرکز بنتی ہے۔

تین اچھی حکومتیں | حکومت کی تین قسمیں معیاری، پسندیدہ، جائز اور قابلِ قبول ہیں۔ ان تین اچھی حکومتوں سے تین بُری حکومتیں پیدا ہوتی ہیں۔ تین اچھی حکومتیں یہ ہیں:۔

(۱) "شاہی" فردِ واحد کی حکومت جس کو آج کل شہنشاہیت (Manarchy) کا نام دیا جاتا ہے۔

(۲) "اعیانی" چند ممتاز امراء کی حکومت جو تمام افرادِ ملک پر حاوی ہو۔

(۳) "عوامی" عوام کی حکومت جس کو ارسطو حکومتِ عامہ (پالیٹی Politay) کہتا ہے یہ اکثریت کی حکومت ہے جو اغراضِ عامہ کو مدِنظر رکھ کر اپنی سرگرمیوں کے دائرہ میں حرکت کرتی ہے۔

یہی تین حکومتیں بدترین ہو جاتی ہیں اگر عوام کی بہتری کا مقصد پورا نہ ہو۔ حکومت کی یہ تین صورتیں حسب ذیل ہیں:۔

"طاغی" وہ شہنشاہیت جس کا مقصد شہنشاہ کے نفس و شیطان کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

"عدیدی" (امرائیت) چند قابو یافتہ خود غرض امراء کی جابر حکومت۔

"ازدحامی" معمولی طبقے کے غیر تعلیم یافتہ عوام الناس کی بے قید حکومت ایک ایسا ازدحام جو حکومت کے منشا و نظم کو پورا نہ کر سکے۔

ان میں سے طاغی حکومت پستی کے آخری درجہ پر ہے[1]۔

زمانۂ حال کی حکومتیں | زمانۂ حال میں حکومت کے طریقوں، حکمراں طبقہ کے اختیارات اور مفادِ عامہ کے جمہوری رجحان نے جو صورت اختیار کی ہے اس نے حکومت کی تقسیم کی نئی صورتیں پیدا کر دی ہیں ان میں سے ہر صورت کسی نہ کسی شکل سے زمانۂ حال میں رائج رہی ہے

[1] علم الاخلاق ارسطو ج ۲ ص ۲۵۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ صورتیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

شاہی حکومت | جس میں ایک شخص بادشاہ ہو اور اس کے شاہی اختیار اس کی اولاد کی طرف منتقل ہوتے رہے ہوں۔ یونان و روما کی حکومتیں ابتدا میں اسی قسم کی شاہی حکومتیں تھیں۔ زمانۂ حال کی شاہی حکومتیں اپنی شخصی تصویریں انہی حکومتوں کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔

جاگیری شاہی | وہ طرزِ حکومت جس میں بادشاہ کی وفاداری ان جاگیروں کے زیرِ اثر ہوتی ہے جو بادشاہ کی طرف سے اپنے وفادار کارکنوں کو دی جاتی ہیں۔

دستوری شاہی | پارلیمنٹری طرز کی حکومت جس میں بادشاہ کے اختیارات آئین کے پابند ہوتے ہیں اور آئین سازی پر قوم کے منتخب نمایندوں کا اختیار ہوتا ہے[1]۔

شہنشاہی | وہ حکومت جس کا ایک شہنشاہ ہوتا ہے جو اپنے خاص دائرہ عمل سے باہر نکل کر بہت سی قوموں اور ملکوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیتا ہے۔ بادشاہ قوم پر حکومت کرتا ہے اور شہنشاہ اقوام پر

اعیانی | اس حکومت کا بہترین اصول یہ ہے کہ قوم کے زیادہ معزز، مثلاً شرفا اور اعیان کمتر درجے کے عوام پر حکمراں ہوں۔ یونانیوں میں اسپارٹا کی سلطنت اعیانی طرز کا نمونہ تھی۔ روما کی جمہوریت میں بھی اعیانی تصور کارفرما تھا۔

عمومی حکومت | عوام کی حکومت۔ آزاد عوام اور ایسے شہریوں کی حکومت جن کے حقوق مساوی ہوں۔ عمومیت کا قدیم تصور فرد پر حکومت کے اجتماعی اقتدار کو ترجیح دیتا ہے، انفرادی آزادی تسلیم تو کی جاتی ہے مگر اس کا صدور حکومت کے منبع سے ہونا چاہیے۔

جمہوریت | جدید تصور کے ماتحت جمہور کی نیابتی حکومت۔ عوام خود حکومت نہیں کرتے بلکہ اپنی رائے سے اپنے نمایندے منتخب کر کے جمہوری ایوان میں بھیجتے ہیں جو حکومت کے کاموں میں قوم کی نمایندگی کرتے ہیں۔

مرکزی جمہوریت | عوام کے منتخب نمایندوں اور جمہوری پارلیمنٹ کے ارکان کی حکومت ہو ایک

---

[1] آئینی شاہی نئے زمانہ کا فرد ہے۔ مونٹیسکو کے قول کے مطابق اس کا تخم قدیم جرمنی میں بویا گیا تھا۔ بیلی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طاقتور مرکز سے ان تمام صوبوں کی مجموعی ہیئت پر حکومت کرے، جو پوری طرح مرکزی اقتدار کے ماتحت ہوں۔

لامرکزی جمہوریت | یہ طرزِ حکومت آزاد حکومتوں کی تنظیم سے ایک خاص قسم کی حکومت کو وجود میں لاتا ہے۔ اس کے آزاد عناصر عجیب وغریب قانونی مسلمات کے ماتحت ایک عجیب وغریب مرکز کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ جو درحقیقت عام مفہوم میں مرکزی اقتدار اور طاقت کا مالک نہیں ہوتا۔ آزاد عناصر یا آزاد حکومتیں محض اپنے مفاد کے لیے ایک تنظیم کی صورت اختیار کرتی ہیں، وہ خاص خاص نمائشی اختیارات مرکز کو دے دیتی ہیں اور باقی تمام اختیارات اپنے مضبوط ہاتھ میں رکھتی ہیں۔ امریکن جمہوریت اس طرزِ حکومت کی حیرت انگیز مثال ہے۔

فیڈرل (وفاقی) حکومتیں

پروفیسر ایڈورڈ جنکس تاریخ سیاسیات میں لکھتے ہیں کہ سیاسیات کی گزشتہ صدی کا اصلی قابلِ توجہ پہلو وفاقیتوں کا قیام ہے۔ وفاقی حکومتیں مرکب مملکتوں کا نمونہ ہیں۔ مذکورۂ بالا شاہی، اعیانی، جمہوری مملکتیں زیادہ تر مفرد (وحدانی) قسم کی حکومتیں ہیں۔ مفرد (وحدانی) حکومت سے مُراد ایک ایسی حکومت ہے جو بجائے خود ایک ہو۔ اور اپنا ایک مرکز رکھتی ہو۔ مرکب حکومت کا مفہوم یہ ہے کہ کئی حکومتیں خاص مصالح کے ماتحت متحد ہو کر ایک حکومت بن جائیں۔

ان کا زیادہ واضح اور عام نام اور مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے:۔

وحدانی حکومت | تن تنہا۔ واحد حکومت جو ایک مرکز سے تمام کاموں کو انجام دے۔

وفاقی حکومت | چند آزاد حکومتوں کے وفاق سے ایک متحدہ حکومت کی تشکیل جو خارجی یا اندرونی اثر قبول کر کے باہمی وفاق کو اپنی آزادی کے تحفظ اور علم وتمدن کی ترقی کے لیے قبول کر لیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفاقی عہدیت | کنفڈریشن۔ جب دو یا دو سے زیادہ حکومتیں اپنے معاہدے کر کے بعض ذاتی اختیارات مستقل طور پر یا ایک خاص مقررہ وقت کے لیے ایک مرکزی قوت کو سپرد کر دیتی ہیں۔ مگر اس صورت سے کہ ان کی آزاد اور مستقل حیثیت پر کوئی مخالف اثر نہ عائد ہو اور اپنی آزاد رائے سے اس اتحاد سے علیحدہ ہونے کا حق رکھتی ہیں اور علیحدہ ہو سکتی ہیں۔ زمانہ حال کے سیاسی نظریات، اشتراکیت، قومی اشتراکیت، نازی ڈکٹیٹر شپ (آمریت) فاسطی ڈکٹیٹر شپ (آمریت) مندرجۂ بالا نظریات ہی کے ترقی یافتہ آثار ہیں۔

وہ کتابیں جن سے اس حصہ کی ترتیب میں امداد لی گئی

(۱) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۱ ص ۹

(۲) دائرۃ المعارف (عربی انسائیکلوپیڈیا) پطرس بستانی۔ لفظ حکومت ج ۷ ص ۱۳۲

(۳) انواع الدول وحریت الملل علامہ منصور انصاری (۲ ب) ص ۱۲-۳۸

(۴) نظریہ سلطنت ج ۲ کے مجلہ عثمانیہ۔ مقالہ ۱ ص ۵، ۳ تا ص ۵۰

(۵) تاریخ سیاسیات پروفیسر وڈور ڈجنکس آکسفورڈ باب ۱۲ ص ۱۵۷

(۶) تاریخ عمومی۔ علامہ ہاشم شائق صد مجلس مؤلفین۔ وزارت تعلیم افغانستان ص ۹-۲

مطبوعہ کابل ۱۳۱۶ھ

(۷) تھیوری اینڈ پریکٹس برٹش گورنمنٹ (گورنمنٹ انگریزی کے اصول) وطریق حکومت۔ باب ۱ ص ۲۔ طبع پنجاب ریلیجس سوسائٹی لاہور ۱۹۰۲ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فطری حکومت[1]

انسانی سلطنت کے تمام عقلی اور نمائشی نظریوں کے مقابلہ میں مذہب کا فوق العادۃ نظریہ جو صحیح، سچی، اصولی اور مثالی حکومت دنیا میں قائم کرتا ہے۔ اسلام کے ضابطہ اجتماعی میں اس کے کئی نام ہیں جن کا تعین ان کی مختلف حیثیتوں سے ہوتا ہے۔ اس کا نام دینی[2] حکومت ہے۔ اس لیے کہ ہم اس کا ذکر دنیاوی حکومت کے مقابلہ میں کرتے ہیں۔ اس کا بہت ہی روشن اور مقبول نام حکومتِ الٰہی ہے۔ روئے زمین پر خدائے واحد کی حکومت! یہ اس لیے کہ اس حکومت کا سرچشمہ خداوند عرشِ عظیم کا اقتدارِ اعلیٰ ہے اور ہم اس کو انسانی حکومت کے مقابلہ میں انسانیتِ عامہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس حکومت کو فطری حکومت سے موسوم کرنا اس زمانہ کے عقلی رجحانات کے مطابق ہے۔ مذہب ایک فطری حقیقت ہے خدا نے انسان کو فطرت پر پیدا کیا ہے[3] اس کی فطرت احسن تقویم (معیارِ احسن) پر مبنی ہے۔ فطری حکومت ایک فطری قانون کے تابع ہے۔ اور یہ قانون انسانیتِ عامہ کے فطری واجبات کے مطابق قدرت کی حاکمیت سے دنیا کے دل پر نازل ہوا ہے۔

قرآن عظیم نے چھٹی صدی عیسوی میں انسانی فطرت کی بڑائی کے اصول کی تجدید کی اور اس کو خدا کی طرف نسبت دے کر انسان کے لیے پیش کیا۔ اس طرح فطرت کا اصول اسلام کے

[1] انسانی حکومت کے مقابلہ میں مذہب کی حاکمیت کے ماتحت جو مخصوص حکومت قائم ہوتی ہے اس کو مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ حکومت الٰہی ایک ایسا نام ہے جس کو انجیل اور زبور خدا کی بادشاہت کے نام سے تسلیم کرتے ہیں اس کو تصوری حکومت اور اصولی حکومت بھی قرار دیا گیا ہے جب اس کو معیاری اور مثالی حکومت کہا ہوں علامہ منصور انصاری اس کو فطری حکومت کا نام دیتے ہیں اس لیے یہاں اسی نام کو ترجیح دی گئی ہے فطری حکومت حکومتِ الٰہی کا دوسرا بڑا اہم نام ہے۔ (غازی)

[2] نظریۂ سلطنت (بلنچلی)، عثمانیہ م ۶۔ باب ۶، ص ۳۶۲۔ ۱، ۳ دیکھو مذہبی حکومت۔

[3] الدر النثیر علامہ جلال الدین سیوطی ج ۳ باب الفاء ص ۲۲۱ کلیات ابو البقاء باب الفاء ص ۴۰۵ طبع آستانہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظامِ اجتماعی میں داخل ہو گیا[1] ژان ژاک روسو (Rouseau) نے اٹھارویں صدی میں انسانی نقطۂ نگاہ سے اس کو تسلیم کیا[2] اور فطری رہنماؤں کی تقلید میں آزادی، مساوات، اخوت اور انسانیت کے وہ نعرے بلند کیے جن کو خدا کے پیغمبر نامعلوم زمانوں سے اور پیغمبرِ اعظم ایک ہزار سال پہلے بلند کر کے قدرت کے اولین منشار کو پورا کر چکے تھے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روسو اسلام اور قرآن کی قانونی حکمتوں کا مطالعہ کر چکا تھا۔ اور قرآن اس سے صدیوں پہلے انسانی فطرت کو تسلیم کر چکا تھا۔[3]

انسان کی فطرت اچھی ہے، انسانی فطرت کو ہر چیز کی طرح خدا نے پیدا کیا ہے، انسانیتِ عامہ کا نظامِ اجتماعی (دینِ قیم) فطرت پر مبنی ہے۔ یہ نظریات ہیں جن کی بنا پر علامہ منصور انصاری دینی حکومت کو فطری حکومت کہتے ہیں[4]۔ وہ فرماتے ہیں:-

"وقت آ چکا ہے کہ انسانی بہتری کے لیے سچی اور صحیح اجتماعی فطرت کے اصول کو پھر قائم کیا جائے اور اس کو عصرِ حاضر کے سیاسی رہنماؤں اور ترقی یافتہ اقوام یورپ، امریکہ، جاپان، چین، ہندوستان، عرب اور افریقہ کی قوموں کے سامنے پیش کیا جائے۔ فطری حکومت کیا ہے۔ خلافتِ راشدہ ——— بہتر سے بہتر نیابتی حکومت ——— جو بنی امیہ، بنی عباس اور آلِ عثمان کی اجتماعی بدعتوں سے پاک ہو"

فطری حکومت کے دو رُخ دینی حکومت کی تاریخی سرگزشت وقت کے صادق تقاضوں کی مکمل داستان ہے۔ جب ہم خدا اور انسان کے اُس قریبی ربط پر غور کرتے ہیں جس کا تعلق دین و دنیا کے معاملات اور دنیا کے سیاسی نظم اور قدرتی تنظیم سے ہے تو ہم کو فطری حکومت کے دو رُخ صاف صورت میں نظر آ جاتے ہیں۔

---

[1] فطرت کا تعلق قانونِ انبیاء سے ہے۔ دیکھو النہایہ ابن اثیر ج ۳ باب الفاء ص ۲۳۲۔
[2] مبادی سیاسیات پروفیسر شروانی ایم اے۔ باب ۳ ص ۳۷ [3] الاسلام والحضارۃ العربیہ کرد علی ج ۱ ص ۶۹ [4] حکومتِ الٰہی (فارسی متن) ص ۱۲ طبع اول ۱۳۵۰ھ بجنور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۱) فوق العادۃ اور بالا دست طاقت کا اقتدارِ اعلیٰ جو حکومت کا منبع اور عزت کا چشمہ ہے جو حکومت کا خالق بھی ہے اور مالک بھی[۱]۔

(۲) انسانی دائرہ میں کچھ ایسے کامل و مکمل انسانوں کی موجودگی جو دنیا میں مندرجہ بالا اقتدار کی نمائندگی کے فرائض بے مثال فرض شناسی کے ساتھ انجام دیتے ہیں اور دنیا کے جسم و روح اور ظاہر و باطن پر حکومت کرتے ہیں[۲]۔ یہ دونوں رُخ اپنی اصطلاحی شکل میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

حکومتِ الٰہی:۔ روئے زمین پر تن تنہا ایک خدا کی حکومت اپنے تمام قانونی اقتدار و اختیار کے ساتھ[۳]۔

خلافتِ عظمیٰ:۔ ان باکمال معتمد اور نمائندہ افراد کی نیابتی حاکمانہ ذمہ داری جو نمائندگی کی قانونی دستاویز لے کر اور الہام کی قوت پا کر دنیا اور اہل دنیا کے دائرہ حیات میں داخل ہوتے ہیں اور امامت اقوام (Led Ier ship of The Nations) کے عظیم الشان کام کو اول درجہ کے رہنما کی حیثیت سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں یا وہ نیابتی امارت (Subsidiery Court) جو مندرجہ بالا افراد کے منتخب جانشینوں اور ان کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے اور امامتِ کبریٰ (Universal leadership) کی حیثیت حاصل کر لیتی ہے۔

خداوند عالم کو دنیا کے نظام اجتماعی پر ہمیشہ سے آج تک جو اقتدار حاصل رہا ہے تاریخ عالم کے	نظری حکومت کے عناصر ترکیبی خدائے عالم اور اس کا اقتدار اعلیٰ نبوت اور انبیاء کا قانونی سلسلہ

ہر دور میں عقلائے زمانہ نے اس کو دلی عقیدت کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ یہی اقتدار حکومتِ الٰہی

---

[۱] تقریر دلپذیر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب طبع قاسمی باضافہ عنوانات۔ دیکھو مسئلہ توحید۔ ص ۲۳۔۲۴
[۲] ایضاح الادلہ سیدنا شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی (قضاء قاضی) [۳] بحر المحیط ابو حیان اندلسی ج ۱ ص ۴۰، [۴] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۱ ص ۲۱۰۱ [۵] کلیات العلوم ابو البقاء حنفی باب (ا۔م) ص ۱۳۲

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن دنیا کے عام مطمحِ نظر کے اعتبار سے اس اقتدار کو تسلیم کرنے کے بعد جو بات اہم تر ہے
ہے کہ فطری حکومت کا تمام کام خدا کے اُن پیغمبروں کے ہاتھوں میں آکر مکمل تنظیم کی صورت
رکرتا ہے جن کی صداقت پر لا مذہب انسان بھی حرف نہیں لا سکتے[1]۔ اسی بنا پر یہ کہنا
ائی واقعیت رکھتا ہے کہ حکومتِ الٰہی اور خلافتِ انبیاء دونوں ایک ہی تصورِ حکومت کے
رخ ہیں۔ حکومتِ الٰہی کے نظریہ کا رجحان ہمیشہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہوتا ہے اور
فتِ انبیاء کا میلان ہر زمانہ میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف رہا ہے۔

اسلام کے نظریۂ سیاسی کا پہلا کلیہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام حقیقتیں ایک حقیقتِ کبریٰ میں
م ہو جاتی ہیں۔ ہماری بوڑھی دنیا اپنے بچپن سے آج تک قدرتِ خداوندی کے ناقابلِ تردید
ا قتدار اور ہمہ گیر منشا کے ماتحت مستقبل کے نامعلوم خطوط کی طرف آگے بڑھ رہی ہے۔ اللہ نے
دنیا کو پیدا کیا ہے اس کا ارادہ بلندی کے منتہا سے دنیا پر حکومت کر رہا ہے، اس کی مرضی
کچھ ایسے لوگوں کو چھانٹ لیتی ہے جو دنیا میں اس کے اقتدارِ اعلیٰ کی نمایندگی کرتے ہیں[2]،
اور دینی اساس پر دنیا کی تنظیم و ترقی میں خدا کے نائب کی حیثیت سے حصہ لیتے ہیں۔

یہ اسلامی نظریہ کا دوسرا کلیہ ہے کہ ہر پیغمبر اپنے زمانہ میں خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے امتِ
اُمت کے منصبِ عظمیٰ پر فائز رہا ہے۔ حکومتِ الٰہی اور خلافتِ عظمیٰ کا تمام و کمال دارو
مدار پیغمبروں کی شخصی عظمت اور قانونی اہمیت پر ہے یہی وجہ ہے کہ خدا کے بعد نبی کی ہستی
انسانی فہم کے لیے سب سے بڑی شے ہے۔

نبوت کا منصبِ عظیم اور انبیاء کی آئینی حیثیت

"نبوت" ایک منصبِ عظیم ہے جس کے ماتحت فطری حکومت کا نظام انسانی تصور میں اپنا مقام پیدا کرتا ہے۔ اپنی حکمت عملی کو اقتدار و اختیار
کی جولانگاہ میں لاتا ہے۔ اپنی سلطنت کا قالب تیار کرتا ہے اور اس سلطنت کی حدود قائم کرتا ہے

[1] کلیات العلوم ابوالبقا حنفی باب (ا۔م) ص ۱۳۳ [2] ایضاً فصل الراء "الرسالۃ" ص ۳۵۱-۳۵۲
[3] حجۃ اللہ البالغہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی ج ۱ ص ۸۴۔ باب حقیقۃ النبوۃ وخواصہا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حکومت کی شیرازہ بندی میں حصہ لیتا ہے۔ نبوت کی امداد سے ہماری سیاست، اجتماعی ہیئت کی روحِ عمل کو حرکت دیتی ہے اور حکومتِ الٰہی کے مطلعِ نظر کو منظرِ عام پر لے آتی ہے۔

اسلام کے اجتماعی قانون میں انبیاء کو جو آئینی اہمیت حاصل ہے وہ نبوت کے منصبِ عظیم کا ہی نتیجہ ہے۔

انبیاء انسانیتِ عامہ کے روحانی ہیرو ہیں جنہوں نے اکثر حالات میں تنِ تنہا اصلاح و ترقی کی راہ میں وہ دلیرانہ کارنامے انجام دیے جو کارناموں کی دنیا میں بے مثال تھے۔ وہ اپنے ہر سیاسی قول اور اجتماعی فعل میں خدا کی طرف سے مجاز ہوتے ہیں اور ان کے قوائے عقلی کو روحانی معراج حاصل ہوتی ہے

انبیاء کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خداوند عالم کے اقتدارِ اعلیٰ اور بنی آدم کی عظمتِ اجتماعی کے درمیان صحیح ربط پیدا کریں۔ یہی ذمہ داری ہے جس کی بنا پر یہ کہنا بجا ہے کہ ہر نبی اور پیغمبر انسانیت کے تاریک دور میں مالک الملک کی نورانی دنیا کا سفیر ہوتا ہے۔ زمین و آسمان کا نور اس کا ساتھ دیتا ہے۔ ایک روشن اور لکھا ہوا قانون کتاب کی صورت میں اُس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور اس کی توجہ تمام تر انسان کی اصلاحِ حال اور روشن مستقبل کی طرف ہوتی ہے۔

مورخ طبری نے ابی ہریرہؓ سے جو روایت بیان کی ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی مستقل جماعتی حیثیت میں "روشنی اور نور"[1] کی قوم ہیں۔ جن کو خداوند عالم نے اپنے بندوں کی دنیا میں اپنے نمائندہ اور سفیر کی حیثیت سے روشن مقاصد کے لیے بھیجا ہے۔

انسانی معاشرہ کے قدیم آثار کی تحقیق یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ ہماری دنیا کی

---

[1] تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مطبوعہ مصر (ذکر وفات آدم) اذا قومٌ علیھم نورٌ۔ یکایک ایک نورانی قوم نظر آئی ـــــ ھٰؤلاء الانبیاء والرسل الذین ارسل الی عبادی ـ یہ انبیاء اور رسول تھے جو بندگان خدا کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (جلد اول۔ص ۸۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنہری تاریخ انبیاء ہی کی تاریخ ہے۔ انبیاء کرام خدائی فرمان سے عزت پاتے ہیں غیبی استعداد کے ماتحت خدا کے پیغام کو قبول کرتے ہیں۔ خدا کے حکم سے اپنی اجتماعی مہم کو سچائی اور انصاف کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔ اپنی فطرت کو خدا کے اعلیٰ قوانین کے مطابق بنا لیتے ہیں اور انسانِ کامل بن کر انسانیتِ عامہ کے محسن اور مصلح بن جاتے ہیں۔

یہ برگزیدہ اصحاب اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان سلسلۂ تنظیم کی زریں کڑی ہیں۔ خدا اور بندگانِ خدا کے ربط و تعلق کو قائم رکھنا اور اُس رشتۂ محکم کی حفاظت کرنا جس کا تعلق ایک طرف فطری حکومت سے ہے اور دوسری طرف انسانوں کے مفادِ عامہ سے انہی پاک نفس نمایندگانِ خدا کی مذہبی اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا قانون منصبِ نبوت سے ہم آہنگ ہو کر بلندی سے زمین پر اُترتا ہے اور انسانی عقل کے نشیبی مدرکات کو متاثر کر کے فطرت کے بلند مطمحِ نظر کی طرف لیجاتا ہے۔ انبیاء اس قانون کو قبول کر کے اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ مقبول دلائل سے اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے نفاذ اور اجراء کے لیے لازوال طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ ایک امانت ہوتی ہے جس کو تمام موانع، مصائب اور مشکلات کے باوجود انسانوں تک پہنچایا جاتا ہے۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انسان اور انسانی فطرت کا صادق ترین میلان ہمیشہ سے خدا کے پیغمبروں کو اپنے عقائد کے مضبوط قلعہ میں جگہ دیتا رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ مادیت میں الجھی ہوئی عقلیں جو اپنے اندر انبیاء کے منصبِ عظیم کو تسلیم کرنے کی استعداد نہیں پاتیں انکار کر بیٹھیں مگر انسانی بصیرت نئے نظریوں کی ناکام نمائش سے مرعوب ہونے کے باوجود اُس ساری حیرت انگیز تاریخ کو نظر انداز نہیں کر سکتی جس کا تعلق ان اولوالعزم پیغمبروں سے ہے جنھوں نے ہماری دنیا کو بنانے سنوارنے اور صحیح طور پر ترقی دینے میں زبردست کام کیا ہے انبیاء کا سیاسی نصب العین ایک ایسے قدیم اور صحیح طرزِ خیال سے متعلق ہے جس کی واقفیت نئے دور کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگرچہ دنیا میں ہمیشہ سے اقرار اور انکار کی دو قوتیں کام کر رہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہیں لیکن انبیاء کے ظہور کے بعد انسان سے انکار کے حق کو سلب کر لیا گیا ہے۔ رسولوں کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان ازلی قوانین کے مطالبات سے آگاہ ہو جائے غفلت میں پڑ کر گمراہ نہ ہو، گمراہ ہو تو خدا کی قدرت اور اپنی فطرتِ حسنہ کو الزام نہ دے۔ قرآن عظیم اسی حقیقت کو الہامی الفاظ میں پیش کرتا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ	(ہم نے) رسول بھیجے خوش آیند حقائق کی خبر دینے والے
لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ	اور ڈرانے والے تاکہ نسلِ انسانی کے افراد کو اللہ پر
حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ	الزام کا حق باقی نہ رہے (ان) رسولوں کی (آمد)
اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ (نساء)[1]	کے بعد اللہ زبردست ہے اور حکمت کا مالک ہے۔

اسلام کے علماء اجتماعیات کی آراء

اسلام کے علماء اجتماعیات نے نبوت کو مہتم بالشان منصب قرار دیا ہے انھوں نے تشریح و تعبیر کے جو طریقے اختیار کیے ہیں ان میں یہ بتایا ہے کہ نبوت ایک قانونی قوت ہے، نبوت ایک ربانی مہم ہے، ایک خاص طرز کی نمائندگی ہے۔ ایک خاص قسم کی نورانی قیادت ہے۔ ان آراء کا علیحدہ علیحدہ تجزیہ کرنے سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ نبوت کا منصب حاصل کرنے والی ہستیاں خدا کی [illegible] یا تو طاقتور حکومت کی نمائندہ رہی ہیں یا اس حکومت کے تمام کاموں [illegible] دار قرار دی گئی ہیں[2]۔

ایک نبی کو خلیفۃ اللہ (اللہ کے آئینی نائب) کی حیثیت سے جو کام کرنا پڑتا ہے اس کے لیے قوت ضروری عنصر ہے[3]۔ نئے زمانہ کے علماءِ قانون کہتے ہیں کہ حکومت کی اصل قوت ہے، بلکہ قوت ہی حکومت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ رائے اسی قدیم ربانی نظریہ سے ماخوذ ہو۔ نبی کی عظمت اور قوت خدا کی عظمت اور قوت کا نمونہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم قرآن عظیم

---

[1] قرآنِ عظیم پ ۶۔ نساء ص ۱۴۳، طبع بجنور۔ [2] دیکھو تفصیل کے لیے البدایہ والنہایہ ج ۱، ص ۲۷۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۱ (صفحات متعلقہ تاریخ انبیاء)۔ [3] حکومت اور قوت کے باہمی تعلق کی تائید کے لیے دیکھو السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ امام ابن تیمیہ ۲ ص، طبع اول خیریہ مصر ۱۳۲۲ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ضابطۂ اجتماعی میں یہ دو اصولی دفعات پلتے ہیں۔

(ا) "عزت اللہ کا حق ہے" اور حکومت اللہ کی ملک، وہ جس کو چاہتا ہے عزت اور حکومت دیتا ہے۔

(ب) تمام قوموں کا مالک اللہ ہے اور یہ ناقابلِ شک قانون ہے۔

قانونی قوت نبوت پہلے درجہ میں ایک قانونی قوت ہے اور نبی اس قوت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ قوت آئینی تواتر کے ساتھ ایک منتخب ہستی سے دوسری ہستی کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جب نبوت کی یہ قوت خدا کے پیغام کو قبول کر لیتی ہے اور نبی خدا کے قانون کا حامل ہو جاتا ہے تو اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پوری طاقت کے ساتھ اس کو اپنے ہاتھ میں لیگا، اور اس کے اجراء کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریگا جو ایک مامور اور خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتی ہیں۔ یہی وہ نظریۂ قوت ہے جس کی بنا پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ انبیاء اپنی مستقل ذمہ دارانہ حیثیت میں زبردست اور امتیازی قوت کے مالک ہوتے ہیں[1]۔

امام ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی مرتبہ قانونِ الٰہی نازل ہوا تو زمانۂ جاہلیت کے مشہور عرب موحّد ورقہ بن نوفل نے اپنے وجدانِ صحیح کو ان الفاظ میں پیش کیا تھا "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آپ اس اُمت کے نبی ہیں اور آپ کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا" یعنی وہ بڑی سے بڑی عزت جو منصبِ نبوت کی شکل میں حاصل ہوتی ہے، آپ کو عطا کی گئی ہے[2]۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

ولنبوۃ اثقالٌ ومؤنۃٌ لا یحملھا — نبوت ان ذمہ داریوں کے بارِ گراں کا نام ہے

ولا یستطیع بھا الا اھل القوۃ — جن سے عہدہ برآ ہونا اولوا العزم اور ارباب قوت

---

[1] مفردات امام راغب اصفہانی (ملک) ص ۱۲۶ طبع خیریہ مصر۔

[2] سیرۃ ابن ہشام ج ا ص ۱۲۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والعزم من الرسل[1] پیغمبروں کے علاوہ کسی دوسرے کا کام نہیں[2]

ربانی مہم امام ابو محمد بن حزم کی تصریح کے مطابق نبوت ایک ربانی مہم ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک جماعت کو منتخب کرتا ہے جس کے افراد درجۂ کمال پر پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ وہ کسی یونیورسٹی میں کسی معلم اور پروفیسر سے تعلیم حاصل نہیں کرتے مگر علم کی خداداد دولت کے مالک ہوتے ہیں۔ اور یہ دولت بے طلب اُن کو دی جاتی ہے۔

انسانی زندگی کے دائرہ میں ہر مقصد کی کامیابی کے لیے تعلیم اور رہنمائی دو ضروری چیزیں ہیں۔ نبی کی ہستی ان دونوں ضرورتوں کو خدا کے پیغام اور قانونِ وحی کے ذریعہ پورا کرتی ہے[3]

ربانی سفارت امام راغب اصفہانی قرآن کے ترجمان کی حیثیت سے یہ رائے رکھتے ہیں کہ نبوت ربانی سفارت ہے۔ یہ منصب ایک قسم کی نمایندگی ہے۔ جس کا تعلق تین اُمور سے ہے۔ اللہ سے، اللہ کے بندوں کے مصالحِ آخرت سے اور دنیا کے معاشی مفاد سے اور خود اُن لوگوں سے جو قوائے عقلی کے اعتبار سے برگزیدہ ہوتے ہیں اور نبوت کا منصب حاصل کرتے ہیں۔

انبیاء کو دربارِ خداوندی سے زبردست اور مفید ہدایات اور اطلاعات ملتی ہیں۔ جو اُن کی باخبری کے لیے ایک مستقل وجہ بن جاتی ہیں[4]

علامہ راغب اصفہانی اپنی قابل قدر سیاسی تصنیف الذریعہ الی مکارم الشریعہ میں لکھتے ہیں کہ:-

"بنی نوع انسان کے دائرہ حیات میں انبیاء کی مہم کا آنا انسانی زندگی کی لازمی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہے۔ انسان کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ حقیقی اور دائمی منافع اور

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۲۹ [2] [illegible] قوت کا سرچشمہ خداوند عالم کی قوت ہے کیونکہ وہی اصل ہے۔ دیکھو الملل والنحل ابن حزم جلد ۱ ص ۱۳۱ طبع محمد علی [3] الملل والنحل علامہ ابن حزم ج ۱ ص ۶۴-۵ دائرۃ المعارف فرید وجدی۔ لفظ نبا رج ۸ ص ۲۷، ۲۹- [4] مفردات القرآن امام راغب ج ۴ ص ۱۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقصانات سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے اصولی فوائد اور جزئی مفاد کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ قدرتاً یہ ضروری تھا کہ پیغمبروں کا ظہور ہو۔ جو بنی نوع انسان کو اللہ کے احکام پڑھ کر سنائیں۔ انسان کو پاک نفس بنائیں، علم و فن کی طرف متوجہ کریں، خداوندی قانون کی تعلیم دیں، ربانی سیاست اور حکمت کے نکات سمجھائیں تاکہ انسان کے لیے اپنے بہترین مفاد اور معاش سے وابستہ رہنے اور اپنی صلاح و فلاح کو سمجھنے کے مواقع پیدا ہو سکیں[1]۔

علامہ ابن خلدون نے انبیار کے متعلق جو تصریحات پیش کی ہیں ان سے وہ تمام اوصاف سامنے آجاتے ہیں جن کا تعلق خدا اور بندگانِ خدا سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

نبوت خدا کے پیغام کو قبول کرنے کی غیبی استعداد ہے جو محنت سے حاصل ہونے کی بجائے فطرت کی ذاتی صلاحیت سے پیدا ہوتی ہے۔ انبیار خدا کے انتخاب کردہ برگزیدہ انسان ہیں۔ اللہ نے چند اشخاص کو شرافت اور فضل و کمال کے بلند درجہ پر پہنچایا۔ ان سے ہم کلام ہو کر اپنی معرفت کو ان کی فطرت میں داخل کیا۔ انہیں اپنے اور بندوں کے درمیان واسطہ بنایا۔ ان کو بصیرت عطا کی اور اپنی عابد قوم کے مفادِ عامہ کے تمام رازوں سے باخبر کیا۔

انبیار کی ذمہ داری یہ ہے کہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے مستعد رہیں۔ ان کو آگ میں گرنے سے بچائیں، تمام بُری راہوں اور نقصان پہنچانے والی باتوں سے بچا کر سچی آزادی اور نجات کی راہ کی طرف مشعل دکھائیں اور علوم و فنون کو انسانی دسترس میں دے دیں۔

انبیار ایسی پیشین گوئی کرتے ہیں جو اپنی صداقت کے اعتبار سے دوسری زبان پر نہیں آسکتی۔ اللہ کے دربار سے ان نامعلوم احکام کا علم حاصل کرتے ہیں جو اللہ کے علاوہ کسی انسان کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا[2]۔

انبیار کی دو نمایاں علامتیں ہیں (۱) سچائی (۲) قانونِ الٰہی کے نزول کے وقت دنیا و مافیہا سے بے تعلقی، وہ بے تعلقی جو روحانی بادشاہ سے ہمکلام ہونے کا نتیجہ ہوتی ہے[3]۔

---

[1] الذریعہ الی مکارم الشریعہ ب ۹ ص ۶۸، ۶۹ [2] مقدمہ ابن خلدون فصل مقدمہ ۶ [3] ایضاً ص ۸۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبوت کے لیے صدقِ مقال[1] اساسی شے ہے۔ خلافتِ الٰہی کے نظامِ اجتماعی کی بنیاد ہمیشہ اسی صداقت پر قائم رہی ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں ختمِ نبوت تک انبیاء آتے رہے ہیں۔ اس پر دوستوں اور دشمنوں کا اتفاق ہے کہ ہر نبی اپنی کردار کے اعتبار سے انسانیتِ عامہ کا محسن اور رہبرات میں صادق تھا۔ انبیاء کی صداقت تاریخ کے مسلمات میں سے ہے۔ مذہبی انسانوں کی طرح لامذہب انسان بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ انبیاء نے اپنے بچپن اور اپنی جوانی میں کبھی صداقت کا دامن نہیں چھوڑا۔

علامہ ابی البقا حنفی نے اپنی کلیات العلوم میں نبوت اور حکومت کے ربط کو بھی پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"نبوت میں بلندی ذوقِ نظر کی بلندی کا لحاظ پایا جاتا ہے۔ نبی آزاد انسان ہوتا ہے اس کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس سے عظیم فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہ معصوم اور برائیوں سے پاک صاف ہوتا ہے (دنیا کے اچھے سے اچھے قائد و رہنما کے متعلق جو دعویٰ نہیں کیا جا سکتا وہ ہر نبی کے کردار کے متعلق کیا جا سکتا ہے) وہ اپنے عصر میں اخلاقی کمالات اور ارتقا کے اعلیٰ درجہ پر ہوتا ہے۔ خداوند برتر اس کے مرتبہ کو بلند کر دیتا ہے اور اس کو اپنے مقصد و منشاء اور اپنی مرضی کے لیے چھانٹ لیتا ہے۔ اس پر اپنا قانون (شرع) نازل کرتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ قانونی احکام کی اشاعت کی جائے اور خدا کی عظمت کے ساتھ اس کی حکومت کے احکام کو نافذ کیا جائے۔"[1]

امام شاہ ولی اللہ دہلوی یہ تصریح کرتے ہیں:

"نبی ربانی سیاست کے ماتحت عوام الناس کے دائرۂ حیات میں بھیجا جاتا ہے۔ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے، اس کی خوشی میں خدا کی خوشی ہوتی ہے اور اس سے

---

[1] مفردات القرآن امام راغب اصفہانی ج ۴ ص ۱۴۳ مطبوعہ خیریہ قاہرہ۔ کلیات ابوالبقاء فصل نون ص ۶۵۴ مطبوعہ آستانہ

[2] حجۃ اللہ البالغہ باب حقیقۃ النبوۃ ص ۸۴ مطبوعہ منیریہ ۱۳۵۲ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بغاوت کرنے میں خدا سے بغاوت اور دوری لازم آتی ہے" خلیفہ کی حیثیت سے نبی کی ذمہ داریوں کا لحاظ کیا جائیگا تو کہا جائیگا "وہ ہستی جو سیاسیات کے اصولی قوانین کو بنی نوع انسان کے ماحول میں انصاف کے ساتھ جاری کرے[1]"

قرآن حکیم میں انبیاء کی فطری حکومتوں کا ذکر

قرآن حکیم کے سلسلہ ذکر میں انبیاء کرام تسبیح کے پاکیزہ دانوں کی طرح صفحہ بہ صفحہ نظر آتے ہیں آدم علیہ السلام کے ابتدائی عصر سے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ عروج و کمال تک پیغمبروں کی آمد کا مفید سلسلہ جاری رہا ہے۔ انبیاء کے جو اوصاف قرآن کے ضابطۂ سیاست و سلطنت میں ذکر کیے گئے ہیں ان میں نبوت کے بعد کوئی وصف اتنا نمایاں نہیں جس قدر ان کا وہ کردار جس کا تعلق حکومت سے ہے۔ اور اقوام و ملل کی سرداری اور رہنمائی سے ہے

قرآن کے بیان اور فرمان کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام پہلے اور سردار دو عالم آخری پیغمبر ہیں جن کو خدا کی طرف سے نائب حکومت اور جانشینِ سلطنت (خلیفۃ اللہ) کا منصب[2] حاصل ہوا ہے۔

درمیانی سلسلہ کے تمام انبیاء کو شامل کرنے کے بعد ہم اس سلسلہ کو کئی زمانوں پر تقسیم کرسکتے ہیں۔ ان میں سے ہر دور کے پیغمبر حکومت و سلطنت کے سیاسی واجبات کے ذمہ دار رہے ہیں۔

ابتدائی دور

دینی اور فطری حکومت کا وہ ابتدائی دور جس کو ہم تخلیقی اور تکوینی اور تصوری دور کہتے ہیں اس لیے کہ یہ دور حکومت سے زیادہ حکومت کے تصورات کی تخلیق و تکوین کی ابتدا کا زمانہ تھا۔ یہ دور سیدنا آدم علیہ السلام سے سیدنا نوح علیہ السلام کے عصر ظہور پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت ادریس مشہور پیغمبر ہوئے ہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ باب حقیقۃ النبوۃ ص ۸۳ مطبوعہ منیریہ ۱۳۵۲ھ [2] انبیاء کی نیابتی حکومتوں کے تاریخی احوال کے لیے دیکھو قرآن عظیم ترجمہ سیدنا شیخ الہند، فوائد علامہ شبیر احمد عثمانی طبع بجنور۔ تاریخ طبری ج ۱۔ تاریخ ابن اثیر ج ۱۔ تاریخ ابن کثیر ج ۱-۲۔ قصص الانبیاء (عبدالوہاب النجار ازہری)۔ ارض القرآن سید سلیمان ندوی۔ ج ۱-۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنظیمی دور | فطری حکومت کے سیاسی معاشرہ اور سوسائٹی کا اصلاحی دور جس میں انسانی تنظیم کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس دور میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ نے تاریخی شہرت حاصل کی۔

اجتماعی دور | یہ دور حضرت ابراہیم (۲۰۰۰ ق م) سے شرف آغاز حاصل کرتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۶۳۲ء) پر ختم ہوجاتا ہے۔ یہ دور دو بڑے اجتماعی سلسلوں میں تقسیم ہوجاتا ہے، دونوں سلسلوں کے وہ سردار اور رہنما جن کا قرآن حکیم میں ذکر ہے، حسب ذیل ہیں:۔

بنی اسحٰق: حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوب (اسرائیل) حضرت یوسفؑ۔ (بنی اسرائیل) حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت الیاس، حضرت یسع، حضرت ذوالکفل، حضرات داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ (علیہم السلام)۔ بنی اسمٰعیل: حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ ایک زمانہ میں خلافتِ الٰہی کے حاکمانہ اور حکیمانہ خیالات کی ترجمانی کرتے رہے ہیں ان کے بعد عرب کی سیاسی سیادت بنی اسمٰعیل کے حصہ میں آئی۔ حجاز تک اس سلسلہ کے آثار ملتے ہیں۔

نبطی حکومت جو بحر احمر سے نہر فرات تک وادی القریٰ، مدین اور قلمروئے رقیم (پٹرا) پر حکمران تھی۔ غسّانی حکومت جو ظہورِ اسلام تک شام پر حاکم رہی۔ بنی قیدار کی حکومتیں، قصی ابن کلاب کی عربی امارت۔ اور پیغمبر اعظم، سردار دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابتی حکومت اسمٰعیلی سلسلہ کی حکومتیں تسلیم کی گئی ہیں۔ آخری اسلامی دور کو بھی تمام و کمال سیدنا اسمٰعیل سے نسبت کا شرف حاصل ہے۔

انبیاء کے دو طبقے | ہمارے نظریۂ اجتماعی کی رو سے انبیاء کے دو طبقے ہیں۔ پہلے طبقہ میں وہ پیغمبر شامل ہیں جنہوں نے فطری معاشرہ کی اصلاح و ترقی میں حصہ لیا ہے۔ انہوں نے حکومت

لہ سلسلہ براہیمی کے پیغمبروں کی تفصیل کے لیے قرآن عظیم کی حسب ذیل سورتیں ملاحظہ فرمائیے۔ آل عمران، النساء، الانعام، الانبیاء، الاحزاب، ص۔ اردو داں اصحاب تفسیر حقانی اور قرآن عظیم مترجمہ شیخ الہند سے مفید مقصد استفادہ کر سکتے ہیں۔

تو نہیں قائم کی لیکن دنیا کی جعلی حکومتوں کے مقابلہ میں دینی اور فطری حکومت کے نظریات کو نمایاں کیا ہے۔ حکومت سے پہلے حکومت کا تصور پیدا کرنا ان کی عاملانہ سیاسی ذمہ داریوں میں سے ایک عظیم ذمہ داری تھی۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت عیسیٰؑ اسی طبقہ اولیٰ کے ممتاز رکن ہیں۔

دوسرے طبقہ میں وہ پیغمبر داخل ہیں جنہوں نے مذہبِ فطرت کے اصولی قوانین کے مطابق انسانی معاشرہ کو منظم اور نیابتی طرز پر حکومت قائم کر کے ایک اہم خدائی فرض کی تکمیل کی۔ حضرت شیثؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت یوشعؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس طبقہ کی مقدس، برگزیدہ اور قابلِ ذکر شخصیتیں ہیں۔

اسلامی عقیدہ اُن پیغمبروں کی عظمت کو بھی تسلیم کرتا ہے جن کا نام قرآن کے سلسلۂ ذکر میں نہیں ہے۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے سیدنا آدم پہلے انسان اور پہلے پیغمبر ہیں جن کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے مؤسس اول ہیں۔

قرآن کے ابتدائی تین پاروں میں جلیل القدر انبیاء کی تاریخِ حیات درج ہے۔ اس مختصر خاکہ میں اُس تصورِ حکومت کا نقش بھی سامنے آجاتا ہے جو حکومتِ الٰہی اور خلافتِ انبیاء کا مقصد ہے[2]۔ قرآن کا پہلا اعلان یہ ہے کہ سیدنا آدم کو نیابتی حکومت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ ابلاغ ہے کہ ابراہیم دنیا میں ایک اُمتِ عظمیٰ کی تنظیم کے لیے امام بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ان کو حکومت و رہنمائی کا وہ اعلیٰ سے اعلیٰ سلیقہ دیا گیا ہے جس کو ہماری اصطلاح میں رُشد کا نام دیا جاتا ہے۔ دنیا کی رہنمائی کے لیے جو اوصاف ضروری ہیں ابراہیم کی پاکیزہ فطرت ان سے عیناً ربط رکھتی ہے۔ کیونکہ مزاج کا تحمل، دل کی نرمی، در مقصد پر توجہ سیدنا ابراہیم کے خاص صفات تھے[3]

---

[1] بروایت تورات۔ تفصیل کے لیے دیکھو نظریہ سلطنت (گلچنی) م (۱) ب ۱-۳- ص ۱۲-۱۵-

[2] قرآن عظیم۔ دیکھو قانونِ الٰہی، حکومتِ الٰہی، منصبِ نبوت کا تعلق ربانی تنظیم اور انبیاء کرام سے پ ۳ آل عمران (ما کان لبشر تا کونوا ربانیین۔ دیکھو انبیاء کے نام اور اُن کے سلسلے قل امنا باللہ ــــ ونحن لہ مسلمون۔ مزید تفصیل پ ۶ النساء میں دیکھو

[3] قرآن عظیم پ ۱۲ ہود۔

قرآن کی پاکیزہ سیاسی زبان میں ہیں اس کے علاوہ دوسرے انبیاء کی سلطنتوں اور سرداری کا حال بھی ملتا ہے[1]۔ جب ایک انسان خلافتِ آدم اور امانتِ ابراہیمؑ کی حکایت سننے کے بعد دوسرے انبیاء کی عظمت کا حال معلوم کرنے کے لیے متوجہ ہوتا ہے تو اُس کو قرآن حکیم سے اولیں مرحلہ پر یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ "حکومت اللہ کی چیز ہے اور وہی اس کا مختار ہے" اس اجتماعی عقیدہ سے فیضیاب ہونے کے بعد اس کی نظر آدمؑ و نوحؑ کے علاوہ ابراہیم و عمران کے تاریخی سلسلہ کے ان سرداروں پر پڑتی ہے جو دنیا جہان سے پسند کیے گئے ہیں[2]۔ پھر یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ ابراہیم کی نسل کو تحریری قانون، حکمتِ سیاسی اور سلطنتِ عظمیٰ سے بھی بہرہ مند کیا گیا ہے[3]۔ حضرت موسیٰ کے متعلق فرمانِ مبین ہے کہ ہم نے ان کو اپنے احکام اور سلطانِ مبین (ناقابل انکار غلبہ) کے ساتھ بھیجا ہے

سیدنا عیسیٰؑ کے باب میں تصریح ہے کہ وہ سید و سردار ہیں، حصور یعنی پاکدامن ہیں۔ آخرت کی طرح دنیا میں وجاہت مندبتی ہیں[4]۔ آخر میں رہنمائے عالم اور سردارِ دو عالم کے متعلق پیشور ہے کہ تم مسلمانوں کی تمدنی تنظیم سے جو اجتماعی ہیئت بناؤ گے اس کو روئے زمین کی نیابتی حکومت اور عالمگیر غلبہ[5] حاصل ہوگا۔

---

[1] قرآنِ حکیم میں اس حال کی شیرازہ بندی سورۂ انبیاء سے زیادہ کسی دوسری جگہ نہیں کی گئی۔ یہاں سیدنا ابراہیم کی معیاری حکومت، حضرت لوط کی آزادی اور پیغمبروں کی امامت کا ذکر درج ہے۔

[2] قرآن عظیم پ ۳ آل عمران

[3] وآتینٰھم ملکاً عظیماً پ ۵ سورۃ النساء ۴

[4] پ ۳۔ آل عمران

[5] پ ۲۶ محمد ۴۷، الفتح ۴۸

www.KitaboSunnat.com

فطری حکومت کی سیاسی تاریخ

فطری حکومت (خلافت) کا نظریہ ہماری الہامی تاریخ کے معرکۃ الآرا مسلمات میں سے ہے اور اس کا تعلق انسانی معاشرہ کے آغاز، وسطی دور اور انجام سے یکساں ہے۔ عقلائے مذاہب تاریخ کے ہر تمدنی دور میں اس امر کو تسلیم کرتے رہے ہیں کہ اس کائنات میں ہر شے کا ایک آغاز ہے۔ آغاز سے ترقی کا جو سلسلہ جاری ہوتا ہے برابر منشائے تخلیق کو پورا کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جب ہماری کائنات کی ہر چیز قدرت کے آخری انقلاب کے عمل کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیگی اور ہم مکمل ارتقاء کے بعد ایک مستقل نئی دنیا میں نئی زندگی سے ہمکنار ہونگے جس کا نام ہماری اجتماعیات میں — آخرت — ہے

اسلامی معاشرہ کی تخلیق | اسلامی سوسائٹی اور فطری معاشرہ کی تخلیق کیونکر عمل میں آئی؟ اس بنیادی سوال کے جواب میں یہ امر واضح ہے کہ اسلام نظریۂ تخلیق کو جزو ایمان قرار دیتا ہے اور اس نظریہ کو تسلیم کرنے کی ساری دنیا سے پُرزور اپیل کرتا ہے۔

اسلامی حکومت کی بُنیاد کھلے طور پر اسلامی معاشرہ پر ہے۔ اور اسلامی معاشرہ انسان کی تخلیق و تکوین کے ماتحت دنیا میں ظاہر ہوا ہے۔ انسان، انسانی سوسائٹی، انسانی مذہب اور انسانیت کی دنیا میں حکومت و مملکت کے تصور کی پیدائش ایک وقت اور ایک ساتھ ہوئی ہے۔

اس سلسلہ کا پہلا نظریہ یہ ہے کہ ہماری اس دنیا کی حد تک ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ جب نہ انسان تھا نہ انسان کا ذکر و مذکور تھا اور نہ انسانی معاشرہ[1]۔ اسی سلسلہ کا دوسرا

---

[1] قرآن عظیم هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا کیا نہیں گزرا انسان پر ایسا زمانہ جب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظریہ نظر تخلیق ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ پہلے نہ انسان تھا نہ انسان کی دنیا نہ انسانوں کی منظم جماعت تھی اور نہ وہ تصورِ حکومت جس کا تعلق انسان سے ہے۔ پھر وہ زمانہ آیا جب انسان پیدا ہوا اور انسان کے ساتھ وہ تمام چیزیں جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ قدرت نے انسانی عظمت کے جس قانون[1] کو سرکاری فرمان کے ساتھ پیش کیا ہے وہ ہر اعتبار سے صحیح ہے۔

انسانی معاشرہ کے تکوینی درجات فطری حکومت کے ابتدائی معاشرہ کی بنیاد عرصۂ ازل میں ایک ایسے تخلیقی ماحول میں قائم ہوئی ہے جو منشائے الٰہی کے عین مطابق تھا۔ اگرچہ ہم مادی حجابات کی وجہ سے اپنی محدود عقل سے اس غیر محدود اور فوق الطبیعۃ ماحول کا پورا ادراک نہیں کر سکتے لیکن اس کو اپنے عقیدہ کا جز تسلیم کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ جن پیغمبروں نے ہم کو اس حقیقت سے آشنا کیا ہے ان کے قول کی صداقت تاریخی مسلمات کے مقابلہ میں زیادہ واقعیت رکھتی ہے، انسان کے وہ اجتماعی مصالح جن کا تعلق انسانیتِ عامہ کی تمدنی تنظیم سے ہے، ان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اس طرزِ فکر کو سچی عقیدت کے ساتھ تسلیم کر لیں اور اس طرح عباد تگزار قوم ہونے کا ثبوت دیں۔

اسلام کی الہامی تاریخ، واقعات کی ترتیب میں جس حد تک امداد دیتی ہے اس کی رو سے یہ قیاس کرنا حق بجانب ہے کہ انسانی معاشرہ کی تخلیق کا اولین ربط خداوند تعالیٰ کے ارادہ سے ہے۔ یہ کہنا چاہیے کہ انسانی معاشرہ پہلے پہل تخلیقی ارادہ میں ظاہر ہوا۔ اس کے بعد اس معاشرہ نے ربانی معاہدہ کے اثر کو قبول کر لیا، اب اس معاشرہ میں تخلیق کے ربانی عمل کو دخل ہوا، جب یہ عمل مکمل ہو گیا تو اس کی حیثیت تخلیقی معاشرہ کی ہو گئی تخلیق کے وقت اس کی انسانیت نے اپنے وجود کے خد و خال کو پوری طرح ظاہر کر دیا۔ اس کے خانگی اوصاف بھی ظاہر ہو گئے اور اس نے نسلی ارتقا کے قانون کو بھی قبول کر لیا۔ اس مرحلہ پر آبائی معاشرہ ظہور میں آ گیا۔ آدم علیہ السلام اس فطری خاندانی اور اسلامی معاشرہ کے سردار

---

[1] قرآن عظیم وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (ہم نے بنی آدم کو عظمت دی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے اور ان کے بیٹے ہابیل، قابیل اور شیث اس معاشرہ کے اولین ارکان۔

"ربانی معاہدہ انسانی تکوین سے پہلے"

ربانی میثاق اس صورت میں ہوا کہ ایک طرف عرشِ حکومت تھا اور دوسری طرف بنی نوع انسان کی اجتماعی اور تخلیقی اہمیت جس کی طرازی کا تاج آدم کے سر پر تھا۔ انسانی تصویر، زندگی کا آب و رنگ حاصل کرنے کے بعد گویائی کی دولت سے مالا مال ہوئی عرشِ حکومت سے معاہدۂ ربانی کا مطالبہ ہوا، اجتماعی ہیئت نے صمیمِ قلب سے عہد کیا اور زبان دے کر عہد کو مکمل کر دیا۔ اس ماحول کی نورانی مخلوق نے (جو اسی طرح ہم کو نظر نہیں آتی جس طرح فروغِ نظر میں نقصان عارض ہونے کے بعد ایک عام انسان کو آسمان کے لاکھوں نورانی عناصر نظر نہیں آتے) انسان کے سامنے حکومتِ الٰہی کا تمثالی نمونہ پیش کیا (امتثلوا کالھم الامر الالٰھی[1]) یہ پہلا دن تھا جب حکومتِ الٰہی کے طاقتور تصور نے انسانی معاشرہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔ کمال کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اپنے کے لیے خود راہ پیدا کر لیتا ہے۔ یہ کام بھی قدرت کے نشائے کمال کا پہلا مظاہرہ ثابت ہوا۔

آدمؑ کو سب سے پہلے جو عطیہ ملا وہ علمِ اشیاء[2] تھا۔ علم کے بعد معاشرہ کی تنظیم کے لیے جو بنیادی بات ظہور میں آئی وہ ربانی طاقت اور انسان کی اجتماعی ہیئت کے درمیان "معاہدۂ اطاعت[3]" تھا۔ فرمانروا اور انسانیتِ عامہ کے افراد کے درمیان یہ پہلا ربط تھا جس کی وجہ سے انسانی ذمہ داریوں کے بنیادی پہلو میں اجتماعی معاشرہ کی پوری تصویر نظر آنے لگی۔

مورخ ابن اثیر نے ایک حدیث کو اس نظریہ کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم پہلے متمدن انسان تھے۔ آدمؑ پہلے پیغمبر اور رہنمائے مذہب تھے۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۱ ص ۲۰ و ۲۲ طبع حسینیہ مصر۔ تاریخ الکامل ج ۱ ص ۱۵۔
[2] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ) جلد اول۔ ص ۹۰-۹۱۔
[3] تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری ذکر آدم ج ۱ ص ۸۷ مطبوعہ حسینیہ مصر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدم پہلے شخص تھے جنہوں نے معاشرتی قوانین کو معاشی دائرہ میں قبول کیا۔[1] ہمیں یقین ہے کہ آدم کی تخلیق کے ربانی عوامل میں حکومت (انسان کی امامت اور خلافت) کا قطعی تصور ابتدا ہی سے شامل تھا۔ ولقد کرمنا بنی آدم کے قانونی اعلان نے انسان کی سیاسی شرافت کو شرعی اہمیت دی جب سیاسی اختیارات کی دستاویز ملی تو اس کے لیے پہلا فرمان ان الفاظ میں صادر ہوا: انی جاعل فی الارض خلیفہ (ہم روئے زمین کے لیے اپنا نائب السلطنت مقرر کرنے والے ہیں۔

فطری سیاست کا ابتدائی ظہور

اس تفصیل سے اسلامی حکومت کے قدیم تاریخی اور سیاسی تصور کا امتیاز صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ گوتم بدھ کے نظریہ میں یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ابتدا میں انسان کی حالت مکمل تھی۔[2] حضرت آدم کا وجود اس معیارِ کمال کو پوری طرح ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بے اعتدالی کا بازار گرم ہوا تو حکومت منظرِ عام پر آئی لیکن حکومت کا وجدان اس امر کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے کہ قتل و قتال اور لوٹ مار سے پریشان ہو کر لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور حکمران کو منتخب کیا گیا۔ ہمارا تاریخی رجحان یہ ہے کہ حکومت اول ہی دن سے موجود تھی۔ حکومتِ الٰہی کا اولین نمائندہ اور نائب السلطنت بجائے خود اختیارات کے ساتھ موجود تھا اور وہ پسندیدہ، معیاری اور منتخب انسان تھا اور انسانیت کا کامل نمونہ۔ جب انسانی سرشت کا شریف رجحان بدی کے حملے سے ہلاک ہو گیا اور پہلا قتل وقوع پذیر ہوا تو خلیفۃ اللہ نے اپنے تمدنی ماحول میں اپنے فرائض کو پورا کرنا شروع کر دیا۔ یہ درست ہے کہ ان فرائض کی تکمیل میں سیاسی سے زیادہ تمدنی رُخ نمایاں تھا لیکن اس تمدنی اقدام کی بنا ابتدائی حکومت کے واجبات میں سے ایک واجبی ذمہ داری کو پورا کرنا تھا۔ اس سے علامہ منصور انصاری کی اس رائے کی صحت بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ انسانیتِ عامہ نے ایک

[1] تاریخ الکامل۔ ذکر آدم ص ۱۰، تاریخ طبری ص ۵، روایت ابوذر غفاری۔
[2] مبادی سیاسیات شروانی۔ ارتقائے مملکت باب ۳ ص ۳۲ [3] تاریخ طبری روایت محمد بن اسحق ص ۰،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُمت (سیاسی معاشرہ) کی حیثیت سے مملکت کی ذمہ داریوں کے بارِگراں کا تحمل کرنے کی قوت میں آہستہ آہستہ ترقی کی ہے مقصود یہ ہے کہ اصل قوت موجود تھی مگر اس میں ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق ترقی ہوتی رہی اور یہ ارتقائی عمل عہد محمدیؐ میں پورا ہو کر دنیا کے سامنے آگیا۔

آدمؑ کی خاندانی ہیئت میں سب سے پہلے ربانی حکومت کا قانون اس وقت میدان عمل میں آیا جب انسانی فطرت کو "احسن تقویم" (معیار احسن) سے "اسفل السافلین" پستی کے انتہائی قعر میں گرنے کا موقع ملا۔ اس موقع کی نمائش قتل سے ہوئی[1]، یہ پہلا قتل تھا جس نے اس ضرورت کو ظاہر کیا جس کی بنا پر پیغمبروں کے ظہور کا قانون نافذ ہوا تھا۔

انسانی معاشرہ کی تقسیم | عصرِ آدم اور عہدِ شیثؑ کے درمیانی دور میں یہ ابتدائی معاشرہ دو شاخوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک شاخ قابیل ابن آدم کی اولاد تھی تو دوسری شیث ابن آدم کی۔ قابیل انسانی معاشرہ میں قتل و تشدد کا پہلا موجد ہے۔ اسی لیے اس کو خلافت کے منصب سے محرومی نصیب ہوئی۔ بعد کے ارتقائی دور میں یہ دونوں شاخیں صاف نمایاں ہیں۔ انسانی معاشرہ کی اسی تقسیم سے پہلے پہل حکومت کی ابتدائی تقسیم بر روئے کار آئی ربانی نظریہ کے مقابلہ میں انسانی نظریہ میدان میں آیا اور خلافتِ عظمٰی کے مقابلہ میں دنیاوی تصورِ حکومت پیدا ہوا[2]۔

---

[1] تاریخ الکامل ابن اثیر الجزری ص ۵، ۱۶، ۱۷ [2] ایضاً ص ۲۰ تا ۴۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام سے پہلے تاریخی حکومتیں

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے چھ سو سال بعد انسانیت عامہ کے سب سے بڑے محسن پیغمبر اعظم محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہوا۔ آپ کے پیدا ہونے سے پہلے تاریخ کی بہت سی قوموں نے دنیا کے آئینہ میں اپنا چہرہ دکھایا لیکن جب آپؐ نے اپنا کام شروع کیا اور آپ کے علمبردار سپاہیوں نے گردن بلند کر کے دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالی تو ان کے قدموں کے نیچے راستہ صاف تھا۔

ایران نے اسلام سے پہلے چار سلطنتیں[1] دیکھیں۔ (۱) سلطنت پیشدادیان: پیشداد افریدوں، منوچہر کی سلطنت (۲) سلطنتِ کیانیان: کیقباد، کیخسرو اور دارا کی سلطنت۔ (۳) سلطنت اشغانیان: سکندر کے حملے کے بعد دو سو چھیاسٹھ سال تک اشغانی ملوکِ طوائف نے حکومت کی، اور انہی اشغانیوں کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ نے ارضِ فلسطین میں خدا کی بادشاہت کا اعلان کیا۔ (۴) سلطنتِ ساسانیان: سکندر کے حملے سے کئی صدی بعد اردشیر بن بابک ساسان نے اس سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بہرام، شاپور، ذی الاکتاف، نوشیراں، کسریٰ، پرویز اسی سلسلہ کے سلاطین تھے۔ نوشیرواں کے عہد میں پیغمبر اعظم کی ولادت ہوئی اور پرویز کے زمانہ میں اسلام کی حکومت نے اپنے سیاسی آثار کو ظاہر کیا[2]

روم نے قرونِ وسطیٰ تک حکومت و سلطنت کے تین دور دیکھے۔ کیلوس، آگسٹس دونوں پہلے دور کے حکمراں ہیں۔ ان میں سے دوسرے حکمراں نے قیصر روم کا لقب اختیار کر کے یونان، شام اور مصر پر کامیاب فوج کشی کی اور ہیرودوس کو شام کا پہلا والسرائے بنایا، یہی دور ہے جس میں عیسوی مذہب کو فروغ حاصل ہوا، اسی دور میں بلادِ عرب کے بعض

[1] تاریخ الامم والملوک طبری ج ۱ ص ۹۸ و ۲۹۳ ج ۲ ص ۲ و ۱۳۷ [2] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۱ ص ۱۳۱-۱۹۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصوں پر رومی اجنبیوں نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ دوسرا دور قسطنطین سے شروع ہوا ہرقلس کلیس پر ختم ہوا۔ اس دور میں موجودہ ترکی، شام، مصر، اور عرب کا شمالی علاقہ رومیوں کے ماتحت نوآبادی تھا۔ آنحضرت نے اسی دور کے فرمانروا ہرقلس کو اسلام کے اجتماعی نظام میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی۔ تیسرا دور ہجرت نبوی کے بعد شروع ہوا۔ المقتدر اور المستکفی باللہ کے عہد ۹۴۴ء (۳۳۳ھ) تک جاری رہا۔

ہندوستان کے متعلق تاریخی طور پر کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ یہاں مذہبی اور سیاسی میلانات کی تاریخ کا بڑا حصہ روایتی اور قیاسی ہے۔ اس ملک میں اسلام سے پہلے مذہبی حکومتیں قائم ہو چکی ہیں۔ یہاں مغربی ایشیا سے آنے والی آرین نسل نے ویدوں کے مطابق آریہ حکومتیں قائم کیں جنگ آزما حکومتوں کا یہ سلسلہ بہت سے راجگان کے ماتحت تھا۔ پورا ملک کئی ملکوں میں تقسیم تھا، اور انسانی معاشرہ میں وحدت مفقود تھی۔ جنگ مہابھارت اور منو کے قوانین کا تعلق اسی عہد سے ہے[1]

ہندوؤں کی روایتی کہانیاں یہ کہتی ہیں کہ دو ہزار سال قبل مسیح اجودھیا میں سورج بنسی حکومت کر رہے تھے۔ اور پریاگ (الہ آباد) کے قریب پرتشٹھان پور (قصبہ جھونسی) اور ہستناپور میں چندر بنسی خاندان نے اپنا تخت بچھا رکھا تھا۔ سنہ ۵۰۰ ق م ویشالی راج تھا اور راس مہابیر کا باپ راجہ سدھارتھ حکومت کر رہا تھا[2]۔ اسی زمانہ میں ریاست کپل وستو (نیپال) میں راجہ سدھودھن شاکیہ کے محل میں گوتم بدھ پیدا ہوا جس کے بعد سنہ ۳۲۲ (ق م) چندر گپت کی حکومت قائم ہوئی۔ چندر کے پوتے اشوک نے بدھ حکومت کو ٹیکسلا، افغانستان، بلخ، بخارا، بلوچستان تک وسیع کیا۔ یہ حکومت ظہور اسلام تک مختلف علاقوں میں باقی تھی۔ سنہ ۲۰۰ ق م میں چین کا خانہ بدوش یوچی قبیلہ براہ کابل ہندوستان پہنچا اور اس نے کشن خاندان کی حکومت قائم کی[3]

---

[1] دیکھو مقدمہ مہابھارت درمن ص ۳ لاہور
[2] مہابھارت مکمل درمن۔ طبع دوم
[3] نظریہ سلطنت ملیجی م ۲ ب ۶ ص ۳۶۶
[4] ایضاً آدی پرب باب ۱ ص ۱۱

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام سے پہلے تاریخِ عالم کی یہ مشہور و معروف حکومتیں سلسلہ بسلسلہ قائم ہوتی رہیں۔ ایک حکومت قائم ہوکر ختم ہو جاتی تو دوسری حکومت منظرِ عام پر آتی۔ آخر اسلام ظاہر ہوا اور اس نے ان سب سلطنتوں اور حکومتوں کو فطری حکومت کے نظریہ اور نظامِ اساسی سے آشنا کیا۔ فارس، روم اور ہندوستان کی خراب و خستہ تنظیمات ٹوٹ پھوٹ گئیں اور خدا کی حکومت کے اوصاف کو ظاہر ہونے کے لیے ایک نیا میدان مل گیا۔

اسلامی دور

جزیرۃ العرب کے محلِ وقوع پر ایک نظر

عرب کو جغرافیہ کی رو سے جزیرہ نما قرار دیا گیا ہے۔ یہ ملک ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے اور نقشہ میں دیکھنے سے ایک مستقل اور چھوٹا سا براعظم نظر آتا ہے۔ اس کے تین طرف سمندر ہیں جن کو مدت سے تاریخی ملکوں، تاریخی قوموں اور تاریخِ عالم کے فاتح سرداروں سے تعلق رہا ہے۔ تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے اس ملک کا رقبہ اور حدیں قطعی طور پر طے شدہ نہیں ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کی طرح زمانۂ علم میں بھی اس کی شمالی سرحد کا مسئلہ بحث و نظر کا موضوع بنا ہوا ہے۔ حالانکہ بڑی حد تک اسی مسئلہ کے فیصلہ پر ملک کی مجموعی تصویر اور تشکیل منحصر ہے۔

اس سلسلہ میں مورخین کی رایوں میں کافی اختلاف ہے۔ البتہ عام رائے یہ ہے کہ شمال، مشرق میں بصرہ سے چل کر بادیۃ الشام سے گزر کر شمال مغرب میں عقبہ تک عرب کی شمالی حد پوری ہو جاتی ہے۔ اس رائے کے مطابق عراق، شام، فلسطین اور شرق اردن کا کچھ علاقہ عرب کے دائرۂ طبعی سے خارج ہو جاتا ہے اور یہ ایک ایسا عمل جراحی ہے جس کو آسانی سے گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

جزیرہ نما یا جزیرۂ عرب

پیغمبرِ اعظم نے اپنے ایک فرمان میں عرب کو جزیرۃ العرب قرار دیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عرب کے جسم سے اس کے کسی حصہ کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگلے مورخین میں سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن الاعرابی اور اصمعی نے بھی جزیرۃ العرب کا نام استعمال کیا ہے۔ آنحضرت کے فرمان کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان بہت صاف ہے۔ ابوالمنذر ہشام بن محمد بن سائب نے اس بیان کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے اور یاقوت حموی نے معجم البلدان میں اس کی تحسین کی ہے یاقوت اس بیان کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں: عرب کو جزیرہ عرب کا نام دینے کا سبب یہ ہے کہ تمام علاقہ نہروں اور سمندروں سے گھرا ہوا ہے، چاروں طرف پانی کا جال ہے جس نے تمام ملک کو جزیرہ کی مانند بنا دیا ہے۔ شمال میں بلادِ روم ایشیائے کوچک سے نہر فرات اپنے سرچشمہ سے نکلتی ہے۔ چلتے چلتے قنسرین پہنچی، یہاں سے عراق اور جزیرہ کے اطراف میں پہنچتی ہے اور سمندر میں مل جاتی ہے۔ اس کے بعد سمندر شروع ہو جاتا ہے قطیف، بحرین، فسطین، عمان، شحر تک پانی ہی پانی ہے۔ اس کے بعد حضرموت، عدن، دہلک، یمن، بلادِ فرسان، حکم، اشعریین اور عک کے گرد سمندر رہے، یہاں سے جدہ تک اور ساحل مکہ، ساحلِ مدینہ، ساحلِ طور (وادی سینا) خلیج ایلہ، ساحلِ رایہ تک سمندر ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، اب بحر قلزم مصر سے مل جاتا ہے اور مصر و عرب گلے مل جاتے ہیں۔ یہاں سے دریائے نیل مغربی سمت کو شاداب کرتا ہے۔ اس کے بعد بحرِ روم آ جاتا ہے۔ ساحل مصر، ساحل فلسطین، ساحلِ عسقلان، ساحل بترق اردن، ساحلِ شام، ساحلِ حمص اور ساحلِ قنسرین آ جاتا ہے اور یہاں سے پھر اس حصہ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کا ربط فرات سے ہے۔[۲]

معجم البلدان کی مندرجہ تفصیل سے دجلہ و فرات کے سرچشموں کے بعد بہاؤ کی ابتدائی حدیں جزیرۃ العرب کی شمالی حدود ہیں جن کے ماتحت بلادِ عرب میں عراق، فلسطین، سرحد شام، شرق اردن اور جزیرہ نمائے سینا بھی داخل ہیں۔[۳]

---

[۱] اس موضوع پر دیکھو مسئلہ خلافت مولانا ابوالکلام آزاد ص ۱ البلاغ پریس۔ [۲] معجم البلدان ج ۲ ص ۱۰۰۔ یاقوت نے بلادِ عرب کے طول کے متعلق پرانے لوگوں میں سے کسی شخص کا یہ قول نقل کیا ہے "من الشحر الی الفرات"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزیرۃ العرب کے حق میں چند دلائل

علمائے جغرافیہ نے عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے[1]۔ جبل سراۃ کا کوہستانی سلسلہ جنوب سے شمال تک (یمن سے فلسطین تک) چلا گیا ہے جس نے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جنوب میں یمن ہے۔ شمال میں تہامہ کا زریں علاقہ (حجاز مقدس) واقع ہے۔ مشرق میں خلیج فارس کے ساحل پر یمن، نجد اور عراق کے درمیان (بحرین، یمامہ، عمان) کا علاقہ عروض واقع ہے، کوہستان سراۃ کے مشرق میں نجد کا بلند و بالا علاقہ ہے۔

اگرچہ اس تقسیم کی رو سے جزیرۃ العرب کی اصل حقیقت پر مخالف اثر پڑتا ہے، لیکن اس کے مقابل فرمانِ نبوی کے حق میں اہم دلائل موجود ہیں۔ ان دلائل میں سب سے پہلے اس امر کی تحقیق ہے کہ ایک ملک کے متعلق اتنا عظیم جغرافیائی تسامح کیوں پایا جاتا ہے۔ مسلمان اور یورپ کے علماء تاریخ و جغرافیہ دونوں اس صرفِ نظر کا شکار کیسے ہوئے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ آج تک علم الارض کے ماہرین نے خاص اس نقطۂ نگاہ سے عرب کی باضابطہ فنی پیمائش نہیں کی۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کو اس زمانہ کا علمی دماغ بھی تسلیم کرتا ہے[2]۔ اس علمی کمی کا یہ اثر ہوا کہ حقیقت تاریخی قیاسات میں گم ہو گئی۔ دوسری وجہ سیاسی ہے۔ بسا اوقات بیرونی حملہ آور ایک ملک کو دو ملکوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور کبھی دو ملکوں کو اپنی ضرورت کے مطابق ایک ملک بنا دیتے ہیں اگر غور کیا جائے تو علم تاریخ اقوام، علم الالسنہ، علم الارض اور علم السیاست کی رو سے ان علاقوں کا تعلق عربوں سے رہا ہے اور عربوں سے رہنا ضروری ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں ایران و روم نے اپنی استعماری سیاست سے حیرہ، انبار، بصریٰ (موجودہ عراق، سرحدِ شام و فلسطین) کو اپنی سیاسی علمبرداری کے ماتحت کر لیا تھا۔ اس لیے عرب سے ان حصوں کا تعلق مضمحل ہو گیا تھا، جب اسلام نے فارس و روم کے سیاسی اقتدار کو ختم کر دیا تو یہ علاقے آزاد ہو گئے، اور پھر اپنے ملک میں آ ملے[3]۔ اس حقیقی رائے کے مطابق جو نقشہ بنتا ہے

---

[1] حجاز، تہامہ، یمن، نجد، عروض۔ دیکھو معجم البلدان (یاقوت حموی) ج ۳ ص ۱۰۰

[2] دیکھو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲۵ ص ۵۱۲ [3] خندق کے محاذ پر پیغمبر اعظم نے ان علاقوں کی واپسی کی محیر العقول پیشین گوئی فرمائی تھی جس کو اسلام کی سیاسی تاریخ میں زبردست اہمیت حاصل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی رو سے بصرہ سے بغداد، بغداد سے موصل، موصل سے سرحدِ شام اور وہاں سے ساحلِ بحرِ روم تک بالا بالا خط کھینچا جائے، یہ خط شمال میں عرب کی قدرتی سرحد ہوگا۔ اس نقشہ میں عرب کے ہمسایہ ممالک یہ ہونگے مشرق میں ایران، مغرب میں مصر و حبش، شمال میں بالائی شام اور ترکی، جنوب مشرق میں ہندوستان۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ علم الارض کی رو سے آپ کو یمن سے شام تک اور عمان سے بغداد تک اور شحر سے موصل تک یکسانیت ملیگی۔ اس ملک کا سب سے بڑا کوہستانی سلسلہ جبل السراۃ ہے، جو عرب کے جنوب (یمن) سے شام تک چلا گیا ہے۔ مغربی کنارہ کی اس حالت میں جو یکسانیت ہے وہ وسطی علاقہ میں ریگستانی حیثیت سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ جنوب ربع خالی کے صحرائے اعظم کو شمال کے صحرائے شام و صحرائے عرب سے کافی تعلق ہے۔ ربع خالی، صحرائے شام اور صحرائے عراق ایک ہی سلسلۂ ارضی کے حصے معلوم ہوتے ہیں۔ ربع خالی کی ایک شاخ نجد کے واسطے سے صحرائے شام میں مل جاتی ہے اور صحرائے جزیرہ کے واسطے سے صحرائے عراق سے ہمدست ہو جاتا ہے۔ مشرق میں اگر دجلہ و فرات کی وادی شاداب و آباد ہے تو الاحساء، بحرین و عمان کا ساحلی علاقہ بھی اپنی سرسبزی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

علم تاریخِ اقوام کی رو سے بھی یہ نظریہ صحیح ثابت ہوتا ہے، عرب بنو اسمٰعیل کا مسکن ہے۔ سیدنا اسمٰعیل، سیدنا ابراہیم کے صاحبزادے ہیں۔ تاریخ کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ باپ کے وطن اور نقل و حرکت کے علاقے (بابل و اطرافِ شام) کو بیٹے کی نسل کے علاقہ سے علیحدہ کرے، علم الالسنہ کی رو سے عربی زبان سامی اقوام کی زبان تھی اور سامی قومیں کسی علاقہ کو کم کیے بغیر تمام عرب میں بود و ماند رکھتی تھیں۔

عرب کا سیاسی ماحول | عرب کے چاروں گوشوں پر ایک منظم اور مکمل نظر ڈالی جائے تو خود بخود ایک عجیب و غریب سیاسی ماحول پیدا ہو جائیگا۔ اس کی ہمیشہ کی حیثیت یہ ہے کہ یہ ملک ایشیا میں واقع ہے، اور ایشیا، افریقہ اور یورپ کے لیے مرکزِ اتصال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا مغربی کنارہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحر احمر کی بڑی شاہراہ پر افریقہ کے مغربی ساحل سے کچھ فرق کے ساتھ ہاتھ ملا رہا ہے۔ اگر ایک انسان خلیج عقبہ سے نکل کر وادیِ سینا کے پہلو سے گذرتا ہوا عرب کے شمالی حصہ فلسطین میں پہنچ جائے اور طاقتور دوربین لے کر کھڑا ہو جائے تو غزہ اور یافہ کی آنکھوں سے یورپ کے ساحلوں کو دیکھ سکتا ہے۔ وادی سینا سے مغرب کی طرف راہ پیمائی کی جائے تو کچھ فاصلہ پر فرعون کی تاریخی مملکت (مصر) کا علاقہ قدموں کے نیچے ہوگا۔ یعنی وہ ملک جہاں بنی اسرائیل نے آزادی کی جنگ میں کامیابی حاصل کی جہاں رومن اپنی حکومت کے قوانین لے کر پہنچے۔ جہاں نپولین نے بیٹھ کر ایشیا اور افریقہ کی فتح کے خیالات کا وزن کیا اور جہاں آج بھی ملکۂ بحر برطانیہ کی شہ رگ (سویز) کا پانی خون سے زیادہ قیمتی ہو کر بہ رہا ہے۔

مشرق کی جانب کویت کے سامنے خلیج فارس کا ساحل نظر آتا ہے جو ساسانی حکومت اور سکندر کی جہانبانی کی یاد دلاتا ہے۔ جنوب مشرق میں عمان کے شہر مسقط سے قلات کی بندرگاہیں جیونی، پسنی، گوادر دیکھی جاسکتی ہیں قلات وہ جگہ ہے جو عہد قدیم میں ہندوستان، ایران اور وسطی ایشیا کے دور دست علاقوں کے لیے وسائل نقل وحرکت کا مرکز تھا اور آج بھی درہ بولان کی وجہ سے ایران، افغانستان اور روس کی سرحدوں کے لیے ہندوستان کا اگلا قلعہ سمجھا جاتا ہے۔ جنوب میں آبنائے باب المندب کے اُس پار حبش ہے جس کے باشندے عہدِ سلیمان کی تاریخ سے اپنا رشتہ ملاتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ عرب براعظم ایشیا میں جغرافیائی حدود کے اعتبار سے ایک خاص ماحول رکھتا ہے جس کا اثر تینوں براعظموں کی قوموں اور ملکوں کے سیاسی وجدان پر پڑتا ہے اور جو تمام دنیا کی اجتماعی حالت کو متاثر کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ یہی عرب ہے جو اسلام کے ظہور کا گہوارہ اور اسلامی حکومت کا محور و مرکز بنا۔

علاقوں کی تقسیم طبیعی اعتبار سے عرب کو پانچ علاقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:۔

تہامہ: وہ گرم سیر علاقہ جو بحر احمر کے مشرقی ساحل کے بالمقابل واقع ہے۔ اس کا نام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غور بھی ہے۔

حجاز: جو بلاد یمن کے شمال سے فلسطین تک تہامہ اور نجد کے درمیان واقع ہے۔

نجد[1]: جنوب میں یمن اور شمال میں صحرائے السماوہ کے درمیان، عروض و عراق سے متصل۔ یہ علاقہ بلند سرزمین کی وجہ سے نجد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

یمن: نجد سے بحر عرب تک، مشرق میں حضرموت، الشحر اور عمان کے درمیان۔

عروض: یمن، نجد، عراق کے درمیان واقع ہے۔ یمامہ اور بحرین پر مشتمل ہے۔

عرب اور اس کا اجتماعی نظام

عرب زمانۂ دراز سے بنی نوع انسان کا منبع رہا ہے۔ تاریخی قوموں کا یہ تاریخی ملک اپنے تاریخی محلِ وقوع کے اعتبار سے قوموں، قبیلوں اور حکومتوں کا یادگارِ زمانہ وطن[2] رہا ہے۔ روم و یونان، ہند و فارس اور مصر و حبش کا یہ پڑوسی زمانۂ اسلام کی طرح زمانۂ جاہلیت میں بھی تاریخی وقائع کا مقصد و مشتار رہا ہے۔ مشہورِ عالم مستشرق ڈاکٹر نولڈکی اپنی تاریخی انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم[3] (Historians History of the world) میں صاف لہجہ میں یہ بیان کرتا ہے کہ یونان قدیم کی کتابوں میں عرب و عربیا (Arb, Arabia) کے الفاظ ملتے ہیں۔ ہیرڈوٹس اور اس کے ہمعصر علما جغرافیہ و تاریخ، اسٹرابون، ملینیوس، پبلیوس، بطلیموس اور سقراط کا شاگرد رشید الکسی نیوفون (Xenophon) عرب کے نام سے واقف تھا[4]۔ عرب کے بیشتر تاریخی وقائع پردہ میں ہیں، تاہم یہ بات تحقیق کی سطح پر آچکی ہے کہ اس ملک نے سامی نسل کے انسانوں کے طوفانی سمندر میں تغیر و موج کی طرح آتا جاتا مد و جزر دیکھا ہے۔ یمن سے اقصائے شام تک اور عمان سے بابل تک قحطان و عدنان کے دو بڑے سلسلے نقل و حرکت کرتے ہیں۔ جنوبی اور مشرقی علاقے کے فاقہ کش بدو کبھی یمن، حجاز، تہامہ، عسیر میں اپنی دنیا تیار کرتے ہیں اور کبھی اپنی فطرت کو سیماب بنا کر

---

[1] معجم البلدان علامہ شہاب الدین یعقوب حموی ج ۶ ص ۱۳۷-۱۳۹۔ طبع اول ۱۳۲۴ھ السعادہ مصر
[2] تاریخ عالم نولڈکی جلد ۸ ص ۲-۳ [3] دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۶ ص ۲۶۶-۲۶۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رودنیل کے سرسبز و شاداب میدانوں کو بود و ماند کے لیے دریافت کرتے ہیں۔ وہ سب اصل سے سامی ہیں، اس لیے ہم نسل ہیں، وہ سب کے سب عربی ہیں اس لیے ہم وطن ہیں۔ وہ آرامی زبان سے نکلی ہوئی ایک زبان (عربی) بولتے ہیں اس لیے ہم زبان ہیں[۵۱]۔ ان کا جنوب اور شمال جنوب (حجاز و تہامہ) سے شمال کی طرف ہجرت کر کے نو آبادیوں کے قیام میں حوصلہ مندی کا اظہار کرنا۔ ایک طرف ان کی خانہ بدوش زندگی کے طبعی آثار میں سے ہے۔ دوسری طرف اس کا تعلق اس عزیمت سے ہے جس کی وجہ سے بابل میں (۲۳۰۰ ق م) حمورابی کی سلطنت قائم ہوئی اور پیٹرا (رقیم۔ الحجر) میں بنی اسمٰعیل کی ناتبی سلطنت عالم وجود میں آئی۔ تاریخ میں ۷۰۰ ق م سے ۱۰۶ ق م تک ان کے آثار کا ذکر موجود ہے۔ اس سلطنت کی حدیں شمال میں فلسطین۔ جنوب میں صحرائے حجاز، مشرق میں صحرائے شام اور مغرب میں خلیج عقبہ ہیں۔

عمالیق جو لاوذ بن سام کی نسل سے ہیں۔ شمالی حجاز (وادی سینا) کے دامن سے نکل کر ایک طرف مصر پر حکمران ہوئے دوسری طرف بابل و شام پر فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

عرب کی قدیم قومیں عرب کی وہ قومیں جو اسلام سے پہلے سطح وجود سے نقش آب کی طرح مٹ چکی ہیں (عاد، ثمود، عمالیق، طسم، جدیس، امیم، جرہم) عرب عاربہ، عرب کی اصل قحطانی قومیں اور قبائل (قضاعہ، کہلان، ازد) اور اسلام سے پہلے یمن میں تاریخی حکومتیں قائم کرنے والے قبائل اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ عرب مستعربہ سیدنا اسمٰعیل کے سلسلۂ خاندان کے عرب قبائل جن کا مسکن حجاز تھا[۵۲]۔

عدنانی عرب اور قحطانی عرب زمانۂ تاریخ کے عربوں کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بنی عدنان اور بنی قحطان یہ دونوں قبیلے عرب پر اپنا سیاسی اثر ڈال چکے ہیں اور عرب کے

---

[۵۱] التاریخ الاسلام السیاسی ڈاکٹر حسن ابراہیم پروفیسر جامعہ مصریہ ج ۱ ص ۳۵

[۵۲] دیکھو دائرۃ المعارف علامہ فرید وجدی ج ۱۱ ص ۲۲۲، ۲۲۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاوہ اطرافِ عرب پر حکومت کر چکے ہیں۔ بنو عدنان میں سے قضاعہ نے بحر احمر کے عربی ساحل اور مصری ساحل پر فتوحات حاصل کیں۔ تنوخ نے عراق و شام میں حکومت کی اور حیرہ، انبار (عراق) کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کیا۔ سلیح نے ارضِ بلقا، (شام) میں حکومت قائم کی، جہاں بعد میں غسانی حکومت قائم ہوئی۔ ایاد حجاز سے عراق، عراق سے فارس پہنچے اور نوشیرواں سے جنگ کرنے کے بعد کریٹ، موصل اور شام و روم کے علاقوں میں پھیل گئے۔

بنو قحطان نے جو حکومتیں قائم کیں تاریخ میں ان کے دو طبقے ہیں پہلے طبقہ میں یمن کی معینی سلطنت ہے (جو بحر سفید متوسط (بحر روم) کے کنارے بحر عرب اور خلیج فارس تک کارفرما تھی) مملکتِ سبا (جو میلادِ مسیح سے پہلے یمن میں قائم تھی) سلطنتِ حمیر (جس نے سبا کے بعد حکومت کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لیا)۔

دوسرے طبقہ میں وہ حکومتیں ہیں جنہوں نے مشکلات و مصائب کے زمانہ میں یمن سے چل کر عرب کے دوسرے علاقوں میں اپنا اقتدار قائم کیا۔ ان مہاجرین میں طی، اشعر، جیلہ، جذام، ازد، عاملہ، کندہ، لخم، مذحج، ہمدان، مازن، غسان، عدنان، مزیقیار، ازدشنوبن، اوس، خزرج، خزاعہ کا نام بڑا ہے ان کے ماتحت بے شمار چھوٹے چھوٹے خاندان ہیں ان میں سے لخمیوں (مناذر) نے حیرہ میں۔ کندہ نے حضرموت کے آس پاس اپنی اپنی ریاستیں قائم کیں۔

ریاست غسان مارب کا بند ٹوٹنے کے بعد بنو غسان نے شام جا کر ڈیرہ آباد کیا۔ وہ شام کے باشندوں (قبیلہ قضاعہ کے افراد) پر جا ٹوٹے، لڑے بھڑے اور کامیاب ہوئے۔ ان کی حوصلہ مندی نے ان کو جو تحفہ دیا وہ ایک ریاست تھی جس کا اختیار ان کے ہاتھ میں اور انتداب روم کے ماتحت تھا، انہوں نے شہر بنائے، تہذیب کی مشعل روشن کی، سر بفلک محل تعمیر کیے، علاقہ حوران میں بصریٰ کو اپنا دار الحکومت بنایا۔ یہ ریاست عجم کے خلاف روم کا قلعہ تھی۔ بتیس بادشاہوں نے اس پر حکومت کی جن میں پہلا جبلہ بن شمر تھا اور آخری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبلۃ الایہم۔ غسانیوں کی سلطنت شام، تدمر، فلسطین، لبنان پر حاوی تھی قصر سفید، قصر سیاہ، قصر فضا، قصر ابین اس کے محلات تھے۔

ریاستِ حیرہ | قبیلۂ لخم کے خاندان آل نصر نے یہ ریاست عجم کے پہلو میں قائم کر کے تاریخ کا نام روشن کیا۔ عرب مورخ اس کو حکومت حیرہ کا خطاب دیتے ہیں۔ شہر حیرہ موجودہ کوفہ سے تین میل دور اس جگہ واقع تھا جس کو آج کل نجف کا نام دیا جاتا ہے۔ نہر فرات کے غربی کنارہ پر اس کی عالی شان عمارتیں، بلند و بالا محلات تھے جن سے اس کی تمدنی عظمت کا نشان ہمپایۂ آسمان نظر آتا تھا۔

اس ریاست کے حکمرانوں کو بعد میں منذر کا خطاب بھی حاصل ہوا اس لیے اس کو آل منذر (مناذر) کی حکومت کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے سنہ ۶۰۰ء کے آخر میں نعمان بن منذر جو فرمانروائے حکومت تھا عیسائی ہو گیا تھا۔ اس طرح مسیحیت کو شاہی ایوان میں بھی جگہ حاصل ہو گئی۔ لخم کی نسبت سے حیرہ کی حکومت کو لخمیوں کی حکومت کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

حیرہ نے تین سو چونسٹھ سال میں بائیس بادشاہوں کا اقتدار دیکھا۔ مگر حیرہ (عراق) کے یہ سلاطین ایران کی بالادست طاقت کے اسی طرح زیردست تھے جس طرح غسانی رومیوں کے، حیرہ کا پہلا بادشاہ عمرو بن عدی تھا اور آخری منذر مغرور۔

ریاست کندہ | بنی کہلان کی نسل اور ایک ضمنی خاندان کندہ نے بحرین سے حضر موت پہنچ کر کندہ کے مقام کو اپنے لیے منتخب قرار دیا۔ لیکن ایک ہمسایہ قبیلہ نے ان کے نظام قیام کو درہم برہم کر دیا۔ اب انہوں نے ارض معد میں پہنچ کر مرتع بن معاویہ کی سیادت میں حکومت کا کام شروع کیا۔ اب ریاست حمیر نے ریاست کندہ سے جنگ شروع کر دی امرء القیس (شاعر) کے دور حکومت کے بعد کندہ کی حکومت پارہ پارہ ہو گئی۔ دومۃ الجندل، بحرین، نجران، غمر و ذی کندہ میں اس کے اقتدار کا اثر باقی تھا۔ اسلام ظاہر ہوا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس نے ان قبائلی ریاستوں کو اپنے دامنِ اقتدار میں لے لیا۔

عصرِ جاہلیت کی امارت | عصرِ جاہلیت کے عرب اُس قوتِ جامعہ سے محروم تھے جس کو آج کل حکومت و سلطنت کا نام دیا جاتا ہے ان کے پاس پورے ملک کے لیے نہ کوئی مرکزی نظام تھا نہ انصاف کی اعلیٰ عدالت سپریم کورٹ (Suprem Court) نہ پولیس تھی نہ محکمۂ امن عامہ، نہ مالیات کا دفتر تھا، نہ اقتصادیات کو ضبط میں رکھنے والا محکمہ۔ محاصل کے وصول، ٹیکسوں کے حصول، لگان اور مالگزاری کی تحصیل کے لیے نہ پٹواری تھے نہ امین۔

غیر ملکی سیاست سرے سے نہ تھی۔ تجارت کی آزاد راہیں قوت کے بل پر جاری تھیں اس لیے ہمسایہ علاقوں سے سیاسی ربط کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ ملکی دستور، مدنی قانون اور فوجداری کے احکام کا ذکر ہی لا حاصل ہے۔ کوئی ضابطہ اور آئین ایسا نہ تھا جو احکام کی طاقت اور نفاذ سے باہمی جھگڑوں کو روک سکے۔ معمولی معمولی باتوں سے غیر معمولی جنگیں شروع ہوتیں، سالہا سال تک جاری رہتیں لیکن ظالم کو ظلم سے باز رکھنے اور مظلوم کو مصائب سے بچانے کے لیے کوئی قوت موجود نہ تھی۔[1]

چھٹی صدی کے قریب عرب میں کسی منظم حکومت کا سُراغ نہیں ملتا۔ یمن جس کی بے آباد زمین کو ۲۰۳۰ ق م میں قحطان نے آباد کیا تھا ایک زمانہ میں آزاد حکومتوں کا مرکز تھا، مگر حبش و ایران کا انتداب سیادت ان کو مغلوب کر چکا تھا۔ حضرموت میں قبیلہ کندہ کے آزاد سردار بھی ملوکِ یمن کے انداز پر قبائلی گروہ بندی کے نظام کو چلا رہے تھے۔ اگرچہ ۳۳۰ ق م سکندر نے دارا کو شکست دے کر ایران کو چند امارتوں میں تقسیم کر دیا تھا لیکن اعراب یمن ایران کے بالا دست اقتدار سے پھر بھی پوری طرح آزاد نہیں ہو سکے تھے۔[2]

قلمرو حجاز جہاں اسلام کی اجتماعی سلطنت کا تخت آراستہ ہونے والا تھا اگر معاشی اعتبار سے بلند نہ تھا تو حکومت کے اعتبار سے بھی قبائل کے اختلاف کا مرکز بنا ہوا تھا۔

---

[1] التاریخ الاسلامی السیاسی ج ۱ ص ۳۹ [2] تاریخ الامم الاسلامیہ خضری محاضرہ ۳ ص ۳۶ [3] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ ابراہیمی عہد میں حجاز کی امارت بنی جرہم کے ہاتھ میں تھی مگر اس کے بعد قبیلہ ازد کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ جب مآرب میں پشتہ ٹوٹنے کی وجہ سے سیلاب آیا تو قبیلہ ازد نے مکہ کی طرف رُخ کیا۔ بنی جرہم نے دفاع کیا مگر ناکام رہے اور حکومت قبیلہ ازد کے ہاتھ میں آ گئی قبائلی اختلافات کا یہ پہلا نقطہ تھا جو آئندہ سیاسی اختلافات کا سرا بن گیا۔ مکہ میں جو قریش باقی رہے تھے وہ فہر ابن مالک کی اولاد میں سے تھے لیکن ان کو نہ امارتِ حجاز پر دسترس حاصل تھی، اور نہ بیت اللہ کے پُر شرف انتظام میں ان کا کوئی حصہ تھا۔ جب حضرت محمد مصطفیٰ[۱] کے اجداد میں سے قصی ابن کلاب کا زمانہ آیا تو اُنہوں نے قریش کی پراگندہ جمعیت کو ایک قانونی نظام کے ماتحت لانا چاہا[۲] اور اس میں کچھ کامیابی بھی حاصل کی، گو وہ کامیاب ہوئے ہی تھے کہ مکہ کے سردار خزاعہ سے جنگ آزما ہوئے اور اس طرح اختلاف کی ایک اور صورت پیدا ہو گئی۔

قصی بن کلاب نے کامیابی حاصل کرنے کے بعد اختیار کی زمام اپنے ہاتھ میں لی اور اپنے خسر سے جو مکہ کے خادم تھے انتظامی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر ریاست کے نظام میں ایک اور شرف کا اضافہ کر دیا۔ اب امارت مکہ کی بنیاد جن اختیارات[۵۲] پر قائم ہوئی وہ یہ تھے۔

۱۔ امارت مکہ (قبائلی طرز کی بے قید ریاست)

۲۔ دارالندوہ: قبائلی مجلس شوریٰ۔

۳۔ حجابت: بیت اللہ پر غلاف چڑھانا۔

۴۔ لواء: سپہ سالاری۔

۵۔ سقایہ: زائروں کو آب زمزم پلانے کی ذمہ داری۔

۶۔ رفادہ: شہر مقدس میں آنے والوں کی مہمانی اور اس کا محصول۔

یہ نظم اگرچہ معمولی تھا لیکن اس میں اتنی کامیابی حاصل ہوئی کہ قصی نے اس کو میراث قرار دے کر اپنے خاندان کے لیے مستقل کر دیا۔ اس نے اپنے جانشین کو جو وصیت کی اس میں

---

[۱] تاریخ طبری ج ۱   [۲] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۹-۲، طبع میمنیہ مصر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ صاف درج ہے کہ قریش امارت، ندوہ، لواء، سقایۃ، رفادہ حجابۃ کی ذمہ داری میں اس کے جانشین کے علاوہ کسی دوسرے کی اطاعت نہیں کرینگے[1]

قصی کی ریاست کی یہ تنظیم اپنے وقت کی اچھی تشکیل تھی مگر بہرصورت ایک چھوٹی سی شخصی امارت تھی، اس کے شخصی میراث بن جانے کا نتیجہ یہ ہوا، عبدالدار اور عبدمناف میں سیاسی ہنگامہ بپا ہوگیا۔ عبدالدار قصی کا بڑا لڑکا تھا مگر نا قابل۔ عبدمناف باپ کی حیات میں قوم کے دل کا مالک تھا اور اپنی اعلیٰ قابلیت میں مشہور۔ قصی نے امارتِ مکہ کی ذمہ داری عبدالدار کو دی۔ باپ اور بڑے بھائی کے احترام نے عبدمناف کو صبر و برداشت پر آمادہ کرکے خاموش کردیا۔ عبدمناف کے چار صاحبزادے تھے۔ ہاشم (پیغمبر اعظم کے بزرگوار دادا) عبدشمس، مُطّلب، نوفل۔ عبدمناف کے ان شریف زادوں نے عبدالدار کے خاندان کے مقابلہ میں اپنے حق کا اعلان کردیا۔

یہ لوگ اکثریت میں تھے، قابلیت اور حوصلہ کے مالک تھے، شریف طبع اور قبیلہ کے درمیان عزیز و محبوب[2] تھے۔ اس طرح حکومت کا وہ خونی رجحان جو خون کے رشتہ سے قصی کے دونوں بیٹوں کی رگوں میں پہنچا تھا، دونوں کے انتقال کے بعد عرب کے آسمان پر شفقِ سرخ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ عبدالدار کے بیٹے اپنے باپ کی ریاست کو میراث ملتے تھے اور عبدمناف کے بیٹے خدمت کی اہلیت کو سیادت کی سب سے بڑی دلیل سمجھتے تھے۔ ان میں بڑے ہاشم تھے اور اُن کا فیصلہ یہ تھا کہ خدمت کو اہلیت سے وابستہ ہونا چاہیے ورنہ ناکامی و بدنامی سے دوچار ہونا پڑیگا۔

ظہورِ اسلام سے کچھ ہی قبل قریش کے شریف زادوں کا یہ اختلاف مخالفت کا قوی سبب بن گیا اور عرب کی تنظیم پر اس کا اثر ہوکر رہا — قریش دو جماعتوں میں بٹ گئے۔ آخرکار شدید اختلافات کے بعد قصی بن کلاب کی وحدانی (Onilary) امارت کے اختیارات

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲، طبع میمنیہ مصر [2] ایضاً ج ۱ ص ۱۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔[1]

ہاشم نے (جن کا خاندان اپنی شرافت کو عرش بریں تک بلند کرنے والا تھا) امارتِ مکہ میں خارجی تعلق کو بھی ذمہ داری کی حیثیت عطا کی۔ انھوں نے قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب روم کے علاقے میں مال لے کر جائیں تو ان سے ٹیکس نہیں لیا جائیگا۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ عرب میں راستے غیر محفوظ تھے۔ ہاشم نے قبائل میں دورہ کر کے معاہدہ کیا کہ کاروانِ تجارت کو نقصان نہ پہنچائینگے۔[2]

ذمہ داریوں کی اس تقسیم کے بعد بھی اختلاف کی جھلک واقعات میں نظر آتی رہی جب یہ اختلاف بڑھتا تو قریش کی فراست اس کو کم کرتی۔ اس طرح جو انقلاب بھی ہوتا اس میں خون کی نوبت نہ آتی تقسیم کار کا بنیادی اصول قریش کی سیاست کی بنیاد بنا رہا اور اس طرح قریش اپنی خاندانی شرافت میں ممتاز رہے، تاہم اختلاف کی صورتیں کچھ نہ کچھ پیدا ہوتی رہیں۔ حرم عربوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز تھا۔ اس کا اقتدار اسی طرح قوم کی زندگی میں موثر تھا جس طرح شخصی سلطنت میں ایک مقتدر اور اچھے بادشاہ کا تاج ہوتا ہے۔ عرب میں اختلاف پیدا ہوا اور اتحاد ختم ہوا تو یہ مرکزِ وحدت بھی باقی نہ رہا۔ اور وہ تمام فوائد جو اس سے حاصل تھے یکدم ختم ہو گئے، قیس و کنانہ کے قبائل کی مشہور لڑائی کو حرب فجار اسی لیے نام دیا گیا کہ عربوں نے حرم کی مرکزی عظمت کو نظر انداز کر کے اس کی حدود میں کشت و خون کو روا رکھا۔

اس دور میں حجاز کے قبائلی طرزِ حکومت سے جو شخصیت اور جمہوریت کی آمیزش سے ظہور پذیر ہوا تھا، عرب کی ترقی کو اور نقصان پہنچا۔ تمام قبائل سرداروں کے ماتحت تھے ہر سردار قبیلہ کا جنگی ہیرو تھا۔ ان کی قسمت اس کی ملک ہوتی جب حکم دیتا جنگ شروع ہو جاتی

---

[1] عبدالدار کی ذمہ داری حجابۃ، لواء، ندوہ۔ عبد مناف کی ذمہ داری سقایہ اور رفادہ۔ تاریخ خضری ج ۱۔ ص ۵۱۔ [2] امالی ابوعلی قالی۔ بحوالہ سیرۃ النبی علامہ شبلی ج ۱ ص ۱۵۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب لفظ صلح زبان سے نکل جاتا جنگ اپنی موت مرکر ختم ہو جاتی، وہ جب چاہتا معاہدہ کرتا، اور جب ارادہ کرتا تو معاہدہ توڑ دیتا۔ اسلام کے ظہور سے پہلے ایک زبردست اضطراب رونما تھا، عام پستی، خاص تباہی، ہمہ گیر بےچینی، عالمگیر معرکہ آرائی کا سلسلہ جاری تھا، یکایک کوہستان عرب کے مطلعِ عالی پر اسلام کا آفتابِ عالمتاب اُبھر کر ادپر آیا۔ اور ایک نیا انقلاب رونما ہوا، اور نیا نظام انسانوں کی عقل کے روشن پردوں پر ظاہر ہوا۔

پیغمبر اعظم سے پہلے تاریخی ملکوں اور قوموں کی حالت

پیغمبر اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ ایسے دور میں روئے زمین پر جلوہ فرما ہوئے جب دنیا کی تمام قومیں اور سلطنتیں طوائف الملوکی کے عذاب میں مبتلا تھیں۔ بنی اسرائیل بربادیوں کے منتہا سے رحمتِ عالم کے انتظار میں تھے، عیسائی دنیا آپس میں جنگ آزما تھی اور اس خیال پر قائم کہ خدا کی بادشاہت محض ایک تصوری شے ہے۔ واقعی، وجودی اور حقیقی امر نہیں ہے۔

یہودی قدس سے یثرب تک پراگندہ حال آباد تھے، اور عربوں کی مقاومت سے بےحال ہو رہے تھے۔ عیسائی تاجداری کے تخت پر سیدنا مسیح علیہ السلام کے احکام کے خلاف صف آرا تھے اور اپنے فرائض بھول چلے تھے۔ فارس کی عظیم قوم اسکندر اعظم کے عملِ جراحی سے شفا پانے کے بعد قوت حاصل کر چکی تھی مگر شوکت وسطوت کے باوجود تمام قوت انسانیت کے اصولوں کو شکست دینے کے لیے صرف کر رہی تھی۔

پیغمبر اعظم نے اجتماعی میدان میں اسلام کا نظام حکومت قائم کرنے میں جن اعلیٰ اور فطری اصولوں کا لحاظ رکھا ہے ان کا اندازہ درحقیقت اس زمانہ کے حالات پر موقوف ہے۔ کیا حالات تھے اور کیا ہو گئے، کیسی حکومتیں قائم تھیں اور کیسی حکومت قائم ہوئی، کس قسم کے سیاسی محرکات کارفرما تھے اور کس درجہ عظیم انقلاب برپا ہوا۔

اگر اسلام سے پہلے ظاہر ہونے والے واقعات کو میزانِ عدل میں رکھ کر وزن کیا جائے تو ان کے بارے میں یہ ماننا ہوگا کہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہولناک مخالفتوں، تباہ کن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگوں، اور افسوسناک برائیوں کا دور دورہ تھا۔

متمدن فرانس کے فاضل اہل قلم موسیوگال لیبام نے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں پیغمبر اسلام کو جامعۂ اسلامیہ کا قانونی مؤسس قرار دیتے ہوئے یورپ کے حالات کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے میلاد سے کچھ پہلے اور کچھ بعد چھٹی صدی (ن ۶ ء) کے اطراف میں ساری دنیا کا مطلع فتنہ وفساد کے سیاہ بادلوں سے تیرہ وتار تھا۔ اسپین اور جنوبی فرانس کے باشندے شہنشاہ کلاؤڈیس[1] کے کیتھولک خاندان کے رؤسا سے پریشان تھے انہوں نے مشرقی روم کے شہنشاہ گسٹینین (Gustinian) کو امداد کے لیے بلایا جب وہ قاہر طاقتوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے آیا تو انہی مظلوموں کو جبری لام بندی کے ماتحت مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں اپنے محسنوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑا۔

فرانس واسپین کے مجموعی دائرہ میں کلاؤڈیس کا خاندان اور فرانکی حکومت میں جنگ کا بازار گرم تھا۔ تاریخ میں اس سے زیادہ رنج دہ جنگ کی مثال نہیں ملتی"[2]

انگلستان میں کیمبرس نسل اور انگلوسیکسن قومیں وحشیانہ معرکہ آرائی اور کشت وخون میں غرق تھیں۔ بربر نسل۔ اسکاٹ لینڈ کی کلٹک (Celtic) نسل، جیوٹ (Jutes) نسل کے بعد دیگرے دست وگریباں تھے ۲۹۲ء میں کسی قدر حکومت کی سطح پر ان کا اجتماعی میلان ظاہر ہوتا ہے لیکن ۸۲۸ء تک انگلستان کی شہنشاہیتِ متحدہ کا خاکہ نہیں بن سکا۔[3]

رومۃ الکبریٰ کی حکومت جس کا نام آج تک دلوں کو مرعوب کرتا ہے سخت قسم کی پایائی کشمکش میں مبتلا تھی۔ یونان اپنی تاریخی عظمت کو فراموش کرچکا تھا مملکتِ یونان مشرقی

---

[1] کلاؤڈیس (Calaudius) جس کو عرب کلوفیس یا کلودیس کہتے ہیں۔ دائرۃ المعارف بستانی ج ۴ ص ۵۵۲۔ انگلترا۔ [2] دیکھو مقدمہ موسیوگال لیبام۔ ترجمۂ قرآن بزبان فرنسیسی (بحوالہ دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۹ ص ۱۴۲۔ لفظ سلم) [3] دائرۃ المعارف ج ۴ ص ۵۵۲، ۵۵۳

[4] الاسلام فی عصر العلم۔ علامہ وجدی ج ۱ ص ۲۳۵۔ حیات خاتم المرسلین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روما کی مملکت میں گم ہو چکی تھی۔

مشرقی یورپ دریائے رائن (Rhine) کے جنوبی کنارے سے دریائے ڈینوب (Danube) کے مشرقی اور مغربی وادی تک اضطراب و اختلاف کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اسکنڈینیویا (بحر بالٹک کے ممالک) ناروے اور ڈنمارک کے باشندے گاتھ اور ہون قوموں کے مقابلہ اور مزاحمت میں مصروف تھے۔ موسیو ریہان نے رومنوں کے متعلق بالکل صحیح کہا ہے کہ پہلی صدی کی رومن حکومت اور چھٹی صدی کے رومنوں میں کوئی مشابہت نہیں۔ کیونکہ چھٹی صدی کی رومن سلطنت برائیوں، خرابیوں اور وحشیانہ جنگ و جدال کا نقشہ پیش کرتی ہے[1]۔

ایشیا | ایشیا کا امن اور اجتماعی حالت یورپ سے زیادہ پیچیدہ تھی۔ ہندوستان، تبت اور چین عجیب و غریب فلسفیانہ مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ اجتماعی مسائل سے اجنبی اور افکارِ عامہ سے محروم؛ ہر ملک داخلی جنگوں کو اپنی تقدیر سمجھے ہوئے تھا۔ خارجی فوج کشی، اور ادنیٰ درجہ کی دینی الجھنیں اس کے علاوہ تھیں جن سے ایشیا کی قومیں پامال ہو رہی تھیں۔ شمالی روس کے حالات سے دنیا مطلقاً بے خبر تھی۔

مملکتِ فارس کی قسمت مغرب کے حالات سے وابستہ تھی۔ اسکندر مقدونی کے حملوں نے فارس کے نظامِ اجتماعی کو درہم برہم کر دیا تھا۔ آخر میں کچھ تنظیمی صورت قائم ہوئی تو وہ روم کے مشرقی مقبوضات سے دست و گریبان رہی۔ افریقہ میں مصر کی عظمت فنا ہو کر روم کی حاکمیت پر اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ مختلف حصوں کے سپاہی، تجار اور حکام رومن اقتدار کے ماتحت مصر کی آزادی کی گردن مروڑ رہے تھے اور اہلِ ملک دم نہ مار سکتے تھے[2]۔

موسیو گال لیبام ان تفصیلات کے بعد لکھتے ہیں: "خلاصۂ کلام یہ کہ عالمِ ارضی کی فضا وحشیانہ بے چینیوں کے غلیظ و کثیف بادلوں سے تاریک تھی۔ دنیا کے ہر حصہ میں ہر

---

[1] کتاب الانبیاء فصل ۷، بحوالہ مذکورہ ص ۲۴۹ [2] دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۵ ص ۲۴۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان اچھے ذرائع اختیار کرنے کی بجائے شرارت آمیز وسائل پر اعتماد کرتا تھا۔ امن اور اطاعت پر جنگ و میدانِ جنگ کو تفوق حاصل تھا۔ مالِ غنیمت سے خزانوں کو بھرنا، قوموں، شہروں اور شرفاء پر غارت ڈالنا ایسے کارنامے تھے جو اس ساری تاریخ میں قابلِ ذکر ہیں[1]

فکر و نظر کے اس مرحلہ پر دنیا کی عقل اس نتیجہ تک پہنچ سکتی ہے کہ اسلام کن حالات میں روئے زمین پر آیا اور اس نے انسانیت عامہ کی اجتماعی حالت کو اصلاح و ترقی اور سیاست و حکومت کی معراج پر کس طرح پہنچایا۔

مشہور امریکن مورخ "ہسٹری آف دی مورس ایمپائر ان یورپ" کے لائق مصنف ڈاکٹر ایس پی اسکاٹ نے اس زمانہ کے حالات کا نقشہ اور بھی زیادہ دردناک الفاظ میں کھینچا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

"حضور رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت باسعادت سے ایک صدی پیشتر سخت ترین اور افسوسناک جہالت نے مسیحی دنیا کا منہ کالا کر رکھا تھا۔ اس کے مقتدایانِ مذہبی بداخلاق اور فاسق و فاجر ہو گئے تھے ان کی بحثوں کا فیصلہ اکثر قتلِ عام سے ہوتا تھا۔ اسکندریہ اور ایشیا میں جبر و تشدد کا دور دورہ تھا چھٹی صدی کا راہب مذہبی سردار بھی تھا اور دنیاوی حاکم بھی، ولی بھی تھا اور شیطان بھی۔ اس وقت کوئی مسلمہ مرکزی کلیسائی حکومت نہ تھی۔ جو کلیسائی حکومت قائم تھی وہ شترِ بے مہار، خود مختار اور اتنی مستبد تھی کہ جس کی اپیل کہیں نہیں ہو سکتی تھی۔ پاپائے روم کی مذہبی حکومت ایسی مختارِ مطلق تھی کہ اس سے پہلے دنیا بھر کی کسی حکومت کو یہ اختیارات کبھی حاصل نہ ہوئے تھے۔ اس نے انسانی عقل کو قیدی بنا رکھا تھا اور انسانی خیالات کی آزادی کو بری طرح شکنجہ میں کس رکھا تھا۔

[1] الاسلام فی عصر العلم۔ وجدی۔ حیات خاتم المرسلین ج ۱ ص ۲۳۴ و ۲۳۹۔
[2] اخبار الاندلس (ترجمہ) مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ج ۱ ص ۶۴۔ ۸۰ طبع لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطنتِ روما کے ہر صوبہ میں وحشیانہ لڑائی کے نشانات ہر جگہ موجود تھے۔ سیاسی خرابی اور اخلاقی ذلت نے جنگ سے زیادہ بربادی پھیلا رکھی تھی۔ گاتھ[1] اور لومبارڈ[2] کی سلطنتوں کے ہر نقشِ قدم پر انسانوں کی سفید ہڈیاں، منہدم شہر، تباہ شدہ کھیت اور آتش زدہ جھونپڑیاں ہی نظر آتی تھیں۔

چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں کلیسا اور بیزنطینی سلطنت دونوں بربادی کی حالت میں تھے۔ اگر یورپ کی پوری حالت کو دیکھا جائے تو وہاں کے معاملات اور بھی زیادہ افسوسناک تھے۔ قوم گاتھ تمام براعظم یورپ کی مالک بنی ہوئی تھی۔ وینڈل[3] قوم نے جزیرہ نمائے اندلس سے گزر کر اپنا فتحمندانہ عَلَم افریقہ کے ساحل پر گاڑ دیا تھا۔ اور سخت بے رحمیاں کر کے اپنا نام بدنام کر لیا تھا۔ ہینی بال[4] اور ہملکار کی اولاد سمندر میں دھکیل دی گئی تھی۔ ایتھنز (یونان) کا واحد آزاد مدرسہ ڈیڑھ سو سال پہلے شاہ جسٹینین کے حکم سے بند ہو چکا تھا۔ قیاصرہ کی اولاد اپنے ورثہ سے محروم ہو کر باجگزار بن چکی تھی اور ان وحشیوں سے ڈر کر مری جاتی تھی جو چمڑے کا لباس پہنتے تھے اور جرمنی کے جنگلوں اور بالٹک کے سواحل پر اتنی تعداد میں رہتے تھے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ روم کا نوے میل کا گلزار علاقہ کیمپےنا (Campagna) زہر کی دلدل بنا ہوا تھا۔ روم کو دوبارہ لوٹا گیا اور میلان[5] میں تو گویا گدھوں نے ہل چلا دیا تھا۔ ان تمام حوادث میں اس امر کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے مظلوم اصحاب ایسے موجود تھے جو بت پرستی اور مسیحی مذہب سے بداعتقاد ہو چکے تھے اور ایک مُصلح کے منتظر تھے جس کو فار قلیط یعنی نجات دہندہ کہتے تھے اور نہایت ہی قدیم روایات کے مطابق ایک پیغمبر کا انتظار بھی کیا جا رہا تھا جس کا نام احمد یا محمد ہو گا۔

---

[1] گاتھ (عربی قوط) زمانۂ قدیم کی ایک نہایت بہادر جرمن نسل جن کو غلطی سے بعض مورخین نے سکنڈے نیویا کا ظاہر کیا ہے۔ انھوں نے قدیم زمانہ میں روم پر شدید تاخت و تاراج کی ہے۔ [2] لومبارڈ وہ علاقہ ہے جس کو آج کل اٹلی کہتے ہیں۔ سیوائے اور وینس کے علاقے اس میں شامل نہیں ہیں۔ یہ مستقل سلطنت تھی جو فرانس کے حملوں سے مضمحل ہو گئی تھی۔ [3] وینڈل سواحل بحرِ ازوف کی وحشی قوم جس نے پانچویں صدی میں یورپ اور سواحل اٹلانٹک کو خوب تاراج کیا اور افریقہ میں مسلمانوں سے متصادم ہوئے۔ [4] تاریخ قدیم میں سلطنت قرطاجنہ کا مشہور سپہ سالار ہیملکار کا لڑکا تھا اور بہت بڑا سپہ سالار [5] میلان سلطنت لومبارڈ کا صدر مقام۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی دور

عہدِ محمدی، خلافتِ راشدہ دورِ اوّل، خلافتِ راشدہ دورِ دوم

عہدِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۵۷۱ء تا ۶۳۲ء)

حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے اوصاف اور اجتماعی برکات پر جس قدر بھی غور کیا جاتا ہے آنحضرت کی عظیم الشان شخصیت نگاہِ عقیدت کے سامنے آراستہ ہو جاتی ہے چھٹی صدی عیسوی سے پہلے بڑے بڑے فرمانروا پُرشکوہ خطابات کے ساتھ دنیا کے اجتماعی نظام پر قابو پاکر نام پیدا کر چکے تھے۔

یونان کا شہنشاہ بطلیموس کے لقب سے سرفراز تھا، ترکوں کا خاقان کے لقب سے، فارس کے شہنشاہ کا لقب کسریٰ تھا۔ روم کے شہنشاہ کا قیصر، اور حبش کے شہنشاہ کا نجاشی[1]۔ انسانی سوسائٹی جابر و قاہر شخصی حکومتوں اور غرور سے بھرے ہوئے خطاب یافتہ حکمرانوں کے شکنجہ میں قریب بہ مرگ تھی۔ ایسے شدید اور صبر آزما زمانہ میں پیغمبر اعظم رسول اللہ اور خلیفۃ اللہ کے پاکیزہ خطابات سے سرفراز ہو کر نازل ہوئے۔ اہلِ دنیا کو معلوم ہوا کہ دنیا کے سچے اور صحیح اجتماعی تصورات پہلی مرتبہ حقیقی انسانیت اور مثالی عمومیت (Democracy) کے مفہوم سے آشنا ہوئے ہیں، ہم آنحضرت کی پاک زندگی پر جس قدر غور کرتے ہیں ہمیں اس زندگی کا ہر دور ابتداء سے انتہا تک فیصلہ کن واقعات سے بھرپور نظر آتا ہے۔ دنیا تاریکی میں تھی یکایک آفتابِ اسلام کا طلوع ہوا، دنیا کی قسمت جگمگا اٹھی! دنیا بدی اور بدکاری میں مبتلا تھی، یکایک کونین کے سردار اور دنیا و دین کی حکومت کے رہنما کا ظہور ہوا[2]، اہلِ دنیا کی تقدیر کے سیاسی نوشتے سیاہ سے سنہرے ہو گئے! دنیا انصاف سچائی، اور خوفِ خدا کے مطلع نظر

---

[1] سنہ عام فیل ۵۷۱ء سنہ میلادِ نبوی، دیکھو البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر۔

[2] روض الانف علامہ سہیلی ۵۰۸ھ-۵۸۱ھ ج ۱ ص ۲۰۲ طبع جمالیہ مصر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے دور بھی یک بیک خدا کے محکم قوانین کا مجموعہ، حکمت وحکومت اور سیاست وسلطنت کا بینظیر دستور (قرآن مسطور) انسان کے دل ودماغ پر نازل ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے انسانیت عامہ کے تمام فطری احکام ایک ایک لڑی بروئے کار آگئے۔

پہلے روئے زمین کے سردار کا ظہور ہوا، اس کے بعد فطری قوانین نے اپنی جھلک دکھائی اور اس کے فوراً بعد ایک اُمت کی تشکیل عمل میں آئی جس کا کام ساری قوموں کو ایک کرنا ایک کر کے ایک انسانیتِ عامہ کے عقیدہ پر جمع کرنا اور دنیا جہان کی واحد حکومت قائم کرنا تھا جب ہمارے نظام کا سردار پیدا ہو گیا تو دُنیا کے تمام پُرانے نظام ٹوٹ پھوٹ گئے پچیس سال کی مدت میں دنیا بدل گئی، ایک بڑی اور بے مثال تبدیلی رونما ہوئی جس نے مدت کے تصورات، زمانۂ دراز کے خیالات، عرصہ کی تنظیمات اور سالہا سال کی قوموں اور حکومتوں کو ختم کر دیا ساری عمر کے دشمن دوست ہو گئے۔ صدیوں کے جنگجو قبائل ایک اُمت بن گئے تمام بھلائیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور برائیوں کی ہر عمارت اپنی بُنیادوں پر بیٹھ گئی اسلام کا دور شروع ہوا، اسلام کا نظام قائم ہوا، اسلامی حکومت کی تاسیس عمل میں آئی جو دنیا میں سب سے بُرے تھے سب سے اچھے ہو گئے۔ جو لوگ بُرے کاموں کے لیے مشہور تھے ان کے سارے کام اچھے ہونے لگے، خدا کی شان ہے کہ پلک جھپکتے ہی ساری دنیا میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ اس سے بہتر انقلاب نہ تاریخ نے دیکھا اور نہ اسلام سے علیحدہ ہو کر آئندہ تاریخ دیکھیگی۔

پیغمبر اعظم کی مبارک ومسعود زندگی سے نگاہوں کو آسودہ کیا جائے تو یہ معلوم ہو گا کہ آپ کی پیغمبرانہ زندگی میں عالمگیر حکومت، ذمہ داری اور قوموں کی امامت کا احساس جوہر کی طرح موجود تھا آپ کی زندگی میں ابتدا ہی سے سیاسی آثار موجود تھے اور ان سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کی عظیم وجلیل ہستی دو باتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

"اسلام دنیا کی سب سے بڑی اور فاتح طاقت ہے اور انسانیت کا مفادِ عامہ صرف اسلام سے وابستہ ہے"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاسی آثار | ہر بڑے واقعہ کے ظہور سے پہلے کچھ ایسے آثار پائے جاتے ہیں جن سے اصل واقعہ کی حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے پیغمبر اعظم ابھی جلوہ گاہِ وجود میں تشریف فرما ہوئے تھے کہ آپ کی والدۂ محترمہ نے اُس شرف کو محسوس کر لیا جو آپ کے وجودِ گرامی سے ظاہر ہونے والا تھا۔

اُس زمانہ میں انسان کی زندگی پر خواب کا زبردست اثر تھا۔ اشخاص خواب دیکھتے تھے، قبائل خواب دیکھتے تھے، قومیں خواب دیکھتی تھیں۔ خوابِ صادق کو ایک حقیقت سمجھا جاتا اور اس کی تعبیر سے عظیم الشان واقعات رونما ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کے بزرگوار دادا عبد المطلب نے مشرق سے مغرب تک ایک سُنہری زنجیر دیکھی تو زبانِ خلق نے یہ تعبیر دی (جو حرف بحرف پوری ہوئی) کہ اس شخص کی عالی پایہ نسل میں ایک ایسی ہستی پیدا ہوگی جس کے تابع فرمان اہلِ مشرق بھی ہونگے اور اہلِ مغرب بھی۔ پیدائش سے کچھ پہلے آپ کی اہلِ عزت ماں (آمنہ بنت وہب) نے ایک عجیب الاثر خواب دیکھا۔ تو اس کی تعبیر یہ دی گئی "دامنِ مراد اس اُمت کے سردار کا حامل ہے"[1] ان خوابوں میں جو واقعیت کار فرما ہے اس کا اندازہ عربوں کے مزاج کے مطابق کیجیے تو مسئلہ کی اہمیت سامنے آجاتی ہے۔ ایک مرتبہ خالد بن سعید بن العاص نے خواب دیکھا کہ زمزم سے روشنی کا فوارہ بلند ہو رہا ہے[2]۔ جب آنحضرت صلعم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اُمت اسلامیہ کی تنظیم کا وقت آیا تو خالد محض اس خواب کے اثر سے مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہوگئے۔ عبد المطلب اور حضرت آمنہ کے خوابوں کی تعبیروں نے وقت کی اجتماعی حسیات پر غیر معمولی اثر ڈالا، اور اہل عرب کے صلاحیتمند دماغ ابتدا ہی سے آئندہ دور کی تنظیم کے خواب کی تعبیر دیکھنے لگے[3]

سردارِ اُمت کی پیدائش | آپ جس سال دنیائے موجودات میں آئے تو یہ حادثۂ فیل کا سال تھا۔ یمن کا حبشی وائسرائے ابرہہ فیل (ہاتھی) پر سوار ہو کر کعبۃ اللہ کے انہدام کے لیے آیا[4] لیکن اللہ

---

[1] روض الانف امام سہیلی ج ۱ ص ۱۰۵ اجمالیہ [2] ابن الاثیر ج ۱ ص ۱۶۲

[3] روض الانف امام سہیلی ج ۱ ص ۱۰۵ و ۱۱۲ [4] دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۱۱ ص ۲۵۳ (عرب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حکم اور قانونِ قدرت کے ماتحت شکست کھا کر رخصت ہوا۔ اس واقعہ کی سیاسی اہمیت کا اندازہ ابرہہ کی نیت سے ہوتا ہے۔ بیت اللہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں "امن و سلامتی کا پایۂ تخت" بن کر دنیا کے سامنے آیا۔ بنی اسمٰعیل نے اس کی اجتماعی تقدیس کی حفاظت کی قصی بن کلاب نے اس کی سیاسی مرکزیت کو تازہ کیا۔ ابرہہ کی اسکیم یہ تھی کہ خدا کی حکومت کے اس مرکزی ایوان کو مٹا دیا جائے لیکن قدرت نے حملہ آوروں کو مٹانے کا فیصلہ کیا، اور وہ دنیا کی بساط سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ جب دنیا کے مذہبی مرکز میں یہ واقعہ ایک ہولناک سیاسی واقعہ کی حیثیت سے رونما ہو چکا تو وہ ہستی پیدا ہوئی جس کے دم قدم سے ساری دنیا کا امن وابستہ تھا۔ جس سنہ میں یہ مقدس پیدائش ہوئی وہ واقعۂ فیل کا سال تھا۔ حسنِ اتفاق یہ کہ اس زمانہ میں فارس کی سلطنت پر نوشیروانِ عادل حکمراں تھا، تاریخی قیاس کے مطابق ۴۲ سنہ جلوس نوشیرواں تھا۔ محمد محمود پاشا فلکی (مصری) کی رائے کے مطابق آپ کی ولادتِ باسعادت یوم دوشنبہ ۹۔ ربیع الاول، ۲۰۔ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی مقامِ پیدائش دارِ ابو یوسف کے نام[۱] سے مشہور تھا۔

آنحضرتؐ کی زندگی اوّل سے آخر تک بیشمار سیاسی واقعات کا مرقع ہے۔ اگر پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے وقت تاریخی ہستیوں اور مقدس مذہبی رہنماؤں کا یہ خیال تھا کہ عبدالمطلب کے گھر میں دنیا کی قوموں کا واحد سردار پیدا ہوگا تو پیدائش کے بعد یہ خیال حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

علامہ سہیلی روض الانف میں لکھتے ہیں کہ حضرت آمنہ پہلے دن ہی آنے والے واقعات کی روشنی کو دیکھ چکی تھیں۔ اور یہ روشنی آنے والے دور کی حکومت تھی اور مستقبل کی فتوحات کا ابتدائی نظارہ[۲] اس میں ذرا شک نہیں کہ آنحضرت پیغمبر تھے اور یہی آپ کی

---

[۱] تاریخ الامم والملوک طبری ج ۲ ص ۱۲۶۔ تاریخ الاسلام السیاسی ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن پروفیسر جامعہ مصریہ ج ۱ ص ۹۱۔ و تاریخ ابن الاثیر ج ۱ ص ۱۶۲۔ روض الانف ج ۱ ص ۱۲۳ [۲] روض الانف ج ۱ ص ۱۱۱، ۱۱۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل حقیقت تھی لیکن بات یہ بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آپ حکومت کے کاموں اور کارناموں میں ایک بالادست حکومت کے نائب تھے۔ آپ نے دنیا کو سبق دیا کہ حکومت اور مذہب دونوں ایک معتدل اور متوازن نظام سے تعلق رکھتے ہیں، حکومت کا مطمحِ نظر مذہب ہے، اور مذہب کی حقیقت حکومت ہے" اس اعتبار سے آپ کا دورِ حیات سیاسی فرائض اور تصورات کے لحاظ سے بھی اتنا ہی بے مثال تھا جس قدر پیغمبر کی حیثیت سے عدیم النظیر اور سربسر اعجاز۔

واقعہ بحیرا کا سیاسی پہلو ابتدائی واقعات میں سب سے زیادہ اہم واقعہ سفرِ شام میں آتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ خاندان کے تمام بڑے اور مربی بچپن میں ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتے ہیں۔ قدرت جس ہستی کو حکومت اور حکمت کی ہر ذمہ داری عطا کرنے والی ہے اس کو تمام سہاروں سے محروم کر دیتی ہے جس انسان کو سب کچھ ملنے والا ہے اس سے سب کچھ لے لیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ایک انسان نے تن تنہا خدائے واحد کے لیے دنیا کو فتح کیا اور فتح کر کے فطری حکومت کی بنیاد قائم کی تاکہ خدا کی قوت اور اس کی مرضی کی تاریخ پھر ایک بار مکمل صورت میں دنیا کے سامنے آجائے، اور انسان کو معلوم ہو جائے کہ مادی طاقتیں خدا کے لازوال اختیار اور قانون کے ماتحت ہی بے مثال سیاسی طاقت پیدا کرتی ہیں، اور اپنا فطری عکس دنیا کو دکھاتی ہیں۔

آنحضرت تمام بزرگوں سے محروم ہونے کے بعد اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کر رہے ہیں۔ بُصریٰ (پایۂ تخت شام) کے قریب پہنچ کر عیسائی راہب بحیرا سے ملاقات ہوتی ہے اس وقت عمرِ مبارک نو سال یا بارہ سال ہے۔ باخدا راہب ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر جو پہلا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے وہ یہ ہے:

"یہ ساری دنیا کا سیاسی سردار ہے۔ یہ ساری دنیا کے خداوند کا نمائندہ اور رسول ہے، یہ ساری دنیا کے لیے رحمت ہے (ھٰذا سید للعالمین، ھٰذا رسول ربّ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

08077

العالمین، یبعثہ اللہ رحمۃ للعالمین[1]

نو سال یا بارہ سال کی عمر میں ایک با خدا انسان کی پیشین گوئی ان آثار پر مبنی تھی جو انجیل مقدس کے صفحات سے اس زمانہ کے صادق انسانوں کے صفحاتِ قلب تک پہنچی تھی۔ بحیرا کا یہ کہنا کہ یہ شخص ساری دنیا کا سردار ہوگا خاص طور پر سیاسی سیادت اور حکومت کی پیش بینی تھی۔ کیونکہ اس نے اسی وقت اہلِ قافلہ کو ہدایت کی کہ اس ہونہار بچے کو روم کی قلمرو میں نہ لیجانا، اگر رومی حقیقت سے باخبر ہو گئے تو قتل کی اسکیم سوچینگے۔ اس قسم کی ہدایت ان صریح تاریخی واقعات کی پیش بندی تھی جو بعد میں آنحضرت کی زبان پر آئے۔ نوجوان اُسامہ کی فوجی مہم کا روم کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے نکلنا ہی بحیرا کی سیاسی بصیرت کی صداقت کی پہلی تاریخی دلیل تھی[2]

پیغمبر اعظم نے بیس سال کی عمر میں حرب فجار کے وقت پہلی مرتبہ میدانِ جنگ کا منہ دیکھا، اس جنگ کے بعد قریش نے ایک شریفانہ صلحنامہ کیا جس کو تاریخ میثاق فضول کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس معاہدہ کی واحد دفعہ یہ تھی کہ کوئی عرب مظلوم کے مقابلہ میں ظالم کی حمایت نہ کریگا[3]

اسلامی سوسائٹی کے بننے سے بیس سال پہلے یہ معاہدہ ہوا۔ اس سے پہلے ایسا شریفانہ معاہدہ قریش کی تاریخ میں نہیں ہوا تھا[4] اس معاہدہ کی مجلس میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے۔ آپ کی تاریخِ زندگی میں یہ پہلا سیاسی اجتماع تھا جس میں آپ نے شرکت کی۔ آپ خود فرماتے ہیں "میں حلف الفضول کے وقت موجود تھا۔ یہ معاہدہ میری رائے میں سُرخ اونٹوں سے زیادہ قیمتی تھا۔ اگر اسلامی دور میں بھی کوئی شخص مجھے اس قسم کا معاہدہ کرنے کے لیے بلائے تو موجود ہوں[5]

---

[1] روض الانف امام سُہیلی سیرت ابن ہشام حمیری ج ا ص ۱۱۹ [2] دیکھو واقعہ بحیرا کی تاریخی تفصیل البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۸۳ [3] ایضاً ص ۳۰۰ [4] ایضاً ص ۲۹۱ [5] سیرت ابن ہشام ج ا ص ۹۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوجوانی کے عالم میں بھی آپ کی سیاسی بصیرت میں قوتِ فیصلہ کا جوہر موجود تھا۔ اور یہ واقعہ ہونے والے عظیم الشان واقعات کے لیے ایک ایسا نشانِ راہ تھا جو حقیقی منزل پر پہنچنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

اجتماعی کردار | بیسویں صدی عیسوی کے تمام عرب مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی کردار ہر اعتبار سے ایک مثال تھا، زمانۂ جاہلیت میں آپ کی زندگی اجتماعی تمدن کے واجبات کا نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام قوم نے آپ کو امین کا خطاب دیا تھا۔ اور اسی بنیاد پر عرب کی شریف ترین خاتون خدیجۃ الکبریٰ نے اپنے اقتصادی معاملات میں آپ پر اعتماد کیا اور آپ کی اہلی زندگی میں شرکت کی۔ یہ پچیس سال کی عمر کا واقعہ ہے پینتیس سال کی عمر تھی کہ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر حجر اسود کو رکھنے اور قبائلی نزاعی حقوق کے فیصلہ کرنے کے لئے آپ کو اپنا جج بنایا۔ آپ نے پتھر کو چادر میں رکھ کر قبائل کے نمایندوں سے بلند کرایا اور اپنے دستِ مبارک سے اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس سیاسی قوت فیصلہ سے ایک منٹ میں بہت سے قبائل کا اختلاف مٹ گیا اور ایک ہمہ گیر جنگ شروع ہونے سے پہلے ختم ہو گئی۔

اسلامی سوسائٹی کی بنا | پیغمبر اعظم نے بچپن اور جوانی کے چالیس سال مکہ میں بسر کیے۔ بنی ہاشم آپ پر فخر کرتے تھے، علمائے کلیسا، احبارِ یہود، موحدینِ جاہلیت اپنی جگہ مطمئن تھے کہ وہ ہستی پیدا ہو گئی جس کی بشارت تورات و انجیل نے دی تھی۔

آنحضرت نے چالیس سال کے بعد خدا کا حکم پایا "آج سے جو حکم دیا جائے اس کی تعمیل کی جائے"۔ ایک بالادست اور مسلمہ طاقت کے اس فرمان سے پہلی مرتبہ یہ ظاہر ہوا کہ ہر اجتماعی تنظیم کے لیے ایک کامل اور مکمل انسان کی ضرورت ہے۔ ہر اجتماع سے پہلے ایک فرد کا ہونا ضروری ہے۔ جب یہ فرد اپنے تمام اوصافِ کمال کے ساتھ ظاہر ہو گیا تو دنیا پر قدرت کا منشا کھل گیا، یہ منشا کیا تھا:۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام خرابیوں کا خاتمہ، تمام اچھائیوں کا ظہور، انسانیتِ عامہ کے منتشر اور فاسد عناصر کا خاتمہ اور خدائے واحد کی حکومت کے لیے ایک عظیم الشان سوسائٹی کی تشکیل جو دنیا کی روحانی اور مادی طاقتوں کی ترکیب سے ایک ایسے فطری نظامِ حکومت کو بروئے کار لاسکے جس کا مطمحِ نظر انسانیت ہو، اور اس اقتدارِ بالادست کی وفاداری جس کو دنیا کے کروڑوں انسان کسی نہ کسی شکل سے تسلیم کرتے ہیں۔

انسانی سوسائٹی کی تنظیم پیغمبرِ اعظمؐ نے منصبِ عظمٰی کو قبول کرنے کے بعد خدا کے حکم پر عمل شروع کردیا۔ علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منصب سنبھالا، ذمہ داریوں کے خداداد احساس نے یہ ظاہر کردیا کہ معاہدۂ ربانی کے مطابق ایک ایسی ہستی دنیا کی جولانگاہ میں آچکی ہے جو دنیا جہان کے لیے رحمت ہی رحمت ہو اور جو انسانیتِ عامہ کی اجتماعی شیرازہ بندی کے لیے بشارت ہے۔ ہر فرد کو اس کا ساتھ دینا چاہیے، اس کو ماننا چاہیے اور اس کی فوج کا سپاہی بننا چاہیے۔ اس کی ذمہ داری زبردست ہے۔ اس کا کام قوت اور عزمیت پر مبنی ہے۔ اس کے ساتھ خداداد اقتدار اور عظمت و کرامت ہے[1]۔

ہر اجتماعی کام کے لیے ایک اجتماعی مرکز درکار ہے اس لیے ساری دنیا کے رہنما نے ساری دنیا کو امن و سلامتی کے پایۂ تخت میں کھڑے ہو کر جمع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی بنیاد شہنشاہیت، دستوریت اور جمہوریت کی جگہ انسانیت پر رکھی۔ آپ کے خطاب اور پیغام میں عمومیت تھی اور مقصد میں انسانی رجحان کارفرما تھا۔

خفیہ انجمن حصولِ مقصد کے لیے جو اہم صورتیں، تجاویز، اسکیمیں بروئے کار آئیں۔ اُن کا آغاز ابتداءِ کار کی شدید رکاوٹوں کی وجہ سے ایک خفیہ انجمن کی شکل میں ہوا۔ زمانہ کے تباہ کن عقلی رجحانات اور جہالت کی غلط روکا مقابلہ انہی ہتھیاروں سے کرنا پڑتا ہے جو زمان و مکان کے مطابق ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسانی سو[سائٹ]ی کی تشکیل کے لیے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۵۱، ۱۵۲۔ روض الانف سہیلی ج ۱ ص ۱۵۱، ۱۵۲ (طبع جمالیہ مصر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدمِ اول پر بھی مصلحتوں کا لحاظ رکھنا مناسب سمجھا۔ انسانوں کی بہتری اور جنگ سے بچنے کے لیے محتاط حکمت عملی ہر عمل کا اولین عنصر رہے۔ آپ نے تیرہ سال مکہ میں بسر کیے اور دس سال مدینہ میں۔ مگر مکہ کی سرگرمیوں کے پہلے تین سال ایک ایسا راز تھے جس سے صرف قابلِ اعتماد اصحاب واقف تھے، آپ کی اجتماعی سرگرمیاں گھر کی انجمن سے شروع ہوئی تھیں۔ گھر کے بعد شہر، شہر کے بعد عرب، عرب کے بعد ساری دنیا کو ایک خدا کے نام پر جمع کرکے انسانی وفاق قائم کرنا آپ کے ارادوں کا جزو تھا، مگر جب اول اول حضرت علی اسلام سے روشناس ہوئے تو اُن کو منع کر دیا گیا تھا کہ یہ راز ہے اور راز رہیگا۔ اس زمانہ میں پہاڑوں کے دامن جامع مسجد کا کام دیتے تھے اور چٹانوں کے پیچھے مسلمان جمع ہوتے تھے[۱]

دارالاسلام | خفیہ انجمن کے بعد خدا کے نمائندہ اور نائب السلطنتؐ نے دارالندوہ کے مقابلہ میں ایک اجتماعی ایوان قائم کیا، اس کا نام مالک مکان کی نسبت سے دارارقم بن ابی ارقم تھا۔ مگر بعد میں اس کو دارالاسلام (ایوان اسلام یا ایوان حکمبرداری) کا مستقل نام دے دیا گیا[۲]

ہجرت ایک سیاسی اصول کی حیثیت سے | دارالاسلام کے قیام کے بعد دشمنوں نے متقاومت کا فیصلہ کیا۔ انسانیت اور اصلاح و ترقی کے دشمنوں نے بارہ سرداروں کی کمیٹی قائم کی۔ خدا کے سچے نمائندے کو دیوانہ، ساحر، شاعر قرار دیا گیا، اسلامی جماعت کے ارکان کو طرح طرح کے عذاب دیے گیے۔ اور اسلامی نظام کو پارہ پارہ کرنے کے لیے آنحضرتؐ کے قتل کی اسکیم سوچی گئی۔ اس نازک موقع پر آپ کی پیغمبرانہ فراست نے ہجرت کو ایک نوایجاد سیاسی اصول کی حیثیت سے پیش کیا جس کی پیروی میں حبش، طائف اور مدینہ کی ہجرت کی صورت عمل میں آئی۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۴ [۲] ایضاً ج ۱ ص ۲۴ تا ۔ یخ طبری ج ۲ ص ۲۱۶

[۳] طبقات ابن سعد (بحوالہ الاسلام والحضارۃ العربیہ) ج ۲ ص ۳۲۱ ۔ السیاسۃ فی الاسلام ۔

[۴] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۴ و ۲۵ و ۲۶ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت کی معنوی طاقت اور قوتِ فیصلہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے ناکامی کے تمام تصورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مشکل سے مشکل مواقع پیش آئے مگر آپ نے صاف الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ

(۱) "اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے تو میں اپنے فیصلہ کو واپس نہ لونگا[1]

(۲) یہ ناممکن ہے کہ میں وہ بات نہ کہوں جو ان باتوں سے اچھی ہے جو اب تک بالوں پر آچکی ہیں۔ اور میں وہ نعرہ نہ بلند کروں جس سے عرب اور عرب کے علاوہ ساری دنیا (عجم) ایک مرکز اور ایک حکومت کے ماتحت آجائینگے"[2]

آپ نے ترکِ وطن کے اصول کو قبول کیا لیکن اصل مقصد سے ایک انچ ہٹنا گوارا نہیں کیا۔ یہ ہجرت ہی تھی جس سے سیاسی توسیع کے نئے ذرائع ہاتھ آئے اور اسلامی تحریک محدود وطنی ماحول سے نکل کر ساری دنیا میں پہنچنے کے قابل ہو گئی۔ ہجرت حبشہ کے زمانہ میں شاہ نجاشی کے دربار میں اسلامی نظام اور غیر اسلامی نظام کا مقابلہ ہوا جس سے ایک حکمران کی حمایت مسلمانوں کو حاصل ہو گئی۔ ایک نیک، با اقبال اور بلند مرتبہ انسان اسلامی نظام کا مطیع و مدّاح بن گیا۔

پیغمبر اعظم مدبرِ حکومت کی حیثیت سے

اگر ہم اس امر کی تحقیق کریں کہ پیغمبر اعظم اسلام کی حکومت کے صدر کی حیثیت سے کس قدر عظیم ذمہ داری کے حامل تھے تو ہمیں ہر موقع پر یہ اعتراف کرنے کی سعادت حاصل ہو گی کہ آپ نے ایک بہت بڑے محسن کی حیثیت سے وہ دلیرانہ قانونی اور سیاسی کارنامے انجام دیے جو کارناموں کی دنیا میں اپنی مثال آپ تھے

---

[1] روض الانف سہیلی، سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۰۰ ۔ [2] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۔ (آنحضرت کے قول کا مفہوم یہی ہے) [3] مندرجہ بالا عنوان کے ماتحت جو حقائق پیش کیے گئے ہیں ان کے متعلق تفصیلی نظائر آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجیے۔ تاریخ طبری، تاریخ ابن کثیر اور روض الانف میں بھی یہ نظائر جستہ جستہ مختلف مقامات پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ خداوندِ عرش کے قانونی نائب کی حیثیت سے حکومت کے امیروآمر بھی تھے اور افواج کے کمانڈر اعلیٰ بھی۔ انصاف کی اعلیٰ عدالت کے حاکم بھی تھے اور اقتصادیات کے نگرانِ اعظم بھی۔ بذاتِ واحد تمام ذمہ داریوں کی امانت بردار تھی۔ اجتماعی زندگی کے تمام فرائض جملہ شعبے اور تمام محکمے ایک محکم و منظم مرکز پیدا کر کے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے اور آپ کی گراں قدر ہستی انسانی معاشرہ کی ان تمام اُمیدوں کو پورا کر رہی تھی جن میں سے ہر ایک دنیا کے لیے ایک مثال بننے والی تھیں۔

خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے آپ کے کارنامے حیرت انگیز ہیں۔ آپ کی وجہ سے سیاسی دائرہ میں نئے نئے اصول، قوانین، احکام، ہدایات[1] اور اساسی تنظیمات نے اپنا خوبصورت چہرہ دکھایا اور ان کی بنا پر قدیم فطری تصورات ایک نئے اور متوازن نظام سے آشنا ہوئے[2]۔

پیغمبرِ اعظم کے اجتماعی کارنامے

آنحضرت نے اول درجہ کے عاملِ حکومت کی حیثیت سے انسانی سوسائٹی کی تشکیل، جامعہ اسلامیہ کی تنظیم اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جو کارنامے انجام دیئے وہ مختصر سے مختصر اور مستند سے مستند الفاظ میں یہ ہیں:

(۱) حکومت کی ہستی کو تمام بے فائدہ نمائشوں، تباہ کن جعلسازیوں اور سرمایہ دارانہ آرائشوں اور آلائشوں سے پاک وصاف کیا اور قدرت کے قابلِ عمل قوانین کو حقیقی عدل اور سچے اعتدال کے ساتھ نافذ کر کے دکھایا۔ دنیا کے دائرہ میں حکومت کو عوام کی چیز بنایا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا[3]۔

(۲) شہنشاہیت کے نظریہ کو عقیدہ اور عمل کی دنیا سے خارج کر کے حکومت کو "ریاستِ عامہ" قرار دیا۔ اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا جس کی وجہ سے تاج و تخت، قصور و محلات، حاجب و دربان، حشم و خدم، بڑی بڑی تنخواہوں والے حکام اور

---

[1] عن ابی سلام انا امرکم بخمس الخ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۷۔ [2] دیکھو احادیث مندرجہ مجمع الزوائد و منبع الفوائد ــــــ ج ۵ کتاب الخلافت (مکمل)۔ [3] مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۱ باب حق الرعیۃ والنصح لہا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رشوت خور عمّال سب ختم ہو گئے[1]

(۳) انصاف کی حقیقت کو نافذ کیا جس سے انصاف کا حصول آسان اور خود انصاف سستا ہو گیا۔ انصاف کا مقصد ٹھہرا؟ کمزور کی حمایت[2] اور فریقین مقدمہ کی باہمی صلح اور اصلاح! نہ کہ دونوں کے مفاد کی تباہی اور گھروں کی ویرانی۔

(۴) آپ نے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، شہریوں کی حیثیتیں متعین کیں اور مناسب محصول عائد کیے اور ہر محصول کا مستقل نام تجویز کیا۔ آپ نے اس کام کے لیے مالیات کے افسر مقرر فرمائے اور دفتر مالیات قائم فرمایا۔

(۵) اجتماعی کوششوں سے حاصل ہونے والے سرمایہ و دولت کو عوام کی دولت قرار دیا اور سرکاری روپیے کے لیے یہ قانون مقرر کیا کہ امیروں پر ٹیکس لگایا جائے اور غریبوں پر خرچ کر دیا جائے۔

(۶) آپ نے انتظامی حلقے قائم کیے، مدینہ کو دار السلطنت بنایا، اطراف کے لیے حکام کا تقرر کیا، اور تقرر کا معیار یہ قرار پایا کہ کیرکٹر اول درجہ کا ہو، کام کی اہلیت ہو، علم سے بہرہ مند ہو اور حاکم رائے عامہ کے مطابق مفاد عامہ کے لیے کام کرے۔

(۷) آپ نے شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا، حکومت کے مزاج میں مرکزیت، قوت اور استحکام پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ حکومت کے کام شوریٰ سے طے کیے جائیں۔

(۸) آپ نے فوجوں کی تنظیم کی اور نو جنگوں اور اٹھارہ دفاعی اور اکتشافی حربی مہموں میں حصہ لیا، اڑتالیس عسکری مہموں کو اپنے حکم سے محاذ پر بھیجا اور افواج کے کمانڈر مقرر کیے۔ جنگ میں انسانیت کے طریقوں کو جاری کیا۔ فتح میں انسانی خون کی قدر و قیمت کی حفاظت کی اور صلح کے وقت معاہدوں کے لیے نیا معیار[3] قائم کیا۔

---

[1] فالامیر راع علی الناس و مسئول عن رعیتہ الخ مجمع الزوائد و منبع الفوائد عن انس ج ۵ ص ۲۰۷۔

[2] حوالہ بالا ص ۲۰۹ عن معاویہ [3] دیکھو کتاب المغازی و السیر ج ۶ ص ۱۲-۲۰۸ تاریخ طبری ج ۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے انسانی سوسائٹی کے لیے فطری مذہب کے اصولوں کو لازمی گردانا، اخوت کے قانون کو حکمت عملی کے رنگ میں پیش کر کے دکھایا، بیعت کو مرکزی ہیئت کے قیام کے لیے ایک اصول بنایا۔ انسانی معاشرہ کے گمراہ ارکان کے لیے نمائندے اور نقیب مقرر کیے ان کے پاس اپنے وفد بھیجے اور ان کے وفود کو اصلاحِ حال کے لیے طلب کیا۔ اور نافرمان لوگوں کی سرکشی کو بہ طریقِ محمود دبایا۔

(۹) بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لیے سلاطین، امراء اور والیان ریاست کو فرمان لکھے اور سب کو ایک خدا کے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔

مختصر یہ ہے کہ پیغمبری، سیاست اور حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس کے لیے آپ نے کوئی اصول اور قانون نہ پیش کیا ہو۔

سردارِ دو عالم ۵۳ قبل (ہجرت) ۵۷۱ء میں عالمِ قدس سے دنیائے وجود میں تشریف لائے، پندرہ سال کی عمر تھی کہ حرب فجار کا محاذ دیکھا، پینتیس سال کی عمر میں "امین" کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ چالیس سال کی عمر میں پیغمبرانہ ذمہ داریوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور تریالیس سال کی عمر تھی کہ حکومتِ الٰہی کے واجبات اور احکامِ خداوندی پر مامور ہوئے۔ آنحضرت نے نبوت کے بعد مکہ معظمہ میں بارہ سال اور چند دن زائد پانچ ماہ قیام فرمایا۔ یہ زمانہ اساسی عقائد، بنیادی قوانین کے ظہور اور اسلامی معاشرہ کی ابتدائی تنظیم کا زمانہ تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں دس سال قیام ہوا۔ یہاں "دینی جماعت" نے ملی نظم سے ربط پیدا کیا، اجتماعی ہیئت قائم ہوئی، میدانِ جنگ گرم ہوا مگر کسی جنگ میں مسلمانوں نے جارحانہ حملہ نہیں کیا۔ معاہدے طے پائے، معاہدہ شکنوں کے خلاف انضباطی کارروائی عمل میں لائی گئی۔ اسلام کے اصولوں کی حکومت قائم ہوئی اور ایک خدا کے نام پر ساری دنیا کو جمع کرنے کے لیے عالمگیر فتح کا رخ متعین ہوا۔

آنحضرت نے ۱۱ھ میں وفات پائی مگر اس وقت اسلام کے بلند کردار سپاہیوں کے

لہ تاریخ ابن اثیر ج ۱ ص ۳۰۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہراول دستہ کے اُنیس۱۹ سالہ کمانڈر نوجوان اُسامہ کا مُنہ شام کی طرف تھا، اور صاف طور پر یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ آنحضرت کے بعد آپ کی بنا ہی حکومت خلافتِ راشدہ اور ریاستِ عامّہ کی حیثیت سے عالمگیر نظم اور صلاح و فلاح کے متعلق اپنے رجحان کو ظاہر کریگی۔

آنحضرت کے وصال کے بعد دین دنیا کے تقاضوں نے جس تیزی سے اپنی شیرازہ بندی پر توجہ کی اور آناً فاناً جس طرح سیاست و سلطنت کی تنظیم عمل میں آئی، وہ اس بات کا محکم ثبوت ہے کہ اسلامی حکومت کی بُنیاد عصرِ نبوت ہیں پڑ چکی تھی۔ اگر مسلمانوں نے آپ کے بعد اس کو خلافتِ راشدہ، ریاستِ عامہ، امارت مومنین کے نام سے یاد کیا تو یہ اس طرزِ حکومت کی واقعی حیثیت کا اظہار مقصود تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی حکومت

خلافتِ راشدہ (ریاستِ عامہ)
دورِ اوّل

اسلامی حکومت کا زمانہ اپنے صحیح اور سچے آثار کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم ہے۔ تاریخی واقعیت کے اعتبار سے صدیقی اور فاروقی عہد دورِ اوّل[1] ہے اور عثمانی اور علوی عہد دورِ ثانی۔ تاریخ کی نظر میں دونوں دور بابرکت ہیں اور ہر دور کی ہر ایک شخصیت اپنے اوصافِ کمال میں بلند مرتبہ اور باکمال ہے لیکن پہلا دور اجتماعی زندگی کے محاسن اور امارت کے اتحاد و اتفاق کے لحاظ سے زیادہ مکمل، زیادہ معیاری اور مثالی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دورِ اوّل کے دونوں اصحاب کی قانونی اہمیت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ "وزیرای من اھل الارض ابوبکر و عمر"[2] (ابوبکر اور عمر زمین کے لوگوں میں میرے وزیر ہیں) اس فرمان سے صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اصحاب جو پیغمبرِ اعظمؐ کے ساتھ رہ کر خدائی حکومت کا کام وزیر کی حیثیت سے کر چکے ہیں کس مرتبے کے مالک ہیں

ہمارے زمانے کے ایک اطالوی لارڈ کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری نے اپنی کتاب "اسلام" میں بجا طور پر پادری بروکلے کا یہ بیان نقل کیا ہے:

"ابوبکر اور عمر نے اپنے ہاتھ میں سلطنت کی زمام لے کر اس کو چار چاند لگا دیے اور سیاسی حکمت عملی کا ایک ایسا نقش پیش کر کے دکھایا جس نے ساری دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ یہ کہنا بغیر کسی مبالغہ کے صحیح ہوگا کہ یہ دونوں مشرقی

---

[1] ابن الطقطقی نے خلفاء اربعہؓ کی حکومت کو دورِ اوّل قرار دیا ہے۔ دیکھو الفخری۔ فی الآداب السلطانیہ و الدول الاسلامیہ فصل ۲ ص ۵۲ [2] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱۲ (باب العین والباء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونان کی بیزنطینی سلطنت کے جن حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں سے برسرِ جنگ تھے اُن کے مقابلہ میں دونوں زیادہ مستقل مزاج، زیادہ انصاف پسند، زیادہ بردبار اور قانع، زیادہ شریف طبع، باعظمت، جری، اور اولوالعزم اور زیادہ بلند مرتبہ تھے[1]۔"

خلافتِ راشدہ کا دورِ اوّل انہی دونوں ہستیوں کا دور ہے، یہاں پہلے صدیق اکبرؓ کی حکومت اور نظامِ حکومت کا حال درج کیا جاتا ہے۔

اسلامی حکومت صدیق اکبرؓ کے عہد میں[2] سنہ ۱۱ھ / ۶۳۲ء - سنہ ۱۳ھ / ۶۳۴ء

صدیق اکبرؓ کا نام عبداللہ تھا اور لقب عتیق، صورت سے وجاہت مند تھے اور سیرت کے اعتبار سے سربلند، آپ نے دو سال تین ماہ دس دن پیغمبرِ اعظم کے جانشین کی حیثیت سے ریاستِ عامہ کی ذمہ داریوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اس قلیل مدت میں وہ کارنامے انجام دیے جو فوجی اور سیاسی لحاظ سے حیرت انگیز قرار دیے گئے ہیں۔

ہمارے علماءِ اجتماعیات اس باب میں بالکل متفق ہیں کہ صدیق اکبرؓ حکومت سے پہلے اور حکومت کے بعد تمام عمر اعلیٰ خصوصیات کے مالک رہے۔ آپ آزاد لوگوں میں اسلام کا کلمہ پڑھنے والے پہلے شخص ہیں، اور اس بات پر خود بھی فخر کرتے ہیں کہ میں اسلام لانے والا پہلا شخص ہوں[3]۔

صدیق اکبر کا سیاسی مرتبہ

صدیق اکبر پہلے شخص ہیں جنہیں اسلام کی حکومت کے قائدِ اول ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "حضور اکرم نے ہم کو کوئی ایسی کھلی دستاویز نہیں دی جس کے مطابق حکومت کسی خاص کو سپرد کی جاتی لیکن ہم

---

[1] الاسلام۔ ہنری دی کاسٹری۔ ترجمہ بزبان عربی: احمد فتحی زغلول پاشا (مصری)، ص ۳۲

[2] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۶۱۔ تقویم ہجری و عیسوی (ترقی اردو) ص۔ دائرۃ المعارف بستانی ج ۷ ص ۴۴۳، اسلامی اٹلس محمد احسان، دیکھو نقشہ ص ۸۔

[3] مسند احمد، اسدالغابہ ج ۳ ص ۲۰۹ (عین و یاء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے سے جانتے تھے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے چنانچہ آپ کے بعد ابو بکرؓ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے[1]

اسلامی حکومت ایک ریاستِ عامہ ہے۔ یہ عوام کی تنظیم ہے اور عوام کا حق ہے اگر پیغمبر خدا قطعی، قانونی اور تحریری فرمان کی رو سے اپنا جانشین اور ولی عہد نامزد کر دیتے تو اُمت پر اس کی پابندی واجب ہو جاتی اس سے روگردانی بغاوت ہوتی اور موجبِ عذاب۔ اس لیے آنحضرت نے خلیفۂ اول کے انتخاب کو عوام کے لیے چھوڑ دیا اور عوام ہی نے یہ فیصلہ کیا کہ پیغمبر اعظم کے بعد اُن کا جانشینِ حکومت کون ہو گا۔ آج تیرہ سو سال کی طویل تاریخی مدت گزرنے کے بعد اُمتِ اسلامیہ کے عام اتحاد کے صادق جذبات کے ماتحت اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ عہدِ نبوی کے راستباز، بلند کردار، خدا پرست اور خدا ترس ہزاروں مسلمان صدیق اکبرؓ کے نام پر کیوں جمع ہوئے۔ انہوں نے اوّل اوّل کس طرح تیز تیز اور صاف صاف بحثیں کیں، پھر کس طرح شخصِ واحد کے نام پر جمع ہو گئے۔

رائے عامہ کی اکثریت اس زمانہ میں بھی اپنے اندر سب سے بڑا قانونی جواز رکھتی ہے حالانکہ اس زمانہ کی اخلاقی حالت اور سیاسی حقیقت سے ہر شخص باخبر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ زمانہ کیا زمانہ ہے اور انسانی معاشرے کے افراد کس درجہ کے ہیں۔ بہترین زمانہ کے بہترین افراد سب جمع ہو جاتے ہیں اور سب مل کر ایک فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ گمراہی پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ یہی رائے عامہ کا طاقتور رجحان تھا جس کو کسی زمانہ میں کوئی قانونی دماغ رد نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کو رد کرنا ساری اسلامی تاریخ کو پامال کرنا ہو گا۔ اس سے اسلام کی حقیقت مجروح ہو جائیگی اور دنیا کی عظیم الشان شخصیتوں پر اتنے بڑے بڑے الزام عائد ہونگے جن کو کوئی ایک مسلمان بھی پسند نہ کریگا، اور جن شخصیتوں کو بچایا جائیگا وہ بھی

---

[1] عن علیؓ انہ قال یوم الجمل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یعھد الینا عھدا ناخذ بہ فی امارۃ الخ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد۔ الہیثمی (م ۸۰۷ھ) کتاب الخلافۃ ص ۱۷۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجیح سکینگی۔

صدیق اکبرؓ کے متعلق رائے عامہ ہمیشہ سے بہت صاف تھی حضرت علیؓ کا بیان ہے خیر هذه الامة بعد نبيها ابو بكرؓ الخ (اسلام کے اجتماعی نظام میں نبی کے بعد بہترین فرد ابوبکرؓ ہیں) ابن عمرؓ بھی اس زمانہ کے عام رجحان کو دو جملوں میں بیان کرتے ہیں: كنا نتحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خير هذه الامة ثم ابوبكر ثم عمر[2] (ہم آپس میں اس رائے کا اظہار کیا کرتے تھے کہ رسول اللہؐ اس امت میں اعلیٰ ترین فرد ہیں آپ کے بعد ابوبکرؓ درجہ اول پر ہیں اور آپ کے بعد عمرؓ دوسرے موقع پر کہتے ہیں: كنا نقول في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم من يكون اولى الناس بهذا الامر فنقول ابوبكر[3] الخ (ہم رسول اللہؐ کے عہدِ مبارک میں یہ بحث کیا کرتے تھے کہ آپ کے بعد کون حکومت کی ذمہ داری کے لیے قابلِ ترجیح ہوگا ہم سب کی زبان پر یہ ہوتا تھا کہ ابوبکرؓ) صدیق اکبرؓ کی اس مقبولیت عامہ کے علاوہ دوسرے مستقل اسباب بھی تھے جن کی بنا پر آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔

جب ہم خاص طور پر اسلامی عہد کی ابتداء پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اس وقت تاریخ اسلام کی متعدد جمیل الشان اور جلیل القدر ہستیاں اپنے پاکیزہ اوصاف کے ساتھ موجود نظر آتی ہیں حضرت علی حیدر فاتح خیبر موجود ہیں حضرت امین امت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت عمر فاروق اعظم موجود ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تشریف رکھتے ہیں جنہیں آنحضرتؐ کی بارگاہ سے زمین و آسمان کے امین کا خطاب ملا ہوا ہے۔ جو صف اول اور عصر اول کے آٹھ مسلمانوں میں سے ہیں۔ اور حضور اکرمؐ کی طرف سے دومۃ الجندل کی سفارت پر جا چکے ہیں[4]۔ حضرت عثمان ذی النورین کی بابرکت ہستی مسلمانوں میں نظر آتی ہے، آپ حضورؐ کی پیشی میں

---

[1] عن ابی جحیفۃ السوائی۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۵ [2] عن عمر بن سیلین ابن عمر۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۴ [3] مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۵ ص ۱۷۷۔ کتاب الخلافۃ (باب الخلفاء الاربعہ

[4] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۱۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظامِ حکومت کا درس حاصل کر چکے ہیں، حضرت خالد بن ولید ایسے فاتح بھی ہیں جو آنحضرتؐ کے سفیر فوق العادہ کی حیثیت سے نجران کی علمی، قانونی اور عسکری مہم پر جا چکے ہیں[1]۔ سعد بن عُبادہ موجود ہیں جو انصار کے سردار ہیں، ان کے علاوہ دوسرے اصحاب بھی اسلامی حکومت کے مطلع پر ستاروں کی طرح نظر آ رہے ہیں۔ مگر جب اُمت اپنی رائے، اپنے رجحان اور اپنے فیصلے سے اسلامی حکومت کے قائدِ عام اور ریاستِ عامہ کے رئیسِ اول کا انتخاب کرتی ہے۔ تو بالآخر صدیق اکبر پر سب کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انتخاب ذاتی خوبیوں اور اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے ہوا ہے تو صرف اتنی بات انتخاب کی کافی وجہ نہیں ہو سکتی۔ یہ اوصاف کس میں نہیں تھے، صدیق اکبرؓ سے لے کر حضرت علیؓ فاتح خیبر تک ہر شخص بے شمار خوبیوں اور بے نظیر اوصاف کا مالک ہے۔ ہر شخص فیض یافتۂ نبوت ہے۔ اُمت کے عام افراد کے سامنے ہر شخص کی اتنی خوبیاں ہیں کہ اُن کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اُمت صدیق اکبر کا انتخاب کرتی ہے اور دوسرے بزرگوں کی موجودگی میں کرتی ہے خود صدیق اکبر مدینہ کے عام شہری کی حیثیت سے اجلاسِ عام میں تجویز پیش کرتے ہیں :۔

"یہ عمر ہیں اور یہ اس اُمت کے امین ابو عبیدہ ہیں۔ اُمت ان میں سے کسی کو چن لے"۔

اس کھلی پیشکش کے باوجود جب نام سامنے آتا ہے تو صدیق اکبر کا۔ آخر اس کی وجہ؟ اُمت نے جو فیصلہ کیا، کیوں کیا؟ اور وہ کون سے بُنیادی اصول ہیں جن کو اس انتخاب میں ملحوظ رکھا گیا اور جنہوں نے بھرے اجلاس میں تمام تجویزوں کو ایک تجویز کی صورت میں جمع کر دیا۔

تاریخ اسلام کی ایک سیاسی حقیقت

صدیق اکبر کے انتخاب کو اگر ایک سیاسی حقیقت تسلیم کر لیا جائے تو اس کے بعد خود بخود وہ بُنیادی اصول سامنے آ جائیں گے جن کی بنا پر یہ انتخاب عمل میں لایا گیا ہے۔

---

[1] تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یاد رکھیے کہ آنحضرت وفات فرما چکے ہیں جسدِ اطہر بجنسہٖ موجود ہے، اور اُمت تجہیز و تکفین کی اہم تقریب سے پہلے حضور اکرمؐ کے قائم کردہ نظام اور اسلام کی سلطنت کے پہلے امیر کا انتخاب کر رہی ہے۔ وقت کے تمام تقاضوں پر ایک تقاضہ غالب ہے "آنحضرت کے بعد نبوت کے مقرر کردہ معیار و منہاج پر قائم رہنے والی حکومت کے لیے کس انسان کو رائیں دی جائیں" یہ وقت محض اخلاق و عادات، اطوار و خصائل، فضائل اور کمالات کا جائزہ لینے کا نہیں ہے۔ سب رسول معظمؐ کے اصحاب ہیں اور اول درجہ کے اصحاب ہیں، بلکہ اُمت کو ضرورت ہے صدرِ حکومت کی اس لیے افرادِ امت نے تمام اصحاب کا جائزہ لیا اور آخر میں اس شخص کا انتخاب کیا جو صرف اعلیٰ اوصاف سے آراستہ ہی نہیں تھا بلکہ اُن تمام اجتماعی قابلیتوں کا مظہر تھا، جو حکومت و سلطنت کے کام کے لیے لابدی اور ضروری ہیں۔ اجتماعی زندگی کو بنانے، ترقی دینے اور مضبوط کرنے کے لیے جس قسم کے دل و دماغ اور جس تدبر اور جس شان کے تاریخی تجربوں اور روایات کی ضرورت تھی اُمت نے فیصلہ کیا کہ اس کی رو سے صدیق اکبرؓ ایک ایسی ہستی ہیں جن کو سب سے پہلے اور سب سے نازک اور غیر معمولی موقع پر خلافتِ کبریٰ کا منصب عطا کیا جائے۔

اُمت کا فیصلہ اصطلاحی طور پر سوادِ اعظم (طاقتور اکثریت) کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ اس میں مکمل طور پر اجماعِ اُمت (تمام سوسائٹی کے تفاق) کے آثار موجود تھے۔ یہاں صدیق اکبرؓ کی زندگی کے بیشمار واقعات میں سے وہ چند واقعات درج کیے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اُمت کے لیے ان سے بہتر مدبر موجود نہیں تھا۔

(۱) ایک نازک موقع پر اسلام کی تنظیمات کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ اس وقت تنہا صدیق اکبرؓ ہی تھے جنہوں نے تمام سرمایہ پیغمبر اعظمؐ کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ اور خود اُمت کے محنت کش فقراء کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ اہل و عیال کی ضرورتوں کا سوال پیدا ہوا تو فرمایا "عندہ اللّٰہ وعندہٗ رسولہٗ" (ان کو اللہ اور اللہ کا رسول کافی ہے) فاروق اعظم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی کُل دولت کا آدھا لائے اور حضرت صدیق سے یہ کہہ کر خاموش ہو گئے " آپ ہر موقع پر سبقت لیجاتے ہیں[۱] "

(۲) جب آنحضرت کو معراج کا شرف حاصل ہوا تو ابوجہل نے انکار کا فتنہ کھڑا کر دیا۔ بہت سے مسلمان بھی برگشتہ ہو گئے۔ مگر جب حضرت ابوبکر نے یہ واقعہ سُنا تو سب سے پہلے اعلان کیا " اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ ایسا واقعہ ہوا ہے تو یہ عین حق ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں " اس سے آنحضرت کو بیحد اطمینان حاصل ہوا اور حضرت ابوبکر "صدیق" کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

(۳) ہجرت مدینہ کے خطرناک سفر میں صدیق اکبر نے جانبازی کا پورا مظاہرہ کیا، غار کی روپوشی میں ساتھ رہے اور اس صلہ میں "ثانی اثنین" (دو ساتھیوں میں سے دوسرے ساتھی) کا خطاب ملا۔

(۴) پیغمبر اعظم کی وفات مسلمانوں کے لیے تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ تھا، عام مسلمانوں کے حواس بھی بجا نہ تھے۔ کوئی شخص آپ کی وفات کو ماننے کے لیے تیار نہ تھا فاروق اعظم بھی بڑے جوش میں تھے اور سرِ منبر یہ کہہ رہے تھے: "جو حضور کی وفات کا ذکر زبان پر لائیگا گردن اڑا دونگا" مگر عین اس موقع پر صدیق اکبر نمودار ہوئے اور کہا: " عمر! بس خاموش، آنحضرت وفات پا چکے ہیں، اس سے پہلے بھی رسولوں نے وفات پائی ہے کیا تم لوگ اسلام سے پھر جاؤ گے " فمن کان یعبد محمداً فقد مات ومن کان یعبد اللہ فانّ اللہ حیٌّ لایموت " (اب جو محمد کا پرستار ہے تو وہ سمجھ لے کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور جو خدائے واحد کی پرستش کرتا ہے تو وہ یقیناً زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہیگا[۲] "

صدیق اکبر کے اس برمحل اقدام نے جامعہ اسلامیہ کو تباہی سے بچا لیا۔ اور مسلمان پھر امرِ حق پر جمع ہو گئے۔

---

[۱] تاریخ الکامل ج ۲ ص ۲۰   [۲] تاریخ الامم والملوک طبری ج ۳ ص ۱۹۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵) پیغمبر اعظمؐ کے انتقال کے بعد جامعہ اسلامیہ کئی جماعتوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس وقت کا اختلاف بہت تباہ کن ہوتا مگر صدیق اکبر بروقت شورائے عام میں پہنچے اور سب کو ابو عبیدہؓ یا عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اسلامی نظام اس بحران سے نکل گیا اور بالآخر خاندانِ نبوت کے اکابر، خاندانِ ہاشمی کے بزرگ، انصار اور مہاجرین سب ایک فیصلہ پر متفق ہو گئے۔

(۶) حضور اکرمؐ کی وفات کا داغ تازہ تھا کہ چار طرف بغاوت اور ارتداد کا فتنہ رونما ہو گیا ایسا معلوم ہوا کہ اسلامی تصورات کا تمام سلسلہ یک بیک خدانخواستہ ختم ہو جائیگا۔ یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسلامی سلطنت کو تقسیم کرنے کی اسکیم سوچی یمن میں اسود عنسی نے اور نجد میں طلیحہ نے سر اُبھارا، بنی اسد، بنی طے، بنی غطفان کا لشکر جرار اس کے ساتھ ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے قبائل تمیم میں جو امراء مقرر کیے تھے ان میں بھی انتشار پیدا ہو گیا۔ بحرین تک ارتداد کا اثر پہنچا۔ بنی بکر کا سردار حطم بھی باغی ہو گیا۔ اس نے قطیف اور ہجر کے لوگوں کو بھی متاثر کیا۔

باغیوں کے ایک وفد نے صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم نماز، روزہ کے لیے تیار ہیں مگر زکوٰۃ کا محصول معاف کر دیجیے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ کی قوتِ فیصلہ بھی رعایت کرنے کے حق میں تھی مگر تمام عرب ایک طرف تھا اور صدیق اکبرؓ ایک طرف آپ نے فیصلہ کیا خدا اور رسول کی حکومت کے قانون کا ایک لفظ نہیں بدل سکتا، جو واجبی حق ہے وہ لیا جائیگا۔ چنانچہ آپ کا فیصلہ نافذ ہوا اور آپ کی قابلیتوں نے تمام طوفان پر قابو پا لیا۔

(۷) آنحضرتؐ نے شام کے لیے حضرت اُسامہ کی کمان میں فوج بھیجنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضورؐ کے بعد صحابہ کی رائے یہ تھی کہ اس مہم کو ملتوی کر دیا جائے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا، جس لشکر کو آنحضرتؐ نے ایک خاص محاذ کے لیے منظم کیا تھا میں اس کو محاذ پر ضرور بھیجونگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت اُسامہ شام کی مُہم پر گئے، اس سے باغی افواج پر یہ اثر ہوا کہ مدینہ میں ابھی کافی فوج ہے، ورنہ بیرونی مہم پر اتنا بڑا لشکر نہ جاتا۔ صدیق اکبرؓ نے حضرت اسامہؓ کی واپسی کے بعد اس لشکر کی امداد سے بغاوت کو فرو کرنے میں مدد لی اور اس موقع پر خود فوج کی کمان کی۔

ایک سال نہ گزرا تھا کہ تمام نظم درست ہو گیا اور ایران و روم کے محاذ پر دفاعی کوششوں کا اس طرح ظہور ہوا جس سے اسلامی سلطنت کا دائرہ خلیج فارس سے بحرِ روم تک وسیع ہو گیا۔

صدیق اکبرؓ کے ذاتی اوصاف کو میزانِ عدل میں ایک طرف رکھیے اور مندرجہ بالا قوی الاثر سیاسی واقعات اور زبردست فیصلوں کو ایک طرف، اس طرح اندازہ کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ عہدِ نبوی کے اصحاب نے اسلامی حکومت کا پہلا قائدِ عام منتخب کرنے میں کس درجہ سیاسی بصیرت اور ایمانی قوت کا اظہار کیا۔ حکومت کے کاموں کے لیے ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جو شدید سے شدید طوفان کے وقت دل و دماغ سے کام لے چکا ہو، جو فیصلہ کرنے میں فرد ہو۔ اور اجتماعی کام کرنے میں ہر موقع پر صفِ اول کا پہلا شخص ثابت ہوا ہو۔

نظامِ حکومت | اُمت کے افراد نے صدیق اکبرؓ پر جو اعتماد کیا تھا وہ درست ثابت ہوا اور مرحلۂ اول پر یہ معلوم ہو گیا کہ اسلامی حکومت کے لیے ان کا انتخاب حق بجانب تھا۔ ان کے سامنے چار اہم کام تھے، جن میں سے ہر ایک درجۂ تکمیل تک پہنچا۔

(۱) داخلی امن (۲) ایرانی محاذ (۳) شام کا رومی محاذ (۴) اسلامی نظامِ حکومت کی تشکیل۔

(۱) آنحضرتؐ کے وصال کے بعد مملکت کا داخلی امن برباد ہو گیا، اور چاروں طرف زکوٰۃ کے خلاف بغاوت رونما ہو گئی۔ صدیق اکبرؓ نے تمام علاقوں کو گیارہ منطقوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تقسیم کر کے گیارہ فوجی دستے علیحدہ علیحدہ کمانڈروں کے ماتحت مقرر کیے پہلے باغیوں کو امن کا پیغام دیا اور ناکامی کے بعد جنگ کا حکم دیا جس کے نتیجے میں سالہا سال کے لیے داخلی امن قائم ہو گیا۔[1]

(۲) ایران کی ساسانی سلطنت کا پایۂ تخت مدائن تھا۔ یہاں پیشدادی، اشکانی اور ساسانی قومیت کی روح حکمراں تھی۔ اسکندر مقدونی کے بعد اردشیر بابکان نے میلادِ مسیح سے دو سو سال بعد ایران کے ملوک طوائف کے پراگندہ شیرازہ کو جمع کر کے اس سلطنت کی بنیاد قائم کی تھی، ساسانی سلطنت نے حیرہ وانبار (عراق) کے عربی علاقوں پر بھی قبضہ کر رکھا تھا، یمن پر بھی اس کا اثر تھا۔ یہ قبضہ عہدِ صدیقی میں ایک تہدید کی شکل اختیار کر گیا۔ صدیق اکبرؓ نے پہلے اس محاذ کی نگرانی کی اس کے بعد ایران کے گورنر جنرل ہرمز کو اطلاع دی کہ تمہارے مقابلہ میں ایک ایسا لشکر آرہا ہے جس کا ہر سپاہی موت کو اسی طرح دوست رکھتا ہے جس طرح تم زندگی کو دوست رکھتے ہو۔ حضرت خالد کی کمان میں یہ مُہم شروع ہوئی بانقیا سے فراض تک ایرانی قوت ٹوٹ گئی اور فارس کی تباہ کن شہنشاہیت کا خطرہ پامال ہو گیا۔

(۳) روم کی سلطنت دنیا کی بڑی سلطنت تھی، اگرچہ اس کے دو حصے ہو چکے تھے مشرق کی بیزنطینی سلطنت جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا، ناروا طور پر شام، فلسطین مصر اور ساحلِ بحرِ روم پر قابض تھی یہ رومی اپنے زمانہ میں جاہلیت کے نقیب[2] تھے" اور اسلامی نظام کے اصلاحی فیضان کو ختم کرنا چاہتے تھے، اس لیے ۱۱ھ میں نوجوان اُسامہ کی کمان میں حضورِ اکرمؐ نے اس محاذ کے لیے لشکر تیار کیا ۱۲ھ میں صدیق اکبرؓ نے اس محاذ کو اپنی کمان میں لیا اور یرموک کی جنگی لائن کو فتح کر کے آئندہ کے لیے میدان صاف کر دیا۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۶، ص ۳۱۰۔ تاریخ الکامل ج ص ۱۲۸، ۱۴۲۔ [2] جگ بیتی نہرو ج ۱ ص ۲۰۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومتِ نظام

صدیق اکبر نے خلیفۂ اول کا لقب حاصل کر کے اسلامی حکومت کا کام اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا تھا۔ ان کی امامت کی قوت سے ۱۳ھ میں اسلامی حکومت ایران و شام تک پہنچ گئی۔ عراق حیرہ سے انبار تک اور شام اجنادین تک اسلامی مملکت کا جزو ہوگیا۔ آپ نے مالیات، انصاف اور دفتر تحریرات پر مستند لوگوں کو مقرر فرمایا۔ ملک کو صوبوں کی شکل میں منظم کیا۔ فوجی دستے ترتیب دیئے اور جنگی علاقوں میں جنگی افسروں کو انتظامی حکومت سپرد کی۔ آپ کا قول تھا کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں مذہب و حکومت کے معاملہ میں جانشین رسول ہوں اس لیے آپ کو خلیفۂ رسول اللہ کا لقب حاصل تھا۔ آپ نے کامیابی سے حکومت کی اور ۱۳ھ میں ترسٹھ ۶۳ سال کی عمر[1] میں انتقال فرمایا۔

اسلامی حکومت فاروق اعظم کے عہد میں
۱۳ھ / ۶۳۴ء — ۲۳ھ / ۶۴۴ء

صدیق اکبر کے بعد ۱۳ھ میں فاروق اعظم اسلام کی ریاستِ عامہ کے رئیسِ عام بنائے گئے۔ اسلام نے اس زمانہ میں جو اثر و اقتدار حاصل کیا اس کی مثال بعد کے کسی دور میں نہیں ملتی

مسلمان ابتدا ہی سے عمر بن الخطاب کی شہ زوری اور قوت سے واقف تھے، آنحضرت کی دعا یہ تھی کہ عمر[2] اسلام کے حلقۂ اثر میں داخل ہو جائیں اور اسلام کا اقتدار ان سے ترقی اور قوت پائے۔

جب یہ دعا درجۂ قبول تک پہنچ گئی تو دشمنوں نے محسوس کیا کہ اب ان کی قوت اور مسلمانوں کی طاقت برابر ہوگئی۔ حضرت عمر کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے صحابہ نے خود بخود قبول اسلام کا شرف حاصل کیا، اور آپ کا اسلام لانا پیغمبرِ اسلام کی آرزوؤں میں سے بجائے خود ایک آرزو تھی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۶۰-۱۶۱- مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۸، مقدمہ ابن خلدون ص ۱۵۹- تاریخ طبری ج ۴ ص ۵۰
[2] مجمع الزوائد و منبع الفوائد (الہیثمی) ج ۹ ص ۶۲ (باب اسلام عمر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذاتی اوصاف کو دیکھا جائے تو کسی وصف کی کمی نہ تھی۔ مزاج میں زمانۂ جاہلیت سے سختی تھی۔ اسلام کے بعد یہ سختی صرف اس لیے رہ گئی کہ نیک کاموں کو قوت پہنچائے۔ فاروق اعظم سے پہلے اسلامی جماعت کے افراد پچاس کے قریب تھے، خوف زدہ، مغلوب اور عدم تشدد پر مجبوراً عمل پیرا۔ مگر آپ کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام کے قلعہ کا دروازہ کھل گیا اور باہر سے فوجیں داخل ہونے لگیں، اسلام کا اقتدار بڑھ گیا اور مسلمانوں کا سر بلند ہو گیا[۱]

منصب خلافت فاروق اعظمؓ ۲۲۔ جمادی الثانی ۱۳ھ (۲۳۔ اگست ۶۳۴ء) کو منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ صدیق اکبرؓ نے اپنی زندگی میں یہ دستاویز تحریر فرما دی تھی کہ عمر اسلامی حکومت کے کام میں ان کے جانشین ہوں گے۔ حضرت صدیقؓ نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمان اور ان اصحاب سے مشورہ کیا جو حکومت کے معاملہ میں اُمت کے نزدیک رائے دینے کے مجاز تھے۔ مشورہ طے پانے کے بعد اپنے بالاخانہ سے عوام کو رائے سے مطلع کیا اور منظوری لی۔

اُمت نے خلیفۂ اول کی تجویز کو منظور کر لیا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے سامنے فاروق اعظم کی زندگی کے حسب ذیل واقعات موجود تھے۔

(۱) فاروق اعظم کو حکومت کے کاموں کا وسیع تجربہ حاصل تھا وہ عہدِ نبوی میں حضور اکرم کے دوسرے وزیر تھے۔ عہدِ صدیقی میں محکمۂ انصاف کے امیر اور مشیر اول تھے۔ سالہا سال کے تجربات نے ان کے مزاج میں حکومت کی بہترین استعداد اور اعتدال پیدا کر دیا تھا۔

(۲) آنحضرت کا حکم تھا کہ "میرے بعد ابوبکر کی پیروی کی جائے اور ابوبکر کے بعد عمر کی[۲]۔

---

[۱] ازالۃ الخفاء ج ۱۔ مقصد اول (خلفاءِ اربعہ ص ۵۵) فضائل خلفاء ص ۱۵۸۔ ۲۵۴۔ مقصد دوم آ خر فاروق ص ۴۲۔ ۸۵

[۲] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۰ (عن عبداللہ بن مسعود)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کی بھی رائے عامہ یہی تھی کہ "حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی ہستی اُمت کے لیے بہترین ہے۔ روز مرہ کی گفتگو میں بھی اسی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا ذکر آتا تھا۔[1] یہاں اس امر کو بھول نہ جانا چاہیے کہ حضرت عمرؓ جہاد کے ہر محاذ پر آنحضرت کے ساتھ رہے اور آپ کی فراست نے کئی بار اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ آپ کے فیصلوں کی تصدیق کے لیے قرآن کی آیات نازل ہوئیں۔ امن اور جنگ کے زمانہ کا یہی وسیع تجربہ تھا جس کی بنا پر فاروقی عہد میں اسلامی حکومت کا آفتاب نصف النہار تک پہنچا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا بیان ہے، کہ حضرت عمرؓ کا اسلام ایک فتح، ہجرت ایک امداد اور حکومت ایک رحمت تھی جب تک حضرت عمر اسلام نہیں لائے تھے ہم کھلے میدان میں نماز تک نہیں پڑھ سکتے تھے۔[2]

نظامِ حکومت | فاروق اعظم کو اُمت نے امیر المومنین کا خطاب دیا اور آپ نے اُس کو قبول کرکے پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔[3] ہر مسلمان آپ کی مجلس شوریٰ کا رُکن تھا۔ مرد ہی نہیں عورتیں بھی بحث میں حصہ لیتی تھیں۔ دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی دوسری مثال پھر پیدا نہ ہو سکی۔ اس مرتبۂ بلند کے باوجود آپ نے اسلامی حکومت میں عمومیت (Democracy) کی رُوح ڈالی۔ ہر عام آدمی کو حکومت کے کام میں شریک کیا۔ آپ نے دس سال چھ ماہ اسلامی حکومت کے فرائض انجام دیے اور اسلامی قلمرو کو ایران، آذربائیجان، دمشق، انطاکیہ اور اسکندریہ تک پہنچا دیا۔ عدن سے انطاکیہ تک اور بحرین سے کاکیشیا تک اسلام کی حکومت قائم ہو گئی۔ آپ کے زمانہ میں دفتر حکومت کے باضابطہ مشیر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان اور حضرت علی تھے۔ مگر مسجد نبوی کے ایوانِ عام میں جو مسائل امیر المومنین کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے ان پر رائے دینے اور ان کی مخالفت یا موافقت کرنے کا ہر شخص مجاز تھا۔

---

[1] اُسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۱۴۔۲۱۵ [2] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۹ ص ۶۲

[3] البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۳۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے عوام کی خدمت کو حکومت کے اولین قوانین میں سے ایک قانون قرار دیا۔ محنت طلب کاموں میں خود حصہ لیا اور اپنے گورنروں کو یہ ہدایت کی کہ "عام شہری ناراض نہ ہونے پائیں۔ شہری مسلمان ہو یا غیر مسلم کوئی گورنر ان کے حقوق کو پامال نہیں کر سکتا"۔

حضرت فاروق ؓ کے بڑے بڑے کارنامے یہ ہیں :۔

(۱) آپ نے اسلامی سلطنت کے تمام شہریوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور آپس کی محبت کو سلطنت کی قوت کے لیے قانونی اہمیت دی۔

(۲) سلطنت کو ایران، روم، روس اور مصر کی حدود تک پہنچا کر وسیع کیا۔

(۳) امیر المومنین کی حیثیت سے دنیا میں اسلامی نظام قائم کیا اور نئے شہر آباد کیے۔

(۴) محصولات عائد کیے اور ان کی قسمیں متعین کیں۔

(۵) حکومت کے دفتر کو باضابطہ بنایا اور فوجوں کی نئی تنظیم کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۶) سلطنت کے علاقوں کو تقسیم کیا اور نئے صوبے قائم کیے [۱]۔

(۷) فاروق اعظم ؓ گورنروں کا تقرر فرمان خاص سے کرتے اور ہر تقرر کے ساتھ ہدایات کی دستاویز ہوتی، گورنروں کو ہدایت تھی کہ رشوت نہ لیں، خدا کی رعایا پر ظلم نہ کریں، عیش کا لباس اختیار نہ کریں، عام لوگوں پر اپنے دفتر اور گھر کا دروازہ بند نہ کریں۔ اگر خلاف ورزی ہوتی تو بے تکلف بڑے سے بڑے افسر کو ایک عام آدمی کی طرح سزا دی جاتی۔ آپ کا فرمان تھا جو گورنر یا فوجی افسر کسی شہری کو بے وجہ سزا دیگا میں اس کو سزا دونگا۔ چنانچہ آپ نے کوفہ کے گورنر کو عام شکایت پر معزول کیا۔ بصرہ کے گورنر سے ایک شکایت پر جواب طلب کیا۔ قادسیہ اور مدائن کے کمانڈر کے خلاف ایک شکایت کی تحقیقات کی۔ مصر کے گورنر اور ان کے بیٹے کے خلاف ایک قبطی شہری کی شکایت پر مقدمہ قائم کیا۔ آپ خدا کی حکومت کے معاملہ میں بہت سخت تھے اور اصول کے پابند۔ آپ کا قول تھا کہ عام لوگ جس قدر مجھ سے ڈرتے ہیں اُس سے زیادہ میں ان سے ڈرتا ہوں"۔

[۱] اسد الغابہ ج ۴ ص ۷۱ ۷۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے پیغمبر اعظم کے عہد میں وزارت کے فرائض انجام دیے اور حضور اکرم زندگی بھر آپ سے خوش رہے۔ اس کے بعد منہاج نبوت پر حکومت قائم ہوئی تو صدیق اکبر کے وزیر ہوئے۔ تمام عمر وہ بھی خوش رہے۔ آخر میں خود امیر المومنین منتخب ہوئے۔ جب انتقال ہوا تو انسانی سوسائٹی کا ہر رکن اور ہر شہری آپ سے خوش تھا۔ آپ کے متعلق بالکل درست کہا گیا ہے: "ان عمر کان حصناً حصیناً علی الاسلام یدخل الناس فیہ ولا یخرجون منہ" (لاریب! عمر اسلام کا مضبوط قلعہ تھے۔ جب انسانوں کی ایک جماعت اس میں داخل ہو جاتی تو پھر کبھی اس سے باہر نہ نکلتی)[1] اگر فاروق اعظم ایسا مدبرِ حکومت ایک اور پیدا ہو جاتا تو تمام دنیا اسلامی نظام کے ماتحت انسانیت کے اعلیٰ قوانین کی پابند نظر آتی اور اگر آج بھی اس طرز کا ایک انسان پیدا ہو جائے تو دنیا سے تمام خرابیاں مٹ جائیں اور تمام نیکیاں زمین و آسمان پر چھا جائیں۔

فاروق اعظم نے ابولولو فیروز مجوسی کے قاتلانہ حملہ سے وفات پائی۔

خلافتِ راشدہ دورِ دوم

اسلامی حکومت حضرت عثمانؓ کے عہد میں ۲۳ھ / ۶۴۴ء تا ۳۵ھ / ۶۵۵ء	فاروق اعظم کی شہادت کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ اسلامی حکومت کے امیر و امام منتخب ہوئے۔ یکم محرم

۲۴ھ (۷۔ نومبر ۶۴۴ء) کو ان کی خلافت کا اعلان کیا گیا اور مدینۃ النبی میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

فاروق اعظم نے زخمی ہونے کے بعد جو سب سے بڑا کام کیا وہ یہ تھا کہ اپنے جانشین کے مسئلہ کو ایک خاص اصول کے مطابق چند اصحاب پر منحصر کر دیا۔ دو مجلسیں مقرر کیں جن کا کام انتخاب کرنا تھا۔ ایک صاحب داعی مقرر کیے گئے جن کا فرض قرار دیا کہ وہ مجلس کے

[1] مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۹ ص ۷۰، (باب وفات عمرؓ) البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۳۳، ۱۳۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارکان کو جمع کر کے جلد جانشین حکومت کا انتخاب کرائیں۔

فاروقِ اعظمؓ نے ابتدا ہی میں اپنی اس رائے کو ظاہر کر دیا تھا کہ کتنے اصحاب منصب حکومت پر فائز ہونے کے اہل ہیں۔ رائے عامہ کا رجحان یہ تھا کہ امیر المومنین اپنے جانشین کے متعلق دستاویز لکھ دیں یا وصیت کر دیں، جب عام طور پر اس خواہش کا اظہار ہوا تو انہوں نے فرمایا:۔ ما اجد احدًا احق بھذا الامر من ھؤلاء النفر او الرھط الذین توفی رسول اللہ صلی اللہ وسلم وھو عنھم راضٍ الخ (میں اُس جماعت سے زیادہ اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کا کسی کو اہل نہیں سمجھتا جن سے آنحضرت زندگی بھر اور زندگی کے آخری لمحات تک خوش رہے۔ ان الفاظ کے بعد اُنھوں نے نام بنام اس جماعت کے افراد کا نام لیا۔ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ، عبدالرحمنؓ، آخر میں فرمایا عبداللہ بن عمرؓ بھی ان اصحاب کی مجلس شوریٰ میں موجود رہینگے۔ وہ انتخاب میں مدد دینگے لیکن خلافت کے منصب سے اس موجودگی کو کوئی تعلق نہیں رہیگا" مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حکومت کے اہل نہیں یا اس امانت کے مستحق نہیں۔

اس جماعت میں سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوف نے ایثار کیا اور منصبِ خلافت حاصل کرنے سے انکار کر دیا، اس کے بعد وہ حَکَم بن گئے اُنھوں نے خوش تدبیری سے حضرت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ کیا، ان کو اسلامی حکومت کا قائدِ عام منتخب کر کے سب کو بیعت پر آمادہ کر لیا۔

حضرت عثمانؓ یقیناً اپنے کردار کے لحاظ سے اس منصب کے مستحق تھے۔ اسلامی اجتماعیات کے وسیع میدان میں آپ کی فرض شناسیوں کی روداد بہت ہی طویل اور زر و جواہر کی برابر قیمتی ہے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں پہلے پہل اسلام لانے والے چار اشخاص میں چوتھا شخص ہوں مشکلات و مصائب کے زمانہ میں اسلام کی سربلندی کے لیے وطن کو چھوڑنا ایک جدید سیاسی اصول تھا۔ اس کی ایجاد کا فخر اسلام کو حاصل تھا۔ جب ترکِ وطن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا سوال پیش ہوا تو عثمان غنی اور ان کا گھرانہ سب سے پہلے حبش پہنچا۔ ہجرتِ مدینہ کے وقت بھی وطن کی محبت پر اسلام کے قائم کردہ اصول کی محبت کا غلبہ رہا۔ ایثار اور قربانی انسان کے مرتبہ کو فرشتوں کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ مکہ اور مدینہ کی سیاسی زندگی میں پیغمبر اعظم کے تیسرے رفیق کی قربانیوں کو زبردست دخل تھا۔

آپ عہدِ نبوی میں قانونِ الٰہی کے کاتب اور دفترِ رسالت کے معتمد تھے۔ قرآن کو ایک قرات پر جمع کرنے، مصحفِ اصلی کو محفوظ رکھنے اور اُمت کو اختلاف سے بچانے کا فخر حضرت عثمان کے علاوہ کسی کو حاصل نہ ہو سکا، قانونِ الٰہی سے شغف ظاہر کرنے میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ ان کمالات کے علاوہ آپ کی تنہا ذات اسلام کا بیت المال تھی جو ہاتھ آپ کی طرف بڑھتا خالی واپس نہ آتا۔ آپ کے سیاسی کارنامے جنہوں نے آپ کے حق خلافت کو نمایاں کیا کچھ کم نہ تھے۔ ایک موقع پر جیشِ عسرت مرتب ہوا تو آپ نے اس کی امداد کے لیے ایک ہزار اونٹ، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دیے۔ ایک کنواں جس کا نام رومہ تھا، آنحضرت کے ادنیٰ اشارہ پر بیس ہزار درہم یہودیوں کو دے کر خرید ا، اور عام مسلمانوں کے لیے خاص کر دیا۔[1] ۲۶ھ میں ایوان کعبہ کے قرب وجوار کے مکانات خریدے اور مسجد حرم کو وسیع کیا۔ ۲۹ھ میں مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع کے لیے روپیہ خرچ کیا اور تعمیر پر پختہ سازو سامان صرف کیا۔ یہی وہ ایثار تھا جس کی بنا پر آپ کو حضور اکرم نے رفیق کا خطاب دیا، اور عوام اُمت سے غنی کا لقب ملا۔[2]

نظامِ حکومت حضرت عثمان اسلامی حکومت کے تیسرے رئیس تھے اور امیر المومنین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپ نے نظامِ حکومت کی عمومیت اور سادگی کو ترقی دی۔ بیت المال کے معاملہ میں بڑے انصاف پسند اور اپنے اخراجات کے معاملہ میں بہت

---

[1] اُسد الغابہ ج ۳ ص ۲۷۶، ۲۸۳۔ مجمع الزوائد (الہیثمی) ص ۹۷ ج ۹۔

[2] دیکھو "خلافۃ امیر المومنین عثمان" البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۴۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محتاط اور صاف رویہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ میں عوام کی معاشی ضرورتوں کو اعلیٰ معیار پر پورا کرتے تھے اور خود احتیاط کا یہ عالم تھا کہ معمولی کھانا کھاتے تھے۔ بیت المال اُمت کے عام خزانے سے کبھی ایک پائی نہیں لی اور ہزاروں روپے کی رقمیں مفادِ عامہ پر خرچ کر ڈالیں جس انسان نے ہزارہا درہم حرم مکہ کے ایوانِ امن اور حرم مدینہ کے ایوانِ حکومت پر خرچ کیے مسلمانوں کے امیر کی حیثیت سے اس کا یہ حال تھا کہ سادہ اور غریبانہ لباس کے علاوہ کبھی کوئی لباس نہیں دیکھا۔

حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کو امیر المومنین کی حیثیت میں دیکھا کہ وہ مسجد میں تنہا ہیں، کوئی خادم پاس نہیں۔ عبداللہ ابن شداد کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امیر المومنین جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں، ان کے جسم پر صرف چار درہم کی قیمت کا لباس ہے۔ مفادِ عامہ پر ہزاروں درہم خرچ کرنے والا انسان اپنے لباس پر چار درہم خرچ کرتا ہے۔ اس سے اس عمومیت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اس عہد کی حکومت میں کار فرما تھی۔

حضرت عثمان غنی حکومت اور عدالت کا کام مسجد نبوی میں کرتے تھے حرم نبوی میں اسلامی حکومت کا مرکز بھی تھا اور انصاف کی اعلیٰ کونسل کا دفتر بھی۔ آپ کی حکومت نے پہلا کام یہ کیا کہ فوج کے سپہ سالاروں اور صوبوں کے گورنروں کو یہ ہدایات جاری کیں کہ "عوام سلطنت کے شہریوں کے ساتھ اچھا معاملہ کریں۔ حکومت کا کام امانت سمجھ کر انجام دیں اور معاہدوں کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھیں"۔ آپ کی عدالت میں پہلا مقدمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر قائم ہوا کیونکہ اُن پر ہرمزان عیسائی کے قتل کا الزام تھا۔

عہدِ عثمانی میں ساسانی سلطنت کا آخری تاجدار یزدگرد مارا گیا اور اس طرح مدتوں کے ظلم وستم کا خاتمہ ہو گیا۔ اس عہد میں آذربائجان، آرمینیہ، خراسان میں بغاوت نے سر اُٹھایا اور اس کو دبا دیا گیا۔ حضرت عثمان کے حکم سے آپ کے سپہ سالاروں نے مکران، سیستان، کابلستان، زابلستان، شمالی افریقہ میں ساحل بحر احمر کا کچھ حصہ اور شمالی افریقہ کے علاقے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتح کیے۔ اسلامی لشکروں نے اسلام کی سلطنت کی نئی حد ٹیونس کے حدود پر قائم کی اس عہد میں مسلمانوں کا پہلا جنگی بیڑا تیار ہوا جس نے بحرِ روم میں روم کی قوت کو شکستِ فاش دے کر سلطنت کے ساحلوں کو محفوظ کر دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے بارہ سال تک حکومت کا نظام قائم رکھا۔ کوفہ، بصرہ اور مصر میں عبداللہ بن سبا نے جو جال پھیلایا تھا اُس نے تشدد پسند مفسدوں کی ایک جماعت پیدا کر دی تھی۔ یہ فتنہ بڑھتے بڑھتے مدینہ تک پہنچا، بڑے بڑے صحابہ مدینہ سے غیر حاضر تھے، ایسی حالت میں سازشی جماعت کے مسلح دستوں نے اسلامی حکومت کے تیسرے صدر کو محاصرہ کر کے شہید کر دیا۔ یہ پہلا فتنہ تھا جس نے اسلامی سلطنت کی تاریخ اور ارتقائے سلطنت کا رُخ بدل دیا۔ خلیفۂ ثالث کے لیے یہ موقع تھا کہ وہ وقت سے پہلے اس جماعت کے سرغنوں کو قتل کر دیتے لیکن اُنھوں نے فرمایا میں جان دینا گوارا کر دونگا مگر اس طرح قتل کا بازار گرم نہ کرونگا۔

آپ نے آخری مرتبہ جو خطبہ دیا اُس میں اُمت کو یہ ہدایت کی کہ وہ متحد رہے، اخوۃ کے قانون کو نہ چھوڑے اور خدا ترسی کا خیال رکھے۔[1]

اسلامی حکومت حضرت علیؓ کے عہد میں ۳۵ھ تا ۴۰ھ ۶۵۵ء ۶۶۰ء	حضرت علی حیدرؓ فاتح خیبر جمعہ کے دن ۲۵۔ ذی الحجہ ۳۵ھ کو اسلامی حکومت کے چوتھے صدر مقرر ہوئے

حضرت عثمانؓ کے قتل نے مسلمانوں کے شیرازۂ افکار کو درہم برہم کر دیا تھا۔ قاتل معمولی درجہ کے لوگ تھے مگر حادثہ غیر معمولی تھا اس لیے اس کا اثر غیر معمولی صورت میں ظاہر ہوا۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں تمام صحابہ اور صحابہ کو دیکھنے والے صورتِ حال کی رفتار سے بےچین تھے۔ مدینہ میں قدرۃً خوف و دہشت کی فضا زیادہ تھی اول درجہ کے اصحاب شہر سے غیر حاضر تھے، جو لوگ موجود تھے اُن کے سامنے ایک ہی

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر۔ ج، ص ۲۲۲۔ ۳۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصلحت بھی اور وہ یہ کہ جلد سے جلد نئے امیر کا انتخاب عمل میں آ جائے۔ اس وقت اسلامی سوسائٹی کئی خیال کے لوگوں میں تقسیم تھی۔ جن اصحاب کے نام زیر تجویز تھے وہ تیار نہ تھے۔ حضرت علیؓ سے کئی بار عرض کیا گیا، انھوں نے ہر بار انکار فرمایا۔ آخری مرتبہ کوشش کی جا رہی تھی تو وہ خانہ نشین ہو گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ جب عوام حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ پہنچے اور برملا یہ کہا گیا کہ اب آپ کے علاوہ کوئی نظامِ حکومت کو نہیں چلا سکتا تو حضرت علیؓ نے رائے عامہ کے سامنے سر خم کر دیا۔

حضرت علیؓ کے تاریخی کمالات[1]، اور اعلیٰ اوصاف سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پیغمبر اعظم سے اُن کی قرابت اتنی بڑی فضیلت ہے جس میں ان کا کوئی دوسرا ہمسر نہیں ہے۔ حضرت علی سب سے پہلے اس وقت اسلامی نظام میں داخل ہوئے جب اتنی عمر کے کسی بچہ نے یہ فخر حاصل نہیں کیا تھا۔ اسلامی نظام کے قیام کے بعد بین الاقوامی اور خارجی تعلقات کے شعبہ کا کام ان کے سپرد تھا۔ ایک محاذ کے علاوہ ہر محاذ پر پیغمبر اعظمؐ کے رفیق رہے۔ آنحضرتؐ تبوک کے محاذ پر جہاد کے لیے تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس موقع پر مرکز نبوت کا تمام انتظام انھی کے دستِ تصرف میں تھا۔ عہدِ نبوی میں یمن کے امیر و حاکم (گورنر) کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ اور انھوں نے اس منصب پر باضابطہ کام کیا۔ خیبر کے محاذ کی سپہ سالاری ملی تو فتح خیبر کا اعزاز حاصل ہوا[2]۔

خلافتِ راشدہ کے پہلے دور میں اہم عہدوں پر کام کیا۔ حضرت صدیقؓ کے عہد میں مشیرِ اعلیٰ رہے۔ قیام امن اور محاذ جنگ کے اہم معاملات ان کے مشورے سے طے پاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد جو صحابہ کی کونسل مقرر کی تھی حضرت علیؓ اس کے رکن تھے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد کے بعض واقعات ایسے تھے جن کا اثر حضرت علیؓ کے عہد حکومت پر بھی حاوی رہا۔ مدینہ کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ عراق، شام اور مصر میں علیحدہ علیحدہ

---

[1] اسد الغابہ (ابن اثیر) ج ۴ ص ۱۶۔ ۳۹ [2] فتوحات الاسلامیہ (دحلان) ج ص ۲۰۸۔ ۲۹۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکزی استعداد کو اُبھارا گیا۔ خیالات کے اختلاف نے اُمت کے نظامِ اجتماعی کے قلعہ کو پاش پاش کر دیا۔

صدیق اکبرؓ اور فاروقؓ کے زمانہ کا امن و اتحاد ختم ہو گیا۔ صوبے اس خلفشار میں خود سر ہونے لگے، حضرت علیؓ نے قیامِ امن کے لیے صوبوں کے اعلیٰ حکام کو بدلنے کا فرمان جاری کیا۔ خلافت کی سیاسی قوت پوری طرح کام نہ کر سکی، خلیفۂ وقت نے اپنے فیصلہ کے نفاذ کو ضروری قرار دے دیا۔ اس ہنگامہ میں دوسرا عظیم حادثہ ظاہر ہوا۔ تشدد پسندوں کی ایک جماعت نے "انسدادِ جنگ کے لیے جنگ" کا مکروہ اُصول وضع کیا اور طے کیا کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہ، اور عمرو بن العاص تینوں کو قتل کر دیا جائے، تاکہ ہنگامۂ اختلاف ختم ہو کر امن قائم ہو جائے۔ تین آدمی مقرر ہوئے۔ ابن ملجم نے ۱۵ رمضان سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کو شہید کر دیا۔ برک بن عبداللہ نے دمشق میں حضرت معاویہ پر حملہ کیا، معمولی زخم آیا جو اچھا ہو گیا۔ عمرو بن العاص کی جگہ خارجہ بن حذیفہ قتل کر دیے گئے، قاتل کو غلط فہمی ہوئی جس سے عمرو بن العاص کی جان بچ گئی۔

حضرت علیؓ کی شہادت سے خلافتِ راشدہ کے دوسرے دور کا خاتمہ ہو گیا۔ اسلامی سلطنت کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ ریاستِ عامہ ختم ہو گئی اور شہنشاہیت منظرِ عام پر آ گئی۔ بنی اُمیہ، بنی عباس، خاندانِ مغلیہ اور آلِ عثمان وغیرہ نے بڑی بڑی شاہی حکومتیں قائم کیں، جن میں کبھی کبھی ریاستِ عامہ کے پُرجوش اور حاصل خیز نظارے بھی دیکھے گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کا نظامِ حکومت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دفعہ (۱)

اِسلام اور حکومت

اسلام دنیا کی سب سے بڑی طاقت اور ہماری دنیا کا یگانہ مذہب ہے۔ ایسا مذہب جو انسانوں سے خطاب کرتا ہے اور انسانوں کے عام فائدے، عام بہتری اور عام تنظیم کے لیے حکومت سے اپنے تعلق کو برملا ظاہر کرتا ہے۔ اسلام کی تاریخ، اسلام کا قانون اور اسلام کی سیاست اسلام اور حکومت کے باہمی ربط وضبط پر حجت ہیں۔ اسلام کو ہر اُس چیز پر دسترس حاصل ہے جس کا تعلق حکومت سے ہے یا حکومت کے کسی شعبے سے منظم انسانی سوسائٹی، رقبہ زمین، اقتدار واختیار اور ہر وہ شے جس کا مطالبہ ایک اچھی حکومت کرتی ہے۔ اسلام کے قانونی تصرف میں ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی۔

قانونی تشریحات اور نظائر

اسلام اور حکومت کے درمیان کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اسلام صرف ایک مذہب ہے یا مذہب کی حیثیت سے کچھ اور بھی ہے؟ اس کو حکومت، حاکمیت، سیاست اور سلطنت سے کوئی واسطہ ہے یا بالکل بے واسطہ بے تعلق ہے، وہ مذہب ہے سیاست سے جُداگانہ؟ یا سیاست ہے مذہب سے بیگانہ؟ ہم اس کو صرف ایک ایسا نظام کہیں جو باطن کی تاجداری کا فرض انجام دیتا ہے یا ایک ایسا دینی نظام سمجھیں جو ورع کی قوت سے دنیا کے مادی نظام پر عالمگیر غلبہ کا دعویٰ رکھتا ہے اور ساری دنیا کو ایک خدا کی ایک قوم کی صورت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے کر اپنی حکومت کے کارخانے کو انسانیتِ عامہ کے تابع فرمان افراد کی میراث قرار دیتا ہے؟

یہ وہ اثر انگیز سوالات ہیں جو اکثر یورپ کے الجھے ہوئے دماغ سے پیدا ہوتے ہیں اور کبھی ایشیا کے سادہ فطرت انسانوں کی طرف سے سامنے آتے ہیں اور کبھی کبھی بعض مسلمانوں کے بناوٹی فلسفہ کی قوت سے منظرِ عام پر آجاتے ہیں۔

جواب سے پہلے یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے۔ اسلام کا مقصد اسلام کی حکومت کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسلام کی حکومت کا مفہوم کیا ہے، صرف یہ کہ ہم سب خدا کے اطاعت گزار اور خدا کی حکومت کے علمبردار ہیں (الاسلام هو التسليم والانقياد لاوامر الله تعالیٰ)[۱]

یہ وہ تعریف ہے جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ جب جرمنی میں یہی الفاظ گوئٹے نے سنے تو وہ تڑپ گیا اور پکار اٹھا کہ کیا ہم سب حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہیں[۲]۔ اسلامی حکومت کا یہ وہ تصور ہے جس کو اول دن سے مقصد کا درجہ حاصل ہے۔ اس اعتبار سے اسلام اور حکومت کا تعلق ایسا ہے جیسا کہ فولاد کا تعلق فولاد سے۔ انبیاء کی تاریخ کے تمام نوشتے اور جملہ مقدس الہامی صحیفے گواہ ہیں کہ آدم سے لے کر پیغمبر اعظم تک خدا کا ہر نمائندہ اس حکومت کا علمبردار رہا ہے۔

قرآن سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور حکومت کے تعلق کی ایک عمارت موجود ہے اور اس کی صدہا بنیادیں قائم ہیں۔ قرآن نے ہمیں بتایا کہ حکومت کو خدا نے پیدا کیا ہے اور حکومت خدا کا حق ہے۔ خدا نے انسان کو چار چیزیں دی ہیں۔ کتاب (قانون) حکم (حکومت) نبوت[۳] (پیغمبری) حکمت (سیاست)

حکومت ایک نیابتی حق ہے۔ حکومت ایک رہنمائی ہے۔ قرآن حکیم دنیا کے اول درجے کے پیغمبروں کے نام لے کر حکومت کا ذکر کرتا ہے اور ہم پر ظاہر کرتا ہے یہ ہیں وہ ہستیاں جنہوں

---

[۱] فقہ اکبر ص ۷۹ (منسوب بامام اعظم) طبع مصر۔ [۲] پیستالوزی ڈاکٹر عبدالمجید پی ایچ ڈی۔ ص ۱۲۶۔
[۳] قرآن عظیم۔ آل عمران ۳ پ تیسرا السندھ (۶)، [۴] پ الانبیاء (۲۱) ص ۳۲۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنی برگزیدہ آرزوؤں میں سے حکومت کو مستقل آرزو قرار دے کر خدا کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور خدا نے ان کو حکومت عطا کی[1]۔ قرآن میں عبادت گذار قوم کے لیے یہ بلاغ (سرکاری فرمان) بھی موجود ہے (ان الارض یرثہا عبادی الصالحون[2]) یقیناً روئے زمین کے وارث میرے صالح و صلاحیت مند بندے ہوں گے۔" دوسری جگہ اعلان ہے ہم نے —— اس قوم کو زمین کے مشرقی منطقوں اور مغربی منطقوں کا وارث کر دیا ہے جس کے افراد کمزور سمجھے جاتے تھے[3]۔

قرآن اسلامی تصورات کا سرچشمہ ہے، اس کے بیانات اس سے نکلے ہوئے سوتے ہیں جن کو بند کرنا انسان کے اختیارات سے باہر ہے۔ قریب قریب نصف قرآن اسلام اور حکومت کے تعلق کی تاریخ سے بھرا ہوا ہے جس سے انکار کرنا ناممکن ہے۔ قرآنِ عظیم میں حکومتِ الٰہی کی طرح انسانوں کی نیابتی حکومت (خلافت الٰہی) کا ذکر بھی بدرجۂ اہمیت موجود ہے۔ علامہ ابوحیان اندلسی (۷۵۴ھ) نے تفسیر قرآن میں لکھا ہے (الانبیاء ھم خلائف اللہ فی ارضہ) پیغمبر روئے زمین پر اللہ کے نائب اور خلیفہ تھے (الانبیاء اسم لکل من انتقل الیہ تدبیر اھل الارض والنظر فی مصالحھم) اور خلیفہ اس انسان کا خطاب ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں روئے زمین کے انسانوں کی تدبیر و تنظیم کا کام اور مفادِ عامہ کی نگرانی کا معاملہ کسی طرف سے انتقال پا کر پہنچے۔" یہ بیان واضح طور پر حکومت کی ان ذمہ داریوں کا ذکر کرتا ہے جن کا تعلق اسلام کے بلند مرتبہ پیغمبروں سے ہے۔

احادیث میں کثرت سے حکومت کے متعلق ذکر آتا ہے اور نمایاں ہدایات ملتی ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر نے مندرجہ ذیل روایت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ تم میں نبوت کی حکومت رہیگی، وہ ختم ہو جائیگی تو منہاجِ نبوت پر خلافت قائم ہوگی

[1] (دعائے سلیمانؑ) رب اغفر لی وھب لی ملکاً لا ینبغی لاحدٍ الخ پ۲۳ سورہ صٓ ۳۶
[2] پ۱۷ الانبیاء شیخ الہند ص ۴۲۸ [3] پ۹ الاعراف (۷) ص ۲۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد وہ بھی دنیا سے اُٹھ جائیگی تو (ملک عاض) سخت گیر اور ظالم حکومت قائم ہوگی۔ ابو ثعلبہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آخر میں جابر مطلق آمریت ہوگی اور امت کی خرابی کا سامان پورا ہو جائیگا۔[1] اس حدیث میں حکومت کے چار درجے ذکر کیے گئے ہیں حکومت الٰہی کو پہلے درجہ پر رکھنے کے بعد یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس پہلے درجہ کی حکومت کو اسلام سے ایسا تعلق ہے جیسا ایک سوسائٹی کا تعلق اپنے اصل مطمع نظر سے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ کی حکومت سے اسلام کا تعلق ایسا ہے جیسے مقصد کا ذریعہ مقصد سے۔ گویا حکومت اصل دین تو نہیں ہے دین کی طاقت کا وسیلہ ہے یہ ایک ایسا پہلو ہے جس نے حکومت کو عام نقطۂ خیال کے مطابق ایک مستقل مقصد بنا دیا ہے۔ البتہ چوتھے اور پانچویں درجہ کی حکومتیں اپنی خرابی پر آپ گواہ ہیں۔ ان سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر مسلمانوں کے غلبہ اور قوت سے بھی ایسی حکومتیں قائم ہوں تو اس سے اسلام کے نام پر حرف لانا حرف غلط ہوگا۔ یہ بات واضح طور پر صحیح ہے کہ اسلام کو (مملکت عضوض) مطلق العنان شہنشاہیت اور (مملکت جبری) حکومت جبر و استبداد سے کوئی علاقہ نہیں۔ کیونکہ یہ بات اسلام کی عام حقیقت کے خلاف ہے۔

اسلامی دور اسلام دنیا کے سیاسی ماحول میں ایک قوی الاثر واقعہ کی حیثیت سے علی الاعلان ظاہر ہوا ہے۔ یہ ایک قدیم الہام تھا جو انسانی فطرت کے مقدس رجحان کی شکل میں نازل ہوا اور انسان کے پاکیزہ ضمیر تک پہنچ کر از سر نو خدا کی امانت بنا۔ یا ایک امر خداوندی تھا، اجتماعی اعتبار سے سر بسر حیرت انگیز گویا عقیدہ اور عمل۔ اصول و حکمت عملی، سیاست اور حکومت، مذہب اور سلطنت کے مکمل اتحاد سے وہ بات ظاہر ہوئی جو معجزہ تھی اور جس کو اس سے پہلے انسانی نظریوں کی جعلی دنیا میں کسی نے نہ دیکھا تھا۔

---

[1] مجمع الزوائد للہیثمی رسنشہم (باب کیف بدأت الامارت والخلافت والملک) یہ روایت متعدد طریقوں سے مذکور ہے۔ دیکھو جلد ۵ کتاب الخلافت ص ۱۸۸ - ۱۹۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظہورِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو چکی تھی کہ اسلام اپنی دینی تنظیم سے ایک دنیاوی نظام بھی پیدا کریگا۔ مکہ معظمہ میں جو واقعات رونما ہوئے وہ مدینہ میں ظاہر ہونے والے سیاسی واقعات کا مبارک پیش خیمہ تھے۔ خدا کے مقدس شہر سے اس کے نکو کار بندوں کا جلا وطن ہونا فتح مکہ کا پیغام تھا۔ اور امن کے پایۂ تخت (حرم امن) میں مفسدوں کا غلبہ مدینہ میں ایک ایسے نئے اور عظیم الشان تاریخی دار السلطنت کا سنگِ بنیاد تھا جس کا نام تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔ مکہ میں جو بات ہو سکتی تھی رونما ہو کر رہی، لیکن اسی دور کے تاریخی انسان زید بن عمرو بن نفیل نے اسلام کی ہمہ گیر کامیابی اور اقتدار کی جو پیشین گوئی کی تھی[1] وہ بھی دنیا کی نگاہوں کے سامنے پوری ہو کر رہی۔

عرب کی نامور خاتون خدیجۃ الکبریٰ نے ظہورِ اسلام کے وقت پیغمبر اعظم سے پہلا جملہ یہ کہا تھا کہ "خدا کی قسم آپ دنیا میں کبھی عزت سے محروم نہ ہونگے" مشرق و مغرب نے دیکھا کہ عہدِ نبوی کے آخر دن تک اسلام کی اجتماعی شان عروج و ترقی کا ہر پیغام قبول کرتی رہی۔ جس روز آنحضرتؐ وفات پا رہے ہیں اُس دن بھی آپ کے نوجوان سپہ سالار اُسامہ بن زید کی ایمانی قوت شام والوں کو صبح کا پیغام دے کر اسلام کی حکومت کے لیے ایک نیا میدان تیار کر رہی تھی۔

مذہب اور سیاست

اسلام ایک مذہب ہے اور مذہب ہی کی حیثیت سے دنیا کے قلب اور قالب پر صحیح معنی میں حکومت کرنے کے لیے ظاہر ہوا ہے۔ جہاں تک دنیا میں فطری قوانین کے نفاذ، برائیوں کی تباہی، بہترین اصولوں کی ترویج، انسانوں کے اتحاد اور انسانیت کے رواج کا تعلق ہے اسلام کا مطمعِ نظر دفاعی نہیں جارحانہ ہے۔ یہ ایک ایسا تصور ہے جس سے

---

[1] تاریخ الکامل ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی فکر کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی وہ قوتیں جو اسلامی اقتدار کی جولانگاہ میں زمانۂ جاہلیت کی نمائندگی کرتی ہیں، اور تمام برائیوں کی بقا کے لیے تمام بھلائیوں کی حکومت کو مٹانا چاہتی ہیں برسوں سے مسلمانوں کی فکر کے شیریں چشموں میں زہر گھول کر پلا رہی ہیں۔ وہ خود حقیقی معنی میں حکومت کو کلیسا سے آج تک علیٰحدہ نہیں کر سکیں لیکن مسلمانوں کے دماغوں میں دین و دنیا کی علیٰحدگی کا خیال ٹھونسنے پر مصر ہیں۔ امریکہ، انگلستان اور روم کے کلیسا ایشیا اور افریقہ تک متعلقہ حکومتوں کے لیے سیاسی میدان تیار کر رہے ہیں، لیکن مسلمانوں کی سیاسی پرواز اور ہمہ گیر پیش قدمی کو مضمحل کرنے کے لیے "حکومت، مذہب اور سیاست" کی مستقل بحثیں پیدا کر کے اپنا کام نکالنا چاہتی ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کو صدیوں سے جو چیلنج دیا جا رہا ہے اس کو پکّے عزم کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ بحث و مباحثہ کی تمام اُلجھنوں کا ہمارے پاس ایک ہی سلجھا ہوا جواب ہونا چاہیے کہ اسلام ایک آزاد طاقت ہے اور حکومت پر حاوی ہے۔ تمام دنیا کو اس حقیقت سے خبردار ہونا چاہیے کہ ہم پیغمبر اسلام کو ساری دنیا کا سردار اور اوّل درجہ کا قائد مانتے ہیں۔ ہم نے آنحضرت کی عظیم الشان زندگی سے حکومت و سیاست کے متعلق جو سبق پایا ہے اُس سے دستبردار ہونا ہمارے قانونی اختیار کی حد سے باہر ہے ہمیں اپنے دانا دشمنوں، نادان دوستوں اور اپنی مسجدوں کے خطیبوں سے بھی کہہ دینا چاہیے کہ ہم دنیا کو بُرا نہیں سمجھتے اور دین کے ساتھ دنیا کی عزت بھی چاہتے ہیں اور دنیا میں وہ فتح و فوز بھی جس کا نتیجہ دنیا کی حکومت ہے۔

ہمیں خدا کے قرآن، پیغمبر برحق کے فرامین اور ہمارے علمائے اجتماعیات کی ہدایتوں نے یقین دلا دیا ہے کہ اسلام اور حکومت کا تعلق کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ اسلام اور حکومت کے تعلق کا انکار ایک ناقابلِ قبول دعویٰ ہے جسے ڈاکٹر آرنلڈ کے ان الفاظ میں مسترد کر دینا چاہیے:۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فتح و جنگ میں حصہ لینا ہی شانِ رسالت کے خلاف تھا تو یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت کی تلقین میں یہ قول شامل نہ تھا ___ کہ میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔[۵]"

چند قانونی حوالے اسلام نے آج تک حکومت سے دستبردار ہونے کے متعلق کوئی دستاویز نہیں لکھی، کیونکہ ہمیں مندرجہ ذیل خالص قانونی حوالوں سے یہ علم ہے کہ اسلام دنیا کی حکومت کو اپنا منصب قرار دیتا ہے۔

۱۔ قرآن حکیم اسلام کا قانون کلی ہے، اس کے صفحات پر جا بجا حکومت کا ذکر ہے اس میں اسلام کی تخلیق اور اسلام کی تکوین کے ساتھ عالمگیر نیابتی حکومت کا ذکر ہے۔ اس کے مختلف پاروں میں خدا کی حکومت و حاکمیت، بندگانِ خدا کی امامت و ریاست کا تذکرہ موجود ہے۔

یہ قرآن حکیم ہی ہے جس نے انسانوں کو یہ بتایا ہے کہ حکومت ایک قسم کی امانت ہے، ایک خاص قسم کا معاہدہ ہے۔ خدا کے بندوں کے لیے خداداد ورثہ ہے، انسانیتِ عامہ کے فرمانروائے اعلیٰ (ملک الناس) کی طرف سے ایک نیابتی حق ہے۔ حکومت جابرانہ فعل نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی رہنمائی ہے جس میں سرتاسر رشد و ہدایت اور مرضی عامہ کو دخل ہے۔ حکومت کا تعلق روئے زمین کے اقتدار و استقرار، تمکن و قرار و سکونت و استعمار (آبادی اور عمرانیت) سے ہے۔ حکومت جاہلیت کے طرز پر نہ ہونی چاہیے بلکہ بہتر سے بہتر طریقہ پر خدا کے نازل کیے ہوئے قانون کے مطابق ہونی چاہیے۔

یہ الفاظ بھی قرآن ہی میں ہیں کہ "ہم نے آدم کو روئے زمین کا خلیفہ (نائب السلطنت) بنایا۔ خدا تم کو اور نیک کردار لوگوں کو روئے زمین کی حکومت دیگا۔ ہم نے ابراہیم کو مملکت عظمیٰ عطا کی ہے" حضرت سلیمانؑ نے دعا کی تھی مجھ کو اتنی بڑی مملکت دی جائے کہ اس کی

[۵] دعوت اسلام (پریچنگ آف اسلام) ڈاکٹر ٹی ڈبلیو آرنلڈ ص ۸۳ (بادشاہی کی جگہ خلافت ہونا چاہیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثال نہ لائی جا سکے۔ قرآن کہتا ہے کہ ہم نے داؤد وسلیمان کو حکومت دی اور (حکومت کا) علم عطا کیا۔

اسلام کا ظہور اور اسلامی حکومت کا تاریخی طور پر منظرِ عام پر آنا قرآن ہی کے وعدہ کی تکمیل ہے جو از اول تا آخر اسلام اور حکومت کے ربط کو ظاہر کرتا ہے۔[1]

(۲) پیغمبر اعظم ؐ نے اول اول جو فرمان نافذ کیے ہیں ان میں وہ فرمان بھی ہے جس میں اپنے خاندان کو خطاب کر کے تمام دنیا کو پیغمبرانہ اقتدار کی اطلاع دی گئی ہے۔ آنحضرت ؐ فرماتے ہیں :-

"آج تک کوئی جوان ایسا پیدا نہیں ہوا جو تم کو مجھ سے بہتر مطمح نظر سے باخبر کرتا میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بہتری کے لیے آیا ہوں۔ خدا کی بالادست حکومت سے مجھے یہ ہدایت ہے کہ میں تم کو اس کی طرف دعوت دوں۔ مجھے اس حکومت کے کام میں وزراء کی ضرورت ہے۔ کون ہے جو میرے ساتھ وزیر کی حیثیت سے کام کرے؟"[2]

اس فرمان میں "دنیا کے مفاد" کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے مفاد کی بہتری آنحضرت کے اوّل درجہ کے مقاصد میں داخل تھی۔ کیا اس کے بعد بھی ہمیں یہ حق ہے کہ ہم دنیا کے بہترین فائدوں کو نظر انداز کر دیں ؟

ابن کثیر اس فرمان کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ نبوت کے تین سال بعد آنحضرت نے "خدا کے حکم" پر انسانوں کو جمع ہونے کی دعوت دی" — بڑا صبر آزما زمانہ تھا مگر آپ کی قوتِ فیصلہ کا اعلان یہ تھا "یا تو خدا کا حکم غالب ہوگا یا میں اپنی جان سے گزر جاؤنگا" (ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳) سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا کے حکم کے لیے حکومت ضروری نہیں ہے۔ اور کیا اس کا تعلق اسلام سے نہیں ہے۔

---

[1] حوالوں کے لیے قرآن حکیم کے ان حصوں کا تفصیلی مطالعہ کیجیے جن میں انبیاء کی امامت وریاست کا ذکر ہے۔ [2] تاریخ الکامل ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) دوسری صدی ہجری کے امام ابوعبید قاسم بن سلام[1] نے اپنی کتاب[2] میں حضرت تمیم داری سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے دریافت کیا: ما الدین (دین کیا ہے؟) حضور نے فرمایا: الدین النصیحۃ (دین نام ہے خیر خواہی کا)۔ حدیث کی پوری عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین عبارت ہے اُس خیر خواہی سے جو اللہ، اللہ کے رسول، اللہ کے قانون، اسلامی حکومت کے قائد (امام) اور مجموعی طور پر تمام اسلامی ہیئت (جماعۃ المسلمین) کے ساتھ کی جائے۔

اسی کتاب میں عطار بن یسار سے یہ روایت نقل ہے کہ ایک شخص نے کہا: بئس الشیٔ الامارۃ (حکومت بری چیز ہے) آنحضرت نے حکومت کی برائی اور بھلائی ظاہر کرنے سے پہلے فرمایا: نعم الشیٔ الامارۃ (حکومت اچھی چیز ہے) حضرت ابوذر غفاری کی ایک روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اتنی اچھی چیز ہے کہ اگر اس کی ذمہ داریوں کو پورا کیا جائے تو وہ امانت کے برابر اہمیت حاصل کر لیتی ہے[3]

اگر دین نام ہے دنیا اور دنیا کے تمام اجتماعی عقائد اور عوامل کے ترک کر دینے کا تو ان احادیث کا کیا مفہوم ہے اور اگر اسلام نے دنیا کو خدا کی طرف بلانے کے ساتھ انسانی تنظیم اور انسانی معاشرے کی عام بھلائی کے لیے نہیں پکارا تو اس قسم کے مستند قانونی فرامین کا کیا مقصد ہے۔

(۴) خدا کے بلند و برتر پیغمبر نے انسانیتِ عامہ کے ہر ہر فرد کو بتایا: الدین یسر (مذہب ایک آسان اور سمجھ میں آنے والا نظام ہے۔ الارض ارض اللہ والعباد عباد اللہ (زمین؟ اللہ کی زمین ہے۔ بندے اللہ کے بندے ہیں[4]) اگر خدا کی زمین اور خدا کے

---

[1] امام ابوعبید قاسم بن سلام۔ پیدائش ۱۵۴ھ وفات ۲۲۴ھ [2] کتاب الاموال۔ یہ کتاب اسلامی عہد کی بہت قدیم تصنیف ہے جو آج سے گیارہ سو سال پہلے مرتب کی گئی ہے۔
[3] کتاب الاموال ص ۳۰۳۔ [4] عن فضالۃ بن عبید للطبرانی فی الکبیر بحوالہ جامع صغیر ج ۲ ص ۲۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندوں کو ایک جماعت کی شکل میں جمع کرنا پیغمبر خدا کی دینی شان کے خلاف اور اسلام کی ذمہ داریوں کا جزو نہ تھا اور اس مقصد کے لیے عرب کے علاوہ دنیا کے جارحانہ عواطف اور شہنشاہیتوں کو ختم کر کے اسلام کی حکومت اور سلطنت کا قیام مقصود نہ تھا تو آپ نے دنیا کی فتح اور غلبہ کی خبر کیوں دی؟

ہم جانتے ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں آنے والے واقعات کو ظاہر کر دیا تھا، آپ نے اعلان کر دیا تھا کہ زمین کے مشرق و مغرب کے علاقے میرے ہاتھ میں دیے گئے ہیں[۱] اور میری اُمت ان کا نظام اپنے ہاتھ میں لیگی۔

آپ نے فرمایا کہ قیصر و کسریٰ کی شہنشاہیتوں کا خاتمہ ہو جائیگا، اور یہ بھی اشارہ کیا کہ اس قسم کے شاہی نظام پھر نہ قائم ہونے چاہئیں[۲]

آپ نے عالمگیر فتوحات کے متعلق اپنے پیغمبرانہ حوصلوں اور اپنے جانشینوں کے جہاد (عمل) کی واقفیت کو دنیا سے چھپائے بغیر ان الفاظ میں ظاہر فرمایا تھا۔

"یمن فتح ہو جائیگا، شام فتح ہو جائیگا، عراق فتح ہو جائیگا اور عرب و عجم کے علاقے فتح ہو جائینگے"[۳]

(۵) ایک عظیم تاریخی واقعہ | اسلام اور حکومت کے محکم ربط کو ایک اور عظیم تاریخی واقعہ سے بھی قوت حاصل ہوتی ہے، جس کو یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

شداد بن اوس کا بیان ہے کہ ہم کچھ لوگ پیغمبر اعظم کے دربار میں حاضر تھے کہ بنی عامر کا سردار باانداز خاص عصائے پیری کا سہارا لیے حلقۂ حضور تک پہنچا۔ اُس نے آنحضرت سے بہت سے سوالات کیے اور کہا: ان لکلِ قول حقیقۃً وما حقیقۃ قولک (ہر دعوے

---

[۱] تفسیر قرآن عظیم ابن کثیر دمشقی ج ۳ ص ۳۰۱ [۲] رواہ البخاری عن ابی ہریرہ التاج الجامع للاصول اسنادنا صفت ازہری ج ۳ ص ۷۶ تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷۔ [۳] الجامع الصغیر سیوطی ج ا حرف التاء ص ۵۰ ۴۔ تینوں روایتیں ابن ماجہ، بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۶۔ ص ۱۹۲۔۱۹۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ایک حقیقت ہوتی ہے آپ کے دعوے کی کیا حقیقت ہے آنحضرت نے جواب دیا کہ میں اپنے بزرگوار باپ ابراہیم اور اپنے بھائی عیسیٰؑ کی ذمہ داریوں، بشارتوں اور عظمت و اقتدار کا حامل ہوں" عامری نے یہ سن کر کہا: "آپ کا فرمانا بجا ہے" سوال و جواب کے اس مفید سلسلہ میں عامری نے عرض کیا "کیا برائیوں کی موجودگی میں نیکی کا فائدہ مرتب ہوتا ہے؟" ارشاد ہوا "کیوں نہیں، توبہ برائیوں کے داغ کو دھو دیتی ہے۔ خوبیاں برائیوں کو بہا لیجاتی ہیں۔

اس جواب کے بعد عامری نے اپنے فرائض اور واجبات کے متعلق سوال کیا حضور اکرمؐ نے جواب میں دین کے فرائض کی تفصیل بیان کی۔ عامری نے عرض کیا اگر میں ان ذمہ داریوں کو پورا کردوں تو مجھے اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ آنحضرت نے فرمایا: "جنت" یعنی باغ و بہارِ آخرت، جاری و ساری نہریں۔ ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کیونکہ یہ ایک پاک نفس انسان کا قدرتی حق ہے۔

عامری نے پھر عرض کیا۔ یہ تو بعد کی بات ہے میں اس دنیا کے فائدہ کو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس یادگار سوال کا تاریخی جواب پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ملا: نعم النصر والتمکین فی البلاد (خوش آئند فتوحات اور ملکوں پر حکومت)[۲]۔

اس زبردست تاریخی واقعہ کا علم ہونے کے بعد دل میں اسلام اور حکومت کے تعلق کا یقین پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک ہی واقعہ حکومت و مذہب کی علیحدگی کا اعلان کرنے والے سیاستدانوں اور دین و دنیا کی علیحدگی کو ماننے والے تارک الدنیا مسلمانوں کو جواب ہے۔ اگر دین کو دنیا سے بالکل علیحدہ کردیا جائے اور علیحدگی کے راہبانہ اصول کو

---

[۱] سیدنا عیسیٰ نے خدا کی بادشاہت کا اعلان کیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظام کو اپنے جہاد و عمل کی قوت سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ دیکھو انجیل مقدس لوقا ۱۳/۲۹

[۲] تاریخ الکامل۔ ابن اثیر الجزری ج ۱ ص ۱۶۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مان لیا جائے تو دین ختم ہو جائیگا۔ کیونکہ دنیا کا مقصد دین ہے اور دین کے ثمرات و برکات میں دنیا کی حکومت بھی داخل ہے پیغمبر اسی دنیا میں آئے ہیں۔ مذہب اسلام اسی دنیا کے دل پر نازل ہوا ہے۔ اسلام کا قانون حکومت اور اسلامی سیاست اسی دنیا کی بہتری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر حکومت کسی حیثیت سے کوئی مقصد نہیں تو الحکم للہ کے کیا معنی ہیں اور قرآن میں تکوین خلافت اور تکوین ارض کا مسئلہ کیوں درج کیا گیا ہے۔

حکومت کا زمانہ

اسلام اور حکومت کے تعلق کے لیے مکمل ثبوت اور محکم تر دلیل وہ زمانہ ہے جو ۱ سنہ ہجری سے شروع ہو کر ۱۰ سنہ ہجری پر ختم ہوتا ہے

آنحضرت ؐ نے مدینہ پہنچ کر بنی سالم بن عمر کے یہاں پہلی مرتبہ جمعہ کا اجتماع منعقد فرمایا تھا، ہجرت کے بعد یہاں پہلا خطبہ عوام الناس نے سنا۔ آپ نے اس میں صاف طریقہ پر یہ اعلان کیا کہ "جو شخص خدا ترسی کے اصول پر قائم رہیگا اُس کو فتح عظیم حاصل ہوگی۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کے محاذ کو گرم رکھو۔ اللہ نے تم کو بلند مرتبہ عطا کیا ہے اور تم کو مسلمان کے خطاب سے امتیاز بخشا ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت یہ بات اور بھی واضح ہوگئی کہ آنحضرت نے اپنے خطبہ میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اس کی کامیابی کے متعلق جو اشارہ فرمایا ہے اس کا مقصد حکومت کا قیام ہے۔ مسجد کی تعمیر کے وقت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان مخلص مزدوروں کی طرح پتھر لا رہے تھے، ان اصحاب کو دیکھ کر رسالتمآب ؐ نے فرمایا: ھؤلاء ولاۃ الامر بعدی (یہ وہ افراد ہیں جو میرے بعد حکومت کے اعلٰی انتظامی افسر ہونگے)[1]

اسلامی تاریخ میں موتہ کی جنگ بیحد اہم سمجھی گئی ہے اس محاذ کے لیے آنحضرت ؐ نے جو لشکر روانہ کیا تھا اس کی کمان زید بن حارثہ کے ہاتھ میں دی گئی تھی۔ زید فوج کے کمانڈر بھی تھے اور محاذ کے انتظامی افسر بھی[2]۔ اس قسم کی انتظامی تشکیلات تاریخ کے صفحات

۱؎ البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۱۳ - ۲۱۸۔ ۲؎ ایضاً ج ۲ ص ۲۴۱

www.KitaboSunnat.com

پر اور بھی موجود ہیں۔ آنحضرتؐ کا اصول تھا کہ جب مدینہ سے کسی دفاعی مہم پر تشریف لیجاتے تو اپنا جانشین مقرر کر کے انتظام کی زمام اس کے سپرد فرما دیتے[1]۔ آنحضرتؐ نے فتح مکہ کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد اور مدینہ واپس جانے سے پہلے حضرت عتاب بن اُسید کو مکہ کا حاکمِ اعلیٰ مقرر کیا اور جانشین کی حیثیت سے جملہ اختیارات ان کو سپرد فرمائے[2]۔ یہ بات یقینی ہے کہ اس قسم کے تقرر میں نبوت کی نمائندگی اور نیابت کرنا کسی کا حق نہ تھا۔ نبوت ایک ایسی حقیقت تھی جو ختم ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا ہر تقرر ایک انتظامی فعل تھا جس کا مقصد و منشا اسلامی حکومت کی ابتدائی تنظیمات سے متعلق تھا۔

۹ سنہ ہجری اسلامی تاریخ میں اپنے واقعات کے لحاظ سے یادگار ہے۔ اس سال بہت سے باقاعدہ وفد باہر سے آکر بارگاہِ نبوی میں باریاب ہوئے۔ بنی تمیم کا وفد بھی آیا۔ اس موقع پر اسلام کے خطیب ثابت ابن قیس نے آنحضرتؐ کے حکم سے وفدِ تمیم کے خطیب عطارد کے جواب میں زبردست تقریر کی۔ یہ تقریر خدا کی حکومت کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور اس جملہ کی حامل ہے: یہ خداوند برتر کی قدرت ہی کا کرشمہ ہے کہ اس نے ہم کو حکومت کا مالک بنا دیا[3]۔

اس موقع پر آنحضرتؐ کی موجودگی اور تقریر کے لیے حکم قانونی اہمیت رکھتا ہے اور اسلام و حکومت کے ربط کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد اسلامی سوسائٹی میں کچھ ابتری کے آثار نمایاں ہوئے مکہ میں حضرت سُہیل بن عمرو دروازۂ کعبہ پر کھڑے ہو گئے اور اعلان کیا۔

"خدا کی قسم اسلام کا کام پورا ہو کر رہیگا، میں نے حضور کی زبان سے یہ سُنا ہے:

"لوگو! میرے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو۔ عرب تمہارے تابع فرمان ہو جائینگے اور

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۹۵۔۔ ۳۹ [2] ایضاً ج ۴ ص ۳۶۸

[3] سیرۃ ابن ہشام حصہ دوم (سنۃ الوفود) [4] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر دمشقی ج ۵ ص ۴۴۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عجم باجگزار۔ خدا کی قسم تم قیصر و کسریٰ کے خزانے کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے[1]۔

اس تقریر سے ذہنی انتشار دور ہو گیا، اور اہل مکہ خدا کے لیے دنیا کی حکومت اور دولت کو فتح کرنے کے لیے پھر ایک جگہ جمع ہو گئے۔ یہ خدا کی حکومت کا تصور اور اسلامی حکومت کے قیام کا یقین ہی تھا جس نے مسلمانوں کو آنحضرت کے ایک فرمان پر جمع کر دیا۔

اس وقت تک جو نظیریں پیش کی گئی ہیں ان کا منشا صرف یہی نہیں ہے کہ اسلام حکومت کی دنیاوی تنظیمات سے براہِ راست تعلق رکھتا ہے بلکہ ثابت یہ کرنا ہے کہ اسلام اور حکومت میں اوّل درجہ کا تعلق ہے۔ مذہب ایک عالمگیر اور فاتح طاقت ہے مگر یہ طاقت حکومت کے تصرفات کو قبول کرنے سے انکار نہیں کرتی بلکہ ان تصرفات کو ضروری امداد سمجھ کر قبول کرتی ہے۔

آنحضرت کی وفات اور خلفاءِ راشدین کی رحلت کے موقع پر حکومت کے تصرفات نے جو صورت اختیار کی اس سے زیادہ کوئی چیز قابلِ لحاظ نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت نے اپنے آخری قیمتی لمحات میں مسلمانوں کے لیے جو منشورِ ہدایات چھوڑا ہے اس میں صاف موجود ہے: اطیعوا اذا امرتم (جب تمہارا اجتماعی نظام اور حکومت قائم ہو جائے تو تم کو اس کا وفادار رہنا چاہیے[2])

اس معاملہ میں عقلوں کو حیرت میں ڈالنے والی بات وہ ہے جس کا ظہور تمام اُمت کی طرف سے پیغمبرِ اعظمؐ کی وفات کے وقت ہوا۔ آنحضرت اپنے پروردگار کے دربار میں تمام عمر کے لیے حاضر ہو چکے ہیں، اس موقع پر اُمت کا سب سے بڑا فرض یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول اور دنیا کے عظیم و جلیل سردار کی تدفین کے مہم کام کی طرف توجہ کی جاتی لیکن اُمت کا ہر فرد اس وقت محض ایک فرض کی ادائگی کے لیے تمام فرائض

---

[1] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۱ ص ۱۲۴، [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۱۹۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے سبکدوش نظر آتا ہے۔ اسلام نے اپنے مذہبی نظام کی قوت سے جو سیاسی نظام اور انتظامی حکومت (ریاست عامہ) قائم کی تھی اس کے لیے رئیسِ عام اور امام کے انتخاب کا مسئلہ شوریٰ میں درپیش ہے۔ نبوت ختم ہو چکی ہے اب خلافت (اسلامی حکومت) کا دور شروع ہوتا ہے، اس لیے تمام اصحابِ نبوت پہلے حکومت کے نظام کے لیے صدر منتخب کرتے ہیں اس کے بعد تدفین عمل میں آتی ہے[1]

صدیق اکبرؓ نے اپنی وفات سے پہلے آخری لمحات میں حکومت کے کام کو ہر دوسرے کام پر ترجیح دی۔ اپنے جانشین کے متعلق دستاویز قلمبند کرائی اور مسلمانوں کی رائے عامہ سے اپنے فیصلے پر منظوری دی۔

فاروق اعظمؓ نے زخمی ہونے باوجود جامعۂ اسلامیہ کے نظام اور انتظام حکومت کی طرف توجہ ظاہر کی، حضرت عمر بن الخطابؓ کی شخصیت کو نظر میں رکھیے، قاتلانہ حملہ کی دہشت پر غور کیجیے۔ امیر المومنین پر حملہ کیا گیا ہے، زخم متعدد ہیں اور ہر زخم سے خون جاری ہے۔ اُمت اور اُمت کا امیر ہر چیز کو چھوڑ کر اور علاج کو نظر انداز کر کے حکومت کے مستقبل کی حفاظت پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے ہولناک حادثے کے بعد بھی اُمتِ اسلامیہ کے افراد نے جو پہلا کام کیا وہ حکومت کے رئیس اور خلیفۂ وقت کے جانشین کا انتخاب تھا۔

غور فرمائیے کیسے کیسے اہم اور تاریخی اوقات میں اول درجہ کے مسلمانوں نے حکومت کے دنیاوی نظام کو ایک بڑے مقصد کے لیے اپنا مقصد بنایا۔ اس مرحلہ پر ہمیں اپنے فقہاء اور علمائے اجتماعیات کے نظریہ کی قدر و قیمت محسوس کرنا چاہیے۔ نماز کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی مقصدِ تخلیق ہے۔ نماز کی امامت کو اس نسبت سے جو اہمیت حاصل ہو سکتی ہے اُس کا اندازہ کرنا آسان ہے۔ نماز کے پہلو بہ پہلو اسلامی حکومت

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۴۸ [2] ایضاً ج، ص ۱۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے منصب کے اعتبار سے امامت کی سیاسی قیادت ہے۔ بظاہر نماز کی امامت کا منصب سیاسی امامت سے زیادہ اہم ہونا چاہیے لیکن ہمارے فقہا اور علما کسی ایک رائے کے اختلاف کے بغیر یہ کہتے ہیں کہ "نماز کی امامت سے اُمت کی سیاسی امامت بڑی چیز ہے۔ اول الذکر امامتِ صغریٰ ہے اور ثانی الذکر امامتِ کبریٰ[1]

اگر اس علمی حکم کے بعد بھی یہ کہا جائے کہ اسلام ترک دنیا کی تعلیم دیتا ہے اور سیاست وسلطنت کے کام میں آگے بڑھ کر حصہ نہیں لیتا تو یہ ایک ایسی جسارت ہوگی جس کو ہر نوع غیر قانونی قرار دیا جائیگا۔

---

[1] ان الخطط الدینیۃ الشرعیۃ من الصلاۃ والقضاء والجہاد والحسبہ کلہا۔ مندرجہ تحت امامۃ الکبریٰ مقدمہ ابن خلدون ج۲ ص ۱۵۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دفعہ ۲

اسلامی حکومت کی عام حقیقت

اسلامی حکومت کی عام حقیقت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ خدا کی بالادست حکومت ہے[1]
اس کا سرچشمہ خدا کا پیغام ہے اور اس کی حقیقت خدا کے حکم میں مرکوز ہے[5]۔

اسلامی حکومت دوسرے درجہ میں ایک عظیم الشان نمائندگی اور نیابتی ذمہ داری (خلافت[2]) ہے جو "حکومت در حکومت" یا "خداداد حکومت" کے اصول پر اپنے حقیقی اقتدار کو ظاہر کرتی ہے اس میں صحیح رہنمائی (امامت کبریٰ) کو زبردست دخل ہے۔ اور اس کو صلاحیت مند انسانوں کی میراث ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

یہ حکومت ایک ایسے اقتدار و اختیار کو برروئے کار لاتی ہے جس کو انسان کے بہترین کاموں کا ثمرہ اور خدا کی نعمت کہنا موزوں ہے۔ اس کا تعلق معاہدۂ ربانی[3] سے ہے۔ انسان ایک ازلی معاہدہ کی رو سے دنیا کے یگانہ خدا کی اطاعت کرتا ہے اور خدا اپنے وعدۂ برحق کے مطابق اپنے بندوں کو حکومت عطا کرتا ہے[4]۔

حکومت کی تعریف | حکومت ایک فعل ہے جس کا سرچشمہ حکم[5] ہے۔ علامہ ابوالبقا حنفی حکم کی تعبیر کے لیے لغت سے امداد لے کر یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ حکم ایک تصرف ہے جس کا

---

[1] دیکھو قرآن حکیم (ان الحکم الا للہ پ۷) (الحکم للہ العلی الکبیر پ۲۴) (الا لہ الحکم پ۷)

[2] بحر المحیط ابو حیان ج ۱ ص ۱۴۲۔

[3] ان العہد ھی الامامۃ۔ عہد کا مفہوم یقینی طور پر امامت و حکومت ہے۔ بحر المحیط ج ۱ ص ۳۷۷

[4] قرآن عظیم پ۱۵ بنی اسرائیل ۷۰۔ روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۸۲-۱۸۳

[5] علامہ زمخشری حکم کے معنی حکومت کرتے ہیں۔ دیکھو (حکما من اھلہ) کشاف ج ۱ ص ۲۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطمح نظر دو پہلو سے سامنے آتا ہے۔ ایک یہ کہ انسان کو ایسا کرنا چاہیے اور دوسرے یہ کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے[1]۔ حکومت کے نصب العین کو خواہ کتنا ہی وسیع کیا جائے وہ امر اور نہی (ایک کام کو کرنے اور ایک کام سے باز رہنے) کے دائرہ سے باہر نہیں جائیگا۔

امام راغب اصفہانی قرآن کے لفظ "حکم" کی تعریف میں کہتے ہیں کہ حکم کی اصل ممانعت ہے یعنی اگر یہ کہا جائے کہ "ایسا اور ایسا نہیں کرنا چاہیے" اور اس امتناع کا مقصد عام صلاح و فلاح ہو تو اس کو حکم کہا جائیگا یعنی حکومت کا ایک فعل۔ اگرچہ ابوالبقاء کی تعریف کے مقابلہ میں یہ تعریف محدود ہے۔ تاہم اسلامی حکومتوں کی ساری تاریخ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ جمہور کو ان امور کا پابند بنانے پر زور دیتی ہیں جن سے عوام الناس کی بہتری کے پروگرام کو تقویت پہنچے۔ امام راغب قرآن کے نظریہ کی وضاحت میں حکومت کو حکم کے صدور کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں اور خدا کی حکومت کو خاص قسم کی حکومت سے تعبیر کرتے ہیں[2]

ان تصریحات سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں ملک اور مملکت کی روح حکومت ہے۔ اور حکومت کی روح "حکم" اسلامی نقطۂ نگاہ سے حکومت اور مملکت میں فرق ہے۔ مملکت ایک نظام ہے اور اپنی حدود پر حاوی ہے اور حکومت اس کی جان ہے۔ زمانۂ حال کے علماء نے بھی حکومت و مملکت میں فرق کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مملکت آقا ہے اور حکومت اس کا آلۂ کار (غلام) یا فرمانبردار کارندہ۔ یہ خیال اصلاً غلط ہے۔ کیونکہ اس کے حامیوں نے حکومت کی اصل (حکم کی قوت) اور اس روح کی طرف دھیان نہیں دیا جس کا رجحان ہمیشہ غلبہ کی طرف رہتا ہے۔

---

[1] کلیات العلوم ابی البقاء الحسینی الحنفی (الحکم) باب الحاء ص ۲۸۰۔ [2] امام راغب نے اپنی تائید میں امام اعظم ابوحنیفہ کا قول بھی پیش کیا ہے۔ دیکھو مفردات امام راغب لفظ "ملک" ص ۱۲۵۔ طبع خیریہ۔ کلیات العلوم ابوالبقاء لفظ الحکم ص ۲۸۰ مطبوعہ عامرہ ۱۲۸۶ھ استنبول۔ مفردات امام راغب "الحکم" ج ۱ ص ۲۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدید زمانے کے علماء نے ایک اور غلطی کی ہے، وہ یہ بھی سمجھ بیٹھے کہ حکومت بدلتی رہتی ہے اور سلطنت مدت تک باقی رہتی ہے۔ اُن کی یہ غلطی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ حکومت اور حکومت کی ہیئت یعنی حکمرانوں کی جماعت میں فرق نہیں کر سکے۔ نظریہ ربانی یہ ہے کہ حکومت اپنے مرکزِ اقتدار میں ہمیشہ مستقل اور مسلسل باقی رہتی ہے۔ بدلنے والی چیز حکومت نہیں بلکہ حکومت کی وہ جماعت ہے جس کے ہاتھ میں مکان و زمان کی قید کے ساتھ حکومت وقتی طور پر رہتی ہے۔ روح یعنی حکومت ایک شخص اور ہیئت سے دوسرے شخص اور اولوالامر کی جماعت کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے کسی حالت میں ختم نہیں ہوتی۔

قرآن حکومت اور حکم کو آسمانی اقتدار کا جوہر سمجھتا ہے۔ انسان میں جو اختیار آتا ہے وہ بھی اسی جوہر کا فیض ہے۔ اس جوہر کا جو عطیہ انسان تک پہنچتا ہے وہ اس وقت تک مستقل باقی رہتا ہے جب تک کہ اس کے لیے مظاہرِ خارجی میں صلاحیت مند قالب یا ہیئت موجود ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ اپنے اصل سرچشمہ کی طرف لوٹ جاتا ہے اور سازگار زمانہ اور صلاحیت مند قوم کا انتظار کرتا ہے۔

قانونی تشریحات اسلامی حکومت کی عام حقیقت کا اظہار سب سے پہلے "اسلام" کے موثر لفظ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر اسلام دین و مذہب کی حیثیت سے معجزہ ہے تو اسلامی حکومت سیاسی اصول کے لحاظ سے ایک مستقل اعجاز جس طرح اسلام خود اپنا نمونہ آپ ہے اسی طرح اسلامی حکومت بھی اپنی عام حقیقت کی آپ مثال ہے۔

اسلام کا مفہوم کیا ہے؟ حکومتِ الٰہی کے احکام کی حکمبرداری[1] مکمل اطاعت[2] اور امن و سلامتی کے نظام کا قیام[3]۔ اس مفہوم ہی سے یہ ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت کی حقیقت

---

[1] دیکھو فقہ اکبر جو امام اعظم کے نام سے منسوب ہے الاسلام ھو التسلیم والانقیاد لاوامر اللہ تعالیٰ۔ شرح فقہ الاکبر امام ناصر السنۃ ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) ص ۹، طبع دار الکتب العربیہ مصر۔

[2] کلیات العلوم، ابو البقاء حنفی (اسلم) ص ۳۷۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے کہ خدا کے حکمبردار اور صالح بندے مل کر دنیا کی شیرازہ بندی کے لیے متوجہ ہوں اور خدا کی حکمبرداری کے قانون (اطیعوا اللہ) کے پابند بن کر اپنے اجتماعی واجبات کو پورا کریں۔

قرآنِ عظیم کے نظریات

قرآن جو حکومت کا سرچشمہ ہے، سلطنت کا ضابطہ، اور اخلاق و تمدن کا اساسی آئین ہے۔ میں سے زیادہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جن کا تعلق حکومت اور متعلقاتِ حکومت سے ہے۔ قانون و آئین کی اس کتابِ مُبین میں حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ کے لیے ملکوت کا لفظ موجود ہے۔ ریاست و مملکت کے لیے ارض اور ملک۔ حکومت کے لیے امانت، وراثت، خلافت، امامت، ولایت، امارت، نعمت، عہد، رُشد، عزت اور قوت اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے حکومت کی غایت بھی معلوم ہوتی ہے۔ حکومت و مملکت کا ذکر بھی تفصیل سے موجود ہے۔ اس ضمن میں قرآن کے صفحات پر فتح و نصرت، تسخیر، تسلط، غلبہ، تمکین اور استعمار کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

یہ الفاظ جابجا قرآن کے قانونِ مسطور (ضابطۂ تحریری) میں موجود ہیں، علماء قرآن کی تشریحات کا جائزہ لینے سے کسی لفظ کے متعلق یکجا اور کسی لفظ کے متعلق منتشر ذخیرہ ایسا ملیگا جس سے پہلی مرتبہ یہ یقین پیدا ہوگا کہ ان میں سے ہر لفظ کا تعلق حکومت سے ہے اور ہر لفظ حکومت کی حقیقت کو ایک مستقل نظریہ کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

یہاں قرآن حکیم کے چند مخصوص الفاظ زیرِ بحث لائے جاتے ہیں تاکہ ان سے اسلامی حکومت کی حقیقت کے سمجھنے میں امداد مل سکے۔ باقی الفاظ کے متعلق مناسب موقع پر تصریحات مل سکینگی۔

حُکم | سب سے پہلے اسلامی حکومت کی حقیقت کا اظہار قرآن کے لفظ حُکم سے ہوتا ہے قرآن میں جابجا "حکم" کا ذکر ہے اور اس سے حکومت مراد ہے۔ متعدد آیتوں میں خدا کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کو حکم کے اصطلاحی الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے اور متعدد سورتیں ایسی ہیں جن میں خدا کے پیغمبروں کی نیابتی حکومت کو (حکم) سے تعبیر کیا گیا۔

قرآن میں ایک جگہ ذکر ہے: اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (پ۷) حکومت کسی کا حق نہیں مگر خاص خداوند بلند وبرتر کا۔ دوسری جگہ ہے: وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا خدا کے حق حکومت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ تیسری جگہ مذکور ہے: فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ (پ۲۴) حکومت کا منصب خدائے بلند وبزرگ ہی کے لیے ہے۔

ایک دوسرے موقع پر پیغمبروں کی ان حاکمانہ نیابتی ذمہ داریوں کا تذکرہ ہے جو خدائے واحد کی طرف سے عطا کی گئی ہیں۔ یہاں پہلے یہ ذکر ہے کہ لوط کو حکومت کا منصب حاصل تھا، اس کے بعد داؤد وسلیمان کی حکومت پر گواہی دی گئی ہے۔ اسی موقع پر یہ اعلان ہے کہ انبیاء کو پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں۔

کتاب (مجموعۂ قانون) حکم (منصب حکومت) نبوت (معاشی ضروریات اور دنیا کی سرداری[1]

قرآن حکیم میں ایک جگہ اللہ کی حکومت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمانہ ذمہ داریوں کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: وان حکمہ فی الحقیقۃ حکم اللہ عز وجل[2] (اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی حکومت درحقیقت خدا کی حکومت ہے۔

مندرجہ بالا آیات کے مطابق اسلامی حکومت کی عام حقیقت کو دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

حکومتِ الٰہی (خدا کی بالادست حکومت) خلافتِ الٰہی (وہ حکومت جو خدا کے پیغمبروں اور اس کے جانشینوں کو نیابت کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔ قرآن میں حکومت کی اس حقیقت کو خلافت اور امامت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علماء اسلام نے اسی حکومت کو

---

[1] بحر المحیط ابوحیان ج ۶ ص ۳۲۰۔ [2] روح المعانی ج ۲ ص ۱۷۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاستِ[1] عامہ کا نام دیا ہے۔

امانت قرآن میں حکومت کے لیے امانت کا لفظ بھی موجود ہے۔ یہ ایک اصطلاح ہے جو انسان کو سمجھنے پر آمادہ کرتی ہے کہ حکومت انسان کے ہاتھ میں ایک سنگین امانت ہے[2]۔

اس نظریہ کے مطابق حکومت کی حقیقت کا اظہار امانت کے لفظ سے ہوتا ہے۔ حکومت کسی شخص کا ذاتی فعل نہیں ہے بلکہ ایک خدائی امانت ہے اس امانت کا تحمل کرنے والا ایک برتر ذات کے سامنے جواب دہ اور عوام کے سامنے مسئول ہے۔

اس کا ہر فعل ایک قانونی حق ہے۔ ہر حق کے ماتحت ایک ذمہ داری ہے اور ہر ذمہ داری ایک امانت ہے۔ خدا کی امانت اور جمہور امت کی امانت، جب تک حکومت کا ہیئت اس تصور کے ماتحت اپنے فرائض انجام دیگا، اسلامی سوسائٹی کا رئیس متصور ہوگا اور جب اس کے خلاف اپنی شخصی رائے سے کام کریگا تو حکومت کا مقدس قانونی رجحان ختم ہو جائیگا اور جمہوریہ کہنے میں حق بجانب ہونگے کہ حکومت اپنی اعلیٰ حقیقت سے محروم ہو چکی ہے۔

علامہ زمخشری کے نزدیک امانت عظیم القدر سنگین اور گرانبار ذمہ داری ہے امانت سے مراد اطاعت ہے۔ اللہ کے حکم اور اتباعی احکام کی اطاعت[3]۔

علامہ ابو حیان[4] غرناطی کے الفاظ میں انسان عظیم و جلیل ذمہ داریوں کا مکلف ہے ان کا صحیح احساس اور اس احساس کے ساتھ ساتھ خدائی حکومت کے احکام سے وفاداری امانت ہے۔ جب تک حکم کی اطاعت کی جائیگی امانت باقی رہیگی کیونکہ آغاز تخلیق سے امانت کا تعلق حکومت سے رہا ہے[5]۔

---

[1] رد المختار ابن عابدین ج ۱ ص ۵۱۱ (باب الامامۃ   [2] حجۃ اللہ البالغہ امام شاہ ولی اللہ الدہلوی۔ دیکھو نظریہ بیضاوی اور نظریہ غزالی باب سر التکلیف ص ۱۹۔ سیاست الاعوان ص ۳۶۔

[3] کشاف زمخشری: انا عرضنا الامانۃ الخ ج ۳ ص ۲۴۹۔ دیکھو مفہوم کلام

[4] ابو حیان رحمۃ ۶۵۴ھ ۷۵۴ھ   [5] بحر محیط ج   ص ۲۵۳-۲۵۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زید ابن اسلم اور جبائی کی تحقیق یہ ہے کہ نظریۂ امانت کا تعلق حکومت کے کارپردازوں سے ہے، امانت یہ ہے کہ حکومت کی ذمہ داری اور عوام کے حقوق کے لیے فرض شناسی کے ساتھ کام کیا جائے اور اُن کو مذہب اور قانون کے مطابق پورا کیا جائے۔

قرآن نے جہاں امانت کی ادائگی کا حکم دیا ہے وہاں یہ بھی حکم ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان حکومت کے کام کو چلاؤ تو انصاف کو مدنظر رکھو[1]

حدیث اور تاریخی آثار سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ حکومت کی حقیقت کے اظہار میں امانت کو بڑا دخل ہے۔ حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ میں نے سردار دو عالم سے عرض کیا کہ مجھے بھی حکومت کا کام سپرد کیا جائے۔ اس کا جواب ملا (انها امانة)[2] "ابوذر حکومت امانت ہے" یہ ہر شخص کو نہیں دی جاسکتی۔ اس کی تائید امیر المومنین حضرت علیؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ خدا کے قانون کے مطابق حکومت کرے، امانت کو ادا کرے۔ جب امام اس طرح حکومت کا فرض انجام دے تو عوام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کے حکم کو سنیں اور اطاعت کریں اور جب وہ میدانِ عمل میں بلائے تو اس کی آواز پر لبیک کہیں"

امیر المومنین فاروق اعظمؓ کا قول ہے "جو شخص حکومت کی ذمہ داریوں کو مناسب صورت میں تقسیم نہیں کرتا وہ اللہ، رسول اور مسلمانوں کے حق اور ان کی امانت میں خیانت کرتا ہے[3]

علامہ ابن تیمیہؒ اچھی حکومت کے دو ستون قرار دیتے ہیں۔ امانت[4] اور انصاف، اس

---

[1] اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل [2] کتاب الاموال امام ابو عُبید قاسم بن سلام (۱۵۴ھ – ۲۲۴ھ) ص ۴ [3] ایضاً ص ۴-۵

[4] السیاسۃ الشرعیہ ابن تیمیہ ص ۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ثابت ہوتا ہے کہ امانت کا اساسی مفہوم حکومت ہے اور اچھی حکومت کے آئینہ میں امانت ایک مؤثر عنصر کی طرح کارفرما ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی حقیقت کے اظہار میں امانت ایک مؤثر عنصر کی طرح کارفرما ہے۔

وراثت اسلامی حکومت کی حقیقت کا اظہار وراثت کے لفظ سے بھی ہوتا ہے قرآن کی رو سے حکومت صالحین[1] کی میراث ہے نسلِ انسانی کے جو افراد قانون کے مطابق صحیح معنی میں نیک کردار اور بہترین صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ اگر وہ دنیا کے کسی حصہ میں موجود ہیں تو روئے زمین کی سلطنت اُن کا حق اور میراث ہے اور اُنھیں اس میراث پر قابض و متصرف ہونا چاہیے۔

یہ ایک ازلی قانون ہے جس کا ذکر مقدس صحیفوں میں موجود ہے۔ زبور نے اس کو تحریری قانون کی صورت میں پیش کیا ہے[2]۔ قرآنِ حکیم نے انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تصدیق کی ہے اور اسے ہمیشہ کے لیے ایک مستقل قانون بنا دیا ہے[3]۔

حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ وراثتِ ارض سے تمام روئے زمین مراد ہے جس کے

---

[1] (الصالح، هو الخالص فی کل فساد) دیکھو تعریفات سید شریف طبع استانہ ۱۳۲۷ھ

[2] دیکھو زبور کی کتاب (بائیبل سوسائٹی لاہور) (۵-۱۰ ۱۲) ص ۹۴۔ خدا کا عہد میں ارض کنعان تجھے دیتا ہوں یہ تیری میراث کا حصہ ہے۔

[3] کشاف زمخشری ج ۳ ص ۲۲ حوالہ بالا میں حسب ذیل تین آیتیں مذکور ہیں :-

(ا) ان الارض یرثها عبادی الصالحون۔ یقیناً روئے زمین کے وارث میرے صالح اور صلاحیت مند بندے ہونگے (انبیاء ۱۰۵ پ ۱۷)

(ب) واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض ومغاربها۔ ہم نے اس قوم کو وارث بنایا جو مشرق و مغرب کے اطراف میں بے اقتدار اور کمزور تھی۔

(ج) ان الارض یورثها من یشاء من عباده (موسیٰ علیہ السلام کا قول) یقیناً حکومتِ ارضی کا وارث وہ ہوتا ہے جس کو خدا اپنے بندوں سے انتخاب کرتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالک مسلمان ہونگے۔ اور جس کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں آئیگی۔ علامہ زمخشری قرآن کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زبور داؤد اور قرآن کا نوشتہ یہ ہے کہ روئے زمین سے باغیوں کے اقتدار کو ختم کر دیا جائیگا اور ایماندار انسان اس کے وارث ہونگے۔[1]

ابو حیان غرناطی تصریح کرتے ہیں کہ وراثت اسلام کے فرمانبردار انسانوں کی حکومت کا نام ہے۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت[2] کو حاصل ہوگی۔

نظریہ وراثت کی رو سے مسلماں ایک صالح، اصلح اور صلاحیت مند قوم ہیں حکومت ان کی میراث ہے۔ جب تک مسلمان اپنے تمام عقائد و اعمال کے ساتھ حقیقی معنی میں مسلمان ہیں۔ زمین ان کی میراث ہے اور ان کے قبضے میں ہونی چاہیے۔ اسلام صلاحیت کا معیار ہے۔ اس معیار کی موجودگی میں کوئی قوم ان کی میراث پر جائز قبضہ کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

نعمت | اسلامی حکومت کی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ یہ سیاسی سوسائٹی کا شیرازہ قائم کرتی ہے، دشمنوں کو دوستی کا سبق دیتی ہے۔ انسانوں میں قانونِ اخوت کو جاری کرتی ہے۔ اس کائنات میں ہر ضروری شے ایک نعمت ہے۔ چونکہ حکومت ایک موثر شے ہے اس لیے سب سے بڑی نعمت[3] ہے جس طرح کائنات کے لیے خدا کا پیغام (نبوت) نعمتِ عظمیٰ ہے اسی طرح اس پیغام کے ماتحت جو حکومت قائم ہوتی ہے وہ بھی بے مثال نعمت[4] ہے۔

قرآن میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ ہم نے تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مسلمانوں کو فتح دی گئی، حکومت دی گئی، جاہلیت کے

---

[1] روح المعانی ج ۱۷ ص ۹۵ [2] بحر المحیط ج ۶ ص ۳۴۴ [3] روح المعانی ج ص ۴۹ (خلافت ارضی نعمت عامہ) دیکھو جلد ۱ ص ۲۰۰ [4] اذکروا نعمت اللہ علیکم (مائدہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منار کو منہدم کرنے کا موقع دیا گیا[1]

قرآن میں ایک مقام پر امامتِ ابراہیمی کو مطیع اور نعمتوں پر شاکر کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس جگہ امامتِ ابراہیمی کے ساتھ نعمت کا بھی ذکر ہے، اور دنیا کے عطیہ کا بھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت بھی دنیا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور خدا کا پسندیدہ عطیہ ہے[2]۔

علمارِ اُمت کے نظریات

اسلامی حکومت کی عام حقیقت کے متعلق علمار اسلام نے جستہ جستہ جن آرا کا اظہار کیا ہے اس سے ہمارے علم و فکر کی صحیح رہنمائی ہوتی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی حکومت کی اصل نبوت ہے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ یہ حکومت الہام کی قوت سے فیضیاب ہے[3]

امام ابو یوسفؒ کی تصریحات کے مطابق حکومت، ایک عظیم اور منجانب اللہ ذمہ داری ہے جس کا تعلق اُمت کی مجموعی ہیئت سے ہے[4]

علامہ ابن قیم الجوزی کی پیش کردہ ایک قانونی نظریے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ایک حاکمانہ قوت ہے جس کو اجرائے احکام کا اختیار حاصل ہوتا ہے[5]

محمد ابن الطقطقی اپنی تصنیف میں حکومت کو ریاست کی حیثیت دیتا ہے۔ اس طرح اس کے اقتدار کی عمومیت اور اس کی شان کو ظاہر کرتا ہے[6]

---

[1] روح المعانی ج ۱ ص ۵۴ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۹۰ مزید تفصیل کے لیے دیکھو ص ۵۸۰-۵۸۹۔ [3] مجمع الزوائد و منبع الفوائد حافظ علی الہیثمی (۸۰۷ھ) ج ۵ ص ۱۸۹۔ کتاب الخلافۃ (باب کیف بدء الامامۃ) [4] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صاحب الامام ابی حنیفہ موعظۃ المولف ص ۳۔ [5] الطرق الحکمیۃ علامہ ابن الجوزی (۷۵۱ھ) طبع الآداب والمؤید بمصر (۱۳۱۷ھ) [6] الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ محمد ابن الطقطقی ص ۱۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن تیمیہ کی تصریح یہ ہے کہ حکومت ایک بہترین تنظیم ہے جس کا ذمہ دار اعلیٰ بہترین ہوتا ہے۔ حکومت کی مضبوط عمارت کے دو محکم ستون ہیں، قوت اور امانت حکومت کو طاقتور ہونا چاہیئے اور حکومت کو ان ذمہ داریوں کا پابند ہونا چاہیئے جو خدا اور خدا کے بندوں کی امانت کے طور پر اس کے ساتھ وابستہ ہیں[1]

علامہ ماوردی شافعی کی رائے میں حکومت مفوضہ قانونی (شرعی) ذمہ داری ہے جس کی زمام زمانہ کے مدبر کے ہاتھ میں ہوتی ہے[2]

---

[1] السیاستہ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ ص ۶ طبع خیریہ ۱۳۲۲ھ

[2] الاحکام السلطانیہ ابو الحسن الماوردی باب فی عقد الامامۃ ص ۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومتِ اعلیٰ

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (۱)

دفعہ (۳)

حکومتِ بالا دست (Paramomount Power)

حکومتِ الٰہی — اسلام کی حکومت اپنے اختیار و اقتدار، اپنی زندہ اور کارفرما طاقت، اپنی مذہبی تشکیل و تنظیم اور اپنی اجتماعی شیرازہ بندی کے لحاظ سے عرشِ عظیم کے فرمانروا کی حکومت ہے جو اعلیٰ اور بالا دست حکومت کی حیثیت سے حکومتِ الٰہی (خدا کی حکومت) کے نام سے سرفراز ہے۔ اس حکومت کی رو سے دنیا ایک تکوینی وجود ہے۔ انسانی نظام ایک ربانی نظام ہے۔ حکومت ایک بلند پایہ ربانی حق ہے اور حکم ایک ربانی فعل ہے۔

دنیا کے انسان مجتمع ہو کر ایک بہترین معاشرہ قائم کرتے ہیں۔ خدا کی بالا دست طاقت اس پر حکومت کرتی ہے حکومت خدا کی چیز ہے اور وہ اس کو دے بھی سکتا ہے اور دے کر واپس بھی لے سکتا ہے۔[۲]

---

[۱] حکومت اللہ ہی کی ہو جو بالا دست اور بڑا ہے۔

[۲] توتی الملک الخ قرآن آل عمران۔ کشاف زمخشری ج ۱ ص ۱۸۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمانروائے اعلیٰ

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

اللہ فرمانروائے اعلیٰ اور شہنشاہ برحق ہے

دفعہ (۴)

حاکم بالادست

حکومت و سلطنت میں سب سے پہلی ہستی فرمانروائے اعلیٰ ہے۔ اسلامی حکومت اپنی موثر تنظیمات، اپنے احکام و قوانین کے اجرار اور اپنے اقتدار کے دائرہ میں خداوند تعالیٰ کی واحد ہستی کو فرمانروائے اعلیٰ (حکومت کا اصل مالک) سمجھتی ہے۔ یہ ہستی اعتقاد کا مرکز، اعمال کا محور، ضابطہ و دستور کا سرچشمہ، سیاست و سلطنت کا مبدأ، عاملانہ تدبر، حکیمانہ انصاف اور حاکمانہ تشکیلات کا مرجع اول ہے۔

اُس نے دنیا کو پیدا کیا ہے اور دنیا کی طرح حکومت کو بھی پیدا کیا ہے۔ حکومت اس کے فعل کا نام ہے اور حکم اس کے قانون کا جوہر ہے۔ اس کی اعلیٰ طاقت نظام حکومت کی روح ہے اور اس کا قانونی ارادہ سلطنت کی عام تنظیم و ترقی کی حقیقت ہے۔ وہ اپنی بلند و برتر، مبارک و معزز، غالب و حاوی، غیر معمولی مگر واحد ــ یگانہ و یکتا ــ ہستی کے اعتبار سے حکومت کی فرض شناسی اور جد و جہد کا نشان امتیاز ہے۔ وہ ایک حقیقی وحدت ہے جس کے نام پر قوموں اور ملتوں، ملکوں اور مملکتوں، طبقوں اور جماعتوں، مذہبوں اور سیاسی مسلکوں کی تمام تقسیمیں سمٹ کر ایک ہو جاتی ہیں اور اپنے عالمگیر توحد کے لیے اپنے فطری رجحان کو ظاہر کرتی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دفعہ (۵) "فرمانروائے اعلیٰ کے نام"

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى[1]

اسلامی حکومت کے فرمانروائے اعلیٰ کی حیثیت سے خداوند تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یہ ہیں

(ا) رب العالمین[2] — فرمانروائے عالم (قرآن ۲/۱)

(ب) الملك القدوس — مقدس بادشاہ (قرآن ۲۳/۵۹)

(ج) الملك الحق — بادشاہ برحق (قرآن عظیم[3] ۱۱۶/۲۳)

(د) مالك الملك — فرمانروائے مملکت (۲۶/۳)

(ہ) احکم الحاکمین — حکمرانوں کا حکمراں (۴۵/۱۱)

(و) خیر الحاکمین — بہترین حکمراں (قرآن عظیم ۱۰۹/۷ ۸۰/۱۲)

(ز) ملك الناس — انسانیت عامہ کا فرمانروا (۲/۱۱۴)

(ح) رب العرش العظیم — عرش عظیم کا فرمانروا (۱۲۹/۹)

دفعہ ۶ فرمانروائے اعلیٰ کی خصوصیات[1]

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[4]

اسلام کی حکومت کا فرمانروائے اعلیٰ بذات خود ایک اعلیٰ مثال ہے (۲۷/۳۰) جس کی کوئی مثال موجود نہیں (۱۱/۴۲) بلند و بالادست اور برحق حکمران ہے (۱۱۶/۲۳) ہر دن نئی شان کا

---

[1] اللہ کے نام پسندیدہ ہیں [2] رب العالمین اپنے ایک خاص اور مستقل مفہوم کے لحاظ سے فرمانروائے عالم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دیکھو البحر المحیط امام ابوحیان اندلسی ج ۱ ص ۱۸۔ روح المعانی علامہ آلوسی ج ۱ ص ۳، (رب العالمین) [3] قرآن عظیم کی جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کو ملاحظہ کیجیے ۳/۴۵ میں ۴۵ سے مراد سورت ہے اور ۳ سے آیت ہے، باقی حوالے بھی اسی طرز پر ہیں۔

[4] اللہ اپنی حکومت کے کاموں میں غالب ہے لیکن انسانی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالک ہے (۲۹/۵۵) اپنے کام میں غالب ہے (۲۱/۱۲) اپنے حکمبردار افراد پر بالادستی رکھتا ہے (۱/۶) انسان کی معاشی ضروریات کا ذمہ دار اور مضبوط قوت والا (۵۸/۵۱) حق ہے عالی مرتبہ ہے، بڑا ہے (۶۲/۲۲) رب العرش (تخت اقتدار کا پروردگار ہے (۱۱۶/۲۳) حکمراں ہے، یگانہ ہر (۲۶/۲۸) باقی رہنے والی جلالت اور منزلتِ عامہ کا مالک ہے (۲۷/۵۵) قرآن حکیم۔

دفعہ (۷)۔ فرمانروائے اعلیٰ کے حقوق۔ اختیارات

هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ[1] (۱/۶)

اسلام کے نظامِ حکومت میں فرمانروائے اعلیٰ کے حقوق و اختیارات سے مراد یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ کی طرح سیاست وسلطنت کے دائرہ میں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہے۔ شاہانہ تصرفات کا حق رکھتا ہے اور مختارِ کل ہے (۱/۳) اگرچہ وہ سب کو دیکھتا ہے اور اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا (۱۰۳/۶) مگر حکومت اس کا خاص حق ہے (۴۰/۱۲) اسی کا حکم چلتا ہے (۱۲/۴۰) وہ اپنے عرشِ حکومت سے حکومت کرتا ہے (۳/۱۰) اس کا حکم زمین و آسمان ہر جگہ اپنا کام کرتا ہے (۵/۳۲) اس نے معزز، مقتدر اور فرمانروائے عالم کی حیثیت سے روئے زمین کو انسانیت کا وطن بنایا، انسانی زندگی کی تصویر احسن بنائی۔ معاشی لوازم پر انسان کو اختیار دیا (۶۴/۴۰)

اس نے اپنے اختیار سے بنی آدم کی عظمت کو قانونِ محکم کی صورت دی خشکی کی سواریاں اور سمندر کے بحری بیڑے اس کے ہاتھ میں دیے اور معاشی ضرورتوں کے خزانوں سے مالا مال کیا، اور روئے زمین کی اکثر چیزوں کے مقابلہ میں بلند پائیگاہ بنایا (۷/۱۷) وہ اپنی بالادست اور اعلیٰ حکومت کے ماتحت انسان کو نمائندہ حکومت کا اختیار دیتا ہے (۳۹/۳۵) اور اپنے پیدا کیے ہوئے انسانی معاشرہ کے ہر رکن کو قانونِ عدل کے مطابق

---

[1] اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزاو سزا دینے کا اختیار رکھتا ہے (۲/۵۴) اس کے نظامِ تخلیق کا کوئی شعبہ بیکار نہیں (۱۹/۲۱) دنیا کا نظام اس کے حکم سے قائم ہے (۲۵/۳۰) سمندر کے بحری بیڑے اس کے حکم سے حرکت کرتے ہیں (۶۵/۲۲) اور دنیا کی ہر شے اس کے حکم سے انسان کے تصرف میں ہے (۱۳/۴۵) قرآن حکیم

قانونی تشریحات

اسلام کی حکومت اپنی سیاسی اور قانونی حیثیت میں فی نفسہ تمام حکومتوں کے مقابلہ میں جداگانہ اور خاص وجود رکھتی ہے۔ وہ اپنی بالادست حاکمیت کے اعتبار سے عصرِ حاضر اور عصرِ قدیم کے تمام انسانی نظریوں سے علیحدہ اپنا نظریہ مستقل قائم کرتی ہے۔ اسلامی حکومت سب سے پہلے اعتقاد اور اعمال کے لیے ایک ایسی بااختیار ہستی کی حکمبرداری کا نظریہ پیش کرتی ہے جو اپنی مافوق العادہ اور حقیقی بالادستی کی بنا پر تمام انسانوں سے بالاتر اور تمام انسانوں کو بشرطِ اطاعت واستقامت برابر کا درجہ دیتی ہے۔

خدا کی حکومت کی بالادستی کو ماننے کے معنی یہ ہیں کہ تمام دنیا ایک بالادست وجود کے سایہ میں آباد ہے۔ تمام انسان انسانیت میں برابر ہیں۔ جملہ انسانوں کے حقوق یکساں ہیں۔ ہر انسان اپنے برابر کے درجہ کے انسان کی غلامی سے آزاد ہے۔

حکومتِ اعلیٰ کا اختیار خدا کو حاصل ہے۔ اس اختیار میں شرکت کا دعویٰ ایک سرکشی اور طغیان ہے، جس کا مقابلہ کرنا خدا کے تمام آزاد، مساوی درجہ اور حکمبردار بندوں کا فرض ہے۔ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ ایک مطمحِ نظر ہے جس کا مقصد و منشا یہ ہے کہ انسانی عقائد اور اعمال، رجحانات اور نظریات کے لیے ایک مرکزِ حقیقی پیدا ہو جائے۔ دنیا آج تک اختیار واقتدار کے جن مرکزوں کو تسلیم کرتی ہے وہ عقلاً ناقابلِ فہم ہیں۔ انسان کے لیے یہ بات کہیں زیادہ قرینِ عقل ہے کہ اپنے ہمسر اور برابر کے انسانوں کی جگہ اس خدا کو حکومت کا مرکز تسلیم کرے جو بلند و برتر ہے اور تمام انسانوں کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یکساں مالک ہے۔ اسلامی حکومت ہی وہ قانونی حکومت ہے جو خدا کی بالادست حکومت کو حکمت عملی کا سرچشمہ سمجھتی ہے۔

خدا کی دنیا میں خدا کے نمائندے (رسول) جس نظریہ حکومت کو پیش کرتے رہے ہیں۔ اس کا تعلق سرتاسر خدا کی بالادست حکومت ہی سے رہا ہے۔

ہم مسلمانوں کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہستی عظیم و جلیل امام و رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کے فرمان کی رو سے ان کو حکومت و امامت کا منصب حاصل تھا۔ یہ منصب بھی خدا کی بالادست حکومت کے اعلیٰ تصورات ہی کا ثمرہ تھا۔

قرآن میں خداوند برتر کا فرمان ہے کہ ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کے اقتدار اعلیٰ کا نظارہ دکھایا[1]۔ خود ابراہیم علیہ السلام درخواست پیش کرتے ہیں: رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ اے حکمرانِ اعلیٰ! مجھ کو منصب حکومت پر سرفراز فرما اور مجھے دنیا کے اچھے انسانوں کی سوسائٹی میں جگہ مرحمت کر[2]۔

قرآن کے فرمان اور دعائے ابراہیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت و اختیار کا سرچشمہ خدا کی بالادست حکومت ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں جب تمام عرب خدا کے تصور سے بیگانہ ہو گیا تھا مکہ میں ایک خفیہ سوسائٹی قائم ہو گئی تھی، اس کے چار رکن تھے۔ ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید بن عمرو بن نفیل۔ اس کے ارکان نے یہ عہد کیا تھا کہ قوم بالکل گمراہ ہو گئی ہے اس لیے ہم مل کر ابراہیمی تحریک کو زندہ کریں گے۔

ان میں سے زید نے یہ اعلان کیا "میں ابراہیم کے دین پر قائم ہوں" اس اعلان کی ان کو کافی سزا ملی لیکن انھوں نے پھر ان الفاظ میں ابراہیمی طرح نظر حکومتِ اعلیٰ کا اعلان کیا۔

---

[1] قرآن عظیم سورۃ الانعام (وکذٰلک نری ابرٰھیم الخ) [2] سورۃ الشعراء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"میں فرمانروائے واحد کو تسلیم کروں یا ہزاروں کو۔ ایسی حالت میں جبکہ دینی امور کا شیرازہ بکھر گیا ہے"۔ زید کے قصیدہ کا ایک زبردست شعر یہ ہے۔

الی الملک الاعلی الذی لیس فوقہ　　الٰہ ولا ربٌ یکون مدانیا

میں اس فرمانروائے اعلیٰ اور شہنشاہ بالادست کی جناب میں تعریف وتحسین کا ہدیہ بھیجتا ہوں جس کے بعد نہ کوئی بالادست معبود ہے اور نہ فرمانروا اور پروردگار[1]

یہ عہد جاہلیت کا واقعہ ہے ظہور اسلام کے بعد اسلامی تصورات صاف طور پر نمایاں ہوگئے اور خدا کی بالادست حکومت کا یہی نظریہ حکمت عملی کی صورت میں نظر آنے لگا۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا حکم یہ ملا تھا: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (تم کو جو حکم دیا جائے اس کی تعمیل کرو۔ علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ اس فرمان میں (خدا کی بالادست حکومت کا تصور بھی موجود ہے) وہ امر کے متعلق لکھتے ہیں "ھو امر اللہ تعالیٰ"[2] امر سے مراد خداوند اعلیٰ و برتر کی حاکمیت ہے" یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی تنظیم وتدبیر کے کام میں شہنشاہ نہ تھے بلکہ حکومتِ بالادست کے نمائندے تھے۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ مکہ کے امرا اور سرداروں نے جمع ہو کر کہا کہ ہم آپ کو شہنشاہ بنانے کے لیے تیار ہیں تو آپ نے شہنشاہیت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا میں نہ سرمایہ دار بننا چاہتا ہوں، نہ شہنشاہیت کا حریص ہوں بلکہ میں خدا کا نمائندہ ہوں اور اس کے حکم سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر رہا ہوں میں تمہارے واسطے دنیا بھی لایا ہوں اور دنیا کے بعد کی زندگی بھی۔ اگر تم سرتابی کرو گے تو میں اس وقت کا انتظار کرونگا جب خدا کی حکومت منظرِ عام پر آئیگی اور خدا کا حکم فریقین میں فیصلہ کر دیگا۔[3]

ابن اسحق کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ منیٰ میں بلاد عرب کے نمائندوں کے

---

[1] زید نے اپنی اس نظم کو غیر معمولی قوت کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا ہے مکمل نظم کے لیے دیکھو سیرت ابن ہشام۔ [2] روض الانف سہیلی ج ۱ ص ۱۴۸۔ [3] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۷ (اسلام حمزہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے ایک تقریر کی، آپ نے اس میں دنیا کو اسلام کی طرف آنے کی دعوت دی، اس کے بعد ایک ایک قبیلے کے پاس پہنچے۔ ایک قبائلی عرب بحیرہ بن فراس نے سمجھا کہ آپ اپنی شہنشاہیت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس نے آپ سے بے واسطہ گفتگو کی اور کہا: اگر ہم تمہاری رعایا بن جائیں، تم سے تعاون کریں اور آپ اپنے دشمنوں پر غلبہ و تسلط حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تمہارے جانشینِ حکومت قرار دیے جائیں۔ آپ نے اس کا جواب یہ دیا: الامر الی اللہ یضعہ حیث یشاء[1] (حکومت کا معاملہ خدا سے متعلق ہے، وہی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ حکومت کس کو ملیگی اور کس کو نہیں)

آپ کا یہ جواب درحقیقت قرآن کے اس فرمان کے عین مطابق تھا کہ "حکومت خدا کی چیز ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کے ہاتھ سے چاہتا ہے نکال لیتا ہے" یہی وہ نظریہ ہے جو عہدِ رسالت اور عہدِ خلافت میں کارفرما تھا۔ اور جس سے موروثی بادشاہت کی تردید ہوتی ہے۔

اسلامی دور کی تمام تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ اسلامی تصورات کا پہلا مرکز ایک ایسے فرمانروائے اعلیٰ کا وجود ہے جو بالادست ہو اور حکومت بالادست کا سرنشاہی پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم الحاکم بامر اللہ خدا کی حکومت کے ذمہ دار تھے اور خلفاء راشدین کی حکومت بھی اسی حکومتِ اعلیٰ کا عکس تھی اور وہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ پر ایمان رکھتے تھے اور دین کے دائرہ کی طرح دنیا کے دائرہ میں بھی خدا کی حاکمیت کو اپنے عقیدہ کی جان سمجھتے تھے

سنہ ۹ھ میں اسلامی حکومت کے صیغۂ خارجہ کے خطیب ثابت بن قیس نے بنی تمیم کی سفارت کے سامنے حضورؐ کے حکم سے جو تقریر کی تھی اُس کا پہلا جملہ یہ تھا:

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم ہر قسم کی تعریف وتحسین کو اُس خدا کے لیے سزاوار سمجھتے ہیں جس نے دنیا کو پیدا کیا اور اس میں اپنی حکومت قائم کی؟ یہ وہ طاقتور عقیدہ تھا جس نے فراموشکار دنیا کو ایک نئی سوسائٹی اور نئے نظریۂ حکومت سے آگاہ کیا۔ اور دنیا میں خدائے واحد کو فرمانروائے واحد ملنے کی طرح ڈالی۔ یہی وہ خیال تھا جس نے ایک خداترس قوم کی تشکیل کی جس کا ہر فرد اچھا تھا اور خدا کی دنیا میں انسانی بہتری کو مقصد سمجھتا تھا جو تمام بھلائیوں کو رواج دیتا تھا اور تمام برائیوں کو ختم کردیتا تھا۔ یہ وہ قوم تھی جو ساری دنیا کو خدا کے کلمۂ بلند کے نیچے آزاد، برابر اور بھائی بھائی دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کے تمام کام، حکومت کی ذمہ داریاں، تدبیر و تنظیم، تبلیغ و تعلیم، تعمیر و اصلاح، صلح و جنگ، معاہدے اور میثاق خدا کے نام سے شروع ہوتے تھے اور خدا کی ذمہ داری پر ختم کیے جاتے تھے۔ خدا کے حقیقی تصور اور سچے عرفان نے ان کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ خدا کی حاکمیتِ اعلیٰ کا انکار کرکے دنیا میں کوئی اچھی حکومت قائم نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے خدا کو اپنا پالنہار فرمانروا سمجھا، وہ دنیا کی قوموں سے ٹوٹ کر ایک خدا کی عبادت گزار اور اطاعت شعار قوم بن گئے اور ایک ہوگئے۔ انہوں نے دنیا میں اس طرز سے حکومت کی کہ دنیا آج تک اس کی مثال نہیں پیش کرسکی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے اوپر بالادست حکومت موجود ہے، کل اُس کے سامنے پیش ہونا ہے اور ایک ایک غلطی کی جوابدہی کرنی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقتدارِ اعلیٰ

وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ (۱)

دفعہ ۸ اقتدارِ اعلیٰ

وہ اقتدار جس کے اوپر کوئی اقتدار نہ ہو۔ وہ بالادست طاقت جس سے بالا کوئی طاقت نہ ہو، اقتدارِ اعلیٰ ہے اور وہ ہستی جو اس اقتدار کی مالک ہو "صاحب اقتدارِ اعلیٰ" ہے یا مقتدرِ اعلیٰ۔ سلطنت میں اقتدارِ اعلیٰ سب سے بلند شئے ہے اور مقتدرِ اعلیٰ سب سے برتر ہستی۔

اسلام کے قانونِ حکومت میں خداوندِ عالم کی مطلق حاکمیت، قدرت اور ہمہ گیر غلبہ اقتدارِ اعلیٰ ہے اور خداوندِ برتر کی ہستی "صاحب اقتدارِ اعلیٰ"۔

قرآن عظیم اور اقتدارِ اعلیٰ اقتدارِ اعلیٰ کے لفظ کا جو مفہوم ہے قرآن اُس کو ملکوت قرار دیتا ہے۔ قرآن نے جس طرح حکومت، خلافت اور امامت کے الفاظ سے اپنے رجحانِ حکومت کو ظاہر کیا ہے وہاں ملکوت کا لفظ بھی اس رجحان کے غلبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ اسلامی حکومت کا مقتدرِ اعلیٰ اللہ ہے اور وہ اپنی خدائی کے عرش سے اپنے اقتدار کا مظاہرہ کرتا ہے اس لیے قرآن میں ملکوت کا لفظ خداوند تعالیٰ کے نام سے خاص طور پر مربوط رہتا ہے۔

نظائر (ا) مَنْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ (۲۳) قرآن حکیم

(ب) فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ (۳۶)

(ج) کَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام)

قرآن ایک مؤثر سوال کرتا ہے، پھر ایک مؤثر جواب دیتا ہے۔ اس طرح حکومت کے اس رجحان کو ظاہر کرتا ہے جس کا تعلق اسلامی مملکت کے اقتدارِ اعلیٰ سے ہے۔

---

(۱) اللہ حکمرانی کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو ہٹانے والا نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال: وہ کون ہے جس کے تصرف میں ہر شے کا اقتدار ہے؟

جواب: وہ پاکیزہ ذات، جس کے ہاتھ میں ہر شے کا اقتدار ہے۔

تیسری آیت میں مقتدرِ اعلیٰ خود اعلان فرماتا ہے کہ ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمان و زمین کے اقتدارِ اعلیٰ کے عجائبات کا نظارہ دکھایا۔

ہمارے علمائے قانون "ملکوت" کا ترجمہ سلطان کرتے ہیں۔ اُردو زبان کی اصطلاح پر نہ جائیے، قرآن کی اصطلاح میں سلطان کا صحیح مفہوم غلبہ اور صحیح تر مفہوم اقتدارِ اعلیٰ ہے۔ قرآن کی اصطلاحوں کے سب سے بڑے عالم امام راغب اصفہانی اپنی کتاب میں حکومت، فرمانروا، اور اقتدارِ اعلیٰ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

حکومت جمہور کی سوسائٹی میں امر و نہی (مثبت اور منفی) احکام دینے کے لیے حاکمانہ تصرف[1]

فرمانروا، وہ ہستی جو سیاست کی مشین کو چلائے[2]

اقتدارِ اعلیٰ: وہ اقتدار جو صرف فرمانروا کا امتیاز ہو[3]

علامہ ابن کثیر[4] دمشقی ملکوت کو سلطان[5] (اقتدار) قرار دیتے ہیں۔ اور علامہ آلوسی بغدادی کی علمی نظر میں ملکوت میں مبالغہ یعنی زیادہ سے زیادہ غلبہ مدنظر ہے۔ ملکوت کیا ہے۔ سلطان قاہر[6] صرف اقتدار نہیں بلکہ اقتدارِ اعلیٰ۔ پھر یہ اقتدار بھی حکومت کے بلند مرتبہ فرمانروا کا خاصہ لازمہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مملکت اور اقتدارِ اعلیٰ[7] کا مالک ہے اس لیے

---

[1] ہو التصریف بالامر والنہی فی الجمہور۔ مفردات القرآن امام راغب اصفہانی ص ۱۲۵۔

[2] اسم لکل من یملک السیاست۔ ایضاً ص ۱۲۶، مطبوعہ خیریہ قاہرہ [3] والملکوت مختص بملک

[4] حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ

[5] اولم ینظروا فی ملکوت السموٰت والارض (قرآن المائدہ) تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۰

[6] روح المعانی ج ۷، ص ۱۷۱۔

[7] ایضاً ج ۵ ص ۱۴۷، منیریہ مصر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملکوتی اقتدار اسی کا حقِ خاص ہے۔ اسی کے ساتھ خاص ہے اور اسی کے غلبہ اور قدرت کا نشانِ امتیاز ہے۔

قانونی تشریحات

اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیات اقتدارِ اعلیٰ کیا ہے؟ اس کا نشان کیا ہے، اس کی خصوصیات کیا ہیں وہ خصوصیات جن سے ہم اس کو پہچان سکیں ــــ؟

قرآنِ عظیم کے ضابطہ اجتماعی میں اقتدارِ اعلیٰ کی پہچان کے لیے جو خصوصیات درج کی گئی ہیں اُن کو اس زمانہ کے سیاسی میلان نے بھی قبول کر لیا ہے[1] لیکن ایک تباہ کن فرق کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت اور اس کی خصوصیات کو تسلیم کر لیا گیا اور مقتدرِ اعلیٰ سے انکار کر دیا گیا ہے۔

قرآن کی رو سے اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیات یہ ہیں: وحدتِ اقتدار، قدرت علی الاطلاق، بالادستی کے ساتھ ہر عمل اور ہر قول کی آزادی، جلالت، اعلیٰ منزلتِ عامہ یعنی سب سے زیادہ بلند ہونا، لازوال زندگی۔

اسلامی نظامِ حکومت میں یہ تمام خصوصیات شہنشاہِ کائنات خداوند عالم کے وجود کا خاصۂ لازمہ ہیں۔

۱۔ وحدتِ اقتدار اسلامی حکومت کا اقتدارِ اعلیٰ اپنے اقتدار میں قطعی وحدت کا مالک ہے چونکہ صاحبِ اقتدار ہر حیثیت سے یگانہ و یکتا ہے اور ذاتی وحدت کا مالک ہے اس لیے اس کے اقتدار کی وحدت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا تسلیم کرنا لازمی ہے۔

علامہ ابی البقاء لکھتے ہیں کہ وحدت ناقابلِ تقسیم اکائی ہے۔ وحدت کے معنی یہ ہیں کہ

---

[1] اس خیال کی تائید کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں دیکھیے: معاہدہ عمرانی روسو کتاب ۲ باب ۱/۴ ص ۴۴/۴۸
نظریہ سلطنت بلنچلی باب ۱ ص ۵۰/۵۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کثرت نہ ہو۔ خداوند برتر حقیقی اور ذاتی وحدت کا مالک ہے۔ اس کی وحدت اقتدار وکمال کے لحاظ سے موثر ہے۔ اور عام انتظام کے دائرہ میں بغیر کسی شرکت کے کارفرما ہوتی ہے[1]

قرآن عظیم[2] نے حکومت کی وحدت کو دو جملوں میں پیش کیا ہے، خدا کی سلطنت ایک ایسی وحدت ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ (لم یکن لہ شریك فی الملك ۲۶/۱۸)

حکومت صرف خدائے واحد کے لیے خاص ہے۔ (ان الحکم الا للہ ۴/۴)

ب۔ قدرت عامہ | اقتدار اور قدرت ایک شئے ہیں۔ اختیار اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ ایک چیز ہیں اور ہم اس کو خدائے برتر کے حاکمانہ اقتدار کی ایک خصوصیت تسلیم کرتے ہیں قرآن عظیم دعویٰ کرتا ہے "زمین و آسمان کے درمیان (ہر جگہ) خدا کا حکم اترتا ہے تاکہ تم اس حقیقت کو پہچان لو کہ اللہ کو ہر شے پر قدرت عامہ حاصل ہے[3]

علامہ راغب اصفہانی یہ تصریح کرتے ہیں[4] کہ قدرت علی الاطلاق ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی مکمل نسبت خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ وہی ہے جس کی اعلیٰ ہستی اعلیٰ درجہ کا اقتدار اور قدرت رکھتی ہے۔ وہ ایک قادر اور مقتدر ہستی کی حیثیت سے اپنے حکم اور حکومت کے کام میں قابل تقسیم تشخص کا مالک ہے۔

ج۔ بالادستی | اقتدار [illegible] کے اندر محض طاقت نہیں ہے۔ بلکہ بالادستی اس کی روح ہے جو [illegible] ت سے بھی اوپر ہے۔ بالادستی اسلام کے اقتدار اعلیٰ کی حقیقت ہے۔ قرآن خدا کی حاکمیت اور بالادستی کے [illegible] قانونی نظریہ پیش کرتا ہے۔ فتعالی اللہ

---

[1] کلیات [illegible] ابوالبقا حنفی (وحدۃ) ص [illegible] طبع آستانہ۔

[2] قرآن عظیم کے نظریہ وحدت کے لیے دیکھو مفردات القرآن امام راغب (شرک) ص ۲۱۸ (وحد) ص ۲۰۸

[3] قرآن عظیم ۱۲/۶۵ نیز دیکھو ۳/۲، ۲/۱۹، ۱۲/۲۶، ۲۲/۲۵ دیکھو مفہوم قرآنی

[4] مفردات القرآن امام راغب اصفہانی (قدر) ص ۲۷۴-۲۷۶

[5] یہ عصر حاضر کی رائے ہے جس کو بلنچلی نے اپنی تعلیقات میں روسو کے نظریات کے ساتھ ان الفاظ میں درج کیا ہے اقتدار اعلیٰ قانون عامہ کے اندر داخل ہے اس سے بالاتر نہیں۔ نظریہ سلطنت مقالہ ص ۵۰۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الملك الحق ۔ اللہ بادشاہ برحق، بلند و بالا دست ہے[1]۔ علامہ ابن اثیر جزری اس قانونی نظیر کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"خداوند عالم بلند و بالا دست ہے" اس بالا دستی کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے مرتبہ اور حکومت میں اتنا اونچا ہے کہ اُس سے کوئی اونچا نہیں[2] "اس تصریح کے مطابق اگر کسی گوشہ سے بالا دستی کا دعویٰ ہوگا تو یہ اسلام کے عالمگیر اقتدارِ اعلیٰ کے لیے ایک چیلنج ہوگا جس کا مقابلہ اسلام کا نظامِ حکومت پوری طرح کریگا۔

۱۔ "اللہ بلند و بالا دست اور باعظمت ہے" (انہ ھو العلی الکبیر)

۲۔ اللہ کا نعرہ ہی تمام نعروں سے بلند ہے (کلمۃ اللہ ھی العلیا)

قرآن نے ان دونوں اصولی دفعات کو پیش کیا ہے

امام راغب فرماتے ہیں کہ بلند اور بڑا ہونا خداوند عالم کی خصوصیت ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے دور میں فرعون کا یہ نعرہ کہ "میں بالا دست فرمانروا ہوں" ایک چیلنج تھا جس میں شیطان کی رہنمائی کو دخل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اسلام کے اقتدارِ اعلیٰ کو فتح مبین حاصل ہوگئی[3]۔

اسلامی اجتماعیات کے ماہرین نے اپنی تصریحات میں اسلام کے اقتدارِ اعلیٰ کے متعلق ایک قطعی راہ اختیار کی ہے۔ ان کی تمام کوششیں اس حقیقت کے اندر گم ہو جاتی ہیں کہ خدا کی حکومت کا اقتدارِ اعلیٰ بجائے خود خداوند برتر کا اقتدارِ اعلیٰ ہے۔

امام محمد غزالی اپنی ایک سیاسی تصنیف میں اسلامی حکومت کے مقتدرِ اعلیٰ کی قدرت عامہ اور بالا دستی کے متعلق لکھتے ہیں :۔

---

[1] ایضاح الادلہ قضاء قاضی۔ ص ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ حضرت شیخ الہند مرحوم نے اسی حیثیت سے بالا دست کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ [2] النہایۃ ابن الاثیر ج ۳ فصل (ع) "علا" ص ۱۴۱۔ الدر النثیر علامہ سیوطی ج ۲ ص ۱۴۱۔ [3] مفردات القرآن امام راغب اصفہانی (علی) دیکھو العلو ضد السفل) بالا دستی کے برعکس ہے۔ (انا ربکم الاعلیٰ) نعرۂ فرعون۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"دنیا کی ہر چیز اس کے تخت سلطنت کے ماتحت ہے اور تخت اس کے اقتدار اعلیٰ کے ماتحت ہے۔ اس کا اقتدار، قدرتِ عامہ اور حکومت کمال کے ایسے منتہا پر ہے کہ اُس سے اوپر کوئی اقتدار نہیں۔ ہر کمی سے محفوظ اور ہر نقصان سے خالی اس کے غلبے اور تسخیر کو قوتیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ حکومت اس کی چیز ہے اور سلطنت اس کی ملک[1]"

اس بیان سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام حکومت کا ایک تصور رکھتا ہے۔ یہ حکومت ایک اقتدارِ اعلیٰ سے مقتدر ہے اور اقتدارِ اعلیٰ کو اپنے عرش پر بالادستی حاصل ہے

۵۔ آزادی

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کو حکم اور اجرائے حکم کی آزادی حاصل ہونی چاہیے کیونکہ یہ چیز بالادستی کی حقیقت ہے۔ بلنچلی نئے نظریہ کے مطابق کہتا ہے کہ "اقتدار کی آزادی اقتدار اعلیٰ کے مفہوم میں داخل ہے"[2]

قرآنِ عظیم نے صدیوں پہلے تصریح کی ہے کہ اسلامی حکومت کا مقتدر اعلیٰ اپنے حکم میں آزاد ہے جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور اس کی آزادی کو کوئی پابندی اور کسی قسم کی مجبوری لاحق نہیں ہو سکتی ہے[3]

سلطنت کے قانون میں آزادی کی پہلی شرط یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہو اور حکومت کا تمام نظام اس کے سامنے مسئول ہو۔ خداوند عالم اپنے تصرفات میں نہ کسی کے سامنے جوابدہ ہے اور نہ کسی کا پابند (لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ) البتہ ہماری زندگی کا تمام اجتماعی نظام اس کے سامنے جوابدہ ہے[4]

جلالت عامہ

اقتدارِ اعلیٰ کی حاکمیت کے لیے جلالت ایک ضروری عنصر ہے۔ امام راغب کہتے ہیں کہ جلالت (عام عظمت) ایک خاص وصف ہے جو خداوند برتر کے لیے خاص ہے[5]

---

[1] التبر المسبوک فی نصائح الملوک امام محمد بن محمد غزالی (۵۰۵ھ) جمالیہ مصر طبع ۱۳۲۶ھ اصل دوم ۲۰۷۔
[2] نظریہ سلطنت بلنچلی ج۲ ص ۵۰۳۔ [3] قرآن عظیم س ۱۴۔ آیت ۲۷۔ س ۳۵ آیت ۴۴۔ س ۱۳ آیت ۴۱۔ [4] دستور اساسی امامت علامہ منصور انصاری مادہ (۲) ص ۲۳ طبع ۱۳۵۰ھ
[5] مفردات القرآن (جل) اجلالہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی و دوام | لازوال زندگی اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیت ہے۔ زندگی اور ہمیشگی وہ اہم اوصاف ہیں جن کا سرچشمہ خدائے تعالیٰ کی ذات ہے[1]۔ ایک زندہ اجتماعی نظام کے لیے زندہ اقتدار کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کی تکمیل اسلامی نظام حکومت کا اقتدارِ اعلیٰ کرتا ہے۔

قرآنِ عظیم نے اپنے قانونِ مدنی میں یہ اصول پیش کیا ہے "قتل انسانیتِ عامہ کا قتل ہے اور زندگی انسانیتِ عامہ کی زندگی ہے" قاتل جب ایک انسان کو قتل کرتا ہے تو وہ انسانیتِ عامہ کو قتل کر دیتا ہے، اور جو شخص انسانی زندگی کا احترام کرتا ہے تو وہ انسانیتِ عامہ کی زندگی کی بقاء کا احترام کرتا ہے۔ اس قانون میں جو زندگی نظر آتی ہے اس کا اصل مرکز بلند و برتر خدا کی ذات ہے[2]۔ ہمیں کہنا چاہیے کہ اسلامی اقتدارِ اعلیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ رہیگا۔ اسلامی حکومت اس کے ماتحت زندہ ہے اور اگر جد و جہد کا تسلسل باقی رہے تو یہ حکومت بھی دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہ سکیگی۔

نفاذ | قرآنِ عظیم میں حکومت و سلطنت کے ذکر کے ساتھ خداوند حکومت کے دائرہ میں خدا کے پیغمبروں کو جو اقتدار حاصل ہوتا ہے وہ بھی خدا کے اختیار کا عطیہ ہوتا ہے[3]۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے علماءِ اجتماعیات امامت و خلافت (حکومت و سلطنت) کے ذکر میں دستوری ضابطوں سے پہلے خدا کے اقتدارِ اعلیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی مفردات کے شروع میں خداوند تعالیٰ کو قوانین کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں[4]۔

امام ابوالحسن ماوردی اپنی سیاسی تصنیف الاحکام السلطانیہ کو اقتدارِ اعلیٰ کی جلالت اور منزلت عامہ کے ذکر سے شروع کرتے ہیں[5]۔

امام محمد غزالی نے سیاست و سلطنت کے متعلق اپنے زمانہ میں جو کتاب لکھی ہے اس میں

---

[1] کلیات ابوالبقاء (حیاۃ) ص ۲۰۱ - [2] مفردات القرآن (حیی) ص ۱۳۲، ۱۳۴ [3] ایضاً (سلط) ص ۲۹۷ [4] ایضاً ص ۲ [5] احکام السلطانیہ ماوردی ص ۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ سب سے پہلے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ عالمگیر حکمرانی خداوند برتر کا انعام ہے خدا کے قانونِ اقتدار کو تسلیم کرنا اسلامی حکومت کا پہلا قانون ہے[1]

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب السیاستہ الشرعیہ کی ابتداء خداوند بلند و برتر کے اقتدار اور غلبۂ عام کے ذکر سے کی ہے[2]

حکیم ابونصر فارابی نے ستمدن شہرت، پرجوعالمانہ کتاب آراء اہل المدینۃ الفاضلہ[3] مرتب کی ہے اس میں خدا کے اقتدارِ اعلیٰ عظمتِ عامہ، جلالتِ مرتبہ کے علاوہ ان تمام اوصاف کا ذکر کیا ہے جو اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیات ہیں اور جن کو یورپ کے دماغوں نے غلطی سے دنیاوی اقتدارِ اعلیٰ کے لیے خاص کر دیا ہے۔

حکیم فارابی کا بیان ہے کہ تمام دنیا سے پہلے ایک پہلا وجود ہے جو مکمل ہر سب سے اوپر اور سب سے پہلے ہے اور تمام پابندیوں سے آزاد۔ اس کی مثال لانا ناممکن ہے اس کے برابر کسی کا درجہ ہونا ناقابلِ قبول ہے۔ یہ وجود اقتدار کی وحدت کا مالک ہے، زندہ ہے اور بطورِ خود زندگی ہے۔ اپنے وجود کے لحاظ سے اتم ہے۔ زندگی کا منبع ہے عظمتِ عامہ اور جلالت کا مالک ہے۔

جدید نظریہ اور اس کی تنقید

جدید نظریہ، اقتدارِ اعلیٰ کی ان تمام خصوصیات کو تسلیم کرتا ہے جن کو صدہا سال قبل اسلام کے علمائے اجتماعیات نے پیش کیا ہے۔ جدید نظریہ قدیم نظریہ کی حرف بحرف پیروی ہے مگر اتنے فرق کے ساتھ کہ عصرِ جدید کے علماء نے "صاحب اقتدارِ اعلیٰ" کی ہستی کو بدل دیا ہے۔

وہ یہ تو مانتے ہیں کہ خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ "خدا نے انسانی فطرت کو بنایا اور حکومتِ عالم میں اس کی مرضی شریک ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ جدید علم

[1] التبر المسبوک فی نصائح الملوک ص ۲-۸ [2] السیاستہ الشرعیہ (ابن تیمیہ) ص ۲۔ [3] آراء اہل المدینۃ الفاضلہ (فارابی) لیڈن میں اہل فرنگ کی سعی ہی سے طبع ہوئی ہے مستشرقین نے اس سے استفادہ کرنے میں پہل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

السیاست خدا کے طریقوں پر گامزن نہیں ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید نظریہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت سے انکار کر کے اپنے عقلی رجحان پر اعتماد کرتا ہے عقل کی مجبوری مسلمہ شے ہے عقل کی ٹھوکریں بھی مشہور ہیں۔ یہ بنیادی الجھن ہے جس نے جدید علمار کی رایوں کی قطعیت کو بہت سے اجزا میں منتشر کر دیا ہے۔

علم السلطنت کے جدید ماہر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اقتدارِ اعلیٰ کے لیے آزادی اعلیٰ منزلت عامہ جسے اہل روما جلالت (Majestas) کہتے تھے۔ اختیاراتِ عامہ کا عام اور وسیع ہونا سلطنت کے دائرہ میں سب سے بلند شے ہونا اور اپنے اقتدار میں وحدت کا مالک ہونا ضروری ہے[2] لیکن اس کے ساتھ ہی مقتدرِ اعلیٰ کے تعین میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ سلطنت کی دائمی اور علی الاطلاق طاقت اقتدارِ اعلیٰ ہے۔ یہ بودین کا نظریہ ہے، اس کا رد ان الفاظ میں کیا گیا کہ کسی مجموعی سلطنت کو اقتدارِ مطلق حاصل نہیں کیونکہ وہ خارجی طور پر دوسری سلطنتوں کی پابند ہے"۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ سلطنت کا حکمراں (بادشاہ) اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہے لوئس چہار دہم (۱۶۹۳ء) خود کو مقتدرِ اعلیٰ سمجھتا تھا۔ ہنوور کے اعلان ۱۸۱۳ء میں مرقوم ہے کہ برطانیہ عظمیٰ کا بادشاہ اپنے اقتدارِ شاہانہ کا مالک ہے۔[3]

انگلستان کے قانون میں تاج (بادشاہ کی ذات) مقتدرِ اعلیٰ ہے اگرچہ بادشاہ کے اقتدار کو مذہب سے تصدیق حاصل کرنی پڑتی ہے لیکن انگلستان کا شاہی اقتدار ایک ناقابلِ فہم شے ہے۔ بادشاہ اپنے اقتدارِ اعلیٰ میں ازلی اور ابدی ہے۔ بادشاہ کبھی نہیں مرتا، بادشاہ عزت کا سرچشمہ، مذہب اور حکومت کا مالک ہے۔ ان خدائی اختیارات کی رو سے اصولاً بادشاہ کے حقوق تو بہت ہیں مگر وہ عملی طور پر تسلیم نہیں کیے جاتے۔ صدیوں سے معطل

[1] نظریۂ سلطنت (بلنچلی) دورِ جدید کی سلطنت م ۱ باب ۶ ص ۶۳

[2] ایضاً م ۷ ص ۵۰۳ [3] ایضاً مقالہ ۷ اقتدارِ اعلیٰ ص ۵۰۲-۵۰۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلے آتے ہیں[1]۔

انگلستان کی حکومت کا تمام نظام فی نفسہ پیچیدگیوں کا مجموعہ ہے جس پر سلجھے ہوئے انسانی دماغوں نے پردہ ڈال رکھا ہے اس کے اقتدارِ اعلیٰ کو سوائے ایک حق کے جملہ خدائی حقوق حاصل ہیں جن کو اسلام کی فاروقی فطرت عجوبہ نا سمجھتی ہے۔

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہے لیکن علمائے سیاست کے نزدیک یہ نظریہ زیادہ حقیقی نہیں ہے[2] ۱۳۵۶ء میں لوئس نے ایک فرمان کی رو سے ووٹروں کو اقتدارِ اعلیٰ عطا کر دیا تھا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ عوام اور اُن کے منتخب ارکان ووٹروں کے محکوم ہیں۔ اس عجیب سی بات کو تسلیم کرنا بھی آسان کام نہیں ہے[3]

(۴) روسو کا نظریہ یہ ہے کہ مرضیِ عامہ یعنی قوم کی عام خوشی اقتدارِ اعلیٰ ہے، روسو نے غلطی سے مرضیِ اعلیٰ کو اقتدارِ اعلیٰ بنا دیا، مرضی کا اقتدارِ[4] اعلیٰ ہونا مشکل ہے کیونکہ وہ فی نفسہ قانون بھی نہیں بلکہ قانون کا موجب ہے[5]۔

مندرجہ بالا نظریوں کی تنقید کے جواب میں جدید دنیا سے خطاب کر کے حضرت یوسفؑ کے الفاظ میں صرف یہ کہنا کافی ہے" دنیا کے قید خانے کے غلامو! انسانیتِ عامہ کے لیے ایک اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لینا موجبِ صلاح ہے یا قسم قسم کے بہت سے اعلیٰ اقتدارات کی الجھنوں میں گرفتار ہو جانا[6]"

ایک بلند و برتر یگانہ مقتدر ذوالجلال، مالک الملک اور عرش عظیم کے فرمانروا کو زندگی کی تمام سرگرمیوں کا، جملہ تصورات اور جملہ عقائد کا۔ تمام ذہنی ترقیات اور اجتماعی

---

[1] گورنمنٹ انگریزی کے اصول و طریق حکومت (Theory and Practice British Govenment) باب ۱-۲-۳ ص ۱-۲۷ (پی آر بی ایس لاہور۔

[2] مبادی سیاسیات شروانی باب ۶- اقتدار اعلیٰ- طبع دوم [3] نظریہ سلطنت م، ص ۵۰۳ حاشیہ

[4] معاہدۂ عمرانی روسو- اقتدار اعلیٰ- کتاب ۲- ص ۱-۷-۹، [5] نظریہ سلطنت م، ص ۴۰۵ تعلیقات

[6] قرآن عزیز سورۂ یوسف (یہاں آیت کا صحیح مفہوم پیش کیا گیا)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سربلندیوں کا مرکز تسلیم کر کے دنیا میں امن وسلامتی کی حکومت قائم کرنا بہتر ہے یا لاتعداد حکومتوں اور اقتداروں کو تسلیم کر کے انسانوں کو جماعت در جماعت تقسیم کر کے جنگ و جدال کے جہنم میں جھونک دینا۔ آج دنیا جہنم کا نمونہ پیش کر رہی ہے، صرف اس لیے کہ انسان نے حقیقی اقتدارِ اعلیٰ سے بغاوت کر کے اقتدار کے شیطانی مرکزوں کو قیام کا موقع دیا۔ قرآن کا فلسفہ یہ ہے کہ جب اقتدار کی حقیقی وحدت کو تقسیم کیا جائے گا تو روئے زمین پر فساد کا پیدا ہونا ناگزیر ہوگا۔

حکومت کو ایک مرکزی نظم کی ضرورت ہے اور مرکزی نظم کو مرکزی وحدت کی۔ اقتدارِ اعلیٰ کی وحدت کے معنی ہیں حکومت کی تمام تنظیمات کی وحدت اور اس کو نظرانداز کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حکومت اپنی شیرازہ بندی سے محروم ہو رہی ہے۔[1]

---

[1] العروۃ الوثقیٰ۔ سید جمال الدین افغانی۔ اسباب حفظ الملک ص ۲۲۹ انحطاط المسلمین ص ۹۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دفعہ (۹)

ریاستِ عامّہ
نیابتی حکومت

الخلافۃ نیابۃ فی حفظ الدین وسیاسۃ الدنیا (ابن خلدون)

الامامۃ ریاسۃ عامۃ فی امور الدین والدنیا (شرح مواقف)

اسلامی حکومت اپنے تنظیمی دائرہ میں ریاستِ عامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ حکومت دنیا میں حکومت بالادست کے ماتحت ہے اور انسانی تنظیم کی حیثیت سے نیابتی حکومت (خلافت عظمٰی) کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا تعلق عام بندگانِ خدا سے ہے، عوام کے دینی مفاد اور دنیاوی مصلحتوں کو اچھے طرز پر پورا کرنا، عوام کی حکومت کو بہتر سے بہتر طریقہ پر چلانا اور اس کام میں حکومت بالادست کی بالادستی کا خیال رکھنا اس حکومت کا فرض ہے[۱]

اسلامی حکومت ریاستِ عامہ کی حیثیت سے امامتِ کبریٰ بھی ہے چونکہ اس کے ضبط و نظم میں عوام کی بہتری کو دخل ہے اس لیے وہ ریاستِ عامہ[۲] ہے۔ اور چونکہ وہ مطلق العنان نہیں ہے بلکہ عوام کی رہنما ہے اس لیے اس کو امامتِ کبریٰ (عظیم الشان لیڈر شپ) کا نام دیا گیا ہے۔

(یادداشت:- چونکہ اسلامی حکومت کی حقیقت کا اظہار امامت کبریٰ، ریاست عامہ اور خلافت عظمٰی (نیابتی حکومت) کی اصطلاحی الفاظ سے بخوبی ہوتا ہے اس لیے آئندہ صفحات پر مناسب موقعہ انہی ناموں کو اختیار کیا گیا ہے)

---

[۱] البحر المحیط ج ۱ ص ۱۴۰ (ابو حیان اندلسی) مقدمہ ابن خلدون دت ۲۶ ص ۱۳۴ - مفردات امام راغب

[۲] کلیات العلوم - ابو البقا حنفی ص ۳۳ ، شرح المواقف ج ۸ ص ۳۴۵ ، ردالمختار ج ۱ ص ۵۱۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دفعہ (۹)

ریاستِ عامّہ

نیابتی حکومت

الخلافۃ نیابۃ فی حفظ الدین وسیاسۃ الدنیا (ابن خلدون)

الامامۃ ریاسۃ عامۃ فی امور الدین والدنیا (شرح مواقف)

اسلامی حکومت اپنے تنظیمی دائرہ میں ریاستِ عامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ حکومت دنیا میں حکومت بالادست کے ماتحت ہے اور انسانی تنظیم کی حیثیت سے نیابتی حکومت (خلافتِ عظمیٰ) کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا تعلق عام بندگانِ خدا سے ہے، عوام کے دینی مفاد اور دنیاوی مصلحتوں کو اچھے طرز پر پورا کرنا، عوام کی حکومت کو بہتر سے بہتر طریقہ پر چلانا اور اس کام میں حکومت بالادست کی بالادستی کا خیال رکھنا اس حکومت کا فرض ہے۔[۱]

اسلامی حکومت ریاستِ عامہ کی حیثیت سے امامتِ کبریٰ بھی ہے چونکہ اس کے ضبط و نظم میں عوام کی بہتری کو دخل ہے اس لیے وہ ریاستِ عامہ[۲] ہے۔ اور چونکہ وہ مطلق العنان نہیں ہے بلکہ عوام کی رہنما ہے اس لیے اس کو امامتِ کبریٰ (عظیم الشان لیڈر شپ) کا نام دیا گیا ہے۔

(یادداشت:- چونکہ اسلامی حکومت کی حقیقت کا اظہار امامت کبریٰ، ریاستِ عامہ اور خلافت عظمیٰ (نیابتی حکومت) کی اصطلاحی الفاظ سے بخوبی ہوتا ہے اس لیے آئندہ صفحات پر مناسب موقعہ انہی ناموں کو اختیار کیا گیا ہے)

---

[۱] البحر المحیط ج ۱ ص ۱۴۰ (ابو حیان اندلسی) مقدمہ ابن خلدون فت ۲۶ ص ۱۳۴ - مفردات امام راغب

[۲] کلیات العلوم - ابو البقا حنفی ص ۳۳ ، شرح المواقف ج ۸ ص ۳۴۵ ، رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانون (قرآن) کے وحدانی حق پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ مندرجہ سب صورتوں میں قانون اور اس کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یہ سب اصل قانون کی تشریح، تعبیر اور تفسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اساسی قانون شریعت ہے۔ اس کے علاوہ ثانوی احکام ہیں جو قانونِ شریعت سے وجہ جواز حاصل کرتے ہیں[1]

قانونی تشریحات وہ اصول اور ضابطہ، وہ مطمح نظر اور عظیم الشان تصور جس کا نام اسلامی حکومت ہی ہمیشہ قانون کے ماتحت اپنی صحیح تصویر دنیا کو دکھاتا ہے۔ ہماری تاریخ اور اس کا منظم ارتقاء ہم سے پہلے اور ہمارے زمانہ میں نفوسِ انسانی کی تنظیم و تشکیل، حکومت و سلطنت کے اُس عملِ دراز کا نتیجہ ہے جس کی رہنمائی قانون کرتا ہے اور جس کو ایک فطری قانون جو ازلی بھی ہے اور ابدی بھی اپنے عملِ نو خُد سے ایک عالمگیر تنظیم کی صورت دینا چاہتا ہے۔

قانون اپنے عام مفہوم میں کارفرما ضابطہ کا نام ہے، خواہ اس کا تعلق اس روایت سے ہو جس سے قرائن کا ظہور ہوتا ہے یا اس حکمت عملی سے جو حکومت کے کام چلاتی ہے۔ اگر قانون کے اصطلاحی معنی کا لحاظ کیا جائے تو وہ ایک فرمان، منشور اور حکم ہے جو مقننِ اعلیٰ کی طرف سے صادر ہوتا ہے اور انسانی زندگی کے اجتماعی ضبط و نظم پر زور دیتا ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے سب سے پہلے جو بات قابلِ لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ مقننِ اعلیٰ نے (جس کی ہستی انسان کی محدود نظر اور عامیانہ تصورات سے بہت بلند ہے) قانون کے ضابطۂ کلی کی تمام اساسی دفعات کو طے کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اسلامی قانون کے صدور کا مرکز وحدانی ہے۔ البتہ جب قانون خدا کے نمائندوں کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے تو وہ انسانی دائرۂ عمل میں ایک فعل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہمیں کہنا چاہیے قانون نام ہے خدا کے حکم کا یا اُس عمل اور حکمت عملی کا جس کے ساتھ خدا کا حکم

---

[1] ردالمحتار لابن عابدین ج ۱ ص ۱۰۔ تشریح مزید کے لیے دیکھو کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ۔ مقدمہ طبع ثانی ص ۹-۵۶۔ طبع مصر ۱۳۴۹ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو۔ حکومت کے بالا دست مرکز سے خدا کا حکم نافذ ہوتا ہے اور انسانوں کا رجحان اس کو اجتماعی فعل کی صورت دے دیتا ہے۔ گویا قانون کا صدور خدا سے ہوتا ہے اور ظہور خلقِ خدا سے۔ خدا حکم دیتا ہے انسانی قوت ان احکام کو کتاب اللہ کی امداد سے قبول کر لیتی ہے اور زمین و آسمان کے دائرہ میں اپنے تصرفات سے باخبر ہو جاتی ہے۔

اسلامی سوسائٹی اس پر متفق ہے کہ اسلامی حکومت کی قانونسازی کا پہلا ماخذ قرآنِ حکیم ہے۔ یہ کتاب کروڑوں مسلمانوں کی زندگی کا واحد ضابطہ ہے۔ خدا کی طرف سے رہتی دنیا تک اس کے اصول و احکام کی حفاظت کی ضمانت موجود ہے[1]۔ قرآن کا پہلا حکم ۱۷۔ رمضان المبارک ۴۱ سنہ میلاد نبوی میں نازل ہوا[3] اور آخری حکم جس میں قانون کی تکمیل کا اعلان تھا۔ ۹۔ ذی الحجہ کو حج اکبر کے دن ۱۰ ھ ۶۳ میں نافذ ہوا۔ اس طرح قانونِ الٰہی کے پہلے حکم سے آخری حکم تک کل مدت ۲۲۔ سال دو ماہ اور ۲۲ دن ہوتی ہے۔

قرآن عظیم کی قانونی حیثیت صاف اور شک و شبہ سے بالاتر ہے ہمیں اس کے صفحات پر مقنن اعلیٰ کے جو فرامین ملتے ہیں ان سے اس دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب روحانیت و اخلاق کی طرح تہذیب و تمدن کا ضابطہ اور حکومت و سلطنت کا قانونِ کلی ہے

اس کے متعلق کہا گیا ہے: "کتب مسطور فی رق منشور" (ایک قلمبند مجموعۂ قانون جو دستاویزی منشور کی شکل میں ہے)[2] "امرا من عندنا" (وہ ہمارا حکم ہے) "حکما عربیا ۱۳/۳۷" (عربی زبان کا قانون ہے) "روحا من امرنا" (وہ ہمارے حکم کی جان ہے)۔ چونکہ قانون کو حکومت پر تفوق حاصل ہے اس لیے قرآن کی عظمت اور برتری کا اظہار بار بار کیا گیا ہے اور اس کے ناموں کے اظہار میں بھی اسی کا خیال رکھا گیا ہے۔

---

[1] مفردات القرآن امام راغب اصفہانی ج ۱ ص ۴ ۔ ج ۳ ص ۲۹۶۔

[2] قرآن (۱/۵۲) [3] یہی بدر کی عظیم الشان اور فیصلہ کن جنگ کا دن ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن العظیم، القرآن المجید، الکتاب المبین، اُم الکتاب۔ یہ وہ نام ہیں جن سے قانون قرآن کی عظمت، شان، افادیت، بلندی و برتری کا اظہار ہوتا ہے۔[1]

انسان جس قدر غور کرتا ہے اس پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ قرآن حکومت و سلطنت کا ایک مستقل ضابطہ ہے۔ خداوند عالم نے پیغمبر اعظم کو بطور خود اس حقیقت سے اطلاع دی ہے: "انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ" (ہم نے تم کو قانون کا مجموعہ برحق اس لیے عطا کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان حکومت کا کام اللہ کے احکام کے مطابق انجام دو۔

آنحضرت نے اس فرمان کو قبول کیا اور اس پر عمل کر کے دنیا کے سامنے نظیر پیش کی اور مسلمانوں کو یہ یقین دلا دیا کہ قرآن ہی وہ قانون ہے جو دنیا میں عالمگیر حکومت قائم کرنے کا حق رکھتا ہے۔ آپ نے اہم ترین مواقع پر قرآن کی قوت اور حاکمانہ طاقت کو اپنے صحابہ کے سامنے پیش کیا، اور اس طرح وہ دولت ان کے ہاتھوں میں دی جس نے دنیا کی تمام دولتوں کو اپنے دامنِ سیاست میں لے لیا۔

عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ہم سے فرمایا: "علیکم بالقرآن" (قرآن کے احکام پر عمل پیرا ہونا تمہارا فرض ہے) ہم نے عہد کیا کہ ہم اس کے پابند رہینگے۔ ایک مرتبہ مجلس اصحاب سے خطاب ہوا "جلد ہی وہ وقت آئیگا جب سیاہ رات کی طرح فتنہ و فساد چھا جائیگا۔ مجلس میں سے کسی نے کہا: یا رسول اللہ! اس فساد سے نجات پانے کی کیا سبیل ہے؟ فرمایا: کتاب[2] اللہ تعالیٰ فیہ نباء من قبلکم و خبر ما بعدکم وحکم بینکم وھو فصل لیس بالھزل (کتاب اللہ! اللہ کا قانون، اس میں گزشتہ قوموں کی تاریخ ہے۔ آنے والی نسلوں کے حالات و واقعات کی پیشین گوئیاں ہیں اور

---

[1] دیکھو سورۂ طور ۵۲ پ ۲۷۔ الدخان ۴۴ پ ۲۵، یٰس ۳۶ پ ۲۲، الزخرف پ ۲۵ [2] نساء پ ۵۔

[2] تیسیر الوصول لمن حدیث الرسول (ترکت فیکم کتاب اللہ تعالیٰ الخ کتاب الاعتصام بالکتاب ج ۱ ص ۲۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانۂ حال کے متعلق حکومت کے احکام ہیں، وہ فیصلہ کن قانون ہے بے معنی نہیں ہے"
اس کے بعد ارشاد ہوا: "من عمل به اجر ومن حکم به عدل ومن عصم به فقد هدی الی صراط المستقیم (جو اس قانون پر عمل کریگا اسے اس کا ثمرہ ملیگا۔ جو اس کے مطابق حکومت کریگا، انصاف سے ہمکنار ہوگا، اور جو اس کی پناہ طلب کریگا سیدھے اور سچے راستے پر آجائیگا[1]

آنحضرت نے مرض وفات میں آخری خطبہ[2] میں یہ ہدایت کی کہ قانونِ الٰہی (کتاب اللہ) کو ضابطۂ عمل کے طور پر برقرار رکھا جائے کیونکہ اس صورت میں آنکھیں حقائق دیکھنے سے محروم نہ ہونگی۔ دل اندھوں کی طرح کام نہیں کرینگے۔ قدم محاذِ عمل پر ڈگمگا نہ سکینگے۔ اور دست و بازو قوتِ عمل سے عاری نہ ہونگے۔ اسی کے ساتھ یہاں تک حکم ہوا:۔ فاعملوا بمحکمہ وامنوا بمتشابہ (اس کے قانون محکم پر عمل کرو اور متشابہ آیات پر ایمان لاؤ)

ایک موقع پر فرمان ہوا "اگر ایک سیاہ فام حبشی کتاب اللہ کے مطابق تمہاری حکومت کی قیادت کرے تو اس کے حکم کو سنو اور اس کی حکومت کی اطاعت کرو[3] یعنی اسلامی نظم اور ڈسپلن پر قائم رہو اور اس کے فرمانبردار بنے رہو"۔

قرآن کو پہلے پارہ میں کتاب کا نام دیا گیا۔ کتاب حکم کو بھی کہتے ہیں[4]۔ اور حکم قانون کی روح بلکہ خود قانون ہوتا ہے۔ علامہ منصور انصاری اسی رائے کے ماتحت حکومت کی حقیقت کا اظہار قانون کے لفظ سے کرتے ہیں اور حکم و قانون کو ہم معنی قرار دیتے ہیں[5]۔

قرآن کی قانونی طاقت کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ وہ تمام دنیا کے مفاد کے مطابق ہے (۲/۱۸۵) "ھُدًی للناس" ہے یعنی انسانیتِ عامہ کا رہنما، اس کے ظہور سے

---

[1] البحر المحیط ابو حیان اندلسی ج ۱ ص ۲، [2] ایضاً [3] حدیث زید بن ابی انیسہ صحیح مسلم۔ دیکھو تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۲۰۹ [4] النہایۃ فی غریب الحدیث ابن اثیر (باب الکاف واللام) ج ۴ ص طبع خیریہ [5] حکومت الٰہی (لفظ قانون) طبع بجنور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق اور باطل کے احکام کو علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے۔ اس کی ہر قانونی دفعہ صاف اور انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ اور حکمبرداری انسانوں (مسلمانوں) کے لیے ایک ایسی حقیقت ہے جس سے دلوں میں خوشی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اس کا بڑا کام یہ ہے کہ وہ ہماری تاریک دنیا میں روشنی کا قانون ہے۔ ہمیں تاریک ماحول سے روشنی میں لا کھڑا کرتا ہے[1]۔ اس کی یہ خصوصیات صرف اس لیے ہیں کہ مقننِ حقیقی کی طرف سے بصورت منشور بلند مرکز سے ہماری دنیا میں اترا ہے[2]، یہ عالمِ اعلیٰ کا دستور ہے جو عالمِ ادنیٰ کے عام فائدے کے لیے جاری کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی پابندی ضروری ہو اور اس کی ہر دفعہ واجب التعمیل۔ حافظ ابن کثیر اس حقیقت کے اظہار کے لیے کہتے ہیں کہ "خدا کی اطاعت کا مقصد خدا کے قانون کی اطاعت ہے[3]، قرآن خدا کے حکم کی روح ہے[4]۔ اس سے خدا کی بادشاہی کا اظہار اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی اطاعت کی جائے۔

اسلامی تاریخ میں غزوہ تبوک کو بیحد اہمیت حاصل ہے۔ رجب کا مہینہ ہو اور ۹ھ ہجری، مسلمان روم (یونان) کی جابر شہنشاہیت کی بربادی کے متعلق حضرت رسالتماب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے پیشین گوئی سن چکے ہیں اور آج اس مقصد کے لیے محاذِ جنگ تیار ہو رہا ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ عوام افلاس سے مجبور ہیں، گرمی کی شدت ہے زمینیں خشک پڑی ہیں، جو کھیتیاں موجود ہیں وہ پک چکی ہیں اور کسان لوگ اپنے کھیتوں پر قیام کر کے موسم کا پھل جمع کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ حالت یہ ہے مگر پیغمبرِ اعظم سپہ سالار کی حیثیت سے صحابہ کو یہ فوجی حکم دیتے ہیں، سب تیار ہو جائیں رومی شہنشاہیت کے خلاف محاذِ جنگ پر جانا ہے اس حکم کے مطابق اسلامی افواج تیار ہو کر محاذ پر پہنچ گئیں۔ مجاہدین کے اس اہم اجتماع

---

[1] قرآن عظیم بحوالہ تفصیل البیان سید ممتاز علی ج ۳ ص ۱۱-۳۳ [2] کلیات ابوالبقاء حنفی (لفظ قرآن) ص ۵۲۱ [3] تفسیر قرآن عظیم ج ۳ "اطیعوا اللہ اتبعوا کتابہ" [4] قرآن عظیم روحاً من امرنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حضورؐ نے انسانیتِ عامہ کے افراد کو خطاب کیا۔ اس مفصل خطبہ کے چند جملے یہ ہیں: ایھا الناس! فان اصدق الحدیث کتاب اللہ ـــ وخیر الملل ملۃ ابراھیم وخیر السنن سنۃ محمدؐ (اے افرادِ نسلِ انسانی! یقین کرو، خدا کا قانون (قرآن) تمام قوانین کے مقابلہ میں زیادہ صادق ہے۔ ملتِ ابراہیم تمام اقوام و ملل میں بہترین قوم ہے، محمدؐ کا قانون سنت قوانین دنیا کے مقابلہ میں پسندیدہ ترین قانون ہے)

اس خطبہ میں سب سے پہلا جملہ قرآن کی قانونی حیثیت کے متعلق ہے، دوسرا جملہ اسلام کے ملی نظم اور اجتماعی تنظیم کی حقیقتِ کبریٰ پر گواہ ہے اور تیسرے جملہ میں قانون سنت کی قطعی اہمیت کو پیش کیا گیا ہے۔

پیغمبر اعظم نے آخری لمحات میں جو حکم جاری کیا اُس میں بھی قرآن کا ذکر پوری اہمیت کے ساتھ موجود ہے۔ آنحضرت نویں ذی الحجہ ۱۰ھ کو وادیِ نمرہ میں وارد ہوتے ہیں سپیدۂ صبح آفتاب کے لیے مطلع صاف کر چکا ہے، پھر سرِ شام میدانِ عرفات میں نزولِ اجلال ہوتا ہے، ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ کا مجمع آخری پیغمبر سے آخری حکم سننے کا منتظر ہے، ارشاد ہوتا ہے: قد ترکت فیکم مالم تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ (میں تم کو آخری پیغام دیتا ہوں میں تم میں ایک قانون چھوڑ چلا ہوں، اگر تم نے قوت سے اس کو پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے یہ قانون اللہ کی کتاب ہے۔[2]

ہماری عجیب و غریب مذہبی فراست نے (جس نے زمانۂ دراز سے قرآن سے بے تعلقی اختیار کر لی ہے) ہم کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ قرآن صرف ان مذہبی احکام کا مجموعہ ہے جن کو ہماری روایات نے ایک خاص شکل دے دی ہے۔ یہ یقین ایک وہم ہے۔ قرآن جن مذہبی عبادات پر زور دیتا ہے اُنھوں نے ہماری اجتماعی شان کو اونچا کرنے میں اتنا ہی حصہ لیا ہے جتنا کہ خدا کے عرفان سے فیضیاب کرنے میں۔

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۱۳ طبع السعادہ مصر [2] صحیح بخاری، حجۃ الوداع۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی تاریخ میں آنحضرت کی وفات ایک بڑا ہوش رُبا حادثہ تھا۔ عین اس وقت جب اسلامی تدبر نے حکومت کے لیے امیر کا انتخاب کیا، فاروق اعظمؓ نے مسجد نبوی کے ایوان میں برسرِ ممبر جو لفظ کہے وہ یہ تھے :

"میں نے غلطی سے چند خیالات قائم کر لیے تھے جو خدا اور رسول کے قوانین کے مطابق نہ تھے، میرا خیال تھا کہ آنحضرت تمام عمر ہماری حکومت کا نظام چلائینگے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ قانون (کتاب) ہمارے پاس رہیگا۔ اللہ کے رسول نے اسی سے رہنمائی حاصل کی تھی۔ ان اعتصمتم بہ ھداکم اللہ (اگر تم اس کے احکام کی پختگی سے پابندی کروگے تو اللہ تمہاری رہنمائی کریگا)[1]۔"

ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن جس طرح مذہبی احکام کا مجموعہ ہے اسی طرح حکومت کا قانون اور ضابطہ بھی ہے۔

اسلامی نظریہ یہ ہے کہ قانون کا وجود دین کے اندر موجود ہے۔ جب ہم دین کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے دنیا کے قانون کی آواز بھی ہمارے کانوں میں پہنچتی ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ دین کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں، الدین اسمٌ واقعٌ علی الایمان والاسلام والشرائع کلّھا" (دین نام ہے ایمان کا اسلام کا اور جملہ قوانین کا) ملا علی قاری اپنی تصریحات میں فرماتے ہیں کہ دین یہ ہے کہ زبان پر اسلام کا کلمہ ہو، دل یقین و تصدیق سے عہدہ برآ ہو، اور ضمیر خدائی قوانین و احکام کو قبول کرنے پر آمادہ[2]!

ابن خلدون اسلامی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے یہ تصریح کرتے ہیں کہ اسلامی حکومت (امامت) کا قیام ایک قانونی ذمہ داری ہے۔ ایک دنیاوی حکومت خالص سیاسی قانون پر مبنی ہوتی ہے۔ اس حکومت کے قیام کے معنی یہ ہیں کہ رائے عامہ اس کے قانون کی اطاعت کرے لیکن ایک دینی حکومت کی تعمیر و تاسیس کی بُنیاد وہ قوانین

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۴۸ [2] الفقہ الاکبر و شرحہ للامام ملا علی (سنہ ۱۳۲۳ھ) ص ۸۰ طبع مصر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنتے ہیں جن میں سے ہر ایک قانون خدائی فرض کی شکل میں عائد ہوتا ہے، یہ قوانین ایک ماہر اور شارح قانون (شارع) کے ذریعے سے قانونی صورت اختیار کرتے ہیں اور دین و دنیا کے مفاد کی بہتری کا ذریعہ بنتے ہیں اور دین کی ذمہ داریوں میں یہ بھی مستقل ذمہ داری ہے کہ ہمارا اجتماعی نظام قانونِ شریعت کا پابند ہو۔[1]

امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصریح ہے، قرآن میں محض حرام و حلال کے مسائل ہی نہیں ہیں بلکہ معاملات، معاشیات اور سیاست و تمدن کے احکام بھی موجود ہیں جن کا مقصد تمام نفوس، اقوام اور طبقاتِ عالم کو متمدن بنانا ہے اور جن کا تعلق تمام نسلِ انسانی سے ہے۔[2] ہر حکومت اپنے اقتدار اور خود شناسی کے دائرہ میں ایک اعلیٰ اور مکمل قانون کا مطالبہ کرتی ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلامی حکومت اپنی مؤثر تنظیمات میں ایک ایسے قانون سے محروم ہو جو اسلامی سوسائٹی کی مرکزی وحدت کے لیے خدا کے بعد سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ خدا کا عرفان انسانیت کا حقیقی مطمح نظر ہے، مگر اس کے لیے بھی خدا کے قانون کو تسلیم کرنا بے حد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شاہ ولی اللہ الدہلوی اپنی دوسری مستند کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں پرزور الفاظ میں کہتے ہیں کہ انسانی سوسائٹی ایک قوم کی حیثیت سے دین پر اس وقت تک عمل نہیں کر سکتی جب تک اس کے پاس قوانینِ شریعت نہ ہوں۔[3]

یہ امر قطعی ہے کہ اسلامی قانون اپنی ہستی کے دائرہ میں وحدانیت کا مالک ہے، اس کی وحدانی حیثیت مقننِ اعلیٰ کی وحدانیت کے تابع ہے۔ قرآن قانونِ کلی ہے، اور اپنے قانونی اوصاف میں اس طرح یگانہ ہے کہ اس کے بعد کسی دوسرے قانون کی ضرورت نہیں۔ جلیل القدر اصحابِ نبوت کا یہ عقیدہ کہ "خدا کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے (حسبنا کتاب اللہ) حرف بحرف صحیح ہے۔ اس سے حدیث اور قانونِ نبوت، قانونِ صحابہ،

[1] کتاب العبر۔ ابن خلدون، فصل ۲۵ ص ۱۳۳ [2] الفوز الکبیر ص ۴۔ ۴۴ طبع قدیم ۱۲۹۵ھ مصر
[3] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۹۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانونِ ائمہ حکومت، قانونِ اجماعِ امت، قانون سوادِ اعظم کے خلاف کوئی بات پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی قانونِ قرآن کی ضد نہیں ہے۔ یہ سب قرآن سے پیدا ہوتے ہیں اور قانونِ قرآن کے اندر داخل ہیں۔ یہ سمندر کی زندہ اور متحرک موجیں ہیں جو سمندر کے دل سے پیدا ہوتی ہیں یا وہ موتی ہیں جن کو سمندر نے اپنے اختیار سے ساحل کے ہاتھ میں دیا ہے تاکہ انسانی فراست کا خزانہ ان کی قیمت ادا کرے اور انسانیتِ عامہ ان سے فائدہ اٹھائے۔ انسان ان کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کا انکار قرآن کے قانونی احکام اور ہدایات کا انکار ہوگا۔

اسلامی حکمت عملی کی رو سے قرآن خدا کا حکم ہے یہ حکم حکومت کا فرمان ہوتا ہے اور قانون کا نام پاتا ہے۔ اس کی عملی شکل یہ ہوتی ہے کہ خدا کا قانون صالح، صلاحیت مند، سچے اور پکے رہنماؤں اور نائبوں کے ذریعہ سے منظر عام پر آتا ہے اور انسانوں کا رجحان اس کے ماتحت اجتماعی فعل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ گویا قانون خدا سے صادر ہوتا ہے اور عمل خلقِ خدا سے۔

قانونِ سنت قانونِ سنت نام ہے قانونِ نبوت[1] کا۔ قرآن میں قانون سنت کے لیے قانونی سند موجود ہے۔ حضرت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون ادھر اُدھر کی بات نہ تھی بلکہ وہ الہام کی قوت سے فیضیاب تھا (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى) علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ اور اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے حکم اور قانون کو قبول کرو اور اس کے رسول کے قانون اور حکم کو بھی قبول کرو[2]

---

[1] یہ اشخاص ایک اعلیٰ اور مثالی قانون (سنتہ راشدہ) کے پابند ہوتے ہیں۔ ان کی ہستی نفوس انسانی کے لیے بہترین مثال اور معیار ہوتی ہے۔ وہ تدبر میں بلند پایہ شخصیت میں پاکیزہ ہوتے ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے کبھی جھوٹ بولا، اور کبھی کوئی برائی اُن سے سرزد نہیں ہوئی۔ حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی ج ۱ ص ۸۳۔

[2] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۵۔ دیکھو فاروق اعظم کا قول۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت خود فرماتے ہیں: علیکم بسنتی (تم پر میرے قانون کی اطاعت واجب ہے)[1]
ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے: الا انی وقد اوتیت القرآن ومثلہ معہ (مجھے قرآن عطا کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی انداز کا ایک اور قانون عطا کیا گیا ہے۔ ابن کثیر تصریح کرتے ہیں کہ اس قانون سے قانونِ سنت مراد ہے کیونکہ قانونِ سُنت غیر تلاوت شدہ الہام پر مبنی ہے[2]۔

حجۃ الوداع کے تاریخی خطبے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قانونِ سنت قانونِ قرآن کا ضمیمہ ہے حضور انور کا ارشاد ہے: ایھا الناس قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابدًا امرًا بینًا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ[3] (اے افرادِ انسانی میں تمہارے پاس ایک دولت چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم نے اس کو محکم طریقہ پر ضبط و نظم کے ساتھ اپنا لیا تو تم کسی زمانہ میں گمراہ نہ ہوگے۔ وہ ہے اللہ کا قانون کتاب اللہ اور اُس کے نبی کا قانونِ سنت"

صحابہ ان فرامین کے منشا سے اس حد تک باخبر تھے کہ وہ نظم و انتظام کے ہر اہم مرحلہ پر قرآن اور قانونِ سنت سے نظائر تلاش کرتے تھے۔ اور یہ بخوبی جانتے تھے کہ قرآن کے مجمل احکام کی تعبیر و تشریح کرنا قانونِ سنت کا کام ہے۔ چنانچہ جب معاذ بن جبل یمن میں تمدنی اور انتظامی خدمات کے لیے بھیجے گئے تو ان سے حضور اکرم نے بنفس نفیس دریافت کیا فبم تحکم؟ (کس قانون کے مطابق حکومت کروگے) انہوں نے جواب دیا: بکتاب اللہ" (اللہ کے قانون کے مطابق۔ اس کے بعد دریافت کیا گیا۔ اگر کتاب اللہ میں کوئی نظیر نہ ملی تو کیا صورت اختیار کروگے۔ معاذ نے جواب میں عرض کیا: بسنۃ رسول اللہ (قانونِ سنت پر عمل پیرا ہونے کو ترجیح دونگا)[4]۔

حضور اکرم کو پیغمبرانہ بصیرت حاصل تھی۔ اور یہ معلوم تھا کہ اُمت میں ایسے اصحاب

---

[1] تیسیر الوصول الی احادیث الرسول ج ۱ ص ۲۶ [2] تفسیر قرآن عظیم ابن کثیر ۱۳۵۶ھ ج ۱ ص ۳
[3] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۵۱ [4] وہذا الحدیث فی المسند والسنن باسناد جید۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونگے جو حکمرانی کے منصب پر قبضہ کرینگے اور قانونِ نبوت کی خلاف کرینگے اس لیے فرمایا:

یکون بعدی ائمۃ لا یھتدون بھدای ولا یستنون بسنتی الخ	میرے بعد ایسے قائدینِ حکومت ہونگے جو میری ہدایات کے خلاف کام کرینگے اور میرے قانون کی خلاف ورزی کی جرأت کرینگے۔ (مسلم و ابوداؤد)

حسب ذیل قانونی اثر بھی اسی سلسلہ میں وارد ہوا ہے۔

(۱) من[1] اطاعنی فقد اطاع اللہ الخ	جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔
(۲) ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا (قرآن)	رسول جن باتوں کا حکم دے اس کو قبول کرلو اور جس معاملہ میں امتناعی حکم دے اس سے رُک جاؤ۔

علامہ منصور قانونِ قرآن اور قانونِ سنت کی باہمی نسبت کے متعلق لکھتے ہیں کہ خدا کے احکام کا نفاذ دو صورتوں سے ہوتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ حکم براہِ راست ہوتا ہے اور الفاظ و معانی کا تعلق مقننِ اعلیٰ سے ہوتا ہے۔ علماء اجتماعیات نے اس کو کتاب، قرآن اور فرمان قرار دیا ہے۔ یہ کتاب اپنے تواتر ذریعہ اجراء اور تحریر کے اعتبار سے قطعی الثبوت ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے الفاظ الہامی نہیں ہوتے بلکہ مضمون حکم کے منبع سے آتا ہے اور پیغمبر اس کو قانونی الفاظ میں پیش کر دیتے ہیں۔ علماء کی نظر میں یہی قانونِ سنت ہے۔ پیغمبر کا قول۔ زبانی قانون سمجھا جاتا ہے اور عمل۔ قانونِ حکمت عملی۔ قانونِ سنت کا ذمہ دارانہ کام۔ قانون قرآن کے عام مفہوم کو اصولی اور جزئی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اس دوسری صورت میں قانونی روایت کا مدار اصل قانون کی تطبیق پر ہوتا ہے اس کی صحت خوبی اور تواتر پر۔ درحقیقت شریعت کو قانون سازی سے جو علاقہ ہے اس کا اظہار ملۃ ابراہیمی کے ان

---

[1] رواہ الشیخان والنسائی۔ بحوالہ التاج (استاذنا صف) ج ۳ ص ۴۵

[2] حکومت الٰہی (دستور اساسی امامت امت) فارسی مادہ ۳ حاشیہ ص ۲۳ تا ص ۲۶ طبع ۱۳۵۰ھ بجنور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتماعی نظائر سے ہوتا ہے جس کی زمام آنحضرت ؐ کے ہاتھ میں رہی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ صاحب نے بجا طور پر یہ تصریح کی ہے، اس نظام کا مدار قانونِ سنّت کی مقررہ حیثیت پر ہے کیونکہ اس کے اصول مسلمہ ہیں۔ اگر قانونِ سنت کو نظر انداز کر دیا جائے تو ملی زوال کا اس سے بڑا سبب اور کوئی نہ ہوگا[1]

اس رائے کو قانونِ سُنت سے براہِ راست امداد ملتی ہے حضور کا ارشاد ہے کہ وہ زمانہ آئیگا جب قانونِ سنت کی خلاف ورزی کی جائیگی۔ اس زمانہ میں مردِ مومن وہ سمجھا جائیگا جو خلاف ورزی کرنے والوں کے مقابلہ میں ہاتھ سے زبان سے اور کم سے کم اپنے دل سے جہاد کریگا۔

قانونِ صحابہ اسلامی حکومت میں صحابہ کا قول و فعل بھی قانون کا درجہ رکھتا ہے جس طرح قانونِ سنت کا مآخذ (قانون قرآن) ہے اسی طرح قانونِ صحابہ کا سرچشمہ ترتیب وار دونوں ہیں۔ صحابہ کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ وہ اسلام کے اولین قانونی زمانہ میں موجود تھے، ان کو سب سے پہلے اور کسی درمیانی واسطہ کے بغیر کتاب اور سُنت کے قوانین کو سمجھنے اور اسلامی نظام میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ہم سے زیادہ قانون کی تعبیر و تشریح کا حق رکھتے ہیں[2]۔ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مستند قرار دیا گیا ہے اور پیغمبر خدا نے ان کے قول و فعل کو اسلامی حکمت عملی کے ارتقاء اور ضمنی احکام کے لیے ضروری قرار دیا ہے، قرآن ان کو ایک ایسی جماعت کا نام دیتا ہے جس کی شیرازہ بندی انسانیتِ عامہ کے فائدے کے لیے ہوئی ہے۔ آنحضرت نے بار بار اپنے اصحاب کے درجۂ قانونی کا اظہار فرمایا ہے: اصحابی کالنجوم (میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں)

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۲۴، ۱۶۹۔ [2] ردالمحتار ابن عابدین ج ۱ ص ۲ طبع ثالث مصر شیخ زادہ ج ۱ ص ۶ [3] الصحابۃ کلھم عدول (تمام صحابہ عدول ہیں) اس حکم خدمت کا اتفاق ہے دیکھو فقہ الاکبر شرح ملا علی قاری۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہادی و رہنما ہیں۔ ان اللہ اختار اصحابی علی جمیع العالمین الخ (اللہ نے میرے اصحاب کو تمام عالم سے پسندیدہ قرار دیا ہے) چنانچہ علامہ ابو اسحاق شاطبی (غرناطی) اس درجہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ قانونِ صحابہ، ایک قابلِ عمل قانون ہے اور قانونِ سنت کی طرح واجب الاطاعت ہے[1]۔

ابن قیم لکھتے ہیں کہ صحابہ اپنے تشخص میں اجتماعی ہیئت کے سردار، امام اور قائد ہیں۔ ان کے تین طبقے ہیں پہلے طبقہ میں سات اصحاب ہیں جن کے قانونی احکام زیادہ ہیں۔ عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ ام المومنین عائشہؓ زید بن ثابتؓ عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ دوسرے طبقہ میں تیرہ اصحاب ہیں جن کے احکام نہ زیادہ نہ کم۔ ان میں صدیق اکبرؓ عثمان بن عفانؓ ابوہریرہؓ اور سلمان فارسیؓ بہت نمایاں نمایاں ہیں تیسرے طبقہ میں کم و بیش ایک سو تیئس اصحاب ہیں جن میں باقی تمام ممتاز صحابہ اور صحابیات شامل ہیں۔ ان کے احکام بہت کم ہیں[2]۔

بعد کے دور میں جو قانونی آثار ظاہر ہوئے اور مکہ معظمہ سے لے کر مدینہ منورہ، مصر و شام، دارالسلام بغداد اور کوفہ میں جو سیاسی تشکیلات منظر عام پر آئیں ان میں قانونِ صحابہ کا بڑا دخل تھا۔

یادداشت | قانونِ صحابہ مستقل قانون نہیں ہے بلکہ قانونی تفصیلات پر مبنی ہے، صحابہ کے دل نورِ نبوت سے منور تھے۔ قانونِ اساسی کو بخوبی سمجھتے تھے۔ علم صحیح اور عملِ صالح سے بہرہ مند تھے۔ ان میں خلفاء راشدین بھی تھے اور عہدِ نبوی کے گورنر اور سپہ سالارانِ افواج بھی اس لیے ہم سے زیادہ انہیں قانون کی تشریح کا حق ہے۔ عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی کہ جس کی شانِ نزول سے ہم باخبر نہ ہوں۔ ہم دش

---

[1] الموافقات (شاطبی) سنۃ الصحابہ کسنۃ الرسول۔ ج ۴ مسئلہ ۹ ص ۴، ۷۶ تا ۸۰۔

[2] اعلام الموقعین ابن قیم رشتہ ج ۱ ص ۹۔ ۱۰۔ ۱۱، رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیات کو پڑھتے تھے مگر اس سے زیادہ حاصل کرنے سے پہلے اس پر عمل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ ایک اثر میں وارد ہوا ہے کہ ہم قانون کا علم اور قانون پر عمل ایک ساتھ کرتے تھے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۳)۔

قانونِ اجماع اسلامی حکومت کے اصحابِ علم وتدبر کی رائے عامہ کا کسی قانونی معاملہ میں متحد ہو جانا اجماع ہے۔ اس کی نمایاں علامت یہ ہے کہ اس اتحاد کے بعد اسلامی معاشرہ کی پوری رائے عامہ اس فیصلہ پر جمع ہو جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اُمت کے صالح مدبرین اور ارجمند عوام کسی فیصلہ پر جمع ہو جاتے ہیں تو وہ قانون کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ علامہ ابوالبقاء حنفی لکھتے ہیں:۔

اُمت محمدیہ کے ارباب اجتہاد (درجہ اول کے مفکرین ومدبرین) کا قانونی حکم پر جمع ہو جانا، اجماع ہے۔ اور اس کو قانونی طور پر حجت سمجھا جاتا ہے۔ قانونی قیاس اور قانونی تقلید بھی اسی سلسلہ کے ماتحت ہیں۔ قانونِ اجماع کے جو نظائر تواتر اور تسلسل کے ساتھ باقی رہیں، ان کو قطعی قانون کا درجہ حاصل ہے۔ قانونِ اجماع کی خلاف ورزی ناجائز ہے[۱]

اُمت کی اکثریت بھی اجماع[۲] کا فائدہ دیتی ہے۔ اکثریت کا فیصلہ سوادِ اعظم کا فیصلہ ہے اس لیے اس کو قانون میں مناسب اہمیت[۳] حاصل ہے۔

یادداشت حجۃ الاسلام علامہ ابوبکر جصاص حنفی (متوفی ۳۷۰ھ) اپنی فیصلہ کن رائے

---

[۱] کلیات العلوم، ابوالبقاء حنفی ص ۲۴ - ۲۵ طبع آستانہ، تعریفات سید شریف ۴ - ۵ (اضافہ) اعلام الموقعین ج ا ص ۱۵ ردالمحتار ج ا ص ۳۴ - اجماع کا لفظ دیکھیے۔

[۲] قانونِ اجماع کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اساسی قانون کے مطابق ہو۔ بسا اوقات اجماع کو اجماع کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ یہ اجماع یا تو اساسی قانون کے خلاف ہوتا ہے یا اس سے مکمل مطابقت پیدا کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ دیکھو فتاوی ابن تیمیہ ج ا ص ۴۰۶۔ [۳] فاروق اعظم نے سات اصحاب کی شورائی کونسل میں حضرت ابن عمر کو اکثریت کے فیصلہ کو قبول کرنے کی ہدایت کی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: خداوند عالم نے اُمت اسلامیہ کو امت وسطیٰ (بہترین قوم) کا خطاب دیا ہے اور اس کو تمام دنیا کے انسانوں کے لیے حجۃ قرار دیا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس اُمت کا اجماع اصولاً صحیح اور قابلِ قبول ہے۔ چونکہ اس اُمت کے افراد بہترین کردار کے مالک ہیں اس لیے ان کا اجماع کسی غلط عقیدہ اور غلط مقصد پر نہیں ہو سکتا، وہ اپنی خداداد ذمہ داری پر جو فیصلہ کریں گے اس میں عدل اور عام بہتری کا ضروری لحاظ ہوگا۔ عہدِ نبوت سے لے کر قیامت تک صالح مسلمانوں کی رائے عامہ کا اجماع قابلِ تقلید ہے، اجماع کا ہر ایک فیصلہ اُس زمانہ کے مسلمانوں کے لیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے واجب التعمیل ہے۔ البتہ اجماع کے لیے شرط یہ ہے کہ صحیح طرز پر برروئے کار آئے۔ مسلمان جس فیصلہ پر جمع ہوں وہ قانونِ الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ جمع ہونے والے اپنے زمانہ میں بہترین انسان ہوں۔ اور ان کو یقین ہو کہ وہ انسانی بہتری کے لیے بے غرضی کے ساتھ اپنا فیصلہ دے رہے ہیں۔ فاسق اور بدکار اشخاص مسلمانوں کی شکل میں مجتمع ہو کر اگر کسی رائے پر جمع ہو جائیں اور وہ رائے اصولِ دین کے خلاف ہو تو اس کو قانونِ اجماع کا درجہ حاصل نہ ہوگا۔[۱]

قانونِ شوریٰ شوریٰ کے فیصلوں کو قانون اجماع کے ماتحت آئینی مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ شوریٰ کے فیصلے قانون اساسی کے مطابق ارتقائی حالات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اُمت کے عام افراد اپنی رائے عامہ سے ان کو صورت وجود عطا کرتے ہیں۔ اور اسلامی نظام اس پکار بند ہو کر اپنے ارتقائی مدارج کو پورا کرتا ہے[۲] (تفصیل کے لیے دیکھو "شوریٰ")

قانونِ امامت امام نظمِ اجتماعی کا مرکز ہے وہ خدا اور خلقِ خدا کے عطا کردہ اختیار کے ماتحت اسلامی قانون کے اجراء کے لیے جو احکام دیتا ہے ان کو "قوانینِ امامت" کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ قوانین اپنے مزاج کے اعتبار سے قانونِ اساسی کی مطابقت پر پورا زور دیتے ہیں انسانی

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھو احکام القرآن جصاص ج ۱، ص ۱۰۲-۱۰۳ [۲] تاریخ ابن کثیر ج، ص ۱۰۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوسائٹی کے حالات، ضروریات اور تحریکات بدلتی رہتی ہیں۔ اسلامی حکومت کے قائد کا فرض ہے کہ وہ برمحل اُمت کی رہنمائی کا حکم صادر کرے یہ حکم قانون کا مرتبہ رکھتا ہے اور قانونِ امامت کی حیثیت سے اس کی تعمیل واجب ہے۔

قانونی اجتہاد | قانونِ امامت اس قانونی اجتہاد اور ضمنی قانون سازی پر مبنی ہے جس کی اجازت قانون شریعت دے چکا ہے۔ اس قانون کو حق ہے کہ لوگوں سے اطاعت کا مطالبہ کرے لیکن لوگوں کو اس سے پہلے یہ جان لینے کا حق ہے کہ اس کو قانونِ اساسی کی سرپرستی حاصل ہے۔ اسلامی حکومت کے امام کے لیے پہلی چیز یہ ہے کہ وہ قانون قرآن اور قانونِ سنت کا عالم اور محقق ہو تاکہ قانونِ امامت اپنے دائرہ سے باہر نہ جائے[۱]

اسلام کے نزدیک قانون کی بنیاد قانونی مصالح ہیں اجتہاد کا مقصد قانونِ شریعت کے مقاصد کو سمجھنا اور درست طور پر سمجھے ہوئے قانون کو قائم[۲] کرنا ہے۔ اجتہاد کبھی ایسی پوزیشن اختیار نہیں کر سکتا جس سے اصول شریعت اور ضمنی دفعات کی مطابقت میں فرق آجائے[۳]۔ امام پیغمبر کے قائم مقام کی حیثیت سے حکم دیتا ہے[۴]۔ یہ اس کے کام کا دائرہ ہے اور اس سے تجاوز کرنا خلافِ قانون ہے۔

فاروق اعظمؓ نے قاضی شریح کو جو مراسلہ بھیجا تھا اس میں اسلامی قانون کی قوتوں کو ترتیب وار پیش کیا گیا ہے۔ حضرت فاروقؓ اسلامی حکومت کے امام کی حیثیت سے لکھتے ہیں۔ جب کسی قانونی فیصلہ کا وقت آئے تو کتاب اللہ کے قانون پر عمل کرو۔ اگر کتاب اللہ کی رہنمائی سے قاصر رہو تو قانونِ نبوت کو اختیار کرو۔ اگر قانونِ سنت میں اس کے متعلق ضمنی دفعہ نہ ہو تو قانونِ اجماع کو ہاتھ میں لو یہ بھی نہ ہو سکے تو قانونی اجتہاد تمہارا حق ہے[۵]

قانونِ فقہ | فقہ اور قانون دونوں کے درمیان ایک خاص ربط ہے۔ فقہ نام ہے قانون کے

۱؎ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۶ (دیکھو قانونِ امامت کے شرائط) ۲؎ الموافقات شاطبی ج ۴ کتاب الاجتہاد ص ۱۰۵-۱۰۶ ۳؎ ایضاً ص ۱۱۸ ۴؎ ایضاً ص ۲۴۴ ۵؎ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۱-۵۴۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم کا، امام غزالی لکھتے ہیں (الفقہ ہو معرفۃ القانون) فقہ قانون کی معرفت کو کہتے ہیں اس کا تعلق معاملات میں قانونِ الٰہی اور امور سیاسی دونوں سے ہے[۱]۔ ابن عابدین نے بھی قریب قریب یہی نظریہ پیش کیا ہے۔ بحر الرائق کے مصنف کی تصریح یہ ہے کہ فقہ قوانین و احکام کے اس ادراک کا نام ہے جس کے ساتھ دلائل ہوں[۲]۔

فقہ کا منبع قانونِ اساسی کو ہونا چاہیے۔ جب ایسا ہوگا فقہ کے احکام قطعیت کے ساتھ قبول کیے جائیں گے[۳] یہی وجہ ہے کہ قانونِ نبوت نے قانونِ فقہ کو دین کی عمارت کا ستون قرار دیا ہے[۴]۔

فقہائے قانون | چونکہ فقہاء علم قانون کے ماہرین ہیں اس لیے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: الفقہاء العالمون باحکام اللہ تعالیٰ (فقہاء خدائی قوانین کے ماہرین ہیں[۵])

یادداشت | قرآن اسلامی حکومت کا اٹل قانون ہے، اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے منجانب اللہ ایک علم موجود ہے، اور یہ حکم قطعی ہے، واجب التعمیل ہے اور غیر تغیر پذیر ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس قانون کے مزاج میں جمود کو دخل ہے۔ اور وہ زمانہ کے حالات، تغیرات اور وقائع سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتا۔

اس قانون کے اٹل ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں انسانیت اور فطرت کے وہ تمام مسلمہ ضابطے موجود ہیں جن میں ازل سے ابد تک کوئی تبدیلی ممکن نہیں، حکومت بطرز احسن، سیاست بشکل حکمت، امن و صلح، عدل و انصاف، انسانی اصلاح اور تعمیر و ترقی، ملی اور معاشی حقوق کی مساوات، مظلوم کی حمایت، ظلم کی بیخ کنی، خدا کی اطاعت اور خدا ترسی یہ اور اسی قسم کے دوسرے امور جو قوانینِ قدرت کی حیثیت سے اٹل ہیں

---

[۱] احیاء العلوم غزالی ج ۳ (حقیقۃ الدنیا) ص ۱۹۶، رد المحتار (ابن عابدین) ج ۱ ص ۳۴۔
[۲] مجمع الانہر ج ۱ ص ۵ [۳] دیکھو الموافقات شاطبی ج ۱ ص ۲۹ [۴] رد المحتار ج ۱ ص ۳۸ [۵] ایضاً ص ۴۳-۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قانون میں داخل ہیں نظام عالم ہمارے سامنے ہے اس نظام میں بھی اٹل اصولوں کا دخل ہے۔ زمین آبادی کے لیے ہے، مہر و ماہ روشنی کے لیے، دن کام کے لیے رات آرام کے لیے۔ طلوع مہر اور نمود ماہ ایک قانون ہے۔ ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کا وقت مقرر ہے جس طرح نظامِ عالم کے یہ عناصر ہمیشہ سے ایک حالت پر ہیں اسی طرح انسانیت اور فطرتِ انسانی کے قوانین مقرر ہیں، اور قرآن انہی کا مجموعہ ہے۔

زمانہ کی تبدیلیاں موسم کی ہواؤں کی طرح ہیں وہ اصول کے تغیر پر مبنی نہیں بلکہ جزئیات کے تغیر پر مبنی ہے۔ ان تغیرات کے لیے قوم کا اقتدار اعلیٰ اور امت کا اختیار کافی ہے۔ وہ زمانہ کی ترقی اور تنزل کے مطابق قانونِ الٰہی کی رہنمائی میں فیصلہ دینے کا مجاز ہے۔ قانونِ سنت، قانونِ اجماع، قانونِ شوریٰ، قانونِ اجتہاد و قیاس اور صدر حکومت کے قانونی فرامین اسی لیے ہیں تاکہ زمانہ کے حالات پر غلبہ اور اقتدار حاصل کیا جا سکے اور ہنگامی تبدیلیوں کا ساتھ دیا جا سکے [1]

ارتقا پذیر قانون | قانونِ امامت سرتاسر ارتقا پذیر ہے اور حالات کی ترقی کے ساتھ اس کے احکام ترقی کرتے رہتے ہیں۔ حکومت کے روزمرہ کے معاملات اور تنظیمات میں قانونِ امامت ہی موثر ہے۔ اور وہ کوئی جامد چیز نہیں ہے۔ اس کا مدار اس کلیہ پر ہے کہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ احکام بدل جاتے ہیں اور زمانہ کی ترقی کے ساتھ قانون جائز طریقہ پر لابدی ترقی کرتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حکومت کا ماخذ الہامی قانون ہے اور حکومت کے ارتقا میں انسان کی ارتقا پذیر فطرت کا دخل ہے جو قدرت کے منشائے اعلیٰ کے مطابق فاستبقوا الخیرات "بھلائیوں کی طرف ترقی کرو" یہ قرآن کا حکم ہے اور اسلامی حکومت کا قانون اس کا زبردست داعی ہے۔

[1] دیکھو احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۲۳۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دفعہ ۱۱۔ اسلامی حکومت اور سیاست

اسلامی سیاست ایک فن ہے جس کے ذریعہ سے اسلامی حکومت کا نظام چلتا ہے اور ایک طریقہ ہے جس کی رو سے ریاستِ عامہ کے افراد اپنی بہتری کا کام انجام دیتے ہیں۔

اسلامی سیاست عدل اور اعتدال کے ساتھ اسلام کے قوانین کے مطابق حرکت کرتی ہے اور ان اغراض کے لیے منظرِ عام پر آتی ہے جن کا تعلق امت کے افراد اور عام انسانی بہتری سے ہے۔ انسانی سوسائٹی کو قانونِ الٰہی کا پابند بنانا اور ایک شیرازہ بند مملکت کے اندر جمع کرنا اسلامی سیاست کا منشاء ہے۔

تشریحات اور نظائر

حکمت اور سیاست | قرآن عظیم میں سیاست کے ہم معنیٰ "حکمت" ایک ایسا لفظ ہے جس کا اطلاق سیاسی حکمت عملی پر بھی ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ حکمت کا لفظ سیاست کے مفہوم کو بھی پیش کرتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے وسیع مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے قرآن میں ملک و مملکت اور قانون کے ساتھ بار بار حکمت کا ذکر کیا گیا ہے اور ایک فرمان میں کہا گیا ہے کہ خداوند عالم جس کو "حکمت" سے بہرہ مند کرتا ہے، وہی زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرتا ہے اور خیر کثیر کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ امر اس کا واضح ثبوت ہے کہ حکمت کا تعلق سلطنت کی حکمت عملی سے بھی ہے۔

امام راغب اصفہانی حکمت کی تعریف یہ پیش کرتے ہیں: علم اور عقل کی قوت سے ایک درست نتیجہ پیدا کرنا حکمت ہے" احکام کی غرض و غایت کے ماتحت کسی نتیجہ تک پہنچنا اور اس کو عالم ایجاد میں لاتا" موجودہ امور کا علم اور اچھے کارناموں کا سرانجام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینا" حکمت ہے۔ یہی وہ حکمت ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے۔[1]

علّامہ ابوحیان نے البحر میں حکمت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

"متعلقہ فرائض کو اس طرح انجام دینا کہ اپنی جگہ درست شکل میں نظر آئیں"

دونوں مندرجہ مفہوم سیاست کے مفہوم کو پورا کرتے ہیں حکومت و سلطنت کے دائرہ میں سیاست کا کام یہی ہے کہ حکومت کے نتائج اچھے ظاہر ہوں۔ اچھے کارنامے منظرِ عام پر آئیں اور حکومت کے امور اپنی جگہ صحیح طور پر پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ یہی اس حکمت کا منشاء ہے جس کا تعلق حکومتِ الٰہی اور خلافت سے ہے۔

قانونِ اسلام کے ماہرین نے حکمت کے متعلق جو تصریحات پیش کی ہیں ان کی رو سے تسلیم کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ حکمت کا تعلق حکمت عقلی سے بھی ہے اور حکمت عملی سے بھی۔ ابن قتیبہ کے نزدیک حکومتِ الٰہی کے معاملہ میں انسانی عقل کی کارگزاری کا نام حکمت ہے۔ ابن قاسم کہتے ہیں کہ حکومتِ الٰہی کے معاملات میں غور و فکر کرنا اور نتائجِ فکر کو حکمتِ عملی کی صورت دینا حکمت ہے۔

علماء اسلام نے واضح طور پر اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ حکمت کا تعلق حکومت، احکامِ حکومت۔ محاکم حکومت (عدلیہ و قضا) دین کی فلاح اور دنیا کی عام اصلاح سے ہے قرآن اور قانونِ سُنت کے احکام کا اجراء بھی حکمت ہی سے متعلق ہے کیونکہ یہی دونوں چیزیں ریاستِ عامہ کی سیاست[2] کا مآخذ ہیں۔

علماء اسلام کی آراء اسلامی دنیا نے مدتوں اسلامی زندگی کے پُرجوش اور صداقت انگیز نظارے دیکھے ہیں۔ اسلامی دورِ حکومت میں سیاسی آثار کا اتنا غلبہ رہا ہے کہ صدیوں تک مسلمانوں کا دور بھی ان سے فائدہ اُٹھاتا رہا۔ اسلامی سیاست نے علماء سیاست پیدا

---

[1] مفردات القرآن امام راغب۔ الحکم صفحہ ۲۷۶ (ج ۱) طبع خیریہ مصر۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھو البحر المحیط ابوحیان اندلسی ج ۱ صفحہ ۳۹۲ ج ۲ ص ۳۶۹ تا ۳۲۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے جنہوں نے چار سو سال تک یورپ کے سیاسی ماحول پر اثر ڈالا۔ ہمارے نظام نے سیاسی خیالات اور سیاسی رجحانات پیدا کیے جن کی قوت سے سیاسی کتابیں قلمبند کی گئیں۔ ان کتابوں کے نظریات نے مغرب کو نظریات دیے، جن کی موجودہ آواز ماضی سے ہم آہنگی کا ثبوت دے رہی ہے۔ آج سے صدہا سال قبل علماء سیاست کی تعریف و تنقیح میں حصّہ لے چکے ہیں اور سیاست کے متعلق وہ سب کچھ کہہ چکے ہیں جن کو عصرِ حاضر کے علماء نے آج اپنی زبان و قلم سے ادا کیا ہے۔

علّامہ ابن خلدون سیاست کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

سیاست اس ذمہ داری کا نام ہے جس کی رو سے عام انسانی نگہداشت (کفالت) کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے جس کے ذریعہ خدا کی نیابتی حکومت بندگانِ خدا میں خدا کے قوانین کو نافذ کرتی ہے اور احکام کا اجراء عمل میں لاتی ہے۔ اس کام میں انسانی بہتری اور مفاد عامہ کا لحاظ رکھتی ہے، اور قانون (شرائع) کو فیصلہ کن قوت تسلیم کرتی ہے۔[۱]

سیاست کی اس تعریف کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے سیاست کا تعلق حکومت و سلطنت کے اس کاروبار سے ہے جس سے مصالحِ عامّہ کی تکمیل ہو اور عام بندگانِ خدا کی حالت میں بہتری پیدا ہوتی ہے

علّامہ ابوالبقاء حنفی سیاست کی تعریف یہ کرتے ہیں: وہ کام جس کا مقصد انسان کی بہتری کے لیے ایک ایسا راستہ پیدا کرنا ہے جو حال اور مستقبل کی رہنمائی کے لیے ضمانت کر سکے۔ سیاست انبیاء کی ذمہ داری ہے جو اپنے عام اور خاص۔ ظاہری اور باطنی دائرہ میں اسی طرح کام کرتی ہے جس طرح حکمراں صرف ظاہری حلقۂ اثر میں اس ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں۔ علّامہ محترم سیاستِ معاشی سیاستِ مدنی کی اصطلاح خاص کہتے ہیں[۲]

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون ف۲ ص ۱۰۱ طبع البہیہ مصر۔ [۲] کلیات ابوالبقاء ص ۳۲۴۔ ایضاً ص ۳۱۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور سیاستِ اجتماعی کو سیاست خلافت قرار دیتے ہیں۔ (دیکھو خلافۃ)

ہمارے علماء نے سیاست اور حکومت کے آئینی ربط پر بھی واضح خیالات کا اظہار کیا ہے علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں انسانی سرگرمیوں کا مدار تین حقیقتوں پر ہے اول (عمارت الارض) روئے زمین پر عمرانی تمدن کے بروئے کار لانے پر۔ دوسرے (خلافت) اسلامی طرز کی نیابتی حکومت پر جو سیاست کے اعتبار سے خدا کے اقتدارِ اعلیٰ کی مکمل اطاعت کرے تیسرے (مکارمِ شریعت) اسلامی قانون کے اعلیٰ اوصاف پر[1]۔ مزید تصریح کرتے ہیں: ان الخلافۃ تستحق بالسیاسۃ (نیابتی حکومت (خلافت) کا استحقاق سیاست کی بنا پر حاصل ہوتا ہے۔

امام کے نظریہ کی رو سے سیاست کی دو قسمیں ہیں۔ فرد کی سیاست اور جامعہ (سوسائٹی) کی سیاست۔ جامعہ سے پہلے فرد کو سیاسی کردار میں کامل ہونا چاہیے جو فرد اپنی جگہ بہتر سیاست پر قادر نہیں ہے وہ حکومت کی سیاست کے جہاز کو نہیں چلا سکتا حکومت سے پہلے قانون کا علم ضروری ہے اور قانون کے ساتھ سیاستِ عامہ کا جاننا لازمی شے ہے (انکو لا تصلحوا للسیادۃ قبل معرفۃ الفقہ والسیاسۃ العامۃ[2])

شارح قانونِ اسلام علامہ ابو الحسن ماوردی (۴۵۰ھ) نے زیادہ صاف پیرایہ بیان اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں: الامامۃ موضوعۃ فی حراسۃ الدین وسیاسۃ الدنیا[3] (اسلامی حکومت ایک قسم کی قیادت ہے جو دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست پر مبنی ہے) گویا دین کی حفاظت کے بعد دنیا کے کاموں میں اس کا حصہ لینا سیاست پر موقوف ہے۔ اسلامی حکومت کے قائم کے لیے۔ سیاست ایک خدائی آلۂ کار ہے جس کا کام اجتماعی نظام کا اتحاد ہے[4]۔ علامہ ماوردی اس رائے پر بھی زور دیتے ہیں کہ قانونِ (شریعت)

[1] الذریعہ الی مکارم الشریعہ ب ص ۱۸ [2] ایضاً ب ۹ ص ۱۹

[3] الاحکام السلطانیہ ب ص ۳ [4] ایضاً ب ۴ ص ۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا تعلق ذمہ داریوں سے ہے، اور سیاست کا رِ دنیا کی تعمیر سے[1]

امام غزالی کے نزدیک دنیا ایک ارضی نظام ہے جس سے انسان خاص تعلق رکھتا ہے، انسان ایک وحدت ہے مگر یہ وحدت اجتماعیت میں گم ہو جاتی ہے۔ اسلامی زندگی کا تعلق اسلام کے قوانین سے ہے اور یہ قوانین معاملاتِ دنیا کے دائرہ میں سیاست کے کارنامے ہیں[2]

آخری دور کے علماء میں امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے اسلامی زندگی کے سیاسی محرکات کو حکیمانہ طرز بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ تصریح کرتے ہیں کہ اسلام کے نظام اجتماعی کا تعلق سیاست سے ہے اور سیاست کی اساس معتدل واجبات پر ہے۔ انبیاء کی جدوجہد کا مدار بھی درحقیقت دو چیزوں پر رہا ہے۔ صحیح انسانی تہذیب پر اور اُمت کی سیاست پر[3]

امام ابوالحسن (ماوردی) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: منصب الخلافة فهو من حقوق السیاسة[4] (نیابتی حکومت (خلافت) ایک منصب کی حیثیت سے سیاسی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے۔ امام ابن تیمیہ کے نزدیک حکومت ایک امانت ہے جس کا کام سیاستِ عدل کو برقرار رکھنا ہے[5]

اِن تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں سیاست وہ فن ہے جو حکومت کے واجبات اور سلطنت کے نظم و نسق سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلمانوں نے مدتوں سیاست و حکمت کا فانوس روشن رکھا اور ہمیں یقین ہے کہ دنیا کے موجودہ سیاسی شعور میں جو عمومیت اور حکومت کے قالب میں اختیارات کی جو قوت نظر آتی ہے اس میں اسلام کے سیاسی دور کا بڑا دخل ہے۔

---

[1] الاحکام السلطانیہ ص ۸۰ [2] احیاء العلوم غزالی ج ۳۔ حقیقة الدنیا ص ۱۹۶
[3] حجة اللہ البالغہ ج ا حقیقة النبوة ص ۹۵۔ تفصیل کے لیے دیکھو اعلام الموقعین ج ۴۔ ص ۳۰۹۔ لا سیاسة الا ما وافق الشرح بحیث یکون الناس معه اقرب الی الصلاح وابعد عن الفساد۔ [4] الاحکام السلطانیہ ص ۳-۱۳
[5] السیاسة الشرعیہ ص ۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاست اسلامی عہد میں | اسلامی عہد میں ارقم بن ارقم کے مکان میں خفیہ اجتماع سے اُمت کی تنظیم کا نتیجہ خیز کام شروع ہوا تھا جس کی تکمیل اُس وقت ہوئی جب مدینہ نبوت اور خلافت کا پایۂ تخت بن گیا۔ مکہ میں ملتِ ابراہیم کی شیرازہ بندی، بین الاقوامی تعلقات کے لیے اصولِ ہجرت کا اجراء اور اسلامی معاشرہ کے استحکام کے لیے اصول بیعت (اجتماعی حلف) کا نفاذ، مدینہ میں انصار و مہاجرین کے بھائی چارہ کی تشکیل، بدر کی جنگ، حدیبیہ کی صلح، مکہ کی فتح، فتح کے بعد انسانی مساوات، امن، آزادی اور اخوت کا اعلانِ عام، سلاطینِ عالم کے درباروں میں سفراء کی روانگی، بیرونی سفراء کی مدینہ میں باریابی، صوبائی تنظیم، حکام کا تقرر، فرامین کا اجراء، سقیفہ کی شوروی مجلس میں رائے عامہ منصب حکومت کا فیصلہ۔ ایسے کارنامے ہیں جن کا تعلق سرتا سر اسلامی سیاست سے تھا۔

یادداشت | اسلام کی تاریخ حکمرانی پر سیاسی نقطۂ نظر سے غور کیجیے۔ سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری اور تاریخ ابن کثیر، تاریخ فتوحات الاسلامیہ دحلان میں جابجا اسلامی سیاست کے آثار ملتے ہیں، زمانۂ حال کے فاضل مورخ اور عالم اجتماعیات محمد کرد علی نے اپنی کتاب (الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۲) میں السیاسۃ فی الاسلام کے عنوان سے اسلامی سیاست کے ہر دور کے واقعات پیش کیے ہیں۔ دیکھو ص ۳۳۱، ۳۷۹۔

یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ یوروپین سیاست و تمدن نے اسلام کے نظریات حکمت و سیاست سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔[1]

مسٹر جولیو کسٹلاٹ (Jolio Castelat) اپنی کتاب قانون تاریخ میں کھلے دل سے ان عظیم ترقیات کا اعتراف کرتے ہیں جس کا اظہار خلافت راشدہ کے سیاسی دور میں ہوا وہ لکھتے ہیں:۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دائرہ اسلام میں آنے کے لیے تیار تھی، آنحضرتؐ کے

---

[1] بحوالہ الاسلام والحضارۃ العربیہ ت ہم ص ۳۰ ج ۱ ص ۹۵ کرد علی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد اسلامی تمدن آناً فاناً بروئے کار آیا۔ دسویں صدی سے چودھویں صدی تک تو ایسا زمانہ گزرا ہے جب یورپ میں اس تمدن کے علاوہ اور کوئی تمدن نہ تھا۔

کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری لکھتے ہیں :۔

"ابھی سو سال نہ ہوئے تھے کہ اسلام کی حکومت سب جگہ چھا گئی اور دنیا کی کوئی طاقت اُس کو اُبھرنے، اوپر اُٹھنے اور ساری کائنات تک اپنی روشنی پہنچانے میں مانع نہ ہو سکی" [۱]

مستند فرانسیسی عالم موسیو ریناں ڈینیہ (Dinet) نے نپولین کی تاریخی یادداشتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ نپولین کے سیاسی تصورات میں اسلام کا تصورِ حکومت کام کر رہا تھا [۲]۔ ۲۸ اگست ۱۷۹۸ء کی یادداشت یہ ظاہر کرتی ہے کہ نپولین انسانی بہتری کے لیے یہ ضروری سمجھتا تھا کہ قرآن کی سیاست پر نظامِ حکومت کی بنا رکھی جائے۔

یہ بیانات اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ اسلام کے نظریات یورپ میں سیاست و تمدن کی تخلیق کا باعث ہوئے۔ اسلام کے ظہور سے مغربی کرۂ ارض میں صدیوں کی جہالت کے بعد حکومت و سلطنت کا قانون روشن ہوا۔

عہدِ نبوی میں سیاست کے بنیادی اصول متعین صورت میں بروئے کار آئے اور خلافتِ راشدہ میں سیاسی حکمت عملی کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ کر مشرق و مغرب کے سر پر طلوع ہوا۔ خلافتِ راشدہ کے بعد امامت و خلافت کے تصورات نے سلطنت و شہنشاہیت کی شکل اختیار کر لی لیکن صدیوں تک اسلامی سیاست کے اثرات موجود رہے جن کا مظاہرہ کبھی کبھی بہت اچھا ہوتا ہے۔

حضرت معاویہؓ کے عہد میں پہلی سیاسی تاریخ کتاب الملوک حکومت کی نگرانی میں لکھی گئی [۳]

---

[۱] الاسلام کاسٹری ص ۳۰ [۲] حاضر العالم الاسلامی تعلیقات امیر شکیب ارسلان ج ۱ ص ۱۲۴۔۱۲۵ (الفتح العربی)

[۳] کتاب الفہرست ... ۱۳۲ (کتاب الملوک عبید بن شریہ یمنی دائرۃ المعارف حیدر آباد کے زیر انتظام طبع ہو چکی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے ہم یہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے علم السیاست پر توجہ شروع ہوگئی تھی

تیسری صدی ہجری میں ابن قتیبہ الدینوری (المتوفی ۲۷۶ھ / ۸۸۹ء) نے عیون الاخبار میں[1] سلطنت پر ایک مستقل کتاب تحریر کی اور اس میں سیاسی معاملات قانون مشاورت، عمال سلطنت اور حکام ولایات کے متعلق مباحث درج کیے۔

چوتھی صدی کے آغاز میں علامہ ابونصر فارابی (۳۳۹ھ / ۹۵۰ء) نے متمدن شہریت اور مبادیِ سیاست واجتماع پر اپنی بلند پایہ کتاب مبادی آراء اہل المدینۃ الفاضلہ دنیائے سیاست کے لیے پیش کی۔ ہماری متمدن دنیا کا شہری سیاسی نظام آج تک فارابی کی مقررہ ترتیب سے سر مو آگے نہ جاسکا۔ محلہ کے نظام سے مملکت کے سیاسی نظام تک فارابی نے شہریت کے تمام درجات کو پیش کیا ہے اور ہماری میونسپلٹیاں تک اس کی ممنونِ احسان ہیں[2]۔ یورپ کے علماء نے اس کتاب سے صدیوں تک جس شغف کا اظہار کیا ہے وہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کتاب نے تمام دنیا کے سیاسی مزاج پر اپنا اثر ڈالا ہے۔

چوتھی صدی کے وسط میں رسائل اخوان الصفا[3] قلمبند ہوئے۔ اخوان الصفاء نے سیاست کو ایک مستقل فن قرار دیا اور سیاست کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔

سیاستِ نبوی، وہ سیاست جو مقدس قوانین اور پاکیزہ نوامیس پر مبنی ہو اور ضمیرِ انسانی کو فاسد آراء اور نظریات سے محفوظ رکھتی ہے۔

سیاستِ ملوکیہ۔ وہ سیاست جو قانونِ شرع کی حفاظت کے اصول سے آگاہ ہو اور قوم پر اس کو عائد کرے، ملت میں قانون کو زندہ کرے اچھے احکام نافذ کرے اور برائیوں کا قلع قمع کرے۔ (شخصی مسلم حکومت)

---

[1] عیون الاخبار کی چار کتابیں جن میں کتاب السلطان اور کتاب الحرب السیاسی اہمیت رکھتی ہیں جرمن پروفیسر کارل برکلمن نے ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۸ء برلن اور اسٹراسبرگ میں طبع کرکے یورپ کے استفادہ کے لیے پیش کیں۔
[2] دیکھو آراء اہل المدینۃ الفاضلہ ابونصر فارابی طبع لیڈن ص ۵۳۔ [3] اخوان الصفاء کا ذکر تاریخ سیاست کے ضمن میں کیا گیا۔ یہاں اس جماعت کے عقائد وخیالات سے بحث نہیں کی گئی وہ اپنی جگہ قابل بحث ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاستِ عامہ۔ وہ سیاست جو ایک ایسے سردارِ حکومت کے عمل سے صادر ہوتی ہے جو ایک قوم پر شہروں کے مجموعہ پر اور افواج پر حکومت کرتا ہے اور عوام کے معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

سیاستِ خصوصی۔ معاشی اور شخصی سیاست۔

سیاستِ ذاتی۔ انسانی زندگی کی انفرادی سیاست، جس کا تعلق نفس اور اخلاق سے ہے[1]

الاھوازی: چوتھی صدی میں سیاست کے آسمان پر سب سے زیادہ روشن ستارہ طلوع ہوا۔ امام ابوالحسن علی بن الاہوازی حنفی سیاست کے میدان میں ایک موجدِ فن مجدد کی حیثیت سے ظاہر ہوئے۔ انہوں نے علم السیاسۃ کو سب سے پہلے علم السیاست کی حیثیت دی اور دورِ جدید کی رہنمائی کے لیے قانون سیاست کو مدون کیا۔ اُنھوں نے فنِ سیاست و سلطنت پر اپنی نادرِ روزگار کتاب ترتیب دی اور اس کا نام التبر المسبک فی تدبیر الملک[2] تجویز کیا (طبع لیڈن ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء ص ۵۲)

اس کتاب میں ریاست کے تمدن اور سیاست کی ترتیب پر بحث کی گئی ہے (ص ۴۲)

پادری بستانی نے اپنی کتاب دائرۃ المعارف میں سیاست کی تعریف بیان کرتے ہوئے امام ابوالحسن الاہوازی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تہذیب السیاسیہ فی الحکم السیاسی کے مصنف ہیں اور واضع سیاست! (بستانی ج ۱۱ ص ۲۷۴)

یادداشت	دیکھو امام کے حالات، تاریخ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) ج ۱۱ ص ۱۵۵/۲۲۹

پانچویں صدی عیسوی میں علامہ ابوالحسن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ کے نام سے سیاست و امامت کے قوانین پر پہلی کتاب لکھی۔[3]

---

[1] دیکھو رسائل اخوان الصفا ج ۲ ص ۲۰۸-۲۰۹- [2] دیکھو معجم المطبوعات العربیہ ج ۱ ص ۴۴۔

[3] الاحکام السلطانیہ (ماوردی ۴۵۰ھ) طبع ۱۳۲۱ھ مصر (معجم المطبوعات العربیہ ج ۱ ص ۶۱۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچویں صدی کے آخر میں امام راغب[1] اصفہانی (۵۰۲ھ) نے اپنی بلند پایہ کتاب الذریعہ الی مکارم الشرعیہ میں سیاست، سلطنت کا ذکر کیا اور اسلام کے شوروی رجحان پر بحث کی۔

ابن خلدون: ۷۳۲ھ ۸۰۸ھ / ۱۳۳۲ء ۱۴۰۶ء۔ علامہ ابن خلدون موجودہ عصر سیاست کے اولین معلم کی حیثیت سے بساطِ علم و سیاست پر نمودار ہوئے، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نئے طرز پر سیاست، سلطنت اور حکومت کو دنیا سے روشناس کرایا۔ سیاست کے متعلق ان کا قول یہ ہے: انها القانون۔ الموضوع لرعایت الآداب وانتظام الاصول[2] (سیاست وہ قانونی حکمت عملی ہے جس کی قوت سے اجتماعی کردار اور مصالح عامہ کا تحفظ کیا جاتا ہے اور حکومت کا نظم چلایا جاتا ہے۔

وان کریمر ایک سیاسی وقائع نگار کی حیثیت سے لکھتا ہے کہ "ابن خلدون اطالوی سیاستدان میکیاولی اور ٹنکو کے مدرسۂ علم و سیاست کا امام اور پیشرو ہے، افریقہ کا بھی وہ سیاستداں عالم ہے جس کی آواز ہمارے موجودہ افکار کی دنیا میں سُنی جارہی ہے"[3]

پروفیسر کلازیو نے زیادہ فیصلہ کن الفاظ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ ابن خلدون عصر حاضر کے علماءِ سیاست کا پیشوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "عظیم و جلیل بربری مورخ (ابن خلدون) نے قرون وسطیٰ میں اس وقت فن اجتماعیات، اقتصادیات اور سیاست کے مبادیات کو پیش کیا جب فرانسیسی اشتراکی کنسیڈرن، اشتراکیت کے بانی کارل مارکس، روسی ماہر سیاست بیکونن ان نظریات کے پیش کرنے کے لیے اس دنیا میں موجود نہ تھے[4] ابن خلدون سے

---

[1] دیکھو معجم المطبوعات العربیہ ج ۵ ص ۹۲۲ [2] مقدمہ ابن خلدون ص

[3] Von Wesendonk: Ibn Khaldun

[4] کنسیڈرن (۱۸۰۸ء ۱۸۹۳ء) مشہور فرانسیسی سوشلسٹ اور اشتراکی مصنف۔ کارل مارکس (۱۸۱۸ء ۱۸۸۳ء) جرمنی کا عظیم و جلیل سیاسی عالم، بانی اشتراکیت، اور مشہور اشتراکی کتاب "راس المال" کا مصنف اعظم۔ بیکونن (۱۸۱۳ء ۱۸۷۶ء) روسی عالم اقتصادیات و سیاست اور موسس لاحکومیۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظریات پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ عصر جدید کے علماءِ سیاست و اقتصادیات کے لیے مقدمۃ الجیش کی حیثیت رکھتا ہے[1]

امریکن پروفیسر ابن اسمتھ (کارنل یونیورسٹی) نے اپنی کتاب "ابن خلدون سوشلسٹ فلسفی" میں علامہ ابن خلدون کو فلسفۂ اجتماعی کا استاذ تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کو پہلی صدی عیسوی کے علماءِ تصنیف (ڈیوڈورس، نقولاس، ٹروجس) اور اٹھارھویں صدی کے مؤلفین پر معنوی تفوق حاصل ہے۔ وہ علم الاجتماع (سیاست) کا بانی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم کانٹ سے مدتوں پہلے موجود تھا۔

یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ فلورنس کا مشہور سیاستداں میکیاویلی ابن خلدون کے اسلامی فکر کا ذہنی مقلد ہے۔ اس کی مشہور تصنیف امیر (Principe) کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے وہ سیاست و سلطنت کے موضوع پر تیسری صدی ہجری کے علماءِ اسلام کا خوشہ چین ہے، کیونکہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سیاست کی حقیقت کو متعین کیا اور اس کے بعد دنیا کے سامنے اس کی قسمیں پیش کیں[2]

سیاست حاضرہ اور علماءِ امروز

اس تفصیل سے اتنا واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح مسلمانوں کا سیاسی نظام چند تبدیلیوں کے بعد خلافت راشدہ کے سیاسی عہد سے پیدا ہوا ہے اسی طرح یورپ کی سیاست نے سیاست کی تعریف میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جو ہم کو بارہ سو سال پہلے سے معلوم تھا۔ عصر حاضر کا ماہر سیاست بلنچلی سیاست کی تعریف میں کہتا ہے[3] سیاست وہ علم ہے جس کا مبحث سلطنت ہے[4]۔ ایڈورڈ جمیس کا خیال ہے سیاست کا مطلب کاروبار حکومت یعنی ان لوگوں کو ضبط و نظم میں رکھنا جو سوسائٹی کی شکل میں جمع ہوں[5]۔ انسائیکلوپیڈیا مذہب و اخلاق

---

[1] S. Colo : Contribution a l, etudo a Ibn Khuldun (Revue du monde musalman)

[2] سطور بالا میں مستشرقین کے جو حوالے دیے گئے ہیں ان کا ماخذ ایک عربی تالیف ہے۔ دیکھو ابن خلدون۔ محمد عبداللہ عنان وکیل۔ مصر طبع ۱۳۵۲ھ دار الکتب قاہرہ۔ [3] نظریہ سلطنت (طبع عثمانیہ) جے کے بلنچلی (باب ص ۱)

[4] مبادی سیاسیات جمیس

www.KitaboSunnat.com

میں ہے کہ سیاست سے مراد نظم و نسق حکومت ہے[1]۔ سیاست کی یہ وہ تعریف ہے جس کو صدیوں پہلے علمائے امت پیش کر چکے تھے۔ یہ تعریف بالکل اُس تعریف کا چربہ ہے جو چودھویں صدی عیسوی میں علامہ ابن خلدون مستند الفاظ میں پیش کر چکے ہیں۔

یادداشت

مسلمانوں کے سیاسی آثار: یورپ میں مسلمانوں کے سیاسی آثار ان اسلامی تصنیفات کے ذریعہ سے پہنچے ہیں جو پہلی صدی سے دسویں صدی تک لکھی گئی ہیں۔ ہم مسلمان علمائے یورپ کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ان مخطوطات کو حاصل کیا، ان کو محفوظ رکھا۔ زیورِ طبع سے مزین کیا۔ ان سے خود بھی استفادہ کیا اور ہمارے لیے یہ موقع بہم پہنچایا کہ ان سے استفادہ کر سکیں۔

ذیل میں چند اور کتابیں درج کی جاتی ہیں، یہ کتابیں بھی مسلمانوں کے سیاسی آثار میں داخل ہیں، یہ صحیح ہے کہ اس تمام عہد میں خلافت راشدہ کے صحیح نظام سیاسی پر کوئی مکمل دستور مدون نہیں ہوا۔ اور یہ ایک ایسی کمی ہے جس کی آج تک تلافی نہیں ہو سکی لیکن مندرجہ ذیل کتابیں اسلامی عہد کے آثار سے بالکل بیگانہ نہیں ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین نے اسلامی تصورات کو پیش کرنے میں مناسب حصہ لیا ہے۔

۱۔ سلوك المالك فی تدبیر الممالك۔ ابن ابی ربیع۔ طبع مطبع خاصہ جمعیۃ المعارف ۱۲۸۶ھ۔ مطبع فرح اللہ کردی ۱۳۰۹ھ اس کتاب کے ۱۱۲ صفحے ہیں، چار فصلیں (۱) مقدمہ (۲) اخلاقی احکام (۳) عقلی کردار اور اس کا نظم (۴) سیاست کے اقسام اور اس کے احکام۔ یہ کتاب المعتصم باللہ عباسی کے لیے لکھی ہے۔

۲۔ کتاب الاموال۔ امام ابو عبید القاسم بن سلام ہروی (۱۹۷-۲۲۳ھ) یہ کتاب اسلامی مالیات کے موضوع پر دوسری صدی ہجری کی یادگار ہے۔ سیاسیات کے مالی شعبہ پر سب سے قدیم تصنیف ہے۔ (دیکھو ترجمہ مصنف معجم ج ا ص ۱۲۱ (ابن سلام)

یادداشت۔ علامہ محترم کی کتاب امثال کا لاطینی ترجمہ پروفیسر برلوگونٹہ کی توجہ سے ۱۸۳۶ء میں شائع ہوا۔

۴۔ الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ۔ فخر الدین ابن الطقطقی (۷۰۱ھ) یہ نہایت ہی اہم سیاسی کتاب ہے جس میں اسلامی تاریخ کے سیاسی عوامل زیادہ نمایاں ہیں۔ یورپ کے فاضل پروفیسروں نے اس کی طباعت پر کافی توجہ کی ہے۔ پروفیسر ہلورٹ نے اس پر جرمن زبان میں اپنے

[1] انسائیکلوپیڈیا مذہب و اخلاق ج ۸ ص ۹۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملحوظات لکھے اور ۱۸۶۰ء میں اس کی طباعت میں حصہ لیا، پیرس میں ۱۸۹۵ء میں طبع ہوئی۔ پروفیسر امیل نے دوبارہ پیرس میں ۱۳۱۰ھ میں طبع کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یورپ اس کتاب کے سیاسی اثر سے محروم نہیں رہا (دیکھو معجم ج ۱ ص ۶۲۔ ابن الطقطقی)

یادداشت: یہ کتاب اس تصنیف کا ایک ماخذ ہے۔

(۴) انشاء الدوائر (التدبیرات الالٰہیہ فی اصلاح المملکۃ الانسانیہ) ابن العربی ۵۶۰ھ - ۶۳۸ھ شیخ اکبر نے اس کتاب میں انسانی سلطنت کے تصور پر سیاسی بحث کی ہے۔ پروفیسر نیبرگ کی سعی سے جرمن زبان میں ترجمہ ہوا ہے اور ۱۹۱۹ء میں لیڈن میں طبع ہوئی۔ دیکھو معجم ج ۱ ص ۱۷۷۔

(۵) واسطۃ السلوک فی سیاسۃ الملوک۔ سلطان ابوحمو موسیٰ بن زیان العبدالوادی شاہ تلمسان ۷۵۳ھ - ۷۸۸ھ (طبع الدولۃ تونس ص ۱۷۵) معجم ص ۱۱۳

(۶) عین الادب والسیاسہ وزین الحسب والریاست۔ ابوالحسن علی بن ہذیل اندلسی (۸۰۰ھ) اس کتاب میں حکومت و سیادت کے متعلق ایک مستقل باب ہے۔ طبع الاعتماد ۱۳۰۳ھ ص ۲۷۰ (معجم ۳ ص ۲۷۳)

(۷) الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ (ابن قیم الجوزی) طبع آداب ۱۳۱۷ھ (معجم ج ۲ ص ۲۲۴)

(۸) قوانین الدواوین (ابن مماتی ۶۰۶ھ) یہ کتاب عہد صلاح الدین ایوبی کی حکومت کے نظم و نسق پر مبنی ہے ۱۲۹۹ھ میں مطبع وطن مصر میں طبع ہوئی (معجم ج ۲ ص ۲۵۴)

اسلام کا طرزِ حکومت اور اس کی خصوصیات

اسلامی طرزِ حکومت تکوینِ حکومت کی ایک مستقل اور متعین تاریخی مثال ہے جس کی مثال نہیں لائی جاسکتی۔ اسلامی طرزِ حکومت ایک اتم اور اکمل مملکت کا نمونہ ہے جس کو تاریخی طور سے اس کے اصلی دور میں دیکھا جاسکتا ہے۔

یہ طرزِ حکومت چاند سورج کی طرح اپنا روشن وجود رکھتا ہے اور اس وجود کے ساتھ اس کی وہ تمام خصوصیات وابستہ ہیں جن کی بناء پر دنیا کے نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں اس کا امتیاز معلوم ہوتا ہے۔ اس طرز کو دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے کسی نظریۂ حکومت سے مکمل مطابقت نہیں دی جاسکتی۔ ارسطو کے زمانہ سے اس وقت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک حکومت کے بہت سے نظریئے دنیا کے سامنے آچکے ہیں لیکن ان میں سے کسی میں وہ تمام باتیں موجود نہیں ہیں جن کا اسلام کے طرزِ حکومت میں یکجا ہونا ضروری ہے۔

اسلامی طرزِ حکومت میں ہر حکومت کا اچھا پہلو نظر آتا ہے اور ہر فاسد پہلو اس کے دائرہ تصور سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کو کسی ایک نظریہ کے مطابق ظاہر کرنے سے زیادہ یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ ایک مثالی اور معتدل طرزِ حکومت ہے جس میں تمام نظریوں کا اعتدال موجود ہے۔

یہ طرزِ حکومت چند بنیادی اصولوں پر مبنی ہے جن کو تسلیم کرنے کے بعد اُسے ترقی پذیر طرزِ حکومت کہنا عیناً صحیح ہوگا کیونکہ وہ اپنی بنیادوں پر قائم ہونے کے بعد ہر زمانہ کے ترقی یافتہ حالات اور ضروریات سے مطابقت پیدا کر لیتی ہے یہی وہ اصول ہیں جن کو ذہن نشین رکھنے سے دوسرے نظریہائے حکومت سے اس کا جزوی اور کلی امتیاز ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس میں بادشاہت کی مرکزی شان اور اقتدار، اعیانی حکومت کی یکجہتی، جمہوریت کی ہمہ گیر حقوق پسندی اور فرض شناسی، اشتراکیت کا ہمہ گیر جذبۂ مساوات اور احساسِ دردمندی ڈکٹیٹرشپ (آمریت) کی مرکزیت اور طاقت کمال اعتدال کے ساتھ جمع ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ دوسرے نظریے اپنی خوبیوں کے گرانبار دامنوں کو حکمت عملی کے میدان میں نہیں سنبھال سکے۔ اسلامی حکومت نہ صرف یہ کہ ان تمام خوبیوں کی امین ہے بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے میں کامیاب ہو چکی ہے۔

وہ بنیادی اصول جن سے اسلامی حکومت کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتی درج ذیل ہیں:۔

۱۔ **حکومت الٰہی:** اسلامی حکومت کا سب سے پہلا قطعی اور بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ

۔ نظریہائے حکومت۔ نظریۂ ارسطو۔ شاہی۔ اعیانی۔ جمہوری (اچھی اور بری دونوں قسم کی حکومتیں)

۱۔ شہنشاہیت (Imperialistic) ۲۔ آئینی شہنشاہیت (Parlimentary)

۳۔ جمہوریت (Ripublic) ۴۔ وفاقی جمہوریت (Federal Ripublic)

۵۔ بین الاقوامی اشتراکی جمہوریت (Soviet Socilistic Ripublic)

۶۔ آمریت (ڈکٹیٹرشپ) (Dictatorship)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی حکمت عملی کے سیاسی دائرہ میں مکمل طور پر ایک خدائی تنظیم ہے۔ اس کے حلقہ کار میں ساری حکومت اور ساری ماتحتی کا مدار کائنات کے ایک خدا کی بالا دستی پر ہے[1]۔ دنیا ایک عظیم الشان کارخانہ کی مانند ہے جس کے تمام پُرزے اپنے موجد کے حکم کے ماتحت صحیح طور سے حرکت کرنے پر مامور ہیں[2]۔

ب۔ **خلافت** (سیاسی نیابت) حکومت خدا کی چیز ہے۔ انسان خدا کی طرف سے کارخانۂ حکومت کا نمائندہ، نائب اور ذمہ دار ہے[3]۔ یہ دوسرا اصول ہے جس نے اسلامی حکومت کو تمام حکومتوں سے ممتاز کر دیا ہے۔ تمام اچھے انسان بھائی بھائی ہیں، حقوق میں برابر ہیں، آزاد ہیں، ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، حکومت کے وارث ہیں، امین، شوریٰ کے رکن ہیں، یہ ہیں وہ نظریات جن کا اظہار نظریۂ خلافت کے ماتحت ہوتا ہے۔

ج۔ **امامت**۔ اسلامی حکومت اعلیٰ طرز کی امامت (لیڈرشپ) ہے۔ امامت ایک قطعی اصول ہے جس سے اسلامی طرزِ حکومت دوسری حکومتوں سے ممتاز نظر آتا ہے[4]۔

د۔ **انسانیت**:۔ اسلامی حکومت انسانیتِ عامہ کی حکومت ہے۔ اسلام دنیا کی یگانہ طاقت ہے جس نے سب سے پہلے انسانیت کو سیاسی نظام کی بنیاد قرار دیا ہے، اُس نے سب سے پہلے

---

[1] لہ الحکم، ان الحکم الا للہ، لا یشرک فی حکمہ احدا، فتعالی اللہ الملک الحق، فالحکم للہ العلی الکبیر، امر اللہ۔ (قرآن حکیم) تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۳۔

[2] "سلطنت کا اقتدار خدا کا اقتدار ہے" اسٹال۔ "حکومت خدا کی معین کردہ تنظیم ہے" ٹی بوہ "حکومت کے ساتھ خدا کا اعتقاد لازمی ہے" پلوٹارک "حکومت کا اقتدار خدا کا اقتدار ہے" اوگس برگ۔ نظریہ سلطنت بنچلی ص ۳۴۶، ۳۴۷

مندرجہ بالا مقولوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی حکومت کا تصور دوسری مذہبی اقوام میں بھی موجود ہے۔ یہ صحیح ہے مگر تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اقوام نے خدا کے نام پر دنیا میں سیاسی جرائم پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے حکومت الٰہی کے نظریہ کو ایک حسین شکل میں ڈھالا اور اس کا ایک ایسا کامیاب نمونہ پیش کر کے دکھایا جس کی مثال نہیں لائی جا سکتی۔

[3] انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ بحر المحیط ابو حیان اندلسی ج ۱ (آیت متعلقہ) روح المعانی طبع منیری ج ۱ ص ۲۱۱، ۲۱۲ (خلافت کے فرائض۔ نیابت خداوندی، روئے زمین کی آباد کاری، انسانیت کی سیاسی رہنمائی، حکومت کے قوانین کا نفاذ) تفسیر مظہری ج ۱ ص ۴۹۔ [4] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (قرآن حکیم پ ۳۰، والتین)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کے متعلق دو واضح اعلان کیے ہیں۔

(۱) معیارِ تخلیق۔ انسان خدا کی ایجاد ہے اور اس کو اعلیٰ ترین معیار پر ایجاد کیا گیا ہے۔[۱]

(۲) قانونِ عظمت۔ انسان خداداد قانونی عظمت کا مالک ہے اور اس کو دنیا کی موجودات پر برتری حاصل ہے۔[۲]

قرآنِ حکیم نے ان دونوں اعلانوں کے ضمن میں انسانیت کے جملہ لوازم (انسانی ضمیر، فطرت، علم، عقل، سعی، محنت، کردار اور تعامل) کو تسلیم کیا ہے اور اس طرح یہ ظاہر کیا ہے کہ اس کا تعلق مذہب کے زیرِ سایہ سب سے پہلے انسانیت کے ساتھ ہے۔

یادداشت

۱۔ نفسِ انسانی۔ نفسِ انسانی ایک متوازن شے ہے۔[۳] انسان اپنے نفس کا نگران ہے۔[۴]

۲۔ فطرتِ انسانی۔ یہ خدا کی فطرت ہے جس پر انسانی فطرت عالمِ تکوین[۵] میں آئی ہے۔ ہر انسان کا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔[۶]

۳۔ علمِ انسانی۔ انسان کو قدرتِ حق ہی نے ان تمام موجودات کا علم دیا ہے جن سے انسان لاعلم تھا۔[۷]

۴۔ عقلِ انسانی۔ اجتماعی زندگی کے احکام و قوانین کا شرعی مطالبہ یہ ہے کہ انسانی عقل ان کی طرف توجہ کرے۔[۸]

۵۔ سعیِ انسانی۔ انسانی آرزوؤں کا قطعی تقاضا یہ نہیں ہے کہ وہ لازماً پوری ہوں۔[۹] انسان اپنی کوشش ہی کا ثمرہ پاتا ہے۔[۱۰] ہر انسان جو جدوجہد کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے۔[۱۱]

۶۔ محنتِ انسانی۔ جو شخص حاصل کرتا ہے اپنے لیے حاصل کرتا ہے۔[۱۲]

۷۔ کردارِ انسانی۔ جو انسان اچھا کردار اختیار کرتا ہے اپنے ہی نفس کے لیے کرتا ہے۔[۱۳]

۸۔ تعاملِ انسانی۔ جو انسان راہِ مستقیم پر گامزن ہوتا ہے اس کا یہ تعامل خود اس کے نفس کے لیے ہے۔[۱۴]

---

[۱] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (قرآنِ حکیم۔ والتین) [۲] لقد کرمنا بنی ادم (پ ۱۵ بنی اسرائیل) احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۲۰۲ [۳] نفس وما سوّٰھا (قرآنِ حکیم پ شمس) [۴] علیٰ نفسہ بصیرۃ (پ قیمہ) [۵] فطرۃ اللہ التی (پ انعام) [۶] کل مولود یولد علی الفطرۃ (صحیح البخاری) [۷] علم الانسان مالم یعلم (پ علق) [۸] بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون (پ حدید) [۹] ام للانسان ما تمنیٰ (پ نجم) [۱۰] لیس للانسان الا ما سعیٰ (پ نجم) [۱۱] من جاھد فانما یجاھد لنفسہ (پ عنکبوت) [۱۲] فانما یکسبہ علیٰ نفسہ (پ نساء) [۱۳] من عمل صالحا فلنفسہ (پ حم جاثیہ) [۱۴] فمن اھتدیٰ فلنفسہ (پ زمر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کا ظہور مکہ میں ہوا ہے۔ اس لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ قرآن کو جب پہلی مرتبہ دنیا کو احکام سنانے کا موقع ملا تو اس نے کسی قبیلہ، کسی قوم، کسی ایک ملک اور کسی ایک طبقہ کو خطاب نہیں کیا بلکہ اپنا مخاطب یَاأَیُّھَا النَّاس کے الفاظ میں تمام انسانوں کو قرار دیا۔ یہ اس امر کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اس کے سیاسی اور اجتماعی تصورات کا تعلق کسی محدود آبادی سے نہیں ہے بلکہ انسانیت عامہ کے تمام افراد سے ہے۔

اسلام کے قانون میں موجودات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کا تعلق علی الاعلان انسانیت اور انسانیتِ عامہ کے فائدے سے نہ ہو۔ یہ بات اس دعوے کا آخری ثبوت ہے کہ اسلامی حکومت کا بنیادی اور لابدی اصول انسانیت ہے۔

یادداشت قرآن اسلام کا قانون ہے۔ اس نے دنیا میں نازل ہو کر یہ بتایا کہ خدا انسانیت کا فرمانروا اور صاحب اقتدارِ اعلیٰ ہے (رب الناس۔ الناس) (ملک الناس۔ الناس) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لیے رحمت اور تمام انسانوں کے لیے پیغمبر ہیں (رحمۃ للعالمین۔ کافۃ للناس۔ السبا) اسلام ایک دین اور نظام ہے اور اس کا مطالبہ یہ ہے کہ تمام انسان اس کے حلقۂ سلامتی میں داخل ہو جائیں۔ مسلمان قوم دنیا کی سب سے اچھی قوم ہے جو سارے انسانوں کے فائدے کے لیے ظاہر ہوئی ہے اور ان کے برے بھلے کاموں پر گواہ ہے (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ آل عمران۔ شہداء علی الناس۔ بحر المحیط ج ۱ ص ۴۲۲) حرم کعبہ پہلا ایوان ہے جو تمام انسانوں کے لیے تعمیر کیا گیا۔ (وضع للناس۔ آل عمران) اور دنیا کے جملہ انسانوں کے لیے یکساں بنایا گیا ہے (الناس سواء۔ حج) زمین ذریعہ پیداوار ہے، اور اس کی پیداوار میں دنیا بھر کے انسان کا مساوی حق ہے (سواء للسائلین۔ حم) (کلوا مما فی الارض۔ بقرہ) زندگی تمام انسانوں کا حق ہے۔ انسان کا قاتل، انسانیتِ عامہ کا قاتل ہے (فکانما احیا الناس جمیعا۔ بحر المحیط ج ۳ ص ۴۶۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی امن آزادی اور مساوات کے متعلق
تین تاریخی اعلان

فتح مکہ کا واقعہ اسلامی حکومت کی تاسیس کی حقیقی تاریخ کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ دن دشمنوں سے انتقام لینے کا تھا لیکن ایسے دن میں اسلامی تعامل نے یہ ثابت کر دیا کہ انتقام پر انسانیت غالب ہے۔ اس روز آنحضرتؐ نے کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر تین تاریخی اعلان[1] کیے، جن کا آوازہ ۱۷۸۹ء میں فرانس کے یوم انقلاب کے موقع پر سنا گیا۔

۱۔ اعلانِ امن۔ انسانو! مکہ ہمیشہ سے دار الامان ہے کسی باخدا انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ آج کے بعد اس سرزمین میں خون بہائے اور اس کی سرسبزی کو نقصان پہنچائے[2]۔

۲۔ اعلانِ آزادی۔ جاؤ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔ اب تم سب کے سب آزاد ہو[3]۔

۳۔ اعلانِ مساواتِ انسانی۔ آج جاہلیت کے خاندانی اور نسلی غرور کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ تمام انسان آدم سے ہیں اور آدم مٹی کی پیداوار ہیں[4]۔

آپ نے فرمایا جو شخص نسلی برتری پر غرور کریگا اور دوسرے انسانوں کے مساوی درجہ کو تسلیم کرنے سے انکار کریگا وہ ہمارے اجتماعی نظام کا فرد نہیں سمجھا جائیگا[5]۔ کوئی انسان دوسرے

---

[1] دیکھو سیرۃ ابن ہشام (روض الانف ج ۲) ص ۲۷۴-۲۷۵۔
[2] یا ایہا الناس ان اللہ حرم مکۃ ــ فلا یحل لامرء ان یسفک فیہا دما الخ
[3] اذھبوا انتم الطلقاء [4] ان اللہ اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظیمہا بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب [5] لیس منا من دعا الی العصبیۃ رواہ ابوداؤد۔ انسابکم ھذہ لیست بمسبۃ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ حوالہ بالا)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کے مقابلہ میں اونچے طبقہ کا نہیں ہے۔ عظمت کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے دین اسلام کے نظام کی اطاعت اور خدا ترسی۔

(۵) عالمگیر متحدہ وحدانی حکومت (یونیورسل یونیٹری کامن ویلتھ

(Universal Unitory Comman wealth) اسلامی حکومت خلافت ارضی ہے جو روئے زمین کو انسانیت کا وطنِ اکبر قرار دے کر اپنے عالمگیر اثر کو ظاہر کرتی ہے۔ پیغمبر اسلام نے ابتداء ہی میں یہ ظاہر کر دیا تھا کہ ان کے پیغام اور حکمت عملی کا تعلق تمام معمورۂ ارض سے ہے[1]۔ آپ نے نہایت ہی اہمیت کے ساتھ یہ فرمایا کہ "زمین کی کنجیاں میرے ہاتھ میں دی گئی ہیں"[2]۔ "اللہ نے تمام روئے زمین کو میرے قبضہ میں دے دیا ہے، میری نگاہیں مشرق اور مغرب کے منطقوں پر پڑ چکی ہیں اور میری اُمت کی مملکت ان پر قائم ہوگی"[3]۔ میں تمام انسانوں کے لیے بھیجا گیا ہوں[4]۔ اور میں سُرخ اور سیاہ تمام نسلوں کے لیے ظاہر ہوا ہوں[5]۔

آنحضرتؐ کے ان فرامین کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جس حکومت میں عالمگیر رجحان کا فقدان ہو اُس کو حقیقی معنی میں اسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حکومت کا عالمگیر وحدت پر قائم ہونا ایک بُنیادی اصول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت ناقابلِ تقسیم وحدانی حکومت ہے۔ اس کو ملکوں، نسلوں اور قوموں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ تمام مسلمان ایک وحدت ہیں اور علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کرنے کے مجاز نہیں ہیں (دیکھو نظائر)[6]

---

[1] بحر المحیط ج ص حضرت عباس بیان کرتے ہیں یہ خدا کا اعلان ہے کہ اُمت محمد صلعم روئے زمین پر وارث حکمران ہوگی۔ تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۱۰ وعد اللہ الذین آمنوا۔ [2] اوتیت بمفاتیح خزائن الارض الخ عن ابی ہریرۃ متفق علیہ [3] زوی لی الارض الخ عن ثوبان رواہ مسلم (مشکوٰۃ فضائل سید المرسلین ص ۵۱۲)

[4] بعثت الی الناس کافۃ الاحمر و الاسود الخ مجمع الزوائد عموم بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۸ ص ۲۵۸ جامع صغیر ج ص ۲۲۶ (بعثت) شمار ۳۱۴۲ [5] (نظائر) [6] ا: مسیلمہ کذاب نے ۱۰ھ میں معاہدہ صلح کے لیے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اسلامی قلمرو کو نصف نصف تقسیم کر لیا جائے، اس تجویز کو پیغمبر اعظم نے نامنظور کر دیا تھا۔ تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۱۵۔ ب: ۱۱ھ میں سقیفہ کے شوریٰ میں انصار نے تجویز پیش کی تھی کہ حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا جائے ایک پر انصاری امیر ہو اور دوسرے حصہ پر مہاجر لیکن شوریٰ نے اس کے خلاف فیصلہ دیا اور اس کو نظر انداز کر دیا گیا (تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۰۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(و) عمومیت :- اسلامی حکومت عمومیت اپنا اصول مانتی ہے شہنشاہیت کے خلاف ہے۔ اسلامی قانون میں بادشاہ، تاج و تخت، قصرِ شاہی، دربارِ شاہی، ولیعہدی، شہزادگی اور شخصی وراثت کا کوئی وجود نہیں۔ یہ تمام چیزیں شاہی طرزِ حکومت کے لوازمات میں سے ہیں اور اسلام کے دائرۂ قانون سے خارج ہیں۔[1]

یادداشت :- اسلام خدا کی بادشاہی کا داعی ہے اس لیے اس کا ضابطۂ احکام انسانیت کی ساختہ پرداختہ جعلی حکومت سے خالی ہے۔ اسلام کی حکومت، دنیاوی تنظیم کے اعتبار سے خلافت ہے، امامت ہے۔ شوریٰ ہے (یعنی نیابتی اور شوروی لیڈرشپ ہے) اگر شاہی طرز کو تسلیم کر لیا جائے تو اسلامی حکومت اپنی اصل عمومیت سے محروم ہو جائیگی[2] اس صورت میں خدا کے اقتدار اعلیٰ اور جمہور امت کی مساوات کا قانون باطل ہو جائیگا۔

---

[1] بعض احادیث اور آثار میں لفظ سلطان کا ذکر آتا ہے اس قسم کی حدیثیں زیادہ تر ضعیف ہیں (جامع صغیر سیوطی ج ۲ ص ۴۰) بعض روایتوں میں کسی راوی نے امام کی جگہ سلطان کا لفظ بول دیا ہے (فتح الباری۔ کتاب الاحکام ج ۱۳ ص ۲۱۴) بعض روایتوں میں سلطان کو جبر و ظلم و فتنوں کا مرکز قرار دیا ہے جس سے اس کا نقص ہونا ثابت ہوتا ہے (سلطان جائر، السلطان افتتن، ترمذی، مشکوٰۃ، کتاب الامارۃ) صرف ایک حدیث "السلطان ظل اللہ" کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات فراموش نہ کی جائے کہ احادیث کے تمام دفتر خلیفہ، امیر، امام کے خطابات سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان سے اسلامی حکومت کی جو اصل ثابت ہوتی ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس حدیث کو صحیح ماننے کے معنی صرف یہ ہیں کہ سلطان کا لفظ اس غلبہ کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے جو خدا کی نیابت کے طور پر امام کو حاصل ہوتا ہے محض اتنی سی بات پر شاہی طرزِ حکومت کا جواز ثابت نہیں ہوتا امام خود سلطان نہیں ہوتا بلکہ صدیق اکبرؓ کے قول کے مطابق سلطان اللہ فی الارض (روئے زمین پر اللہ کا غلبہ ہوتا ہے (صحیح ترمذی ج ۲ ص ۴۹۔ ابواب الفتن) اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حدیث کے سلطان اور شاہی طرزِ حکومت کے سلطان میں تضاد کی نسبت ہے، اور اس کی بنا پر قرآن، حدیث اور خلافت راشدہ کے قوانین کا دفتر مسترد نہیں ہو سکتا، اور نہ حدیث کے سلطان سے گنہگار دنیا کے مجرم سلاطین مراد لیے جا سکتے ہیں۔ [2] پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی چار قسمیں بیان کی ہیں (۱) حکومت بطرزِ نبوت (۲) حکومت بطرزِ خلافت (۳) حکومت بطرزِ ملوکیت (۴) حکومت بطرزِ جبر مطلق۔ طرز اول آپ کے ساتھ خاص ہے، طرز دوم اسلامی حکومت کی اصل ہے، باقی دونوں طرز غیر مستند ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانونی روایات: شہنشاہ خدا کا اسمِ اعظم ہے اس کو اختیار کرنا خدا سے برابر کا مقابلہ ہوگا۔ اسی لیے پیغمبر اعظم نے یہ تصریح کی ہے کہ "انسان کے لیے شہنشاہ کا لقب اختیار کرنا ایک بدترین حرکت ہے، ایک دن وہ آئیگا جب خدائے تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں کو آواز دیگا "آج میری بادشاہی ہے، بادشاہی کا دعویٰ کرنے والے کہاں ہیں؟[2]

قانونی تعامل: اسلام کی رو سے پیغمبر اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء راشدین کی پیروی واجب ہے۔ ان حضرات میں سے کسی نے شاہی طرزِ حکومت سے واسطہ نہیں رکھا۔ یہ اس امر کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اگر مسلمانوں نے اس طرزِ حکومت کو جائز رکھا تو وہ اسلامی قانون کے حلقۂ اطاعت سے خارج ہوجائینگے۔

قرآن میں دورِ ماضی کے قدیم ترین واقعات میں "مَلِک" (بادشاہ) کا لفظ آیا ہے۔ اس مرحلہ پر یہ یاد رکھیے کہ اُمتِ اسلامیہ خیرالامم ہے۔ اس کے لیے قدیم تاریخ کا تعامل حجت نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے پہلی منزل پر پیغمبر اعظم اور خلفاء راشدینؓ کا اجتماعی تعامل ہی واجب التعمیل ہے قرآن میں سورۂ یوسف میں شاہ مصر کا ذکر ہے یہ حکم نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعہ کا بیان ہے۔ دوسری جگہ طالوت کے واقعہ میں عوام کی زبان پر ایک بادشاہ کے تقرر کا مطالبہ آتا ہے لیکن یہ واقعہ بجائے خود خاندانی اور شخصی شہنشاہیت کی تردید ہے، قرآن میں اس قسم کے تذکروں سے ان بادشاہوں کا جواز نہیں نکلتا جو عجمی، تاتاری اور مغربی عہد جاہلیت کی پیداوار ہیں۔

آنحضرتؐ کے ظہور کے وقت تمام دنیا جمہور کے اختیار سے محروم تھی اور شاہی طرزِ حکومت پر قانع، عرب میں قبائلی طرز کی ملوکیت تھی۔ فارس میں پیشدادیوں، کیانیوں اور اشغانیوں کے جانشین ساسانیوں کی شہنشاہیت قائم تھی روم پر بیزنطی امپریلزم حکمراں تھا پیغمبر اعظم نے ظاہر ہوکر ان سب کا خاتمہ کردیا اور نئے نظام کی بنیاد جمہور کی عام مرضی اور مشورہ پر قائم کی دنیا کے

---

[1] بخاری (اخنی الاسماء ملک الاملاک شہنشاہ) فتح الباری کتاب الادب ج ۱۰ ص ۵۸۵-۵۸۶

[2] بخاری (ذکر ... س) عن ابی ہریرۃ وابن عمر عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۵۲۱۔ انا الملک این ملوک الارض۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سازشی دماغوں نے یہ سمجھا کہ اسلام ایک جدید شہنشاہیت کے قیام کی تحریک ہے لیکن اسلامی تعامل نے فوراً اس کی تردید کردی۔ عرب کے امراء غریب مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے (ھٰؤلاء ملوك الارض[1]) "یہ ہیں روئے زمین کے بادشاہ" مسلمان اس کو سنتے اور جواب کو خدا پر چھوڑ دیتے تھے۔ عربوں نے اپنے خیال کے مطابق یہ تجویز پیش کی کہ اگر آپ کی اسکیم شخصی شہنشاہیت پر مبنی ہے تو ہم آپ کی بادشاہی کے لیے تیار ہیں مگر آنحضرت ؐ نے جواب دیا تم میرا مقصد نہیں سمجھے میں شہنشاہیت قائم کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں[2]۔

فتح مکہ سے پہلے ابوسفیان نے اسلام کی فولاد پوش فوج کو دیکھ کر بے ساختہ کہا تھا۔ "کتنی زبردست سلطنت ہے"۔ حضرت عباس نے اس کا بغیر تاخیر یہ جواب دیا تھا۔ "ابوسفیان! یہ سلطنت نہیں نبوت ہے"[3] (یعنی حکومت ہے بطرز نبوت) ایک مرتبہ ایک شخص پیغمبر اعظم کو دور سے دیکھ کر لرز گیا۔ آپ نے فوراً اس کی غلط فہمی یہ کہہ کر دور کردی: "ھوّن علیك فانی لست بملك[4]" (ڈرو نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں)

روم و فارس کو اپنی شہنشاہیت کا بڑا غرور تھا لیکن اسلام نے اس غرور کی چٹان کو توڑ کر رکھ دیا۔ ان کے حکمرانوں کے شاہانہ خطاب کو پامال کر دیا گیا۔ ان کو عظیم الروم[5] اور عظیم فارس کا لقب دینا کافی سمجھا گیا۔ ان کو امن و سلامتی کے نظام کی طرف بلایا گیا اور جب انہوں نے انکار کر دیا تو آپ نے اعلان فرمایا۔ قیصر و کسریٰ کے خاتمہ کے بعد نہ کوئی قیصر ہوگا نہ کسریٰ۔

یہ اعلان درحقیقت دنیا سے شاہی طرز حکومت کے خاتمہ پر اسلام کے سچے رجحان کا اعلان تھا جو آج تک مسلمانوں کو ان کی اصل ذمہ داری کو یاد دلا رہا ہے۔ اسلام کا یہی وہ[6] رجحان تھا جس کے بعد عرب فلسطین، شام، عراق، مصر، روم اور فارس کے مقبوضات میں

---

[1] تاریخ الکامل ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶ (ذکر المستہزئین) [2] سیرۃ ابن ہشام روض الانف ج ۱ ص ۱۸۶
[3] سیرۃ ابن ہشام، روض فتح مکہ ج ۲ ص ۲۹۶ [4] صحیح بخاری [5] صحیح البخاری (فتح الباری) ج ۱ ص ۳۲ (بدء الوحی) [6] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۸۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہی طرزِ حکومت کی جگہ جمہورِ اُمت کی شورویٰ عمومیت کا قیام عمل میں آیا۔

صدیق اکبر نے اپنے پہلے خطبہ ہی میں یہ الفاظ ادا کیے: آج روئے زمین کے شہنشاہ کہاں ہیں۔ وہ لاشئے محض ہو چکے ہیں، آج ہم خلافت کے مالک ہیں۔ اگر ہم ان کے طرز پہ چلے تو اُن کی طرح ختم ہو جائینگے[1]

عہدِ فاروقی کا یہ مشہور واقعہ کس نے نہیں سُنا ہوگا کہ جب روم کا سفیر مدینہ پہنچا اور اُس نے دریافت کیا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ تو اس کو صحابہ کی طرف سے یہ جواب ملا تھا: "مالنا ملك بل لنا أمير" (ہمارا کوئی بادشاہ نہیں۔ البتہ ہمارا امیر ضرور ہے[2])۔

موروثی ولیعہدی | شاہی حکومت میں شخصی اختیار اور خاندانی وراثت دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں اسلامی حکومت میں دونوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ جہاں تک وراثت کا تعلق ہے قرآن نے اس کا اعتبار نہیں کیا[3]

پیغمبر اعظم نے خاندانی وراثت کے اصول کی ذرا رعایت نہیں کی[4]۔ صدیق اکبر کے متعلق حضرت علی کا قول ہے کہ "اگر خلافت کے لیے قوت اور استعداد کی جگہ محبت کا اعتبار ہوتا تو وہ اپنے لڑکے کو حکومت پر فائز کرتے[5]"۔ یہ تجویز پیش بھی ہوئی مگر انھوں نے نامنظور کر دیا۔ فاروق اعظم نے اپنے جانشین کے انتخاب میں اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق خود یہ ہدایت فرمائی کہ ان کو منصب حکومت حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا[6]۔ اس تعامل کی وجہ ظاہر ہے۔ اسلامی حکومت معیارِ نبوت کے مطابق شخصی اور موروثی شاہی نہیں ہے اگر آج اس کو شخصی اور خاندانی میراث کی صورت میں شاہی حکومت کے معیار پر لایا گیا تو

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ (سنہ ۱۱ھ) ص ۲۱۱ [2] شخصی حکومت شوریٰ کے اثر سے باطل ہو جاتی ہے۔ دیکھو "شوریٰ" [3] احکام القرآن حجۃ الاسلام امام ابوبکر الجصاص حنفی۔ دیکھو قصہ طالوت و جالوت (ان الامامۃ لیست وراثۃ لانکار اللہ تعالیٰ ذلك بالعلم والقوۃ لا بالنسب الخ)
[4] سیرۃ ابن ہشام (روض الانف ج ۲) ص ۳۰۱ [5] اُسد الغابہ ابن اثیر (الاثر بها ولدہ) ج ۳ ص ۶۸ (خلافت عمرؓ) [6] ایضاً ج ۴ ص ۷۵ (لیس له من الامر شیٔ الخ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی حکومت نہ رہیگی۔

فاروق اعظمؓ کے عہد میں اسلامی حکومت شہنشاہیت کا غرور توڑ چکی تھی۔ عرب ہر قسم کی شاہی کے شکنجے سے باہر آچکا تھا، اسلامی فوجیں کاکیشیا کی سرحد تک فارس کی شہنشاہی حکومت کا خاتمہ کر چکی تھیں۔ مشرق میں روم کے شاہی استبداد کا چراغ گل ہو چکا تھا اور یہ سب سے بڑی دلیل تھی اس امر کی کہ مسلمان شاہی طرزِ حکومت کے خاتمہ کے بعد پھر کبھی اس کو اختیار نہیں کرینگے۔

یہ صحیح ہے کہ یزید کے عہد سے موروثی شہنشاہیت کا قیام عمل میں آیا جو بزرگ اس نظیر سے شاہی حکومت کے لیے وجہ جواز پیدا کرتے ہیں، ان کے جواب میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ان کے سامنے پیغمبر اعظمؐ اور ان کے خلفاءؓ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ جو مسلمان اس کو صحیح سمجھتے ہیں وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہیں اور جو اس کے خلاف چلنا چاہتے ہیں وہ یزید کے قدم بقدم چلتے رہیں۔[1]

خلافتِ راشدہ میں شہنشاہیت اور خلافت کے صاف طور پر دو معنی تھے اور صحابہ ان سے آشنا تھے اور اس فرق کا جائزہ لیتے رہتے تھے ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ نے حضرت سلمانؓ سے دریافت کیا: أَمَلِكٌ أَنَا أَمْ خَلِيفَةٌ (بتایئے میں شہنشاہ ہوں یا خلیفہ؟) سلمانؓ نے آزاد ضمیر کی قوت سے کام لے کر جواب دیا۔ اگر آپ عام مسلمانوں سے محاصل وصول کرتے ہیں، قانونی مقدار سے کم یا زیادہ، اور اس کو ناجائز طریقہ پر خرچ کرتے ہیں تو آپ خلیفہ نہیں ہیں بلکہ شہنشاہ ہیں۔

---

[1] البتہ ایک معتبر راوی حدیث کے یہ الفاظ بنی اُمیہ کے سلاطین کے متعلق یاد رکھیے: بنی اُمیہ کا طرزِ حکومت بطرز خلافت نہ تھا، وہ شہنشاہوں میں بدترین شہنشاہ تھے۔ سعید بن جمہان۔ دیکھو مشکوٰۃ باب ما جاء فی الخلفاء۔ ج۲ ص یہ ذکر یورپ میں شہنشاہیتوں کے مقابلہ میں نہیں ہے، بلکہ اسلامی عہد کے مقابلہ میں کہا گیا ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیز کا عہد بالاتفاق اس سے مستثنیٰ ہے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یزید اس طرز پر حکومت کریگا، اگر وہ زندہ رہتے اور یزید کے طرز کو دیکھتے تو وہ خود اس کو معزول کر دیتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاروق اعظم ایک موقع پر عوام سے دریافت کرتے ہیں "خدا کی قسم میں یہ نہیں جانتا کہ میں خلافت سے روگردانی کر کے شاہی تو نہیں کر رہا ہوں، مجھے بتلایئے کیونکہ اگر میں ایک بادشاہ کا رنگ اختیار کر چکا ہوں تو یہ بڑی شدید بات ہے۔ مجمع میں سے فوراً ایک شخص برجستہ بولا۔ امیر المومنین خلافت اور شہنشاہیت میں فرق ہے۔ دریافت کیا گیا۔ کیا ہے وہ فرق؟ جواب ملا خلیفہ جملہ حقوق کا محافظ ہوتا ہے، وہ ہر انسان کا حق صرف حقدار کو دیتا ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ آپ خلیفہ ہیں۔ شہنشاہ انسانوں کے حق میں ظلم و جبر کرتا ہے۔ ایک طرف سے لوٹتا ہے، دوسری جگہ خرچ کرتا ہے[1]"

یہ تھا وہ احساس جس کی فضا میں خلیفۂ وقت اور عام شہری شہنشاہیت کو پامال کرنے میں آزاد تھے یہی وجہ ہے کہ جزیرۃ العرب خلفاء راشدین کے عہد میں نیم آزاد ملوک کے شکنجہ سے باہر ہو چکا تھا۔ رومی شہنشاہیت اپنے ایشیائی اور افریقی مقبوضات میں اور فارس کی ملوکیت خود اپنے مرکز میں فنا ہو چکی تھی۔ اور یہی وہ صورت واقعہ جس کا صاف مفہوم یہ تھا، ایک شہنشاہیت شکن اُمت پھر کبھی شہنشاہیت قائم نہیں کرے گی۔

خلافتِ راشدہ کے اُٹھ جانے کے بعد مسلمانوں کی فراموشکاری تاریخ عالم کا سب سے بڑا سانحہ ہے جس کی جواب دہی ان تمام انسانوں پر عائد ہوتی ہے جو اس وقت سے لے کر آج تک اس دنیا میں ذمہ داری کے مقام پر فائز رہے ہیں۔

اسلام نے عرب کے ملوک، روم کے قیصر، فارس کے کسریٰ کے گناہوں کے تاج کو اُتار کر زمین میں دفن کیا تھا مسلمانوں نے اس کو نکال کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ انہوں نے شہنشاہیت کی عمارت پر اسلام کا گنبد رکھنے کی کوشش کی لیکن یہ ایک بدعت تھی ایک

---

[1] طبقات ابن سعد روایت اولیٰ (اخبرنا محمد بن عمر — عن سلیمان) روایت دوم (اخبرنا محمد بن عمر — عن سفیان ابن ابی العرجاء) دیکھو حسن المحاضرہ۔ علامہ سیوطی ج ۲ ص ۳۰۰ الفرق بین الخلافۃ والملک والسلطنۃ من حیث الشرع۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گناہ تھا، ایک جرم تھا جس نے ساری قوم کو معراجِ بلندی سے پستی کے دامن میں پھینک دیا۔ اب اسلامی حکومت کا صحیح اور سچا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان عرشِ الٰہی کے سایہ میں پھر اس بلندی کا رُخ کریں جس کی طرف مسجدِ نبوی کے مینار اشارہ کر رہے ہیں۔ اُنہیں بغداد دمشق اور قرطبہ کو نہیں بلکہ اسلام کے وطنِ مرکزی (مکہ) کو اور اسلامی حکومت کے دارالخلافہ (مدینہ) کو دیکھنا چاہیے، اور دیکھ کر اوپر اُبھرنا چاہیے۔

دفعہ (۱۲) اسلامی حکومت کی غایت الغایات

خدا کے حکم سے حکمبردار انسانوں کی اجتماعی تنظیم جس کی قوت سے انسانیت عامہ کی بہتری کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے۔ اسلامی حکومت کی غایت ہر یا غایت الغایات!

اس غایت کے ماتحت بہترین فرد بہترین افراد کو ایک مرکزی وحدت پر جمع کرتا ہے بہترین افراد، بہترین اجتماع کو عالم وجود میں لاتے ہیں اور بہترین اجتماع، بہترین حکومت کو یہ حکومت ریاستِ عامہ کی حیثیت سے مرحلہ اول ہی پر یہ ثابت کر دیتی ہے کہ دنیا کے ماحول میں اس کی غایت ان تمام طریقوں کو اختیار کرنا ہے، جس کے نتیجہ میں تمام انسانوں کی بہتری بروئے کار آسکے۔ خدائے واحد کے اقتدار اعلیٰ کا عرفان عالمگیر قوم کی تشکیل تمام آفاق میں امن وامان کی بحالی اچھے احکام کا نفاذ بُرے احکام کا انسداد، اسلامی حکمت عملی کے وہ اجزاء ہیں جن پر اسلامی غایت کا مدار ہے۔

نظائر اور قانونی تشریحات

اسلامی حکومت بذاتِ خود ایک غایت ہے جو ایک عظیم الشان[1] غایت کے لیے دُنیا

---

[1] یہ عظیم الشان غایت خداوندِ عالم کے اقتدارِ اعلیٰ کی حکمبرداری کا عرفان اور خدائے واحد کے نام پر دنیا کی توحید ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سامنے آتی ہے اور اول درجہ پر ایک بڑے مقصد کے تابع ہے اور دوسرے درجہ پر خود ایک مقصدِ واجب ہے۔

اس سلسلہ میں تھوڑی دیر کے لیے اپنی دنیا کو دین کے سایہ میں لے آئیے اس کے بعد دنیاوی نقطۂ نگاہ سے اسلامی حکومت کی غایت پر غور کیجیے۔ خدا کے بہترین بندوں نے اپنی آرزوؤں میں ایک بڑی آرزو حکومت کو قرار دیا۔ انہوں نے خدا سے حکومت کو ہاتھ پھیلا کر مانگا۔ خدا نے ان کے دامن کو حکومت کی بہار سے گلزار کر دیا۔ ہماری تباہ حال دنیا میں خدا کے خوشحال انسانوں کی طلب صادق کی غایت کیا ہو سکتی ہے؟ دنیا کی رائے ایک ہو کر مانتی ہے کہ انسانیتِ عامہ کے یہ محسن انسانوں میں ظاہر ہوئے۔ انسانوں میں عمر بھر رہے۔ انہوں نے جب خدا کا حکم پایا تو انسانوں کو پکارا اور انسانیت کی بہتری پر زور دیا، وہ ہمیشہ بہتر سے بہتر زندگی کے حامی اور حامل رہے۔ ان کی غایت انسانوں کی عام بہتری کے علاوہ اور کیا ہو سکتی۔ بس یہی بہتری اسلامی حکومت کی غایت ہے۔ دنیا کی بہتری مقصود ہے تاکہ دنیا کے بعد کی زندگی بہتر ہو۔ ابن خلدون کہتے ہیں "یہ ایک عظیم الشان[1] منصب ہے جس کی غایت عظیم الشان سیاست ہے" تمام انسانوں کو شریعت الٰہی کی قانونی ذمہ داریوں کے لیے ایک میدان میں کھڑا کر دینا۔ دینی مصالح کی تکمیل اور دنیا کے فائدوں کی تکمیل جو بالآخر دنیا کے بعد کی زندگی سے اپنا ربط پیدا کر لیتے ہیں۔ خدا کی نیابتی ریاست کا ہر کام اس طرح سرانجام دینا جس سے دین اور دنیا کی سیاست صحیح شکل میں برقرار رہے۔ دین کی پوری پوری حفاظت اور دنیا کی سیاسی ذمہ داریوں کی مکمل رعایت ہو تاکہ انسان کی عمرانی مصلحتیں، اور اُمت کا مفادِ عامہ پورا ہو سکے[2]

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حکومت ایک ادارہ ہے اور سیاست اس کا ذریعۂ کار ہے۔

---

[1] یہ عبارت ابن خلدون کے نظریات سے صحیح طور پر اخذ کی گئی ہے۔

[2] مقدمہ ابن خلدون ف ۲۵ تا ف ۳۳ ص ۱۳۳-۱۶۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابو البقاء حنفی نے سیاست کی تعریف یہ کی ہے[1] "وہ حکمت عملی جس کا مطالبہ یہ ہے کہ انسانی مخلوق کے حال اور مستقبل کی اصلاح و بہتری کے لیے رہنمائی کا فرض انجام دیا جائے"
اس سے معلوم ہوا کہ امام انسانی سوسائٹی کے رہنما کی حیثیت سے اپنے فائدہ کے لیے تصرفات عمومی کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کے سیاسی اختیار کا مقصد انسان کا فائدہ اور اس کی بہتری ہے جو آج کی زندگی میں اور آنے والی زندگی میں صحیح راستہ پر پہنچا سکے اور منزلِ مقصود تک جانے میں معاون ہو۔ صرف دنیا کی بہتری نہیں بلکہ انجام اور آخرت کی بہتری[2] دونوں موجود ہیں۔ اور دونوں کے لیے انسانی طلب اور سچی عزیمت درکار ہے وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ - فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ[3] - الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (یونس)

قرآن حکیم نے دنیا کی بہتری کے لیے "ثواب دنیا" کا لفظ استعمال کیا ہے ثواب وہ اولین اور حقیقی حالت ہے جس پر انسان پیدا ہوا تھا اور جس پر انسان کو ہونا چاہیے[4]۔ انسان بہتر صورت میں اور بہتر حالت میں تھا۔ بعد کی بغاوت سے اس میں خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اب اس کو پھر اپنی بہتری کے لیے ریاستِ عامہ کے نظام پر جمع ہونا ہے۔

اسلامی حکومت اپنی غایت، اپنی سادگی اور اپنی عمومیت کے اعتبار سے ایک مستقل اور جداگانہ شے ہے۔ ابن الطقطقی نے بالکل صحیح کہا وہ ایک حکومت ہے عام دنیاوی حکومتوں سے بالکل الگ اور پیغمبرانہ اوصاف سے مستفید[5] (انہا دولۃ لم تکن من طراز دول الدنیا وھی بالامور النبویۃ والاحوال الاخرویۃ اشبہ الخ)

چونکہ اسلامی حکومت کی غایت دنیا کی بہتری ہے اس لیے علامہ ابو الحسن الماوردی

---

[1] کلیات العلوم ص ۲۷۴ [2] تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر ج ۱ ص ۵۶۴ [3] ایضاً ص ۴۰۹
[4] مفردات امام راغب (ثوب) ص ۱۷۶ [5] الفخری ابن الطقطقی ف ۲ ص ۵۲ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھتے ہیں کہ دنیا کی بہتری دو صورتوں سے اپنا اعتبار قائم کرتی ہے
(اول) دنیا کی منظم اجتماعی شیرازہ بندی اور مجموعی انتظامی تشکیل سے۔
(دوم) دنیا کے ہر ہر فرد کی انفرادی بہتری سے (صلاح الدنیا معتبر من وجھین اولھما ماینتظم بامور جملتھا والثانی مایصلح بہ حال کل واحد من اھلھا)

علامہ محترم اسلامی نظریہ کے مطابق فرد کی بہتری پر بےحد زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک فرد کی حالت متعدی ہے۔ اگر فرد کی حالت بہتر نہیں ہے تو وہ پورے اجتماعی نظام پر خراب اثر ڈالیگا۔ فرد کی حالت بھی بہتر ہونی چاہیے اور انسانیت عامہ کی مجموعی حالت بھی بہتر ہونی چاہیے۔ اگر فرد کی حالت خراب ہے اور مجموعی نظام کی حالت بدتر ہے تو فرد کے لیے اس نظام میں کوئی دلچسپی نہیں اور اگر فرد کی حالت اچھی ہے اور اجتماعی نظام خراب ہے تو یہ قطعی ممکن ہے کہ کل تک فرد کی بہتری کی موجودہ صورت بھی ختم ہو جائے۔ انسانی بہتری کی دو صورتیں ہیں۔ دونوں ہی کو نمایاں ہونا چاہیے، یہ اس لیے کہ

(۱) دنیا کی بہتری، تمام دنیا کے انسانوں کی بہتری ہے۔
(۲) دنیا کی خرابی تمام دنیا کے انسانوں کی خرابی ہے (فصلاح الدنیا مصلح لسائر اھلھا وفساد الدنیا مفسد لسائر اھلھا)[۱]

اسلامی حکومت کی غایت کو متعین کرنا بہت آسان ہو جائیگا اگر پہلے یہ طے کر لیا جائے کہ اسلام قوم کو اور قوم[۲] کے افراد کو کس حال میں دیکھنا چاہتا ہے اور سوسائٹی کی تشکیل کو کس طرز پر مکمل کرتا ہے۔

قرآن نے جس مقصد پر زیادہ زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر رکن صالح ہو۔ علامہ سید شریف اپنی کتاب میں تصریح کرتے ہیں کہ صالح وہ ہے جو ہر قسم کی خرابی اور فساد سے پاک ہو۔ صالح وہ ہے جس میں صلاح ہو[۳]۔ امام راغب اصفہانی کی تشریح

---

[۱] ادب الدین والدنیا (ماوردی) ص ۹۔ [۲] قوم یعنی اُمت [۳] تعریفات سید شریف باب الصاد ص ۹۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق صلاح فساد کی ضد ہے[1] اس کے معنی ہیں وہ بہتر حالت جس میں کوئی خرابی نہ ہو قرآن ایسے ہی انسانوں کو حکومت کی زمام دیتا ہے۔ اس کا اعلان ہے کہ حکومت ایسے ہی انسانوں کی میراث ہے جو صالح ہوں نیک کردار ہوں اور صلاحیت مند ہوں۔ خدا کا وعدہ بھی یہی ہے کہ روئے زمین کی خلافت (نیابتی حکومت) ان لوگوں کو عطا کی جائیگی جو عمل اور حکمت عملی کے اعتبار سے بہتر معیار کے ساتھ میدان میں آئیں۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر متعلقہ آیت کے ضمن میں اسی مفہوم کے موئد ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"اسلامی[2] سوسائٹی کے نکوکار افراد روئے زمین پر خدا کے نائب ہیں۔ انسانیت کے رہنما اور لیڈر ہیں، انسانوں کے والی اور نگراں ہیں اور وہی دنیا کے منطقوں میں بہتر نظام قائم کرنے پر مامور ہیں"

ہم کو قرآن عظیم کے صفحات پر "خیر الحاکمین[3]" (بہتر سے بہتر حکمراں) "خیر امت" (بہتر سے بہتر قوم) "خیر البریہ" (بہتر سے بہتر مخلوق اور انسان) کا تذکرہ دستیاب ہوتا ہے۔ اسلام کے قانون میں اس قسم کی آیات اور الفاظ کا ملنا اس بات کی سب سے بڑی قانونی سند ہے کہ اسلام کے اجتماعی تصورات کا رُخ بر ملا انسانوں کی عام بہتری کی طرف ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پہلی کتاب ہے جس نے انسانی بھلائی کے عنوانوں کا ذکر کرنے میں اپنی ہمہ گیر قوت ایجاد سے کام لیا ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی انسان خدا سے زیادہ انسانوں کی بہی خواہی کا دعویٰ نہیں کر سکتا

قرآن جب تمام انسانوں کو عمل صالح اور اچھے کردار کا مشورہ دیتا ہے تو اس کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ انسان خود بہتر ہو، ایک بہتر معاشرہ پیدا کرے۔ اس معاشرہ کے ارکان مل کر بہترین حکمت عملی اختیار کریں۔ اور ایک ایسی حکومت قائم کریں جو معمورۂ عالم کو اچھے کاموں

[1] مفردات القرآن امام راغب اصفہانی باب الصاد ص ۲۸۶ خیریہ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳
[3] پ ۳۰۔ البینہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مل کر گزار کریں۔ یہ بات قطعی ہے کہ جہاں قرآن کے حکم کے مطابق سوسائٹی کے تمام افراد اپنی بہتری کے لیے بہترین کام کریں گے اور جملہ برائیوں سے باز رہیں گے وہاں بہترین حکومت ضرور قائم ہو کر رہے گی اور جہاں اس قسم کی حکومت وجود میں آئیگی وہاں تمام انسانوں کی بہتری کا مقصد لازماً پہلا اور آخری مقصد ہوگا۔

قرآن کے اس نظریہ کی بنا صاف ضابطوں پر قائم ہے: مَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (جس کا عمل بہتر ہے وہی مومن ہے اور اس کی جدوجہد کامیاب ہے)۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (الزلزال پ۳۰) جو انسان ذرہ بھر اچھا کام کریگا وہ اس کا اچھا ثمرہ پائیگا اور جو ذرہ بھر برائی کریگا وہ اس کا برا نتیجہ ضرور دیکھیگا۔

یہاں اس پر ضرور غور کیجیے کہ جس دینی نظام کی بنیاد اس طرح کے پسندیدہ ضابطوں پر قائم ہے اس کی غایت عالمگیر بہتری کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرن اول میں جو اصحاب اس اجتماع کے رکن بنے ان کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی ان کے لیے خدا کا حکم تھا کہ دنیا میں ہمیشہ ایک ایسی امت رہنی چاہیے جو بہتری کی طرف بلاتی رہے اور اس طرح حکومت کرے کہ تمام اچھی باتیں حکومت کے مزاج میں داخل ہو جائیں اور تمام بری باتیں ناقابلِ عمل قرار پائیں[2]۔ ان کے لیے "فَاستبقوا الخیرات" کا فرمان جاری ہوچکا تھا جس کے معنے یہ تھے کہ زندگی کی دوڑ میں اپنی بہتری کے لیے تیز دوڑ لگاؤ اور راہِ ارتقاء پر گامزن ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جب پیغمبر کائنات نے انسانیت عامہ کو توحید کی طرف دعوت دی تو ابتداء کے دو تین جلسوں ہی میں یہ فرمادیا "میں خدا کا نمائندہ اور پیغمبر ہوں، میں صرف عرب ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے بھیجا گیا ہوں[3]" تم سب میرا ساتھ دو۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا

---

[1] قرآن عظیم۔ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۹۳۔ [2] قرآن عظیم ولتکن منکم أمة یدعون الی الخیر، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۳۶۔ [3] انی رسول اللہ الیکم خاصةً والی الناس عامةً (ابن اثیر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نعرہ بلند کرو، صرف اس لیے کہ اس میں تمہاری بہتری کا پروگرام ہے[1]۔ میں عرب میں کسی ایسے جوانمرد سے واقف نہیں ہوں جو اپنی قوم کے پاس وہ دولت لایا ہو جو میں لایا ہوں (قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرۃ[2]) دنیا کی بہتری اور دنیا کے بعد آخرت و انجام کی بہتری!

آنحضرت کا یہ فرمان اجتماعیات سے براہِ راست متعلق تھا۔ یہ کسی فرد سے خطاب نہ تھا بلکہ ایک سوسائٹی اور قبیلہ کی ہیئتِ اجتماعی کو خطاب تھا۔ یہ حقیقت تبوک کے محاذ پر اس وقت اُجاگر ہو گئی جب آپ نے یہ اعلان فرمایا: خیر الملل ملۃ ابراھیم[3] (اقوام و امم میں بہترین قوم ملت ابراہیمی ہے۔ آپ نے ایک اور محاذ پر علمبردارانِ اسلام کی طرف اشارہ کرکے یہ اعلان کیا تھا: انتم خیر اھل الارض[4] (تم ہو روئے زمین پر بہترین انسان)

تبوک کے موقع پر زبانِ مبارک سے یہ پاکیزہ کلمات بھی سنے گئے: خیر الامور عوازمھا — خیر الاعمال ما نفع — خیر الھدی ما اتبع — خیر الزاد التقوی — وخیر ما وقر فی القلوب الیقین (بہترین امور، عزائم ہیں اور عزیمتیں۔ بہترین حکمت عملی وہ ہے جس کا فائدہ عام ہو۔ بہترین رہنمائی اور لیڈرشپ وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ بہترین زادِ راہ نکوکاری ہے اور بہترین شے جس کا دل مسکن ہو یقین ہے"

انسانی نظم کی بہتری کے لیے صدر حکومت کی اطاعت فرض ہے لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے: انما الطاعۃ فی المعروف (وہی حکم قابلِ اطاعت ہو جو بہتر اصول پر مبنی ہو[5])

آخری چند صدیوں کے مجہول تعامل کی بناء پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ طلب صادق کا کوئی لولہ دنیا کے ساتھ وابستہ نہیں ہو سکتا۔ اسلامی تاریخ اس تصور کو باطل قرار دیتی ہے۔ دنیا میں باطل زندگی کی تلاش باطل ہے لیکن بہتر معیارِ زندگی کوئی بُری بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اعظم

---

[1] قولوا معی لا الٰہ الا اللہ وان تفلحوا (ابن کثیر) [2] تاریخ الکامل ابن اثیر الجزری ج ۲ ص ۲۳ تاریخ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر [3] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۵ ص ۱۳

[4] بخاری ومسلم) یوم الحدیبیہ۔ تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۷۱۔

[5] فتح الباری (صحیح البخاری باب اجر من قضی بالحکمۃ فالسمع والطاعۃ) ج ۱۳ ص ۱۰۳-۱۰۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سفرا جب دوسرے شاہی درباروں میں اسلام کا اجتماعی پیغام لے جاتے تھے تو وہ اس بات کو صاف کر دیتے تھے کہ اسلام ایک ایسے دینی نظام پر مشتمل ہے جس میں دین و دنیا دونوں کی بہتری یکساں رونما ہوتی ہے۔ چنانچہ جب علاء بن الحضرمی منذر بن ساوی کے دربار میں حاضر ہوئے اور منذر نے مجوسی نظام زندگی کو خیرباد کہا تو علاء نے ان الفاظ میں خطاب کیا " مجھے کوئی امر اس میں مانع نہیں ہے کہ میں ایک ایسے دین کو قبول کر لوں جس میں دنیاوی زندگی کی آسائش اور موت کا سکون دونوں موجود ہیں۔ عمرو بن العاص جلندی کے یہاں باریاب ہوئے انہوں نے حضور کے متعلق تعارفی جملے یہ ادا کیے: ھذا النبی الذی جاء بالدنیا والآخرة یہ وہ پیغمبر ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں کو لے کر ظاہر ہوئے ہیں۔ جلندی نے ان الفاظ کو سن کر جو جواب دیا وہ بھی یادگار رہے۔ "تم نے ایک پیغمبر کی طرف مجھے بلایا ہے قسم بخدا جو بہتری اس پیغمبر کے پروگرام میں داخل ہے میں پہلے سے اس کا قائل ہوں اور جس خرابی سے وہ منع کرتے ہیں میں اس سے قبل اسے چھوڑ چکا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ وہ پیغمبر ہیں[1]۔

سنہ ۹ ہجری میں اسلامی حکومت کے صیغہ خارجہ کی دستاویزی معلومات اور مندرجہ بالا تشریحات قطعی الثبوت ہیں اور انسان کی فکر درخشاں کے لیے ایک عظیم ہدیہ ہیں۔ ہم ان کی امداد سے بخوبی اسلامی حکومت کی حقیقی غایت کو متعین کر سکتے ہیں[2]۔

[1] روض الالف سہیلی ج ۲ ص ۳۵۱۔۳۵۶

[2] تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر ج ۲ ص ۵۸۵۔ حافظ عماد الدین نے حوالہ بالا میں ان احادیث کو پیش کیا ہے جن میں دنیاوی زندگی کی بہتری بجائے خود ایک مستقل مقصد کا درجہ رکھتی ہے، اور صالح انسانوں کے لیے غایت قرار پا سکتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی حکومت کے نام

دفعہ (۱) امامتِ کبریٰ

امامت۔ ایک ایسی ریاست عامہ[1] (Leader ship of Democratic Government) کا نام ہے جو پیغمبرِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قانونی نمائندگی سے حاکمانہ بالادستی حاصل کرتی ہے اور دنیا و دین کی اجتماعی سرگرمیوں میں اپنی عظمت و طاقت کا اس طرح اظہار کرتی ہو کہ اُس میں اعلیٰ رہنمائی کے اوصاف نمایاں ہو جاتے ہیں۔

محراب و منبر کی امامت (نماز کی اقامت) فرض عین ہونے کے باوجود امامت صغریٰ ہے اور حکومت و سلطنت کی یہ امامت، امامتِ کبریٰ ہے

امامت کبریٰ اسلامی حکومت کا وہ اعلیٰ ترین نام ہے جس سے اس طرز حکومت کی خوبی، بڑائی اور اس کے مستقل امتیازی وجود کا اعلان ہوتا ہے۔ اس سے ابراہیمی تنظیم کے پاکیزہ اوصاف ظاہر ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی امامت کا حق صالح اور صلاحیت مند مسلمانوں کے ہاتھ میں آتا ہے، اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وفادار انسانوں کو اقتدارِ اعلیٰ کی اطاعت کا ثمرہ حکومت کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔

قانونی تشریحات

امامت کے طرز حکومت کو حقیقت سمجھ کر یہ تصور کیجیے کہ ہماری دنیا عالمگیر برادری کا شاندار اجتماعی نظام ہے۔ یہ عالمگیر برادری خدا کی قائم کردہ سچی انسانیت کے اصول پر حکومت کے

[1] المواقف (المرصد الرابع فی الامامۃ) ج ۸ ص ۳۴۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام کو چلانے کے لیے اپنا ایک فرض سمجھ کر اٹھام[1] ضمنی ہے، یہ امام ساری برادری میں اپنی نظیر آپ، خدا ترسی کے قانون کا پابند، خدائی آئین کا پیروکار، علم و عقل میں فرد، نیکی میں یگانہ، عظمت میں دلوں کا سردار، سب میں بڑا، سب کا بڑا، حکومت کی قابلیت[2] میں یکتا، جمہور کی نظر میں آنائے روزگار، اور ساری سوسائٹی میں مصلح[3] ہے۔ قوم اپنے اختیار سے امام کے ہاتھ میں حکومت اور سیاسی ہیئت کی لیڈر شپ (Leadership) دے دیتی ہے۔ یہی لیڈر شپ[4]، رہنمائی اور رہنمائی کا فعل امامت ہے۔

یہ سمجھیے کہ روئے زمین کی مملکت ایک عظیم الشان کارپوریشن (Corporation) ہے اور امام اس کا میئر (Mayor) یعنی — امیر ہے

لیڈر شپ کا اعلیٰ سے اعلیٰ تصور کیجیے، میئر شپ کا بہتر سے بہتر مفہوم دماغ میں لائیے سیاسی اور اجتماعی رہنمائی اور حکومت کا بلند سے بلند انسانی نظریہ قائم کیجیے اس پر بے تکلف امامت کا اطلاق ہوگا۔

نظائر (ا) وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (بقرہ)

(ب) وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔

تشریح (ا) ابراہیم کے پروردگار نے جب اس کو کئی باتوں میں آزمایا اور اس نے ان باتوں کو پورا کر دیا تو فرمان ہوا میں تجھ کو انسانوں کا امام (رہنما اور پیشوا) بناؤں گا۔

(ب) خدائے برتر فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے نمائندوں، سفیروں اور پیغمبروں، اسحٰق، یعقوب اور ان کے علاوہ تمام رسولوں کو صالح اور صلاحیت مند بنایا، ان کو امام و پیشوا قرار دیا وہ ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے ہیں اور ہمارے حق حکومت او اختیار کے ماتحت راہ دکھاتے ہیں۔

---

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ امام مسعود الکاشانی حنفی۔ کتاب آداب القاضی ج ۷ ص ۲
[2] احکام القرآن جصاص۔ ج ۱ ص ۵۳۶۔ [3] مختصر علامہ خلیل مالکی تعلیق احمد نصر مطبوعہ ۱۳۵۵ھ مصر۔ [4] الوجیز (فقہ شافعی) دیکھو امام غزالی کی رائے ج ۲ ص ۱۴۳
[5] دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۲ ص ۶۱۲۔ لفظ امام۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابوبکر جصاص حنفی امامت کے متعلق تین اصطلاحی باتیں فرماتے ہیں۔

(۱) امام وہ شخص ہے جو مذہبی قانون کی بنا پر اپنے پیروؤں کی رہنمائی کرے۔

(۲) یہ رہنمائی نبوت (خدائی نمائندگی) کی سند پر کی جائے۔

(۳) تمام انبیاء امام ہیں اور حکومت کے منصب پر امامت کے عہدیدار[1]۔

مندرجہ بالا اصطلاحی امامتِ عُظمٰی ہی کا وہ منصب ہے جو اسلامی دور کی حکومت کا مطمحِ نظر رہا ہے اور جس کا ذکر ہمارا مقصودِ اصلی ہے۔

ہمارے علماءِ اجتماعیات نے اسلام کے طرزِ حکومت کو شاندار ظاہر کرنے کے لیے امامت کو امامتِ عظمٰی، امامتِ کبریٰ، امامتِ عامہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

علامہ ابن خلدون خلافت و امامت کے نظریہ کو پیش کر کے فرماتے ہیں: حکومت کا وہ منصب جو دین کی نگہبانی اور دنیا کے سیاسی فرائض کو پورا کرتا ہے۔ خلافت و امامت ہے اسی کو امامتِ کبریٰ اور خلافتِ عامہ کہا جاتا ہے[2]۔

علامہ شیخ محمد امین ابن عابدین اپنی قانونی تصنیف میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ جب انسان متحد ہو کر اپنی رہنمائی کا کام کسی کو اس طرح سپرد کریں کہ وہ صفِ اول کا پہلا شخص ہو، اور سب سے آگے ہو اور انسانی جماعت کے سب ارکان اس کے پیچھے ہوں تو اسلامی قانون میں لازمًا اس کی دو صورتیں نظر آئینگی۔

(۱) اگر انسان جمع ہو کر نماز کی رہنمائی کسی کو سپرد کرتے ہیں تو یہ امامتِ صغریٰ ہے۔

(۲) اور اگر انسان اجتماعی احکام و قوانین میں کسی ہستی کو آگے کر کے اس کی رہنمائی قبول کرتے ہیں تو یہ امامتِ کبریٰ ہے۔

امامتِ کبریٰ ایک خاص قسم کا فرض ہے۔ محراب و منبر اور نماز کی امامت درجۂ اول پر

---

[1] احکام القرآن جصاص ج ۱ ص ۰۷، جصاص الرازی الحنفی متوفی سنہ ۳۷۰ھ

[2] مقدمہ کتاب العبر ابن خلدون (امامت و خلافت) ص ۱۳۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کے باوجود امامتِ کبریٰ کے ماتحت ہے[1]۔ کیونکہ اسلامی حکومت نہ ہو تو نماز کے واجبات صحیح طریقہ پر ادا نہیں ہو سکتے ہیں۔ اگر سلطنت نہیں ہے تو نماز کی حاکمیت بھی باقی نہ رہے گی"۔

اس حکیمانہ نظریہ کے بعد فاضل فقیہ امامتِ کبریٰ کی شرح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا کے باشندوں پر وہ عام تصرف جو ایک ریاستِ عامہ کی تشکیل کا موجب ہوتا ہے اور جس کو پیغمبر کی نمائندگی کا فخر حاصل ہو[2]"

یہ کہنا چاہیے کہ امامت اپنی اصل کے اعتبار سے عام قیادت (لیڈر شپ) ہے اور پیغمبر اعظم کی نسبت سے خلافت، نیابتی حکومت کی خود شناس ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے اور اسلام کے اجتماعی نظام کو زعیم بن کر چلاتی ہے مگر نیابت[3] کے طور پر فلسفۂ اجتماعیات کے مسلمان ماہرین میں سے ابن رشد[4] اسلامی طرزِ حکومت کو امامتِ کبریٰ کا نام دیتا ہے۔ امام ابن مسعود[5] کاشانی حنفی امامتِ عظمیٰ کے لفظ سے موسوم کرتے ہیں۔ شیخ خلیل[6] مصری مالکی امامتِ عظمیٰ کے نام کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام غزالی[7] نے امامت کے لفظ پر اکتفا کیا ہے۔ علامہ قاضی ثناء اللہ[8] پانی پتی نے امامتِ عامہ کو ترجیح دی ہے۔ اسلام کے قانونِ مدنی کی مشہور کتاب شرح المواقف[9] میں اسلام کے طرزِ حکومت کو ریاستِ عامہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور امام ابوالبقاء[10] حنفی نے بھی اسی لفظ کو حقِ ترجیح دیا ہے

---

[1] احکام القرآن ابوبکر الجصاص حنفی (م ۳۷۰ھ) دیکھو تائیدی نظریہ کے لیے۔

[2] رد المحتار بر در المختار۔ باب الامامۃ ج ۱ ص ۵۱۱   [3] دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۲ ص ۶۱۲ (امام)

[4] بدایۃ المجتہد ابن رشد قرطبی (م ۵۹۵ھ) کتاب الاقضیۃ ج ۲ ص ۲۹۵۔ طبع مصر ۱۳۳۹ھ

[5] بدائع امام علاء الدین ابوبکر ابن مسعود کاشانی حنفی آداب القاضی ج ۷ ص ۲

[6] مختصر علامہ خلیل بن اسحٰق مالکی ۔ طبع مصر ۱۳۵۵ھ   [7] الوجیز (فقہ امام شافعی) غزالی ج ۲ ص ۱۴۳

[8] تفسیر مظہری ۔ آیۃ۔ بقرہ ج ۲ ص ۱۲۴   [9] المواقف ج ۸ ص ۳۴۵

[10] کلیات العلوم ابوالبقاء حنفی ۔ الامام۔ ص ۱۳۳ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاستِ عامّہ

دفعہ ۱۲ خلافتِ عُظمیٰ

الخلافۃ نیابۃ فی حفظ الدین وسیاسۃ الدنیا (ابن خلدون)

نمائندہ اور نیابتی حکومت جو دین و دنیا کے دائرہ میں ذمہ داریوں کے بارِگراں کو فرمانروائے اعلیٰ (خداوند عرش) کے اقتدار کے ماتحت امانت کے طور پر قبول کرتی ہے "خلافت" ہے۔ یہ حکومت انسانی زندگی کی تنظیم کے دائرہ میں خداوند تعالیٰ اور اس کے قانونی نمائندوں کے سونپے ہوئے حاکمانہ واجبات کو پورا کرتی ہے اور منجانب اللہ ان تمام اختیارات کی مالک ہوتی ہے جو نیابت کے طور پر اس کو حاصل ہوتے ہیں۔

خلافتِ عُظمیٰ [۱]: چونکہ اس حکومت کا غالب رجحان ایک خدا کے لیے دنیا کو فتح کر کے عالمگیر عظمت [۲] حاصل کرنے کی طرف ہوتا ہے اس لیے اس کو خلافتِ عُظمیٰ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

خلافتِ عامّہ [۳]: چونکہ خلافت کے نیابتی واجبات کی تکمیل میں جنگ و جہاد، جدّ و جہد اور نصب العین کی عمومیت کو دخل ہوتا ہے، اس لیے اس کو خلافتِ عامّہ بھی کہتے ہیں [۴]۔

خلافتِ راشدہ: خلافت جب نیابتی حکومت کی حیثیت سے ابراہیمی اوصاف پیدا کر لیتی ہے، پیغمبرِ اعظم کی اصل رہنمائی سے متاثر ہو کر خدا ترسی کے قانون کو اپنا اصول

---

[۱] دیکھو بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ کتاب آداب القاضی ج ۷، ص ۲۔ طبع جمالیہ مصر۔
[۲] تفسیر القرآن العظیم ج ۳ ص ۳۰۰۔ السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیۃ امام ابن تیمیہ۔
[۳] دیکھو مقدمہ ابن خلدون (اختلاف الامم) ص ۱۳۴۔ [۴] حجۃ اللہ البالغہ۔ مبحث جہاد۔ ج ۲ ص ۱۷۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا لیتی ہے اور تمام اجتماعی بھلائیوں کو قبول کر کے تمام برائیوں سے انکار کر دیتی ہے تو اس کو خلافتِ راشدہ کا لقب حاصل ہو جاتا ہے۔

قانونی تشریحات | حکومت کا وہ نظریہ جس کا نام خلافت ہے صدیوں تک ایشیا، یورپ اور افریقہ پر حکمرانی کر چکا ہے۔ اس نظریہ کے مناظر کبھی اصلی اور پُر جوش ہوتے تھے، کبھی اصل سے کچھ ہٹے ہوئے اور کبھی حقیقت کے بالکل خلاف۔ بہرحال خلافت راشدہ ـــ خلافت بنی اُمیہ ـــ خلافت عباسیہ ـــ خلافتِ فاطمیہ ـــ اور خلافت عثمانیہ ـــ کی تاریخ نظریۂ خلافت کی تاریخ ہے۔

خلافت نام ہے نیابتی حکومت کا، یہ ایک قسم کی نیابت، نمائندگی اور وائسرائلٹی ہے جو دینی سفارت کے ذریعہ دنیا کے ان تاریخی مصلحین اور انقلابی رہنماؤں کو حاصل ہوئی ہے جنھوں نے خدا کے الہام اور احکام کی سند پر انسانیت کی خرابیوں کو چیلنج کیا اور ایک عام انقلاب بپا کر کے انسانیت کی تعمیر و ترقی کے پروگرام کو آگے بڑھایا۔ اور دنیا کی روحانی، معاشی، تمدنی اور دولتی تاریخ کے اُس ارتقائی پہلو کو ظاہر کیا جس کا تعلق مذہبی اور فطری دور سے ہے۔

یہ دور آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اور اصلاح کے آخری داعی سرورِ دین اور سردارِ دنیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ خلافت پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ دور خلافتِ الٰہی کا دور ہے۔ آپؐ کے بعد خلافتِ راشدہ کے چار دور (جن میں دو دور زیادہ ممتاز اور مکمل ہیں) خلافتِ محمدی کے دور ہیں۔ بعد کے دور خلافت کے نام پر دنیاوی حکومت کا نمونہ تھے۔

ابوحیان خلیفہ کی اصطلاحی تعریف میں کہتے ہیں[1] "وہ ہستی جس کے ہاتھ میں روئے زمین کے باشندوں کی سیاسی تنظیم و تدبیر کا کام ہو جو انسانوں کے مفادِ عامہ کا نگراں ہو۔ اور جو حکومت کا حق دوسری قوت کی طرف سے حاصل کرے۔ خلافت خلیفہ کے کاموں اور کارناموں

[1] بحر المحیط ابوحیان اندلسی ج ۱ ص ۱۴۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی صورت اور ان سے جو منصبِ حکومت پیدا ہوتا ہے اس کا نام ہے۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں" خلیفہ وہ ہستی ہے جو کسی دوسرے کی نمائندہ اور نائب ہو"[۱]

علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں :-

"آدم اور تمام پیغمبر خلیفۃ اللہ کا عہدہ رکھتے ہیں، روئے زمین پر عمرانی، سیاسی اجتماعی اور حکومتی سرگرمیوں میں خدا کی نیابت کرتے ہیں"[۲]

تیسری آیت میں عصرِ محمدی کی خلافت کا اعلان ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحقیق یہ ہے کہ اس آیت میں بدر کے محاذِ جنگ کے سپاہیوں سے خطاب ہے۔ اور ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو خلافت کا منصب، شوکت و سطوت اور غلبہ و اقتدار عطا کیا جائیگا[۳]۔ اس تخصیص سے اصل نتیجہ پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑتا کیونکہ محاذِ بدر کے مسلمانوں نے جس سیرت کردار اور قوتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا وہی اسلامی حکومت کی بنیاد متصور ہوتی ہے۔ معرکۂ بدر کی کامیابی مکہ، یرموک، قادسیہ کی فتح کا پیش خیمہ تھی۔ بدر کے سپاہی اسلامی حکومت کا ہراول دستہ تھے، اس لیے خاص ان کے لیے جو اعلان کیا گیا ہے اس کا مقصد اگر عام قرار دیا جائے تو صداقت کے خلاف نہ ہوگا۔

نظائرِ بالا سے نظریۂ خلافت کے دو پہلو ثابت ہوتے ہیں :-

(۱) خلافت پہلے درجہ پر وہ حکومت ہے جو خدا کی نیابت کے طور پر خدا کے نمائندوں کو حاصل ہوتی ہے۔

(۲) خلافت دوسرے درجہ پر وہ حکومت ہے جو آخری انقلاب کے داعی، انسانیتِ عامہ کے پیغمبر محمد مصطفیٰ (صلعم) کی نیابت کی حیثیت سے حاصل ہوتی ہے[۴] اور سلسلہ بسلسلہ

---

[۱] کشاف زمخشری۔ ج ۱ ص ۶۱۔ [۲] روح المعانی ج ۱ ص ۲۰۲ [۳] ازالۃ الخفاء (خلافۃ الخلفاء) شاہ ولی اللہ ج ۱ ف ۱ ص ۲۸۔ [۴] دیکھو روایت ابو حصین، ابوبکر صدیق کے متعلق "لقد قام مقام نبی من الانبیاء" ابوبکر پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کے قائم مقام اور نائب تھے فتوحات اسلامیہ دحلان ج ۲ ص

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیابتی حکومت کی حیثیت سے دنیا میں فتوحات حاصل کرتی ہے یہی وہ پہلو ہے جو ہمارا موضوع ومقصود ہے۔

امام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ[1] میں جنگ وجہاد کے اسلامی تصور کو پیش کرتے ہوئے پہلے پہلو کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"یہ بات ایک حقیقت کے طور پر جان لینی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کا منصب دے کر بھیجے گئے ہیں۔ دنیا میں ان کے دینی نظام کا غلبہ دو باتوں پر موقوف ہے:۔

(۱) جنگ وجہاد (۲) اسلحۂ جنگ کی تیاری"۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی اپنی تفسیر قرآن العظیم میں دوسرے پہلو کی حسب ذیل تشریح کرتے ہیں

"خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے بعد ان کی اُمت کے ارکان کو روئے زمین کی خلافت وحکومت دی جائیگی جو دنیا میں صحیح تمدن کو پھیلائینگے بدامنی دور ہو کر امن قائم ہوگا۔ بندگانِ خدا ان کی حکومت کی اطاعت کرینگے۔ یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے[2]"

علامہ آلوسی بغدادی کہتے ہیں کہ "خلافت ایک نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اور اس کا شکر سپاس عدل ہے سلطنت کے آئین ہیں خلیفہ اس وقت نائب السلطنت کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جب اس کو حکومتِ اعلیٰ سے حکومت کرنے کا نیابتی فرمان مل جاتا ہے"[3]۔

دفعہ (۱۳) خلافتِ راشدہ[4]

بہتر سے بہتر طرز حکومت جس میں ہر اچھے طرز حکومت کی جملہ خوبیاں (اخلاقی ہوں یا عمرانی،

[1] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ حوالہ بالا [2] دیکھو تفسیر القرآن العظیم دحوالہ بالا [3] روح المعانی آلوسی ج ۲۳ ص ۱۶۹
[4] خلافت راشدہ کو اسلام کے نظام حکومت میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اس لیے اس کو ایک مستقل دفعہ کے ماتحت درج کیا گیا ہے۔ غازی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاسی ہوں یا تمدنی، قانونی ہوں یا اقتصادی) پائی جائیں اور حکومتوں کے قلب اور قالب میں جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں سب اس کے دائرۂ عمل سے خارج ہوں ایسے طرزِ حکومت کا نام حکومتِ راشدہ ہے جب اس مثالی اور اصولی حکومت میں پیغمبرِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نیابت اور نمائندگی کی صورت پیدا ہو جائے تو وہ "خلافت راشدہ" بن جاتی ہے۔

قانونی تشریحات | امامت کا طرزِ حکومت اور حکومت کا رُشد (یعنی اعلیٰ معیار) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اجتماعی اور ملی تنظیم کے سرچشمہ سے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبوں تک پہنچا ہے۔ امامت اور رُشد دونوں ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے نظریات ہیں اور دونوں کا تعلق اسلام کے قانونی آثار سے ہے مختصر الفاظ میں یہ سمجھیے۔

ا۔ انسانیتِ عامہ کے صحیح طور پر منظرِ عام پر آنے کا نام اسلام ہے۔

ب۔ اسلام اپنے طرز پر جو بے مثال حکومت قائم کرتا ہے اس کا نام امامت ہے۔

ج۔ امامت کا مکمل سے مکمل مظاہرہ اور اسلامی حکومت کا اعلیٰ سے اعلیٰ ظہور جب ہو اور جہاں رونما ہو اس کا نام رُشد ہے[1]

قرآن میں متعدد آیتیں نظریۂ رُشد کی صحت کے لیے قوی دلائل کی صورت میں موجود ہیں[2] جن میں رُشد کی عام حقیقت کو پسندیدہ رہنمائی، ہدایت، نیکی کی طرف اقدام کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن جب ہم حضرت ابراہیم کی حکومت کے ساتھ رُشد کا ذکر پاتے ہیں تو ایسے مرحلہ پر ہمیں اس کے وہ اصطلاحی معنی مراد لینے ہوں گے جو حکومت کی سیاسی اہمیت اور امامت کے مطمحِ نظر کے مطابق ہوں۔

امام راغب کے نزدیک رُشد ہدایت ہے۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں جو گمراہی ہو وہ رُشد نہیں ہے، جو رُشد ہے وہ گمراہی نہیں ہے۔ رُشد دنیا کے کارناموں میں بھی ہوتا

---

[1] قرآن عظیم س ۲۱۔ آیت ۵۱، س ۲، آیت ۲، س ۴۲، آیت ۱۹۔

[2] دیکھو ترجمہ شیخ الہند پ بقرہ ۲ ص ۲۵۔ اسلام کے لفظ میں حکومت اور حکمبرداری کا رجحان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو اور عاقبت کے کاموں میں بھی ۔ اصحاب نبوت کو اسی لیے راشدون کا خطاب حاصل ہے۔[1]

خلافتِ راشدہ، خلیفۂ راشد، خلفاءِ راشدین میں رُشد کا مفہوم بھی یہی ہے ۔ چونکہ امامت کا کام حکومت کا کام ہے اس لیے یہاں رُشد کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے کام کو نیک سے نیک بہتر سے بہتر اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ پر انجام دیا جائے ۔

جب ہم ایک ایسے شخص کو رشید کہتے ہیں جو ہماری سیاسی تنظیم کا سردار اور رہنما ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ امت کی رہنمائی اس طرح کریگا کہ وہ دنیا کے لیے ایک مثال ہوگی ۔ ابن الاثیر کہتے ہیں[2] کہ رشید وہ ہے جو عوام خلق کی رہنمائی ان کے عام مصالح مقاصد اور ان کی عمومی فلاح کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کرے ۔ ان کو صحیح طریقہ پر رکھے اور ان میں صحیح طریقہ پر حکومت کے کام کو کرے ۔ یعنی وہ شخصیت جو اپنی تدابیر کو ایک محکم اور مضبوط قانون کے مطابق چلائے ۔ ان کے منتہا تک پہنچائے ۔ اس کی رائے، تدبیر اور سیاست اس درجہ محکم، صحیح، قطعی اور فیصلہ کُن ہو کہ وہ ہر کام کو کسی مشیر اور کسی موید کے بغیر بے تکلف انجام دے سکے ۔

آنحضرت کا قول ہے "تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کے قانون کی اطاعت واجب ہے" اس قول کے مطابق صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ عثمان غنیؓ علی حیدرؓ مراد ہیں اور اسلام کے نظامِ حکومت کے وہ سردار اور امام جو ان چاروں خلفاء کے طرز پر حکومت کا کام کریں ۔ خواہ ان کا تعلق عصرِ ماضی سے ہو، یا وہ حال کی سطح سے پیدا ہوں، یا آئندہ اس طرز کی حکومت قائم کریں ۔

اس تفصیل سے نظریۂ رشد کی وہ خاص اصطلاحی تعریف متعین ہو جاتی ہے جس کو اس عصر کے اہل علم نے فراموش کر رکھا ہے ۔ اس ضمن میں علامہ آلوسی نے پہلی نظیر کی تائید میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے بھی مقصد کو عظیم تقویت حاصل ہوتی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں "رشد[3] سے

---

[1] مفردات القرآن امام راغب اصفہانی لفظ الرشید ج ۲ ص ۱۷ ۔ [2] النہایہ فی غریب الحدیث ۔ ابن الاثیر ج ۲ ص ۸۶ ۔ [3] روح المعانی آلوسی ج ۷ ص ۵۴ رپ سورۂ انبیاء مطبوعہ قاہرہ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُراد ہر رہنمائی کا اعلیٰ اور کامل نمونہ (لیڈرشپ کا کمال) ہم کہہ چکے ہیں کہ امامت ایک قسم کی سیاسی رہنمائی اور لیڈرشپ (Leadership) ہے۔ اس رائے سے یہ ثابت ہوا کہ رُشد اس لیڈرشپ کا کمال ہے جو نظریۂ رشد کا مقصد ہے ۔ اور آخری منشاء۔

آلوسی صراحت سے کہتے ہیں "رُشد ایسی کامل رہنمائی ہے جو دین ہی نہیں دنیا کے معاملات سے بھی تعلق رکھتی ہے یعنی وہ رہنمائی جو نوامیسِ الٰہیہ خدائی قوانین کے مطابق ہو" علامہ ابن کثیر دمشقی نے حضرت ابراہیم کی امامت، خدائی حکومت، حکمبرداری، صحیح رہنمائی، دنیا کے مقاصد کی سربراہی کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے بھی نظریۂ رُشد کی تائید ہوتی ہے[1]۔ آخری نظیر کے طور پر "حدیث شوریٰ" کو دیکھنا ضروری ہے۔ قرآن میں آنحضرت کے لیے ایک قانونی آیت کا مستقل دفعہ کی صورت میں اضافہ ہوتا ہے "صحابہ سے حکومت اور جنگ کے کام میں مشورہ کرو"۔ آنحضرت خدا کے اس قانون کو شرح کر فرماتے ہیں :-

اللہ اور اُس کے رسول کو شوریٰ کی ضرورت نہیں لیکن اللہ نے قانونِ شوریٰ کو اُمت کے لیے رحمت بنا کر جاری کیا ہے، جو اس قانون پر چلے گا وہ رُشد کو ہاتھ سے نہ دیگا۔ اور جو اس کی خلاف ورزی کریگا وہ گمراہی کے راستہ سے گم نہ ہوگا[2]۔

چوتھی صدی ہجری کے بلند پایہ عالم اور حنفی قانون کے ماہر علامہ ابوبکر جصاص نے لکھا ہے کہ خدا سے براہِ راست الہام کی قوت سے فیض یاب ہونے والے نمائندوں کے بعد خلفاءِ راشدین امامت و حکومت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں[3]۔ یہی وجہ ہے کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے یہ تصریح کی ہے کہ خلفاءِ راشدین کی حکومت دین کے اصول میں سے ایک

---

[1] تفسیر قرآن العظیم ابن کثیر دمشقی ج ۲ ص ۱۹۵ [2] عن ابن عباس بیہقی نے شعب الایمان میں سند حسن سے اس حدیث کو پیش کیا ہے۔ [3] روح المعانی آلوسی ج ۴ ص ۹۴ (وشاورھم فی الامر)
[4] احکام القرآن ج ۱ ص ۷۹۔ یادداشت :- علامہ سید ابن عابدین نے بھی اسلامی دورِ حکومت کے امراء کے لیے خلفاءِ راشدین کا لفظ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ دیکھو ردالمحتار ج ۱ ص ۵۱۱ باب الامامۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصول ہے۔ قرآن مجید کے احکام مجمل ہیں، ان کی تشریح خلافتِ راشدہ کے دور کے واقعات سے ہوتی ہے پہلی صدی کے اصحابِ نبوت اور اسلامی جماعت کے ارکان نے حضور اکرمؐ کا منشار پاکر خلافتِ راشدہ کے ہر دور کو تسلیم کیا اور کسی نے اس طرزِ حکومت کے خلاف جدوجہد نہیں کی۔[1]

دفعہ ۱۳۔ امارتِ اُمت

اسلامی حکومت کو حکومتِ بالادست سے عوام کی شیرازہ بندی کا قانونی اختیار حاصل ہے۔ جب یہ حکومت امورِ عامہ کو اپنے ہاتھ میں لیتی ہے اور اُمت کے افراد کو ان کی رضا کارانہ خوشنودی کے مطابق ہر اچھا کام کرنے کا حکم دیتی ہے اور بُرے کام کے متعلق امتناعی حکم صادر کرتی ہے تو وہ "امارتِ اُمت" اور "امارت مومنین" کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

قانونی تشریحات نظریۂ امارت کی ساری عمارت لفظِ امر پر قائم ہوتی ہے۔ امر کے معنی ہیں حکم اور حکم حکومت کا فعل ہے۔ اسلام کے قانون میں چار لفظ ایسے پائے جاتے ہیں جن سے امارت کا تصور ہوتا ہے۔

۱۔ امر اللہ[1] ۲۔ امر النبی[2] ۳۔ اولوا الامر ۴۔ امر المسلمین[3]۔

امر اللہ کا لفظ خدا کی حکومت قائم کرتا ہے۔ امر النبی کا لفظ خدا کی حکومت کی ذمہ داریوں کو پیغمبر کے اختیار میں دیتا ہے۔ اولوا الامر کے لفظ سے خدا کے ان صالح اور رشید بندوں کی مجلسِ حکومت قائم ہوتی ہے جس کے ہاتھ میں حکومت کا اختیار پیغمبر خدا کے قانونی جانشینوں کی حیثیت سے آتا ہے اور امیر المومنین اس شخص واحد کا سرکاری خطاب بنتا ہے جس کو ———

---

[1] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۱ ص ۲۱۔۲۲۔ احکام القرآن الجصاص ج ص ۸۰ (یہود، حنوخ)

[2] فتح القدیر ج ۲ ص ۵۰۴۔۵۰۷ (کما اُمرت) الطرق الحکمیہ فی سیاسۃ الشرعیہ ص ۱۰۷۔

[3] مجمع الزوائد و منبع الفوائد (الہیثمی) ج ۵ ص ۲۱۳ (باب حق الرعیہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر بناتے ہیں۔

علماء قرآن اور فضلائے قانون امارت اور حکومت کو بدیہی طور پر ایک سمجھتے ہیں سید شریف اپنی اصطلاحات کی کتاب میں امر کی اصطلاحی تعریف یہ کرتے ہیں[1]:

"قائل کا یہ قول "ایسا کرو" امر ہے۔ اگرچہ ان الفاظ میں اصلاً حکومت کا تصور موجود ہے لیکن یہ فقہی تعریف ہمارے قانونِ کلی سے اس وقت زیادہ مطابق ہو سکتی ہے جبکہ ہم اس میں حکومت کے تصور کو صاف الفاظ میں پیش کریں اور یہ کہیں۔

"فرمانروا کا حکومت کے دائرہ میں عوام سے یہ کہنا ایسا کرو امر ہے" ابو البقاء نے اپنی تشریح میں اسی تصور کو قبول کیا ہے۔ ان کے الفاظ مختصر ہیں "امارت ولایت ہے[2]" یعنی حکومت، کلیات العلوم میں امارت اور حکومت کے ربط پر جو نظریں پیش کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امارت میں اطاعت اور تسلط دونوں باتیں موجود ہیں[3]، ظاہر ہے کہ یہی حکومت کی اصل ہیں۔ علامہ آلوسی بھی نظریۂ امارت کے مؤید ہیں[4]۔

حکومت کے جسم میں قانون روح کی طرح کام کرتا ہے۔ اس لیے امر کا تعلق قانون سے بھی براہِ راست ہے۔ علامہ زمخشری (ظھر امر اللہ) کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ اللہ کا قانون فائق اور بلند ہوگا[5]۔

علامہ زمخشری ایک دوسرے مقام پر امارت اور حکومت کے تعلق کی شیرازہ بندی کرتے ہیں۔ فرعون کے بعد حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو ارضِ مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ قوم نے قدس کے جابر لوگوں سے خوف زدہ ہو کر داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ زمخشری کہتے ہیں "یہ رجعت امرِ الٰہی کی مخالفت تھی[6] کیونکہ اللہ حکومت عطا کر رہا ہے

---

[1] تعریفات سید شریف ص ۲۲ مطبوعہ استنبول ۱۳۲۷ھ [2] کلیات ابو البقاء حنفی مطبوعہ استنبول لفظ امارت ص ۱۳۲ [3] دیکھو کلیات ابو البقاء لفظ ولایت [4] روح المعانی لفظ المیعون "فیما أمرکم به وما نهاکم بامر اللہ تعالیٰ۔ ج ۳ ص ۱۵۲۔ [5] کشاف زمخشری ج ۱ ص ۱۵۵
[6] ایضاً ج ۱ ص ۳۳۱ "بمخالفت أمر ربکم"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور وہ رجعت پسندی اور خوف کی وجہ سے تردد کر رہے تھے۔

زمخشری "جبارین" کے متعلق بھی یہ لکھتے ہیں۔ جبار سے مراد وہ لوگ ہیں جو جبر کے ساتھ امارت کرتے تھے[1]

حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ فرمانروا ہر کام پر قادر ہو، ادھر حکم ہو اور ادھر ہو جائے۔ قرآن اس خصوصیت کو نظریۂ امارت کے ضمن میں ذکر کرتا ہے۔

"جب[2] اللہ ایک کام کا امر کرتا ہے تو وہ فرما دیتا ہے "ہو جا" وہ فوراً ہو جاتا ہے"۔

ابو حیان اندلسی کہتے ہیں: یہاں امر سے مراد فعل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ یہ تصریح درست ہے مگر یہاں خدا کی قدرت کے ساتھ اس کے اختیار کا جو سرچشمہ موجود ہے اس کو بند لگا کر روکا نہیں جا سکتا چنانچہ وہ خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ ازل سے آمر ہے، فرمانروا ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے مقام پر امارت اور حکومت کے ربط پر اسلام کے علمائِ قانون کی رائے پیش کی ہے اتی امر اللہ (خدا کی حکومت آرہی ہے) یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ نظریات کے اختلاف سے قطع نظر اس موقع پر امر کا مفہوم حکومت بھی ہے۔ حضرت عباس کا قول ہے کہ امر اللہ کی آمد کا اعلان کرنے یہ بتانا ہے کہ خدا کی طرف سے کمک آرہی ہے۔ فتح پہنچنے والی ہے اور آنحضرت کا غلبہ ہونے والا ہے۔ ابن جریج کی رائے بھی یہی ہے کہ اس سے فتح و غلبہ کا اعلان کرنا مقصود ہے۔ ضحاک کے نزدیک امر اللہ سے مراد اللہ کی ذمہ داریاں اور اس کے احکام ہیں[3] ہم کہتے ہیں کہ امارتِ امت انہی احکام کے نفاذ کا نام ہے۔ اسلامی حکومت امارت کی حیثیت سے امرِ الٰہی کے واجبات کو پورا کرتی ہے اور اس کے طے کردہ مقاصد کو اعتماد اور اجتہاد کے ساتھ زیرِ عمل لاتی ہے[4] یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اللہ اور رسول کی حکمبرداری کے ساتھ اولوالامر

---

[1] کشاف ج ۱ ص ۳۳۱۔ جبارین جبرہ علی الامر [2] اذا اقضی امراً فانما یقول لہ کن فیکون (قرآن کریم) [3] بحر المحیط ابو حیان ج ۱ ص ۳۶۴ [4] ایضاً ج ۵ ص ۴۷۲۔ امر اور حکومت کے ربط کی مزید تفصیل کے لیے دیکھو روح المعانی (اذا حکمتم بین الناس) ج ۵ ص ۵۸ و ۶۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(صاحب امر، امیر) کی اطاعت بھی قانونِ محکم کا درجہ رکھتی ہے۔[1]

دفعہ (۱۴۳) ولایتِ عامہ

اسلامی حکومت کا وہ تصور جس کا اظہار ولایت کے لفظ سے ہوتا ہے ایک بلند مقام سے دنیا کے سیاسی فکر پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ اس کا رجحان انتظامی سرپرستی، حمایت اور انسانی معاشرہ کی امداد کی طرف ہے۔ جب ایک بالادست طاقت یا منتخب ہستی فرمانبردار عوام کی منظم زندگی کی حمایت اور نگہبانی کرتی ہے اور عام اختیار کو اپنے ہاتھ میں لیتی ہے تو اس کو ولایتِ عامہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

نظریۂ ولایت کے مطابق بالادست حکومت ایک چیز ہے اور ریاستِ عامّہ دوسری شے، دونوں پر ولایت کا لفظ صادق آتا ہے، البتہ ولایتِ عامّہ کی اصطلاح اسلامی حکومت کے دنیاوی نظم سے متعلق ہے اور خاص اسی مفہوم کو ادا کرتی ہے۔

قانونی تشریحات | نظریۂ ولایت کے ماتحت فرمانروائی کا جو تصور پیدا ہوتا ہے اس کی رو سے فرمانروا کے لیے ولی کا لفظ خاص ہے۔ قرآن میں جابجا ولی کا لفظ اسی مفہوم کو پیش کرتا ہے۔ ولایت ولی کا فعل ہے، جو حکومت کے ہم معنی ہے۔

قرآنی اصطلاحات کے ماہر علامہ راغب لکھتے ہیں: ولایت کیا ہے؟ والیِ امر ہونا، حکومت کا مالک ہونا۔ اور ولایت کی حقیقت کیا ہے؟ حکومت کی سربراہی![2] تائید میں علامہ راغب نے بھی ان آیات کو پیش کیا ہے جن کا انتخاب متنِ قرآن سے نظائر کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

علّامہ ابوالبقاء حنفی اپنی کتاب کلیات میں اس سے بھی زیادہ بہتر الفاظ میں نظریۂ

---

[1] دیکھو نظریۂ امارت کی تائید کے لیے السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ (ص ۲-۱)

[2] مفردات القرآن۔ امام راغب اصفہانی۔ لفظ ولی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولایت اور حکومت کے ربط کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "ولایت کی مراد امداد اور حمایت ہے اور ولایت کا مفہوم سلطنت اور مملکت ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک شخص انسانی ہیئت کا والی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ منصبِ ولایت (حکومت) پر متمکن ہے[1]

علامہ آلوسی خدا کی ولایت اور (مولاھم الحق) فرمانروائے برحق کے متعلق لکھتے ہیں

"اللہ ان کا بادشاہ، مالک ہر جان کے کاموں کا فرمانروا اور ذمہ دار ہے[2]"

ان کے نزدیک "ولایتِ امر" حکومت کی ایک ذمہ داری ہے۔ قرآن کی ایک آیت یہ ہے "ھنالک الولایۃ للہ الحق" حضرت شیخ الہند دیوبندیؒ اس آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں "یہاں سب اختیار اللہ (برحق) کا ہے۔

مندرجہ بالا نظائر سے ثابت ہوا کہ ولایت کی حقیقت حکومت ہے۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ ولایتِ عامہ کا سرچشمہ ایک بالا دست ولایت ہے اور اس کو اسلامی حکومت کے لیے بولا جاتا ہے۔

ہمارے علماءِ قانون خلافتِ عظمیٰ اور امامتِ کبریٰ کی طرح ولایت اور ولایتِ عامہ کا لفظ بھی اسلامی حکومت کے لیے استعمال کرتے ہیں[3]

ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ولایت کا مقصد "امامتِ مومنین[4]" ہے۔ علامہ ماوردی نے اپنی کتاب میں ولایتِ دینیہ (حکومت مذہبی) اور ولایتِ عامہ کا لفظ حکومت کے لیے اختیار کیا ہے[5]

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ولایت (ایک حکومت کی حیثیت سے) ایک امانت ہے جس کے واجبات کو پورا کرنا ضروری ہے[6]۔ ہمارے زمانہ کے مشہور مصری محدث اُستاذ الازہر

---

[1] کلیات العلوم ابو البقاء حنفی۔ لفظ ولایت ص ۲۸۱۔ [2] روح المعانی (ای مالکھم الذی یلی امورھم) ج ۷، ص ۱۵۳۔ [3] مزید تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ) ج ۲ ص ۱۳۶-۱۳۷۔
[4] مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۵ ص ۲۱۳۔ حدیث عن انس ابن مالک روایت (الطبرانی فی الصغیر)
[5] الاحکام السلطانیہ ص ۲-۳-۱۷۔ [6] السیاسۃ الشرعیہ، امام ابن تیمیہ ص ۵-۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ شیخ منصور علی ناصف اپنی کتاب میں عصرِ قدیم کے علماء کی تائید کرتے ہوئے یہ تصریح کرتے ہیں کہ اسلامی حکومت اپنے مخصوص مفہوم میں ولایتِ عامہ[1] ہے۔

دفعہ (۱۵) مملکت اور مملکتِ دارالاسلام

دارالاسلام اسلامی حکومت اپنے رقبۂ مملکت کے اعتبار سے ارضی مملکت ہے۔ وہ ایک ایسی ریاستِ عامہ ہے جس کے دونوں بازو روئے زمین کے تمام منطقوں پر حاوی ہیں چونکہ وہ ایک مملکت ہے اس لیے اس کو "ملک"[2] کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اور چونکہ اس کا رقبہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی تمام سرزمین ہے۔ اس لیے اس کا نام ارض[3] ہے

قانونی تشریحات قرآنِ عظیم نے اسلامی مملکت کے لیے جابجا ارض اور ملک کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

۱۔ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ (میں آدم کو روئے زمین پر نائب حکومت بنانے والا ہوں)

۲۔ وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ (۲) ہم نے تم کو روئے زمین میں تمکین اور استقرارِ حکومت عطا کیا اور تمہارے لیے اس میں سامانِ معیشت رکھا۔

ارض ان آیات میں ارض کا لفظ جس طرح آیا اُس سے مٹی کا کرہ اور خاک کا وہ فرش مراد نہیں ہے جس کو ہم اپنی زبان میں زمین کہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے ارض اللہ کے لیے ہی[4] اس کا مفہوم یہ ہے کہ زمین اللہ کی حکمرانی اور قبضۂ قدرت میں ہے۔ اللہ نے آدم اور اولادِ آدم کو نیابت کے طور پر ارضی مملکت کا انتظام سپرد کیا ہے۔ اگر ارض کے معنی زمین کے لفظ سے کیے جائیں اور زمین سے اُس کا وہ عام مفہوم لیا جائے جو ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے

---

[1] التاج الجامع للاصول ج ۳ ص ۴۰ حاشیہ (۱) [2] وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا۔ ہم نے آلِ ابراہیم کو مملکتِ عظمیٰ عطا کی۔ قرآنِ عظیم پ النساء ۴ [3] اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ (ارض میرے صالح بندوں کی میراث ہے [4] قرآن (۱۲۶/۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو قرآن کا مقصود دور جا پڑیگا۔ ان آیات کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے اللہ تعالیٰ آدم اور اولادِ آدم کو زمین کے مربعے دے کر زمینداری کے سسٹم کو فروغ دینا چاہتا ہے اور ارض سے ارضی نظام اور مملکت مراد نہیں ہے۔

علامہ سید محمد آلوسی بغدادی آخری آیت پر اجتماعی حیثیت سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "خلیفہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نائب حکومت؛ ہر پیغمبر انسانِ کامل[1] کی حیثیت سے انسانوں پر خلیفہ ہے۔ خلیفہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں ــــ ؟ عمارت الارض، روئے زمین کی عمرانی تنظیم۔! سیاست الناس؛ انسانوں کی سیاسی رہنمائی، تکمیلِ نفوس؛ نفوسِ انسانی کو معراجِ کمال پر پہنچانا تنفیذ امر۔؛ خدا کی حکومت کے قوانین واحکام کا اجراء[2]۔

علامہ آلوسی ایک اور مقام پر خلافتِ ارضی کے متعلق قرآن کی ایک آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو خلافتِ ارضی (روئے زمین پر سیاسی نیابت اور حکومت عطا کریگا۔ خلفاء کو ارض پر اسی طرح تصرف حاصل ہوگا جس طرح ملوک کو اپنی مملکتوں میں ہوتا ہے" یعنی جس طرح ایک بادشاہ کی بادشاہی کا دائرہ مملکت پر حاوی ہوتا ہے اسی طرح خلافت کا دائرہ مملکتِ ارض ہے[3]"

اس نظریہ کی تائید اس حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا: میرے سامنے ارض یعنی (تمام روئے زمین) کو پیش کیا گیا، مجھے مشرق اور مغرب کے گوشے

---

[1] انسانِ کامل وہ ہے جو اپنے عقائد اور اشغال کو خدائی قانون اور فطرت کے ضوابط کے ماتحت بروئے کار لائے۔ اس تعریف کے مطابق ہر پیغمبر انسانِ کامل ہے، اور یہ خلافت (نیابتی حکومت) ان کا اور ان کے خلفاء کا حق ہے۔ روح المعانی علامہ آلوسی ج ۱ ص ۲۰۳ [2] روح المعانی ج ۱ ص ۲۰۰-۲۰۲ مزید تشریح کے لیے دیکھو کشاف علامہ زمخشری ج ۱ ص ۶۱۔ ذکر خلافت آدم خلافۃ انبیاء خلافت ارضی۔

[3] روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۸۲-۱۸۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکھائے گئے۔ عنقریب میری اُمت کی سلطنت ان علاقوں پر چھا جائیگی جو مجھے دکھلائے گئے ہیں[1]"

حدیث میں صاف طور پر ارض سے قلمرو ارضی مراد ہے۔ حدیث میں ملک کا لفظ ارض کے مفہوم کو متعین کرنے میں خاص طور پر کارآمد نظر آرہا ہے۔ علامہ ابو حیان اندلسی[2] کے بیان سے بھی اسی حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"علماء[3] کی رائے عامہ ارض سے سطح ارض مراد لیتی ہے سطح ارض بھی —— اپنے تمام حدود کے ساتھ" خلیفہ کے لیے ارض وہی حیثیت رکھتی ہے جو قیصر کے لیے مملکت روم، کسریٰ کے لیے مملکتِ فارس اور تبع کے لیے مملکتِ یمن۔

مندرجہ بالا تمام قانونی نظائر اس صداقت کا ثبوت ہیں کہ قرآن نے حکومت وخلافت کے ساتھ جہاں ارض کا لفظ ذکر کیا ہے۔ وہاں بیشتر عالمگیر مملکت[4] ہی مراد ہے۔

ملک (بحیثیت مملکت) قرآن نے مملکت کے لیے ملک کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ آج کل ملک ایک خاص حصۂ زمین کو کہتے ہیں اور مملکت وہ ہیئت سیاسی کہلاتی ہے جو کسی خاص حصۂ زمین میں ہیئت حاکمہ اختیار کر لیتی ہے۔ قرآن کے نزدیک ملک مملکت پر حاوی ہے خواہ وہ خاص حصۂ زمین[5] ہو یا روئے زمین ہو۔ قرآن ملک ہی کا لفظ اختیار کرتا ہے اور مقصد اس کا مملکت سے ہوتا ہے۔ ملک کو اس معنی میں ملک سمجھنا جیسا کہ آج کل کی اصطلاح ہے، قرآن اور قانونِ قرآن کے ماہرین کے منشا اور نظریہ کے

---

[1] زویت لی الارض فاریت مشارقہا ومغاربہا وسیبلغ ملک امتی ما زوی لی منہا (بحوالہ بالا ص ۸۳) [2] اثیر الدین ابی عبداللہ محمد بن حیان اندلسی غرناطی (۶۵۴ تا ۷۴۵ھ)

[3] بحر المحیط ابو حیان ج ۱ ص ۱۴۰ ذکر خلافت آدم۔ طبع اول ۱۳۲۸ھ السعادہ مصر۔

[4] روح المعانی ج ۱ ص ۲۰۲ [5] دیکھو رب قد اتیتنی من الملک (پروردگار تو نے دیا ہے مجھ کو کچھ ملک) یہاں حصۂ زمین مُراد ہے۔ من کے لفظ نے مملکت کی عمومیت کو ایک خاص حصۂ زمین تک محدود کر دیا۔ ورنہ ملک کا مفہوم مملکت عام ہے۔ (پ۱۳، یوسف)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قطعاً خلاف ہے۔

اللہ ایک شخص اور ایک قوم کو مملکت دیتا ہے اور دے کر سلب بھی کر لیتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے مشہور عالم، سیاستداں رہنما اور شارح قرآن سیدنا مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ اپنے ترجمۂ قرآن میں ملک کا ترجمہ سلطنت[1] کے لفظ سے کرتے ہیں اور ہندوستان کے علماءِ سیاست کی نظر میں سلطنت اور مملکت دونوں ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔ شیخ الہندؒ کے ترجمے کی چند مثالیں[2] یہاں درج کی جاتی ہیں۔

علامہ ابوحیان ملک کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں "ملک وہ ہے جس میں اقتدارِ اعلیٰ (فرمانروا) کو ہر طرح کے تصرف کا حق ہو۔

اللہ ملک (مملکت) کا فرمانروا ہے اسی لیے اُس کو تصرف کا پورا حق حاصل ہے[3]۔

علامہ زمخشری بھی ملک کو تمام دنیا کی مملکت خیال کرتے ہیں[4]، اور مملکت کے دو حصے کرتے ہیں مملکتِ دنیا جس کا شیرازہ درہم برہم ہو جائیگا اور مملکتِ آخرۃ جو دائم قائم رہیگی[5]۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نبوت ایک قوت ہے جو مملکت کے تابع نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہے[6]۔ ملک یعنی مملکت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے لیے عام قبضہ اور اقتدار ہو جن انبیاء کو ملک و مملکت عطا کی گئی اُن کو نبوت کے ساتھ عام اقتدار بھی حاصل رہا ہے[7]۔

---

[1] بلبخلی کی کتاب نظریۂ سلطنت کے متعلق ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی لکھتے ہیں "کتاب کے نام کے متعلق میرا خیال تھا کہ نظریۂ مملکت ہو اس لیے کہ مجلس وضع اصطلاحات نے (State) اسٹیٹ کے لیے مملکت کا لفظ تجویز کیا تھا لیکن قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دارالترجمہ "سلطنت" کو زیادہ موزوں سمجھتے تھے۔ دیباچہ نظریۂ سلطنت۔ ع صدیقی۔ ص ۷۔ [2] قرآن حکیم مترجمہ حضرت شیخ الہند مطبوعہ مدینہ پریس بجنور (۱) الم، البقرۃ ص ۲۱ (۲) سیقول، البقرۃ ص ۵۲ (۳) سیقول، البقرۃ ص ۵۴

[3] بحرالمحیط۔ ابو حیان (واللہ یوتی ملکہ) ج ۲ ص ۲۵۸۔ ۲۵۹ [4] حوالہ کے لیے دیکھو (رب قد اٰتیتنی من الملک) کشاف زمخشری ج ۲ ص ۲۷۶۔ [5] کشاف (انت ولی) ج ۲ ص ۲۷۲۔ طبع اول ۱۳۵۴ھ مصطفیٰ محمد مصر۔ [6] کشاف (جعل فیکم انبیاء۔ ج ۱ ص ۳۳۰ [7] کشاف (جعلکم ملوکا) ج ۱ ص ۳۳۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان نظائر کے علاوہ قرآن میں بیشتر مواقع پر جہاں ملک کا لفظ آیا ہے، اُس کا اطلاق مملکت کے مفہوم پر ہوتا ہے۔ اسلام کے دورِ اوّل کے علماء اجتماعیات کی تشریح اس نظریۂ فکر کی تائید کرتی ہیں۔

علامہ زمخشری[1] یہ بھی وضاحت پیش کرتے ہیں کہ جب قرآن یہ کہتا ہے کہ اللہ مالک الملک ہے تو ملک کا تصور ہمہ گیر اور عام ہوتا ہے، یعنی مملکتِ عامہ مراد ہوتی ہے، ملک کے لیے عام استیلاء اور غلبہ ضروری ہے اور خدا کا غلبہ محدود نہیں ہو سکتا البتہ قرآن نے جہاں یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدا جس کو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت لے لیتا ہے۔ وہاں شانِ نزول کے اعتبار سے ملک سے مراد مخصوص مملکتیں ہیں خندق کی جنگ میں جب جنگی لائن قائم کی جا رہی تھی چند چٹانیں محاذ قائم کرنے میں حارج تھیں حضرت سلمان نے آنحضرت کو اطلاع دی۔ آنحضرت نے زمین کھودنے کا آلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، چٹان پر ایک ضرب رسید کی مسلمانوں نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے آپؐ نے فرمایا کہ میں اپنی آنکھ سے حیرہ کے محلات کو روشن طریقہ پر دیکھ رہا ہوں۔ دوسری ضرب رسید کی فرمایا کہ ارض روم کے سرخ محلات کو روز روشن میں دیکھ رہا ہوں تیسری ضرب رسید کی پھر فرمایا مجھے صنعاء یمن کے محلات روشن صورت میں دکھائے گئے ہیں۔ درحقیقت یہ جملے روحانی پیش بینی کے طور پر مسلمانوں کو قبل از وقت فتح کی خبر دے رہے تھے منکر اور منافق لوگ یہ سن کر اپنی حقیر سمجھ کے مطابق کہنے لگے: یہ لوگ جن سے خندق تک کھودی نہیں جاتی روم و فارس کے محلات فتح کریں گے۔ اس طعن و طنز کے جواب میں قرآن نے اعلان کیا

"ملک اللہ کا ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے"

اس جگہ ملک کا مفہوم خاص اور محدود ہے منافقوں کو جواب دینا مقصود ہے اور

---

[1] زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک سے مراد مملکت فارس اور مملکت روم ہے۔ اعلان یہ کرنا ہے کہ مملکتیں اہلِ فارس اور اہلِ روم سے لے لی جائینگی اور مسلمانوں کو عطا کی جائینگی۔

ایک جلیل القدر مفسر قرآن کا ملک کے لفظ کو مملکت کے لیے استعمال کرنا زیر نظر مقصد کے لیے کافی ووافی ثبوت ہے۔

دفعہ[۱۴]۔ امام (قائد الحکومت LEADER OF THE STATE)

امامتِ کبریٰ کی ذمہ داریوں کے لیے ایک ایسی ہستی درکار ہوتی ہے جو ریاستِ عامہ کے قائدِ اعلیٰ (امیر، امام) کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔ یہ ہستی اسلام کے قانونِ اساسی کی محافظ، اُمت کے اختیار کی نمائندہ اور شوریٰ کی طرف سے حکومت کی قیادتِ اعلیٰ پر فائز ہوتی ہے۔

قانونِ مملکت میں اس ہستی کو متعدد خطاب دیے گئے ہیں جن میں سے امام، اولوالامر، خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کو اول درجہ کی اہمیت حاصل ہے۔

رہنمائے حکومت کے خطابات

۱۔ امامِ اعظم۔ امامتِ کبریٰ کا صدر۔ یہ نام اُس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ امام حکومت کا لیڈر (LEADER OF THE STATE) مجلسِ حکومت (اہلِ حل وعقد) اور شوریٰ کا قائد[۱]

۲۔ اولوالامر۔ وہ ہستی جو صاحبِ امر ہو جس کے یہ معنی ہیں کہ پوری طرح حکومت کا ذمہ دار ہو۔ اولوالامر کا اصل اطلاق مجلسِ حکومت (امیر اور اہل حل وعقد) پر ہوتا ہے[۲]۔

۳۔ خلیفۃ المسلمین۔ دنیا کے اجتماعی دائرہ میں خداوندِ عالم اور پیغمبرِ اعظم کا نائب جو

---

[۱] کشاف زمخشری۔ ج ۱ ص ۱۸۲-۱۸۳۔ [۲] اولوالامر کے لیے علم اور دین کی پابندی لابدی ہے کلیات العلوم ابوالبقاء ص ۲۹۔ حکومت الٰہی مولانا منصور (اولوالامر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیابتی اور شوروی حکومت کا نائب الحکومت ہوتا ہے۔ اور اجتماعی نظم کا ہیرو سمجھا جاتا ہے۔

۴۔ امیر المومنین۔ اسلامی حکومت کا امیر مسلمانوں کے اجتماعی کارپوریشن کا میئر۔

زعیم الامۃ[1]۔ حکومت اور اُمت کا رہنما۔ اجتماعی ہیئت کا رہبر۔

رئیس عام۔ ریاست عامہ کا رئیس[2] اور اجتماعی نظم کا صدر۔

والی عام۔ ولایتِ عامہ[3] کے منصب جلیل کا ذمہ بردار سوسائٹی کا محافظ و نگہبان۔

یادداشت | اسلامی حکومت کے صدر کو ان ناموں کے علاوہ کسی دوسرے نام سے یاد کرنا قانونی جواز کے خلاف ہے۔ اُمت کے لیے اس امر کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔ اس لیے ہیں تاجداروں اور سلاطین کے لیے جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں وہ اسلامی روح کے خلاف ہیں۔ اعلیٰحضرت، جلالۃ الملک، خلداللہ ملکہ وسلطنتہ، سلطان المعظم یہ وہ خطابات ہیں جن کو عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے تعامل اور روایات کی تائید حاصل نہیں ہے۔ ان کا رجحان ریاستِ عامہ کی طرف نہیں بلکہ شخصی سلطنت کی طرف ہے۔

قانونی تشریحات و نظائر

مندرجہ بالا نام اسلامی حکومت کے امیر کے لیے خاص ہیں۔ اولوالامر اور امام اعظم کا لقب اس کی قانونی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے۔ خلیفۃ المسلمین منصب خلافت کی عظمت پر گواہ ہے۔ امیر المومنین کا شاندار لفظ ایک عام اصطلاح کے طور پر قبولِ عام حاصل کر چکا ہے اور ایک ایسے معاشرہ کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں تمام حکمبردار اور ایماندار انسان برابر کے حصہ دار ہیں۔

باقی نام یہ ظاہر کرتے ہیں کہ حکومت میں جبر و تشدد کی ضرورت نہیں بلکہ خداترسی،

---

[1] ادب الدین والدنیا الماوردی ۱۳۴۲ھ ص ۱۸ (وجب اقامۃ الامام یکون زعیم الامۃ)

[2] دیکھو شرح المواقف ج ۸ ص ۳۴۵ (الرئیس) [3] دیکھو ولایت عامہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اعلیٰ رہنمائی اور مفادِ عامہ کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

امام | علامہ ابن عابدین حنفی امام کی حیثیت ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جو شخص انسانوں کی ہیئتِ اجتماعی میں اُن کے آگے ہو اور انسان اس کی ہدایات کے پیچھے پیچھے چلیں اس کو امام کہتے ہیں[1]۔

دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں قانونی حوالے کے ماتحت لکھا ہے کہ امام وہ ہستی ہے جو سب کے آگے ہو اور سب کی رہنما۔ امام قافلہ کا وہ رکن ہے جو آگے آگے چلتا ہو۔ امام زعیم اُمت ہے اور اسلامی نظام کا رئیس اور صدر ہے[2]۔

ابن رشد نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں[3] سلطان العلماء امام علاء الدین کاشانی نے بدائع میں[4] اور علامہ احمد نصر مالکی نے المختصر[5] کی تعلیقات میں اسلامی حکومت کے رئیس عام کو امام اعظم کے خطاب سے یاد کیا ہے۔

چونکہ اسلامی حکومت کے افسر اعلیٰ کا رئیس عام اور امام اعظم ہونا عہدہ کی عمومیت، ہمہ گیر ذمہ داری اور عظمت پر دلالت کرتا ہے اس لیے علماء اجتماعیات نے امام کے اعظم اور عام ہونے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے[6]۔

اولوالامر | علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں ھذا خطاب لمن یملک تنفیذ الاحکام رئیس شخص کا خطاب ہے جو اجرائے احکام کا منصب رکھتا ہے یعنی وہ ذمہ دار ہستیاں جو حکومت پر فائز ہوتی ہیں[7]۔

علامہ ابوحیان تصریح کرتے ہیں کہ اولوالامر وہی ذمہ دار ہستی ہو سکتی ہے جو امر بالمعروف

---

[1] رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۱۱ باب الامامۃ۔ طبع ۱۳۲۴ھ درسعادت، استنبول
[2] دائرۃ المعارف الاسلامیہ۔ ج ۳ ص ۶۱۲۔ [3] بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۹۵۔ کتاب الاقضیہ طبع ۱۳۳۶ھ مصر۔ ابن رشد (م ۵۹۵ھ) [4] بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲ طبع جمالیہ مصر
[5] مختصر علامہ خلیل مالکی طبع ۱۳۵۵ھ مصر [6] روح المعانی ج ۱۳ ص ۴۰ ، ۱ (امارت عامہ (الامام الاعظم) [7] احکام القرآن جصاص حنفی (م ۳۷۰ھ) ج ۲ ص ۲۵۶۔

www.KitaboSunnat.com

کی پابند ہو اور نظامِ اُمت کو اچھے اصولوں پر چلائے۔ ہمارے زمانہ کے وہ سلاطین اس میں داخل نہیں ہیں جن کا طرزِ حکومت گناہوں اور برائیوں پر مبنی ہے[1]

خلیفۃ المسلمین اسلامی قانون کے مطابق نیابتی حکومت کے فرائض کو انجام دینے والی ہستی۔ خلیفہ کے معنی ہیں روئے زمین کا نائب السلطنت تمام انبیاء خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب پر فائز تھے۔ صدیق اکبر خلیفۂ رسول اللہ تھے[2] خلفاء راشدین دنیا کی بہترین حکومت کے بہترین رہنما تھے۔ اگر آج شہنشاہیت سے علیحدہ ہو کر کسی شخص کو اسلامی حکومت کا امیر بنایا جائے تو وہ اس خطاب کا مستحق ہوگا[3]

امیر المومنین یہ خطاب جمہورِ اُمت کی طرف سے فاروق اعظم کو دیا گیا تھا اس کے بعد ریاستِ عامہ کے صدر کے لیے ایک مستقل چیز بن گیا۔ خلافتِ راشدہ کے تعامل نے اس کو اول درجہ کی اہمیت عطا کی ہے۔

زعیم الامۃ (اسلامی حکومت کا رہنما بحیثیت قائد اعظم) اسلامی حکومت میں قطعاً جبر و استبداد نہیں ہے۔ اس کا استحکام اور ترقی اعلیٰ درجہ کی قیادت پر منحصر ہے۔ اس لیے رئیس الحکومت قائد اعظم اور زعیم الامۃ ہوتا ہے۔

دفعہ (۱۷) صدرِ حکومت کا انتخاب

اسلامی حکومت میں ریاستِ عامہ کے رئیس عام (امیر و امام) کا تقرر کسی ایک قانونی اصول اور سیاسی حکم کا پابند نہیں ہے۔ رئیس اپنی فرض شناشیوں کے دائرہ میں حکومت

---

[1] البحر المحیط ج ۳ ص ۲۷۰ [2] "انا خلیفۃ رسول اللہ وانا راض بہ" اور میں اس خطاب پر خوش ہوں۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۸ [3] تفصیل کے لیے دیکھو کشاف زمخشری ج ۱ ص ۶۱۔ احکام جصاص ج ۱ ص ۷۹، البحر المحیط ج ۱ ص ۱۴۰۔ "اسم لمن استخلف الیہ تدبیر الارض" وہ شخص جو کسی ہستی کی طرف سے مملکت ارضی کا ذمہ دار ہو۔

[4] اسد الغابہ ابن الاثیر ج ۴ ص ۷۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے عام کاموں اور عوام کے فائدوں کی باتوں پر مامور ہے[1] اس کا تقرر ایک عام انتخابی مہم ہے جس کے لیے چند قانونی اصول اور ایک سے زیادہ صورتیں اور شرطیں متعین ہیں جن میں سے ہر اصول، ہر شرط، ہر صورت اور ہر قانون وضابطہ، دین کے تحفظ کے بعد مرضیِ عامہ، رائے عامہ اور اجماعِ اُمت کے تابع ہے جس میں شخصیت، خاندانی وراثت اور شہنشاہیت کو کوئی دخل نہیں۔ یہ اصول اور صورتیں خدا کے ارادۂ اعلیٰ کے ماتحت اور ریاستِ عامہ کے نشوونما، منظم ارتقاء، ماحول کے تقاضوں اور وقت کے مطالبوں کی بنا پر اپنا چہرہ دکھاتی ہیں۔ معاشرے کے مقصد کو بھی پورا کرتی ہیں اور اسلامی حکومت کے قیام پر حقیقی صورت میں زور بھی دیتی ہیں۔

قانونی تشریحات اور نظائر

پیغمبرِ اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چار مرتبہ ریاستِ عامہ کے رئیسِ عام اور امامتِ کبریٰ کے امام کا انتخاب عمل میں آیا۔ سب سے پہلے (۱۱ھ ۶۳۲ء) میں انتخاب ہوا اور حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول اللہ اور رئیسِ عام مقرر ہوئے۔ دوسری بار (۱۳ھ ۶۳۴ء) میں رئیسِ عام کا انتخابی تقرر ہوا اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ مسندِ امارت پر جلوہ فرما ہوئے۔ تیسرا انتخاب ۲۳ھ (۶۴۴ء) میں ہوا اور حضرت عثمان غنیؓ کو اسلامی حکومت کا رئیس بنایا گیا۔ انتخاب چہارم ۳۵ھ (۶۵۵ء) میں ہوا اور اُمت نے حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو اس منصب کے لیے منتخب کیا۔[2]

---

[1] حدیث ام حصین۔ اگر ایک غلام حامل حکومت کتاب اللہ کے مطابق قیادت کرے تو اس کے حکم کو سنو، اور اطاعت کرو۔ روح المعانی ج ۱۳ ص ۱۰۴۔ ادب الدنیا والدین ص ۸۱۔ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۱۔

[2] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۰-۱۲۳ و ۱۵۴-۱۶۳ ج ۳ ص ۳۰، ۳۵ و ۴۳)۔ دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا عربی) بستانی ج ۷، ص ۴۲۹ (خلافت) یادداشت: ہجری اور عیسوی تاریخوں کی تطبیق کے لیے دیکھو تقویم ہجری وعیسوی۔ طبع انجمن ترقی اُردو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ یہ چاروں انتخاب ترتیب وار اہمیت رکھتے ہیں اس لیے یہاں وہ چاروں طریقے درج کیے جاتے ہیں جن پر یہ انتخابات مبنی ہیں۔

انتخاب اوّل | (بذریعہ شوریٰ اور بواسطۂ رائے عامہ) اس صورت میں امام کا انتخاب براہِ راست شوریٰ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ ریاستِ عامہ کے معتمد نمائندوں اور مسلمہ اشخاص کی رہنمائی میں امت کی مرضی اور اختیار کام کرتا ہے۔ جمہور امت شوریٰ کے کھلے اجلاس میں جمع ہو کر صاف اور تیز رفتار بحث کرتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر ایک شخص پر جمع ہو جاتے ہیں۔ امت کی مرضی اجماع کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ امت کا فیصلہ افراد کے ارادوں اور جماعتوں کے رجحانات پر غالب آجاتا ہے۔ ایک شخص ہیئت اجتماعی کا قائد و امام تسلیم کر لیا جاتا ہے اس کے نام پر بیعت کر لی جاتی ہے۔ بالآخر سب اس کی اطاعت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے شوریٰ میں صدیق اکبرؓ کا انتخاب اسی اصول کے مطابق ہوا۔[1]

انتخاب دوم | بذریعہ تجویز نامزدگی و شورائے اہلِ حل وعقد ——— و مرضیِ عامہ۔ اس صورت میں خلیفۂ وقت اپنے جانشین کا نام تجویز کرتا ہے۔ مجوزہ نام اہلِ حل وعقد کے شوریٰ میں آتا ہے اس کے بعد مرضی عامہ حاصل کرنے کے لیے پیش ہوتا ہے اور جب یہ تینوں مرحلے گزر جاتے ہیں تو مجوزہ شخص اپنے عہدہ پر آجاتا ہے۔

انتخاب سوم | اس صورت میں خلیفۂ وقت، مدبرین حکومت کی مجلس شوریٰ مقرر کرتا ہے اور منصب امامت کے لیے چند ناموں کو متعین کر دیتا ہے مجلس شوریٰ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ امت کے بلند پایہ اصحاب کی آراء حاصل کر کے کسی ایسے نام کو تجویز کرے جو مفادِ عامہ اور مرضیِ عامہ کا لحاظ رکھے مجلس شوریٰ ایک فیصلہ کرتی ہے، اس کے بعد استصواب رائے عامہ ہوتا ہے، رائے عامہ کے مطابق بیعتِ عامہ ہو جاتی ہے۔

---

[1] اسد الغابہ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عثمانؓ کا انتخاب اسی طرح پر ہوا۔ اس موقع پر جو قانونی کارروائیاں عمل میں آئیں اُن کی ترتیب یہ ہے۔

(۱) سات ارکان کی مجلس شوریٰ کا قیام۔ یہ ارکان علی، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف سعد، زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبیداللہ تھے۔ چونکہ یہ اصحاب تمام اُمت کی نظر میں ہر طرح اس منصب کے اہل تھے۔ اس لیے امیرالمومنین نے انتخاب کو ان میں محدود کردیا، اور تجویز کیا کہ یہ سات اصحاب شوریٰ کے بعد اپنے میں سے کسی ایک کا نام تجویز کریں۔ عبداللہ بن عمر بھی اس مجلس کے رکن ہونگے، وہ مشورہ دینگے، ان کا نام حکومت کے لیے تجویز نہیں کیا جائیگا۔ اگر رائے برابر ہوگی تو ان کا ووٹ فیصلہ کن ہوگا سا گر ارکان اس کو تسلیم نہ کریں تو عبدالرحمٰن بن عوف اس عام اعتماد اور عظمت کی بنا پر جو ان کو حاصل ہے اپنے ووٹ سے فیصلہ کردینگے۔

(۲) مدینہ کے باشندوں میں پچاس ارکان کا انتخاب۔ یہ ارکان شورائے مجلس کے مشیر قرار دیے گیے تاکہ جمہور کی رائے اپنی پوری عمومیت کے ساتھ سامنے آجائے۔

(۳) طریق کار۔ مجوزہ شوریٰ نے سرگرم بحث کے بعد مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوف نے اُمت کے مرکزی استحکام کے لیے اپنا نام واپس لے لیا، کچھ لوگ حضرت علی کے حق میں دست بردار ہوگئے، اور کچھ حضرت عثمان کے نام پر۔ آخر میں سب نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اختیار دیا کہ وہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک کا نام انتخاب کرنے میں اُمت کی رہنمائی کریں۔

(۴) استصواب رائے عامہ۔ حضرت عبدالرحمٰن نے [illegible] کے حکم کے مطابق [illegible] شوریٰ کو فیصلہ کی بنیاد قرار دیا۔ اور عام شوریٰ کے لیے استصواب رائے عامہ کی صورت تجویز کی۔ سب سے پہلے حضرت عثمان اور حضرت علی کی جداگانہ رائے لی گئی اس کے بعد تین ن

ؔ تاریخ الکامل ابن اثیر، ج ۳ ص ۲۵۔ قصۃ الشوریٰ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک استصواب رائے عامہ ہوا عورتوں، بچوں اور باہر سے آنے والے مسافروں اور راہ چلتے ہوئے لوگوں کی رائیں حاصل کی گئیں[1] جب زیادہ سے زیادہ ممکن طریقہ سے ایک نام تجویز ہوگیا تو ایک رائے کے اختلاف سے اس کا اعلان کر دیا گیا۔

انتخاب چہارم | تمام جماعت ایک فوری فیصلہ کے مطابق ایک شخص کو اپنا امام منتخب کر لیتی ہے اور رائے عامہ کی بنا پر بیعت عامہ وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔ انتخاب چہارم میں امیر المومنین کی شہادت کے بعد عین عالم انتشار میں جمہور امت نے قیام امن و نظم کی ذمہ داری کو محسوس کیا اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر اطاعت کا حلف اٹھایا[2]

رئیس عام کے انتخاب کی یہ چاروں صورتیں قانونی نظائر کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کو اسلامی حکومت کے نظام میں قانونی روایات کا مرتبہ حاصل ہے۔ یہ صورتیں سیاسی روایتوں کا سرچشمہ ہیں۔ ان سے بنیادی اصول پیدا ہوتے ہیں اور اسلامی سوسائٹی کے ضبط و نظم کے لیے رہنمائی حاصل ہوتی ہے

اصل دفعہ میں جن قانونی اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا ماخذ خلفاء راشدین کا انتخاب اور تقرر ہے۔ ان کے انتخاب کے وقت جو صورتیں پیش آئیں قدرتاً انھوں نے قابلِ تقلید روایات کا درجہ حاصل کر لیا۔ زمانہ ماضی میں جتنے تقرر ہو چکے ہیں، حال میں جو تقرر ہمارے سامنے ہیں اور مستقبل میں جو تقرر ہو سکتے ہیں ان کو جائز سمجھنے اور صحیح صورت میں بروئے کار لانے کے لیے خلافت راشدہ کی اچھی روایات کی پابندی کرنی ضروری ہے۔

خلافت راشدہ کے یہ چاروں انتخاب یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ صدر حکومت کے انتخاب میں اول درجہ کا اساسی اصول یہ ہے کہ عوام الناس شوریٰ کے اجلاس میں جمع ہو کر براہِ راست اپنے امیر و امام کا انتخاب کریں۔ اس طرزِ حکومت میں شاہی اور سلطانی کی کوئی گنجائش نہیں، چونکہ اس کا مزاج شہنشاہیت پر مبنی نہیں ہے اس لیے ولیعہدی اس

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۸۱ [2] ایضاً ج ۴ ص ۳۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نظامِ عمل سے خارج ہے اور وہ مطلق نامزدگی بھی جو صدرِ حکومت یا کسی ایک شخص کی طرف سے عمل میں آئے اور اس میں رائے عامہ اور اُمت کے اختیار کا مطلق دخل نہ ہو۔

ولیعہدی اور نامزدگی اسلامی نظامِ حکومت میں اس زمانہ کی ولیعہدی کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں مطلق العنانی کے ساتھ نامزدگی کی جو مفید شکل قرنِ اول میں ثابت ہے اس نامزدگی کو ولیعہدی سے کوئی نسبت نہیں[1]۔

دورِ اول میں قانونِ صحابہ نے جس چیز کی حمایت کی ہے وہ یہ ہے کہ حکومت کا رئیس عام ہر حال میں نہیں بلکہ کسی ضروری مرحلہ پر بہترین افراد میں سے بہترین فرد یا چند افراد کا نام تجویز کرے اور اس کو دلائل کے ساتھ اُمت کی منظوری کے لیے پیش کرے۔ یہ تجویز درحقیقت نامزدگی نہیں ہوتی بلکہ سیاسی معاشرہ کی بے غرضانہ امداد ہوتی ہے۔

اسلام میں پہلی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے آپ نے اُمت کے اختیار کو باقی رکھا اور اپنے اختیار سے نامزدگی نہیں فرمائی۔ یہ نظیر اُمت کے لیے پہلی شے ہے، اس کو ہر حال میں باقی رکھنے پر زور دینا قانونِ سُنت کا اولیں منشا ہے۔

دوسری نظیر صدیق اکبرؓ کا تعامل ہے انھوں نے عمر فاروقؓ کا نام تجویز کیا، اس تجویز کو ولایت عہد یا ولی عہدی قرار دینا ایک غیر قانونی جسارت ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک نام کی جگہ چند نام تجویز کیے لیکن یہ دونوں تجویزیں شخصی اختیار سے زیادہ اُمت کے اختیار پر مبنی تھیں مطلق ولیعہدی سے ہم آہنگ نہ تھیں۔

اس قسم کی تجویز ثانوی درجہ میں قانونی اہمیت رکھتی ہے مگر یہ اہمیت چند لازمی شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

---

[1] علامہ ماوردی (م ۴۵۰ھ) نے احکام السلطانیہ (ص ۷) میں شخصی ولیعہدی کا ذکر کیا ہے اور علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں اس کا سلسلہ یزید کی ولیعہدی سے ملا دیا ہے۔ یہ بات تاریخی مناسبت پیدا کر سکتی ہے مگر قانونی واقعیت سے کبھی ہم آہنگ نہیں ہو سکتی۔ ابن خلدون ج ۳ ص ۱۴۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ جو شخص نامزد کیا جائے وہ پیشرو امام کی پشتینی اولاد نہ ہو، خلافت راشدہ کے چاروں دور اس پر گواہ ہیں۔ صدیق اکبرؓ کے سامنے ان کے صاحبزادے کا نام تھا مگر تجویز نہیں کیا گیا۔ فاروق اعظمؓ نے جب شوریٰ کا حکم دیا تو ایک گوشہ سے عبداللہ بن عمر کا نام پیش ہوا مگر انہوں نے تصریح کر دی کہ حکومت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ بعد کے دو انتخاب بھی اسی اصول پر مبنی تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے اثر، قوت اور تدبیر سے یزید کی ولیعہدی کو منظور کرایا۔

ابن خلدون کا یہ بیان قابل قبول ہے کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کے نظم کا مخلصانہ جذبہ کارفرما تھا جس کا نتیجہ اچھا برآمد نہیں ہوا، یزید ہمیشہ سے ایسا نہ تھا جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا، اگر حضرت معاویہ کے زمانہ میں یزید ایسا رنگ اختیار کرتا تو وہ خود اس کو معزول کرنے پر تیار ہو جاتے[۱]۔ اس انتخاب کے خون آشام نتائج خود یہ کہتے ہیں کہ یہ تقرر امت کے لیے دلیل نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت معاویہ یورپ میں شہنشاہیتوں کے پڑوس میں مسلمانوں کا اقتدار قائم کر رہے تھے۔ ان کا یہ قول بھی دماغ میں رہنا چاہیے "ہم نے شہنشاہیت اور سلطنت پر قناعت کر لی ہے" اس قول کے بعد راہ صاف ہو جاتی ہے۔ ایک ایسی عالمگیر قوم جو انسانیت کو نبوت، قانونِ رحمت اور خلافت راشدہ کے پر نظم کرنا چاہتی ہے شہنشاہیت پر قناعت نہیں کر سکتی۔ بعد کے زمانہ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے اقتدار میں اسلام کے لیے جو پرجوش کارنامے انجام پائے اُس سے انکار کیے بغیر ولیعہدی کے رواج کو جائز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ نامزدگی کی دوسری شرط یہ ہے کہ نامزد کرنے والا اور نامزد ہونے والا دونوں بہترین سوسائٹی کے بہترین فرد ہوں۔ قرن اول میں امت کے اختیار کو متاثر کرنے والے صدیق اکبر فاروق اعظم اور عثمان غنی تھے۔ اگر امت ایسے افراد پھر پیدا کر سکتی ہے تو نامزدگی کی صورت

[۱] مقدمہ ابن خلدون ف فی ولایت عہد (۳۰) ص ۱۲۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درجۂ قبول حاصل کرسکیگی۔ نامزد ہونے کے لیے بھی خیرِ اُمت ہونے کی شرط ہے اور نامزد کرنے کے لیے بھی۔

۳ تیسری شرط یہ ہے کہ یہ نامزدگی قطعی حکم کی صورت میں نہ ہو بلکہ مشورہ اور تجویز کی صورت میں ہو اُس کو ریاستِ عامہ کے شیرازہ بند نظام کے تحفظ کے لیے عوام کے سامنے پیش کیا جائے اور رائے عامہ اُس پر جم جائے۔ اگر نامزدگی میں یہ عمومیت نہیں ہو تو اس کو قانونی جواز حاصل نہ ہوگا۔ چنانچہ صدیق اکبر نے فاروق اعظم کا نام تجویز کرتے ہوئے صحابہ کے مجمع میں کہا کہ تجویز عام بہتری کے لیے ہے، مجھے ڈر تھا کہ اُمت داخلی اختلاف میں گرفتار نہ ہو جائے[۱]۔ فاروق اعظم نے جب چند افراد کو تجویز کیا تو یہ ظاہر کر دیا کہ ان سے زیادہ اُمت کے لیے اور کوئی مفید نہیں ہے[۲]۔

ان نامزدگیوں میں عمومیت کا عنصر بخوبی کارفرما تھا۔ صدیق اکبر نے اس معاملہ میں تجویز سے پہلے عام صحابہ کے سامنے تقریر کی اور کہا اگر میں کسی کا نام تجویز کروں تو آپ سب منظور کرینگے؟ صحابہ نے جواب دیا: رضینا یا خلیفۃ رسول اللّٰہ (ہاں ہم دلی طور پر قبول کرینگے) اس کے بعد تحریری دستاویز میں حضرت عمرؓ کا نام تجویز ہوا حضرت عثمانؓ اس کو لے کر عوام کے اجلاس میں آئے اور اُنھوں نے کہا کیا آپ اس نام پر بیعت کے لیے رائے دیتے ہیں۔ سب نے متفقہ رائے سے کہا بیشک، ہم سب اس کی منظوری دیتے ہیں اور ہمارے دل اس تجویز سے ہم آہنگ ہیں[۳]۔

حضرت عمرؓ کے تجویز کردہ سات نام بھی شخصی رائے کا نتیجہ نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو شوریٰ کیوں ہوتا۔ انصار کے پچاس نمائندے شوریٰ کے لیے مشیر کیوں مقرر کیے جاتے ہیں، اور استصوابِ رائے عامہ کیوں ظہور میں آتا۔

درحقیقت صدیقی اور فاروقی عہد کی نامزدگی کو ولیعہدی کے اصول سے کوئی

---

[۱] اسد الغابہ ج ۴ ص ۶۹ [۲] ایضاً ج ۳ ص ۳۸۱ [۳] ایضاً ج ۴ ص ۶۹۔۷۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلق نہیں۔ یہ نامزدگی ایک طرح کی وصیت ہے جو عام نصب العین کے ماتحت اپنی خاص شکل میں ظاہر ہوتی ہے، ولیعہدی ایک گھر اور ایک خاندان کے کنویں کا مینڈک ہے جسے انسانی مصلحتوں کے سمندر سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں۔ اسلام کا تعلق انسانیتِ عامہ سے ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی ایک عام گھرانے کو سلطنت کے لیے خاص کر دیا جائے۔ اس میں شک نہیں اگر ولی عہد اچھا ہو تو اچھی سلطنت وجود میں آسکتی ہے لیکن صدیوں کا تجربہ اس کے خلاف ہے اس لیے انسانی سوسائٹی کے اجتماعی اختیار کو شخصیت کی صلیب پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔

ہمیں اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ دنیا کے سردار نے خدا کے بندوں کو صدیوں پہلے آگاہ کیا تھا: خیر الملل ملۃ ابراھیم[1] (دنیا کی ملتوں میں بہترین ملت ملت ابراہیم ہے) یہ وہ جملے ہیں جو آنحضرت نے ابھرتے ہوئے سورج اور صحابہ کی اٹھی ہوئی پیشانیوں کے سامنے تبوک کے موقع پر انسانیتِ عامہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے۔ بخاری میں جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے محاذ پر چودہ سو سپاہیوں کے سامنے مسلم قوم کی حقیقت کے متعلق فرمایا: انتم خیر اھل الارض (تم روئے زمین کے باشندوں میں بہترین انسان ہو)

اب سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایسی سوسائٹی جو دنیا میں بہترین افراد پر مشتمل ہے اس کو کس طرح مطلق العنانی کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ صدہا واقعات میں ایک واقعہ بھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ دنیا کی بہترین قوم بدترین طرزِ حکومت پر قانع ہو جائے، ایک بہترین قوم کے لیے بہترین طرزِ حکومت یہ نہیں ہے کہ ایک انسان تمام انسانوں کی گردن پر مسلط ہو جائے بلکہ یہ ہے کہ قانونِ نبوت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کی جائے اور دنیا کے بہترین انسان مل کر انسانی بہتری کے لیے کام کریں۔

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۱۳ (خطبہ رسالتمآب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتخاب کے بُنیادی اُصول

(۱) اصولِ اصلح: اسلامی ریاستِ عامہ کے رئیسِ عام (امام) کے انتخاب کا پہلا بُنیادی اصول "اصولِ اصلح" ہے۔ اُمت کا فرض یہ ہے کہ وہ تمام اغراض سے بلند ہو کر ایسے شخص کا انتخاب کرے جو تمام اسلامی سوسائٹی میں اصلح یعنی سب سے بہتر ہو۔ اجتماعی نظام میں اس اصول کی حفاظت اتنی ہی ضروری ہے جس قدر کہ فرد کی زندگی میں رُوح کی نگہداشت!

قرآن نے زبور کے منشور کی تجدید کرتے ہوئے صاف طور پر یہ بات بیان کر دی ہے کہ روئے زمین کی حکومت کے وارث صالح، نکوکار اور صلاحیت مند لوگ ہیں[1]۔ اصلح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انسانی زندگی کے لیے (منجانب اللہ) جو اچھے قوانین مقرر ہیں فرد اس کا پابند ہو۔ اور صلاحیت مند وہ شخص ہے جو تمام بُرائیوں کو چھوڑ چکا ہے اور تمام اچھائیوں کو قبول کر چکا ہے۔ جو شخص ایسا ہے وہی مومن (اسلامی معاشرہ کا ایماندار رکن) ہے "وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ"[2] خواہ مرد ہو یا عورت۔

ریاست عامہ کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کرنا ہی اصولِ اصلح کی پابندی ہے اس اصول کی پابندی امام کے انتخاب ہی تک محدود نہیں بلکہ اعلیٰ اور ادنیٰ حکام کے انتخاب پر بھی حاوی ہے[3]۔

اگر عام عہدیداروں کے لیے اس اصول کی پابندی ضروری ہے تو امامت کے زبردست منصب کے لیے اور بھی زیادہ ضروری سمجھی جائیگی[4]۔ اُمت نے عہد نبوی میں برابر اس اصول

---

[1] فتح القدیر امام شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) ج ۳ ص ۴۱۶ [2] تفسیر قرآن العظیم ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵۶، ۵۵۷ "والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت" فصل الاسلام مع العمل الصالح۔ [3] السیاسۃ الشرعیہ ابن تیمیہ ص ۳۔

[4] ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ اگر امام اسلامی صلاحیت کا ثبوت نہ دے اور فاسق ہو تو یہ ایک مکروہ بات ہے ایسے امام کو صلاحیت پر لانا چاہیے، نہ آئے تو مناسب موقع دیکھ کر معزول کر دینا چاہیے معزولی اس طرح عمل میں آئے کہ فتنہ نہ پیدا ہو۔ رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو مدِنظر رکھا۔ خلافتِ راشدہ کا تعامل[1] بھی اسی اصول پر مبنی رہا۔ اُمت نے پہلی مرتبہ صدیق اکبر کا انتخاب کیا مگر اس یقین کے بعد کہ آپ پیغمبر کے بعد مسلمانوں میں بہترین ہستی ہیں[2]۔ صدیق اکبرؓ نے فاروق اعظمؓ کے متعلق وصیت کی، رائے عامہ نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں اس تقرر کے متعلق خدا کے سامنے یہ جواب دہی کرسکتا ہوں: "استخلفت علی اھلك خیر اھلك[3]" میں نے تیرے شہریوں میں سے بہترین شہری کو جانشین بنایا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زخمی ہونے کے بعد اُمت کے بہترین نمائندوں کو اس کام پر متعین کیا تاکہ وہ اُمت کے بہترین فرد کو اسلامی حکومت کا قائد منتخب کریں، اور یہ فرمایا "خدا کو قدرت ہے کہ تم اب بھی بہترین ہستی کے نام پر جمع ہو جاؤ جس طرح آنحضرتؐ کے بعد تم بہترین انسان کے نام پر جمع ہو چکے ہو[4]"

حضرت علیؓ کے انتخاب کے وقت بھی اسی اصول پر عمل کیا گیا۔ مدینہ میں جو جلیل القدر اصحاب موجود تھے وہ سب اس خیال پر متفق تھے "لا یصلح لھا الا علی[5]" حضرت علیؓ کے علاوہ اب کوئی دوسرا شخص اس منصب کے لیے بہتر اور صلاحیت مند نہیں ہے۔

اسلام کے علماء اجتماعیات اس اصول کو قطعی صورت میں مؤثر قرار دیتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے الذریعہ (ص۲۰۰) میں ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر (ص۱) میں، ابن قیم الجوزی نے طرق الحکمیۃ (ص۱) میں، امام ماوردی نے الاحکام السلطانیہ[6] (ص۲) میں اور امام ابن تیمیہ نے السیاستہ الشرعیہ (ص۳) میں اس اصول کو سیاسی اہمیت دی ہے۔

نظائر | (۱) علامہ ابوالحسن (الماوردی) لکھتے ہیں کہ ریاست عامہ کے ارباب اختیار

---

[1] عن ابن عمر کنا نقول فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یکون اولی الناس بھذا الامر الخ مجمع الزوائد (الحدیث) ج ۵۔ کتاب الخلافۃ ص ۱۷۷-۱۷۹ [2] (خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر) اسد الغابہ ج ۳ ص ۵۱۵۔ [3] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۵۲ [4] البدایۃ والنہایۃ حافظ عماد الدین ابن کثیر ج ۷، ص ۱۴۴-۱۴۵ [5] ایضاً ص ۲۲۶

[6] فقد موا للبیعۃ منھم اکثرھم فضلا واکملھم شرطا۔ الاحکام ص ۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے قوت فیصلہ اور سیاسی بصیرت ضروری ہے تاکہ وہ امامت کے لیے اصلح ہستی کا اور مصالح کے لحاظ سے ایک زبردست مدبر کا انتخاب کرسکیں (دیکھو من هو للامامة اصلح وتدابير المصالح اقوم - الاحکام السلطانیہ ص ۴۔ ب)

۲۔ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اسلامی حکومت کے قائد (ولی) کا فرض ہے کہ وہ اوّل درجہ کے عہدوں پر اصلح اور اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کو مقرر کرے کیونکہ اس کی خلاف ورزی قانونِ سنّت کی خلاف ورزی ہوگی۔ حکومت ایک امامت ہے۔ اس میں خیانت بھی لازم آئیگی (فيتجب على ولى الامر ان يولى على كل من اعمال المسلمين اصلح من يجده لذالك العمل۔ السیاسۃ الشرعیہ۔ ص ۳)

(۳) امام راغب اصفہانی اسلامی نظریہ کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں (لا يصلح لسياسة غيره من لا يصلح لسياسة نفسه) جو شخص بذات خود سیاسی صلاحیت سے محروم ہے وہ دوسروں کی سیاسی بہتری کے لیے اپنی صلاحیت ظاہر نہیں کرسکتا (الذریعہ ۱۹)

(ب) اصول رائے عامہ | امام کا انتخاب رائے عامہ اور اُمت کے اختیار سے ہوتا ہے مرضیِ عامہ ہی وہ چیز ہے جو اس اصول کی بنیاد ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے انتخاب سے لے کر حضرت علی حیدر کرم اللہ وجہہ کے انتخاب تک مفادِ عامہ اور رائے عامہ کا یکساں عمل دخل رہا ہے، اگرچہ چاروں انتخابوں میں جداگانہ اصول کارفرما نظر آتے ہیں لیکن جہاں تک رائے عامّہ کا تعلق ہے وہ ہر انتخاب میں ایک موثر عنصر کی صورت میں موجود[1] ہے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ خلافت راشدہ کا پہلا انتخاب عام رائے سے ہوا۔ دوسرے انتخاب میں رائے عامہ حاصل کرنے کی خاص شکل اختیار کی گئی، اور

---

[1] تاریخ الامم والملوک طبری ج ۳ ص ۱۹۹-۲۰۳۔ تاریخ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۷، ص ۱۸۔ تاریخ ابن کثیر۔ ج ۷، ص ۱۴۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدیق اکبرؓ ایسی بلند ہستی کی تجویز پر اُس وقت تک عمل درآمد نہیں ہوا جب تک انہوں نے اپنی رائے کو تجویز کی شکل میں رائے عامہ کے سامنے پیش نہیں کر دیا۔ جب عوام نے منظور کر لیا تو نامزدگی کی تجویز انتخاب کے درجہ میں آ گئی۔ تیسرے انتخاب میں پہلے محدود شوریٰ ہوا اس شوریٰ کا ہر رکن عوام کا اعتماد حاصل کر چکا تھا مگر اس کے فیصلہ کو بھی رائے عامہ سے استصواب کے بغیر نافذ نہیں کیا گیا۔ چوتھے انتخاب میں عوام نے خود اپنا امیر منتخب کیا۔

حضرت عثمان رضؓ کے شہید ہو جانے کے بعد خلافت کا نظام شدید امتحان میں تھا، جو مسلمان اس وقت موجود تھے اُنہوں نے وقت کے فرض کو محسوس کیا، انتخاب کے وقت حالات کچھ بھی ہوں مگر انتخاب میں پوری عمومیت موجود تھی اور پہلے تین انتخابات کی طرح چوتھا انتخاب بھی عمومیت پر مبنی تھا نہ کہ شہنشاہیت اور شخصی طرز پر۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے بلند پایہ صحابہ نے بیعت میں حصہ نہیں لیا، ان حضرات نے اپنی رائے کو غیر جانبدار رکھا۔ اس وقت حالات کی جو نزاکت تھی اور جو نتائج پیدا ہونے والے تھے اُن کے لحاظ سے ان کا حق تھا کہ اپنی رائے کو محفوظ رکھیں حضرت علیؓ خود صاحب معاملہ ہیں ان اصحاب کے متعلق کہتے ہیں کہ "یہ اصحاب نہ حق کے لیے کھڑے ہوئے اور نہ اُنہوں نے باطل کا ساتھ دیا۔" غیر جانبداری ایک قانونی حق ہے۔ اس کا استعمال کرنا کسی عام انتخاب کی عمومیت کو باطل نہیں کر سکتا، کہا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہ نے شام میں بیعت نہیں کی۔ یہ درست ہے، شام اور کوفہ کے اختلاف کی تاریخ صدیوں پرانی ہے، اس پر بحث کرنا قانون سے زیادہ تاریخ کا کام ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس اختلاف کی پیچیدگیوں سے گزر کر تاریخ کے سمندر سے قانونی روایات کے موتی کو باہر لانا ہی اُمت کے مفاد کے لیے بہترین کام ہے۔

انتخابِ چہارم کے اس اختلاف میں دو باتیں زیادہ نمایاں اور کارآمد ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے دو سفارتیں روانہ کیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جوابی سفارت روانہ کی حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ دمشق مسلمانوں کے مرکزی فیصلہ کو منظور کرلے اس کے بعد دوسرے مسائل کا فیصلہ بہتر فضا میں کیا جائے اور حضرت معاویہؓ کی رائے تھی کہ پہلے خلیفۂ سوم کے قاتلوں کو سزا دی جائے، اس کے بعد یہ فیصلہ منظور کرلیا جائیگا۔ قانونی روایات کی رو سے امامت امام کی موت اور قصاص پر مقدم ہے۔ پہلے تینوں انتخابوں میں پیشرو امیر کی زندگی میں یا دفن سے پہلے منصبِ امامت کا فیصلہ دار الخلافہ میں ہوا اور اس کو اُمت نے منظور کرلیا۔

حضرت معاویہؓ کے اصرار کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے لیکن دونوں اصحاب اپنی اپنی جگہ حق بات پر اصرار کر رہے تھے چونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک محاذِ مخالفت پر دو فریق برسرِ جنگ ہوتے ہیں اور دونوں اپنی رائے میں حق کی روشنی دیکھتے ہیں اس لیے تاریخ کے اس محاذ کو بدعقیدگی کے ساتھ نہیں دیکھنا چاہیے۔ اس سارے واقعہ میں جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ دونوں اصحاب امت کے عام اختیار کو تسلیم کرتے ہیں۔ سفارتی گفت و شنید اس امر کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اُمت کے اختیار پر فریقین متفق تھے تحکیم اور پنچایت جنگ سے پہلے صلح کی آخری کوشش تھی۔ اس موقع پر حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ انتخاب دوبارہ ہو اور فیصلہ اُمت کی رائے سے ہو تاکہ زیادہ عمومیت کے ساتھ نتیجہ کو ہاتھ میں لیا جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری جو خلیفہ چہارم کے نمائندے تھے انہوں نے اس کو منظور کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اختلاف کے وقت بھی جمہور کی قوت پر اتفاق تھا۔

اصولِ شوریٰ | اُمت نے آنحضرت کی وفات کے بعد شوریٰ کے اصول پر عمل کیا۔ صدیق اکبر کے انتخاب میں جو آزادانہ شورائی بحثیں ہوئیں اور بعد میں اُمت کی قوتِ فیصلہ نے جس شان سے فیصلہ کیا اس سے پہلے دنیا کی کسی پارلیمنٹ نے ایسی مثال پیش نہیں کی۔ صدیق اکبر نے فاروق اعظم کی نامزدگی سے پہلے اصولِ شوریٰ پر عمل کر کے اصحاب سے مشورہ کیا تھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاروق اعظم کے مقرر کردہ گروہ مدبرین حکومت کی ہر دو شوروی مجلسیں بھی اس اصول کا مظہر تھیں[1]

اصول تقرر مجلس | رئیس حکومت کے انتخاب کے لیے مدبرین حکومت اور نمائندگانِ عوام کی مجلس تقرر کا اصول قانونِ صحابہ کی رو سے جاری ہوا، فاروق اعظم نے زخمی ہونے کے بعد ایسی مجلس مقرر کی، قانوناً یہ شورائی مجلس تھی[2]

اصول منظوریٔ اہلِ حل وعقد | رئیس حکومت کے انتخاب میں اہلِ حل وعقد (مدبرینِ حکومت اور امراءِ افواج) کی مرضی حکمت عملی کی جان ہے۔ یہ اصول خلافتِ راشدہ کے ہر دور میں صاف نظر آتا ہے[3]

انتخاب کی شرطیں

ا۔ اسلام: امام کے لیے مسلمان ہونا، پہلی قطعی اور ناقابلِ انکار شرط ہے۔[4] کوئی شخص جو خدا کا حکمبردار (مسلم) نہیں ہے مسلمانوں کی حکومت کا قائد نہیں ہو سکتا یہ شرط کسی مذہبی تعصب پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد انسانی سوسائٹی ہی کی بہتری ہے۔ اگر تمام انسان خدائے واحد کی اطاعت پر جمع ہو جائیں تو دنیا سے تمام فتنوں اور خرابیوں کا خاتمہ ہو جائے، اور خراب حال دنیا متحدہ انسانیت کا متحدہ وطن بن جائے۔

ب۔ اخلاق اور کردار: فطری طور پر جن اعلیٰ اخلاق اور کردار کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ تمام کے تمام امام کے لیے ضروری ہیں۔ اُمتِ مسلمہ ایک نیک نفس اُمت ہے

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۹ [2] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۷ ص ۱۴۴۔ تاریخ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۔ [3] حجۃ اللہ البالغۃ (امام ولی اللہ دہلوی) ج ۲ ص ۱۴۹ (سیاست مدن)

[4] قرآن حکیم "(اولوا الامر منکم) رد المحتار۔ ج ۱ ص ۵۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے لیے پاک فطرت اور پاکدامن رئیس الحکومت درکار ہے[1]

ج۔ اجتہاد (سیاسی تدبر) امام کے لیے سیاسی تدبر سے آراستہ ہونا لازمی ہے۔ سیاسی اجتہاد حکومت کے کاموں کا قابلِ اعتماد سہارا ہے، اس لیے اسلامی حکومت کا صدر وہی ہو سکتا ہے جو سیاستداں ہو اور جماعت میں زبردست مدبر تسلیم کیا جا چکا ہو۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ اسلامی حکومت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ سیاسی دائرہ میں اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کا استعمال اس طرح کیا جائے جس سے خدا کی اطاعت کا نصب العین پورا ہو سکے۔ گویا حکومت کے لیے سیاسی تدبر اور اخلاقِ حسنہ دونوں ضروری ہیں[2]۔ ان شرائط کے مطابق جو شخص نکوکار سیاستداں نہیں ہے وہ منصب حکومت پر فائز ہونے کا اہل نہیں کیونکہ جو انسان خود بد نفس ہے اور اپنے قول و فعل میں اچھے اخلاق، اچھی سیاست سے محروم ہے وہ کبھی اچھی مثال نہیں قائم کر سکتا۔ لا یصلح لخلافة الله تعالیٰ الا من کان طاهر النفس ــــ ومن لم یکن طاهر النفس لم یکن طاهر القول والفعل[3]

علماء قانون نے اسی شرط کو علم عقل اور اجتہاد تینوں لفظوں سے تعبیر کیا ہے سید شریف المواقف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رئیس الحکومت پر عظیم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کے لیے اجتہاد اور تدبر لازمی شرط ہے[4]۔ امام راغب آخر میں زیادہ صاف الفاظ میں تصریح کرتے ہیں۔

"حکومت سے پہلے قانون کا علم ضروری ہے۔ یہ اس لیے کہ قانونی فراست اور سیاستِ عامہ کی استعداد کے بغیر حکومت کرنا ناممکن ہے (لا تصلحون

---

[1] ابن خلدون (الامامة تستدعی الکمال فی الاوصاف) مقدمہ ف۲۶ ص ۱۳۶۔ [2] امام راغب (هو الاقتدار البارى على قدر طاقت البشر فی السیاست باستعمال المکارم الشرعیه) الذریعه الی مکارم الشرعیه ب ۸، ۹ ص ۱۸-۱۹ [3] الذریعه باب ثالث [4] المواقف، قاضی عبدالرحمٰن بشرح سید شریف جرجانی (۸۱۶ھ) ج ۸ ص ۳۴۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لِلسِّيَادَةِ قَبْلَ مَعْرِفَةِ الْفِقْهِ وَالسِّيَاسَةِ الْعَامَّةِ)[1]

آزادی رئیس الحکومت شخصی طور پر اور اجتماعی طور پر آزاد ہونا چاہیے کیونکہ غلام انسان کسی دوسرے کا زیردست ہوتا ہے اور ایک آزاد اُمت کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتا[2]

مرد ہونا یہ ضروری ہے کہ اُمتِ عُظمیٰ حکومت کی صدارت کے لیے مرد کا انتخاب کرے[3] عورت گھر کی حکومت میں بااختیار رہے۔ صدہا سال کا تعامل جس میں تازہ ترین روایات بھی شامل ہیں حکمت عملی کے میدان میں اس اصول کی حامی ہیں۔ اگر کبھی کسی ترقی یافتہ ملک میں کسی عورت نے مسندِ حکومت پر اقتدار حاصل کیا ہے تو اس کا تمام کام مرد کو کرنا پڑا۔ لاریب اسلام نے عورت کا درجہ بہت بلند کیا ہے مگر اس میں انسانی فطرت کی واجب التعمیل صداقت کا لحاظ رکھا ہے جس کی تائید سوویٹ روس تک کے طرزِ عمل سے ہوتی ہے۔

بالغ ہونا نابالغ بچہ کو منصبِ امامت پر فائز نہ ہونا چاہیے۔ لاتعداد باشعور انسانوں کی موجودگی میں کسی بچہ کا قائدِ حکومت ہونا ایک بے حقیقت اور بے ضرورت بات ہے اس کی خلاف ورزی سے مفادِ عامہ کے لیے بڑے بڑے خطرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ کسی بچہ کے لیے عوام کے مفاد کو خطرہ میں ڈالنا مرضیِ عامہ کو نظرانداز کرنا ہوگا جس کو قانون اچھا قرار نہیں دے سکتا۔

شجاعت اور طاقت اسلامی حکومت کے رئیس کا شجاع اور طاقتور ہونا ایک ناگزیر شرط ہے[4] قوت اور قدرت حکومت کے لیے ضروری ہے اور رئیسِ حکومت کے لیے اور بھی زیادہ لابدی ہے۔ امام کو اتنی طاقت حاصل ہونی چاہیے کہ وہ اسلامی نظام کی حفاظت کر سکے اور اپنے احکام جاری کر سکے۔ یہ شرط سیاسی قیادت کی جان ہے۔ اُمتِ اسلامیہ کے امیر کا اس شرط پر پورا اُترنا اصل عہدہ کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے[5]۔

---

[1] الذریعہ ج ۱ ص ۱۹ [2] ردالمحتار (درالمختار) ج ۱ ص ۵۱۲ [3] حوالۂ بالا۔
[4] المواقف ج ۸ ص ۳۴۹ (شرح سید شریف) [5] السیاسۃ الشرعیہ ابن تیمیہ ص ۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قریشی ہونا مندرجہ بالا شرائط کے علاوہ چند شرائط اور بھی ہیں جن کے متعلق رائے کا اختلاف ہے۔ ان میں اہم یہ ہے کہ امام کو نسب کے اعتبار سے "قریشی" ہونا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قریش کو سب سے پہلے اسلام لانے کا شرف حاصل ہے، قریش نے اسلام کی خدمت اور اپنی یادگار زمانہ قربانیوں سے جو عزت حاصل کی ہے اس کو علماءِ اسلام ہم آہنگ ہو کر تسلیم کرتے ہیں[1] لیکن اس کے باوجود تحقیق یہ ہے کہ اسلام کا اساسی قانون اس شرط کا متحمل نہیں کرتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ علماءِ قانون کی طرف سے اس شرط سے اختلاف[2] ظاہر کیا گیا ہے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ آخر میں اُمت نے قانونِ اجماع کے ذریعہ سے خلافت عثمانیہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ عثمانی ترک قریشی نہ تھے مگر مصر کے آخری قریشی خلیفہ نے خود سلطان سلیم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اگرچہ قریشی ہونے کی شرط خلافت عباسیہ (۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء تک) قائم رہی۔ لیکن اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس شرط کا حقیقی ظہور خلافت راشدہ پر ختم ہو گیا۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سلسلہ میں آنحضرت کے دو قانونی منشور موجود ہیں[3]۔ (۱) الائمۃ من قریش (امام قریش میں سے ہوں گے۔ (۲) ان ھذا الامر فی قریش۔ (یقینی ہے کہ حکومت قریش میں ہو گی) لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی قطعی ہے کہ اسلام حکومت کی عمومیت کا حامی ہے اس نے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان کیا ہے اور غیر مشروط طریقہ پر ہر امام کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ قرآن کی رو سے تمام دنیا میں انسان کی عظمت کا قانون جاری ہے نسلِ آدم کے تمام افراد حکومت و اقتدار کے دائرہ میں بلند مرتبہ ہیں[4] اسلامی زندگی کی سطح پر سربلند ہونے کی صرف ایک شرط ہے۔ انسان اسلام کا حکمبردار اور مردِ مومن ہو۔ اس کے بعد نہ عربی کی شرط ہے نہ عجمی کی۔ نہ قریشی ہونا فرض ہے کسی خاص

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ف ۲۶ ص ۳۷۱۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۷، ص ۳۸۶۔ ۸۷ (کتاب المناقب)

[2] المواقف قاضی عبد الرحمن الایجی وشرح سید شریف (فی اشتراط الخلافت) ج ۸ ص ۳۵۰۔

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری ج ص ۳۷۳۔ ۳۷۵ [4] ایضاً ج ص ۹ (لقد کرمنا بنی آدم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان کا رکن ہونا ضروری۔ اسلام کی حکومت میں جو سب سے اچھا ہے وہی سب سے بلند مرتبہ ہو اور سب کا قائد و امام ۔ یہ قرآن کا فیصلہ ہے، قانونِ سنت کا حکم ہے۔ عصرِ صحابہ کی نظیر ہے، اور اسلامی دور کا عمل ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جمہور علماء اس شرط کو تسلیم کرتے ہیں مگر محض اس لیے کہ آنحضرت کی خاندانی قرابت ایک برکت ہو اور اس کو حاصل کرنے سے پہلوتہی نہ کرنی چاہیے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ برکت کے لیے ہاشمی اور سید ہونے کی شرطیں زیادہ موجب برکت ہیں حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ شرطیں معتبر نہیں ہیں[1]۔ اگر برکت شرط ہے تو زیادہ برکت کیوں شرط نہیں ؟

اس مسئلہ کی قانونی تنقیح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے قائد کا قرشی ہونا ایک اختلافی بات ہو۔ علامہ سید انور شاہ نے اپنے علمی افادات[2] میں مواہب الرحمٰن کے جلیل القدر مصنف کا یہ قول نقل کیا ہے۔ انہا لیست بشرط عند امامنا (قرشی ہونا ہمارے امام (ابو حنیفہؒ) کی رائے میں کوئی شرط نہیں ہو) اس سے حنفی مسلک کا رُخ ظاہر ہوتا ہو۔ اگرچہ بعض فقہاء نے اس شرط کا ذکر کیا ہے لیکن جب ہم خود فقہ اکبر اور ملا علی قاری کی شرح کو اصل الاصول کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے تاریخی دور میں قرشی ہونے کو شرط نہیں سمجھا گیا۔ ریاست عامہ کے رئیس عام کا چار مرتبہ انتخاب ہوا اور ہر مرتبہ دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا۔ (۱) امامت کی صلاحیت کا (۲) اور اُمت کے اختیار[3] (ووٹ) کا۔ اگر حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب میں قرشی ہونے کا دخل ہوتا تو ملا علی قاری دوسری تفصیلات کے ساتھ ضرور اس کا ذکر کرتے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرت کے اُن فرامین کا کیا مفہوم ہے جو قریش کے متعلق

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۳۵۔ الخلافۃ [2] فیض الباری علی صحیح البخاری کتاب الاحکام ج ۴ ص ۴۹۸۔ [3] فقہ الاکبر (امام اعظم) و شرحہ (للامام ملا علی قاری) ص ۵۹-۶۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔اس مفہوم کو معلوم کرنے سے پہلے اس اصول کو مان لیجیے۔امیر حکومت کا انتخاب دین کی خدمت اور اس کے بعد انسانوں کی مرضئ عامہ، مفادِ عامہ اور مصالحِ عامہ پر مبنی ہے آنحضرت نے اپنے زمانہ میں قریش کے متعلق جو کچھ فرمایا اس کا مقصد نسلی برتری کا اصول پیش کرنا نہیں تھا بلکہ دین کی تقویت اور اسلامی نظام کی عمومیت کا استحکام تھا۔قریش ایک قبیلہ ہی نہ تھا بلکہ وہ اسلامی نظام کا جوہر تھا۔قریش کے لوگ سب سے پہلے اسلام لائے،سب سے زیادہ پیغمبر برحق کی صحبت میں رہے۔اسلام کے کلی اور جزئی قوانین کی روح کو سمجھنے اور اس کے مطابق اپنی شخصی اور اجتماعی زندگی کو ڈھالنے میں کامیاب ہوئے یہ وہ خصوصیات ہیں جنھوں نے پہلی صدی ہجری میں قریش کو دین کا محافظ،مصالحِ عامہ کا نگہبان اور اسلامی عمومیت کا مرکز اور مسلم عوام کا سردار بنا دیا تھا،اس زمانہ میں اسلامی عمومیت کا صادق مطالبہ ہی یہ تھا کہ قریش کو ریاست کی ذمہ داری دی جائے۔خلفاء اربعہ کا قریشی ہونا اسلامی جمہوریت اور انسانی عمومیت کے موافق تھا نہ کہ مخالف۔اگلے مورخین میں ابن خلدون نے اس حقیقت کو پیش کیا ہے اور حال کے علماء میں امام ولی اللہ دہلوی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔[1]

ابن خلدون کہتے ہیں "قرشی ہونے کی قانونی وجہ یہ ہے کہ قریش اپنی اکثریت اور دوسرے اوصاف کی وجہ سے رائے عامہ کے نزدیک محترم تھے اور اُن کو قوت کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ملی نظام کی ابتری کے خطرہ کو دور کرنے،اجتماعی نظم کے قیام،وحدتِ ملی کے بقاء، داخلی انتشار کے انسداد اور عام مطمحِ نظر کے لیے قریش کی ضرورت تھی۔عوام قریش کے علاوہ کسی قبیلہ پر جمع نہیں ہو سکتے تھے،اسی لیے شارع نے اس کا لحاظ رکھا۔"[2] اس تصریح کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ فرمانِ نبوی کا منشا نسلی تفوق نہیں بلکہ اسلامی سوسائٹی کی بہتری پر مبنی تھا۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ سیاست مدن ص ۱۴۹-۱۵۰ [2] مقدمہ ابن خلدون ۲۱۶ اختلاف امت ص ۱۲۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ آنحضرت کا فرمان حکم اور امر کی صورت میں نہیں بلکہ خبر کی صورت میں ہے، خبر کی صداقت خلافت اربعہ سے ثابت ہے۔ اگر امر کی صورت ہی تسلیم کی جائے تو حضرت معاویہ کی روایت میں "ما اقاموا الدین"[1] کا لفظ کافی ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں حکومت قریش میں رہیگی جب تک کہ وہ دین کے استحکام کے اہل ثابت ہونگے معلوم ہوا ایک خاص وقت تک قرشی امیر ہونگے اور قرشی ہونے کی حقیقت نسل نہیں بلکہ قیامِ دین ہے۔ اس دعوے کا سب سے بڑا ثبوت وہ تقریر ہے جو صدیق اکبر نے سقیفہ کی مجلس شوریٰ میں کی۔ اُنہوں نے صاف کہا کہ ہم نے دین کے معاملہ میں خطرناک زمانہ میں جان لڑا کر خدمت کا استحقاق حاصل کیا ہے۔ جب انصار نے اپنا امیر الگ بنانا چاہا تو اس وقت حضرت عمر کی یہ دلیل کارآمد ثابت ہوئی کہ انصار پر عرب کی رائے عامہ متفق نہ ہوگی[2]۔

اگر امامت کے لیے ایسی ہستی میسر آجائے جو تمام شرائط کے ساتھ قرشی بھی ہو تو اس کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

قانونِ بیعت (معاہدۂ اجتماعی)

اصول معاہدۂ اجتماعی | بیعت ایک آئینی عہد[3] ہے جس کا تعلق عوام اور امام سے ہے، اور جس کے بغیر ریاستِ عامہ کے رئیس عام کا انتخاب قانونی تقرر کی صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ بیعت عملی سیاست کے دائرہ میں وہ قطعی سند ہے جس کی رو سے عوام امام کی اطاعت کا عہد کرتے ہیں اور امام عوام کے سامنے اچھے طرز پر نظامِ حکومت چلانے کا وعدہ کرتا ہے۔

بیعت کے دو آئینی درجے ہیں پہلے درجہ پر اسلامی ریاست کے اول درجہ کے

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری ج ص ۳۸۶ (طبع العامرہ) [2] تاریخ الکامل ج ۲ ص ۱۲۵

[3] ماخذ کے لیے دیکھو مقدمہ ابن خلدون ف ۳ (معنی البیعۃ) ص ۱۴۷۔ مفردات القرآن۔ امام راغب ص ۱۴۳۔ (الاحکام السلطانیہ۔ باب ص ۴۔ ۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابلِ اعتماد اصحاب (اہل حل و عقد) بیعت کرتے ہیں۔ یہ محدود بیعت ہے مگر قانون میں بجد مؤثر سمجھی جاتی ہے[1]۔ دوسرے درجہ پر بیعتِ عامہ بر سرِ عمل آتی ہے۔ اس صورت میں عوام عہد میں پیشقدمی کرتے ہیں، آخر میں امام عوام کی موجودگی میں اس عہد کو مکمل کر دیتا ہے اور اس طرح یہ عہد ایک معاہدہ اجتماعی کی صورت اختیار کر لیتا ہے[2]۔ یہ معاہدہ وجودی شے ہے، معاہدۂ عمرانی کی طرح فرضی نہیں ہے[3]۔

قانونی یادداشت ریاستِ عامہ کے نظام میں حکومت کا قیام باہمی معاہدہ پر مبنی ہے۔ یہ ایک قسم کا عہد ہے جو ملکیتوں (مملوکہ اور مقبوضہ چیزوں) سے شروع ہوتا ہے اور مملکتوں پر ختم ہو جاتا ہے۔ مملوکہ شے کو بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں باہمی معاہدہ کرتے ہیں[4]۔ مملکت کا فرمانروا اور مملکت کے عوام بھی ایک خاص قانونی معاہدہ کے مطابق سلطنت کے اجتماعی نظام کو متاثر کرتے ہیں، عوام کامل وفاداری اور مکمل اطاعت کا عہد کرتے ہیں اور حکومت کا حکمراں یا امام ان کی امداد اور ان کے لیے کام کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔

بہت سی ملکیتوں کی تنظیم سے ملک بنتا ہے اور بہت سے ملکوں کی سیاسی شیرازہ بندی سے مملکت (اسلامی ریاستِ عامہ) وجود میں آتی ہے۔ چونکہ قرآن نے حکومت کے معاملہ میں معاہدہ کے اس نظریہ کو پیش کیا ہے اور اسی کے ماتحت دنیا میں اجتماعی نظم قائم ہوتا ہے اس لیے ہم اس کو معاہدۂ اجتماعی کا نام دیتے ہیں۔

معاہدۂ بیعت درحقیقت ایک ازلی عہد کے تابع ہے۔ ازل میں انسان نے خدا کی حکومتِ بالادست کی اطاعت کا عہد کیا۔ خداوند عالم نے اس عہد کو قبول کر کے یہ وعدہ کیا کہ جو لوگ قانونِ فطرت کی پیروی کریں گے اور اچھا تعامل اختیار کریں گے اُن کو روئے زمین کی

---

[1] المسائرہ۔ بحوالہ رد المحتار ابن عابدین ج ۱۔ باب الامامۃ ص ۵۰۲ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲ (بیعت صدیق) [3] روسو کا معاہدہ عمرانی معاہدہ بیعت کے مقابلہ میں فرضی چیز ہے۔ [4] (البیعۃ: من البیع و المبایعۃ المعاقدۃ والمعاہدۃ الخ) النہایہ ابن اثیر ــــ الدر النثیر علامہ سیوطی ۔ ج ۱ (الباء) صفحہ ۱۲۵۔ مقدمہ ابن خلدون (فاشبہ ذلک فعل البائع والمشتری) ص ۱۴۷ ف ۲۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطنت دی جائیگی جس طرح حکومتِ الٰہی کا تعلق عہدِ ازل سے ہے اسی طرح امامتِ کبریٰ کا واسطہ عہدِ بیعت سے ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ پہلی صورت خالق ومخلوق سے علاقہ رکھتی ہے اور دوسری صورت امیر اور عوام سے ہے۔

قرآن نے جابجا میثاقِ خاص کا ذکر کیا ہے پے بہ پے ربانی وعدہ کا تکرار کیا ہے[1] اور حکومت کو براہِ راست عہد کا نام دیا ہے۔ اسلامی دور میں اور اس کے بعد مسلمان حکومتوں کے دور میں صدیوں تک آئین بیعت پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے[2]۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اسلامی حکومت اصولِ معاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔

ضمنی دفعات

۱۔ بیعت[3] کا طریقہ: اسلامی معاشرہ کے ارکان مل کر اپنے قائد وامام کے سامنے آتے ہیں اور حسب ذیل الفاظ میں احکام کی تعمیل اور اطاعت کا عہد کرتے ہیں۔

ہم بیعت کرتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ اسلام کے اساسی قانون کو قانونِ نبوت اور حکومتِ راشدہ کے قانون کو واجب التعمیل تصور کرینگے۔ اسلام کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھینگے[4]

ہم اپنے قائد اور ریاستِ عامہ کے امام کی ہدایات کو توجہ سے سُنینگے اور ہر قسم کے حالات میں ان کی اطاعت کرینگے۔ خوش آئند زمانہ میں بھی اور سخت سے سخت مشکلات کے دور میں بھی ہم کسی ہدایت کی تعمیل میں کسی قسم کا اختلاف اور بحث نہیں کرینگے ہم جب زبان سے کوئی بات کہینگے تو حق کہینگے اور جب عمل کے میدان میں قدم باہر نکالینگے تو حق

---

[1] البحر المحیط ابو حیان اندلسی ج ۱ ص ۱۲۷-۱۷۵ (عہد اللہ) (اوفوا بعہدی اوف بعہدکم) احکام القرآن (جصاص حنفی) ج ۱ ص ۷۹ (لا ینال عہدی) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۰۰ (وعد اللہ)

[2] فتح الباری ج ۱۳۔ کتاب الاحکام ص ۱۶۴، ۱۶۵ [3] صحیح البخاری (فتح الباری) ج ۱۳۔ باب کیف یبایع الامام الناس ص ۱۶۴۔ کتاب الاحکام [4] ایضاً (بیعت عثمان) ص ۱۶۸ (بیعت اعراب) ص ۱۷۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے نکالینگے، خواہ ہم کسی جگہ ہوں کسی حال میں ہوں اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے شخص کی ملامت کی پرواہ نہیں کرینگے[1]

ہم اپنی قوت کی آخری حد تک اس عہد کی پابندی کرینگے اور ہر مسلم کی بہتری اور خیر خواہی کو اپنا اصول سمجھینگے[2]

ب۔ امام کا عہد یا وعدہ۔ بیعتِ عامہ کے بعد امام عوام کے سامنے منبر پر آتا ہے اور عوام سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ اچھے طرز پر اسلامی نظام کو قائم رکھیگا۔ سچائی اور امانت کے ساتھ فرائض کو ادا کریگا۔ جھوٹ اور خیانت سے دور رہیگا۔ وہ یہ بھی واضح کرتا ہے:

"اگر میں اچھے اصولوں پر قائم رہوں تو میری امداد پر کمربستہ رہو اور اگر برا طرز اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ جسے اپنی قوت کا گھمنڈ ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے اور جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقت والا ہے، میں طاقتور سے کمزور کا حق لے کر ہی مطمئن ہو سکتا ہوں۔ جہاد و جنگ سے غفلت قومی ذلت کا سبب ہے، اور بدکاریوں کے پیچھے جانا بربادی اور خدا کی مار کا موجب ہے۔ اگر میں اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو اور اگر میں ایسا نہ کرسکوں تو تم میری ہدایات کی تعمیل سے انکار کردو۔ ایسی حالت میں میرے حکم کی پابندی تمہارا فرض نہیں ہے۔ صف بستہ نماز کی پیروی کرو، خدا کی رحمت تمہارے لیے ہے[3]"

یادداشت | عوام اور امام کا یہ باہمی معاہدہ اگرچہ ازلی معاہدہ کے تابع ہے مگر محض ذہنی اور تخیلی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ریاستِ عامہ کے عمل اور حکمت عملی سے ہے وہ ایک اہم واقعہ کی طرح واقع ہوتا ہے، اور فوراً اپنا اثر اجتماعی نظام پر ڈالتا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری (فتح الباری) ج ۱۳۔ عن عبادۃ بن الصامت بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ، الخ ص ۱۶۴۔ کتاب الاحکام [2] ایضاً عن عبداللہ بن عمر ص ۱۶۴ عن جریر بن عبداللہ ص ۱۶۵۔ [3] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۶ ص ۳۰۱۔ دیکھو صدیق اکبر کا خطبہ بیعتِ عامہ کے بعد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ج۔ جہاد اور موت کی بیعت۔ جب اسلامی نظام بیرونی خطرات اور خارجی دباؤ کے مقابلہ میں اپنا اقدام شروع کرتا ہے اور اسلامی حکومت اپنے عالمگیر رجحان کو میدانِ جنگ میں ظاہر کرتی ہے اس وقت عوام جہاد کی بیعت کرتے ہیں۔ یہ عام بیعت سے جُدا خاص بیعت ہوتی ہے۔ ہر مسلمان موت کا عہد کرتا ہے اور یہ اعتراف کرتا ہے کہ اس کی جان خدا کے لیے وقف ہے اور اب امیر کے اختیار میں ہے۔

یادداشت | جنگ خندق کے وقت انصار اور مہاجرین کو مدینہ کے باہر دفاعی لائن تیار کرنے کا حکم دیا۔ اصحاب کرام تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ معائنہ کے لیے تشریف لائے تو سب کے لیے دعا کی۔ اس وقت صحابہ نے جہاد کی بیعت کی۔ عہد کے الفاظ یہ تھے "نحن الذی بایعوا محمداً علی الجھاد ما بقینا ابداً" ہم وہ ہیں کہ ہم نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی ہے۔ یہ بیعت زندگی کے آخری سانس تک کے لیے معتبر ہے۔

جنگ حدیبیہ کے وقت موت کی بیعت کی گئی تھی۔ حضرت سلمہؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ لوگوں نے حدیبیہ کے موقع پر کیسی بیعت کی تھی تو انہوں نے کہا علی الموت (موت پر)[1]

د۔ دین کے نظم اجتماعی کے لیے بیعت۔ دینی نظام کی شیرازہ بندی کے لیے بیعت لینا قانون میں ایک لازمی شے ہے۔ نظامِ اجتماعی کی کمزوریوں کو دور کرنے اور نئے ماحول میں نئی بنیادیں پیدا کرنے کے لیے اسلامی معاشرہ کے رضامند افراد امام کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، پہلے عہد بیعت ہوتا ہے بعد میں ضبط و نظم کے لیے جدوجہد شروع ہوتی ہے۔ بیعت میں بچے اور عورتیں بھی حصہ لے سکتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ کی زندگی میں ہجرت مدینہ سے پہلے اس قسم کی بیعت کئی بار لی ہے[2]

ہ۔ دنیاداری کے لیے بیعت۔ دنیا کے ادنیٰ فائدوں کے لیے محض خودغرضی کے

---

[1] بخاری (فتح الباری) ج ۱۳۔ کتاب الاحکام عن انس سنہ ۱۶۴، عن یزید ص ۱۶۵۔

[2] بیعۃ عقبہ اولیٰ و عقبہ ثانیہ) تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۳۵، ۲۷، ۳۔ فتح الباری ج ۳ ص ۱۷۱-۱۷۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر بیعت کرنا ناجائز ہے۔ اگر ایک شخص خالص دنیا سازی کے طور پر عہدوں کے لیے کسی مجلس کی ممبری حاصل کرنے کے لیے اور دولت کمانے کے لیے بیعت کریگا تو قانوناً اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ ایسا شخص جرم ثابت ہونے پر متعلقہ فائدوں سے محروم کیا جائیگا۔ اس قسم کے عہد کی علامت یہ ہے کہ اگر بیعت کرنے والے شخص کی اغراض پوری ہو جاتی ہیں تو وہ عہد کی پابندی کرتا ہے اور نہیں ہوتیں تو پابندی سے انکار کر دیتا ہے[1]۔

و۔ بیعت شکنی۔ جب ایک مسلمان ایک بار بیعت کے آئینی عہد میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ جملہ ہدایات کی تعمیل کرے۔ اس کو رائے عامہ کے ایک رکن کی حیثیت سے ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ حکومت کے معاملات میں قائد حکومت کے روبرو ایوانِ عام میں یا خاص ملاقات میں اپنی رائے پیش کرے لیکن عہدِ بیعت کے بعد تعمیلِ حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔

بیعت کے بعد بیعت شکنی ناجائز ہے۔ یہ ایک ایسا قلعہ ہے جس میں داخل ہونے کے بعد کوئی فرد تنہا نہیں آ سکتا۔ جو شخص اس قلعہ میں سب کے ساتھ متحد رہیگا وہ مساوی حقوق کا حقدار ہوگا اور جو ایک بار بیعت کرنے کے بعد اس کو توڑ دیگا وہ اپنے حقوق اور اپنی ذات کو نقصان پہنچائیگا[2]۔

دفعہ (۱۸) رئیس الحکومت کے فرائض اور اختیارات

ریاستِ عامہ کے رئیس الحکومت (امام) کو وہ اختیارات حاصل ہیں جو اُمت نے اپنی مرضی سے اس کو سپرد کیے ہیں۔ اُمت کی رائے عامہ خدا کے اقتدارِ اعلیٰ کی نمائندہ ہے اور امامِ امت کے قدرت و اختیار کا مرکز و محور ہے۔

اسلامی قانون میں اس کے فرائض و اختیارات حسب ذیل ہیں۔

---

[1] بخاری (ایضاً) بیعت دنیا۔ عن ابی ہریرہ ص ۱۰۷۱۔ [2] فتح الباری کتاب الاحکام ج ۱۳ باب من ...

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظمِ حکومت: تنفیذِ امر[1] حکومت کے قوانین و احکام کا اجراء، حق اور انصاف کی حکومت کو بصورتِ محکم باقی رکھنا، اُمت کو اچھے کاموں کا حکم دینا اور بُرے کاموں سے باز رکھنا۔ (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) امن عامہ کا قیام اور فساد کا انسداد۔

حکومت باشوریٰ: امام کا فرض ہے کہ شوریٰ کے مطابق حکومت کرے۔ وہ جمہورِ اُمت، اہلِ حل وعقد اور ہر ہر فرد سے مشورہ لینے کا مجاز ہے۔ اس کو اپنی تجویزوں کو شوریٰ کے سامنے پیش کرنے اور ان کو بشرطِ منظوری نافذ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ کیونکہ شوریٰ حکومت کے لیے ایک اہم عنصر ہے[2]۔

حفاظتِ مذہب: امام مذہب کا محافظ ہے اور مذہب کے حقوق اور ضابطوں کی حفاظت اس کا پہلا فرض ہے[3]۔ اس فرض کی ادائیگی اس طرح ہونی چاہیے کہ مذہب کی قوت کمزور نہ ہو اور اُمت زوال اور پستی کی طرف نہ جانے پائے[4]۔ اس مقصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ امام بہترین اجتماع کے لیے بہترین افراد تیار کرے۔ اور ایسے انسانوں کو تربیت دے جو معراجِ کمال پر پہنچ سکیں۔

یادداشت	امام راغب اصفہانی اس ذمہ داری کو تکمیلِ نفوس کے نام سے یاد کرتے ہیں[5]۔

سیاسی انتظام (سیاسۃ الناس[6]) سیاسی انتظام کرنا اور اُمت کے اجتماعی نظم کو قائم رکھنا امام کا حق ہے اور ریاستِ عامہ کا ہر فرد اس نظم کے ماتحت اپنی خوشی سے رہتا ہے اور اپنی قوت کو امام کے ہاتھ میں دے دیتا ہے تاکہ سیاسی نظم اپنی پوری طاقت اور غلبہ کے ساتھ باقی رہے۔ حقوقِ عامہ کی نگہداشت، سوسائٹی کے اختلافات کی اصلاح، ظلم اور زیادتی کا مداوا امام کی سیاسی ذمہ داریوں میں داخل ہیں[7]۔

---

[1] قرآن حکیم پ، آل عمران۔ احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۳۴-۳۳-۵۹۱۔ روح المعانی ج ۱ ص ۲۰۲
[2] نظائر کے لیے دیکھیے دفعہ متعلقہ شوریٰ۔ [3] الاحکام السلطانیہ، ماوردی ص ۱۲-۱۳۔ [4] الذریعہ (امام راغب) ص ۲۰۔ [5] روح المعانی ج ۱ ص ۲۰۲۔ فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۰۲ (رب اجر من قضی بالحکمہ) احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۳۴-۳۳-۵۹۱۔ [6] مقدمہ ابن خلدون ف ۲۶ ص ۱۳۴ (حفظ الدین وسیاست الدنیا) الاحکام السلطانیہ (ماوردی) ب ۱ ص ۳۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۳۸، سیاست مدن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرانی فرائض: (عمارۃ الارض[1]) روئے زمین پر تعمیر و تمدن کے واجبات کو پورا کرنا، زراعت کی توسیع، شاداب درختوں، باغوں اور چمن زاروں کی آبیاری، شہروں کا قیام۔ آبادیوں اور مکانوں کی تشکیل، نہروں کا اجراء، خوشحال زندگی کی تکوین۔ معاشی اصلاح اور اقتصادی تعاون کا بحال رکھنا۔

امورِ عامہ۔ اسلامی معاشرہ کے افراد کا تعلق جن امور سے ہے اُن سب پر امام کا اختیار کارفرما ہے۔ ریاستِ عامہ کی حدود میں ہر شے اس کی صحیح رہنمائی کے ماتحت ہے۔ صوبوں کی تشکیل۔ حکامِ صوبہ کا تقرر، عدالت انصاف کے اعلیٰ حکام کی نامزدگی، مالیات اور اقتصادیات کی نگرانی، سرحدوں کی حفاظت کے لیے چھاونیوں کا قیام۔ افواج کی تنظیم، نئی افواج کی ترتیب، عوام کے مساوی حقوق کی نگہداشت، کمزوروں اور طاقتوروں کے توازن کی دیکھ بھال، خطرات کے وقت لشکر کشی کا حکم دینا اور آگے بڑھ کر فوجوں کو بڑھانا۔ اسلامی حکومت کے قائد اور ریاستِ عامہ کے اختیار میں ہے جن میں سے ہر اختیار کو فرض سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہے[2]۔ امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں سے براہِ راست متعلق رہے۔ اسے ہر وقت اپنی اس صاف اور پاک حیثیت کو مدِنظر رکھنا چاہیے کہ وہ منجانب اللہ عوام کی خدمت پر مامور ہے۔

طریق کار اس کو ایک عام انسان کی طرح عام انسانوں سے ملنا چاہیے۔ اس کو کھیتوں میں کسانوں سے، بازاروں میں عام تاجروں اور خریداروں سے، عدالتوں میں انصاف طلب کرنے والوں سے، بستی میں مظلوموں، کمزوروں، فقیروں، محتاجوں سے اور جیل خانوں میں

---

[1] الذریعہ الی مکارم الشریعہ امام راغب اصفہانی بٹ ص ۱۹۔ احکام القرآن امام جصاص حنفی ج ۳ ص ۲۰۳ (استعمرکم فیہا) بحر المحیط ابوحیان اندلسی ج ۱ ص ۱۴۰۔ روح المعانی آلوسی ج ۱۸ ص ۱۸۲-۱۸۳۔

[2] الاحکام السلطانیہ (الماوردی ۴۲۵ھ) بٹ ص ۱۷۔ ذخیرۃ الملوک (سید علی ہمدانی ۷۸۶ھ) (نسخہ قلمی) باب ۳ (او تنفیذ احکام سعی نماید) المواقف ج ۸ ص ۳۴۹، رد المحتار ج ۱ باب باب الامامت ص ۵۱۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۴۸-۱۵۰ (سیاست مدن)۔ رد المحتار ج ص ۵۱۱۔ ادب الدین والدنیا (ماوردی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیدیوں سے خود ملاقات کرنی چاہیے۔ ان سے براہِ راست گفتگو کرنی چاہیے اور ان کی ضرورتوں سے آگاہی حاصل کرنی چاہیے۔ عوام کی ضروریات کی تفتیش امام کی ذمہ داری ہے جس کے لیے متعینہ مدت میں چند دن خاص ہونے چاہئیں[1]۔

دفعہ (۱۹)۔ اُمت (بحیثیت تنظیم اجتماعی)

اسلامی حکومت کے دائرہ میں اُمت نفوس، اقوام کی وہ ناقابلِ تقسیم وحدت ہے، جس کی شیرازہ بندی دینِ قیم کرتا ہے، یہ وحدت عقیدۂ توحید پر مبنی ہے اور خدائے واحد کے حکم کے مطابق اسلامی معاشرہ کی مجموعی تصویر پیش کرتی ہے۔ انسانیتِ عامہ کے مجموعی شیرازہ کو اپنے ہاتھ میں لیتی ہے۔ اجتماعی معاشرہ کے حکمردار افراد کو خدا کے اقتدارِ اعلیٰ کا نمائندہ قرار دیتی ہے اور بیرونی طاقتوں کو اپنے اندر شامل کرنے کے لیے طاقتور استعداد کا اظہار کرتی ہے۔ تمام انسانوں کو برابر کے حقوق دیتی ہے۔ قوموں، نسلوں اور طبقوں کے امتیازات کو ختم کر کے جملہ انسانوں کو بڑی برادری کی شکل میں منظم کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ دنیا میں اس کو جسمِ واحد کی مانند دیکھتی ہے اور مضبوط و محکم بنیاد کی طرح سمجھتی ہے۔

اسلامی قانون اپنے اس اجتماعی نظم کو حسبِ ذیل ناموں سے یاد کرتا ہے:۔

اُمتِ واحدہ۔ اُمتِ مسلمہ۔ ملتِ ابراہیم۔ اُمتِ وسطیٰ۔ خیرِ اُمت۔ ان ناموں میں سے ہر نام اسلامی سوسائٹی کی مجموعی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے اس کی خوبیوں کو سمجھنے اور جانچنے میں امداد ملتی ہے

قانونی تشریحات اور نظائر

دنیا میں ایک منظم مملکت کا قیام منظم سیاسی معاشرہ پر مبنی ہے۔ ہر سیاسی اجتماع کے

[1] منتخب رحمتار الکونین قلمی ۹۳ھ وہ مجموعۂ قوانین و تعزیرات جس کو دسویں صدی کے علماء کی جماعت نے مرتب کیا۔ برج اول منزل ۱ ار ۲ و ۳۔ برج دوم۔ م ۱ تا ۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے وحدت ضروری ہے اس لیے اسلامی حکومت کا انحصار بھی اُس وحدانی نظم پر ہے جو اُمت متحدہ صورت میں قائم کرتی ہے۔

دنیا انسانوں کا سمندر ہے جس کی تمام موجیں وحدت کی تابع ہیں اور یہ وحدت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ کائنات میں منتشر اکثریت کا مرجع وحدت ہے۔ درحقیقت وحدت اصل ہے، وجودی شے ہے اور منتشر اکثریت عدمی چیز ہے۔ ریاضی میں ایک سے ایک لاکھ تک تمام ہندسوں کا مرجع ایک ہے جس میں صرف ایک کا وجود اصلی ہے۔ باقی عدد ایک کا نتیجہ ہیں۔ نظامِ شمسی میں آفتاب اصل ہے اور وجودی حقیقت کا مالک ہے اور کرنوں کی منتشر اکثریت عارضی ہے۔ کرنیں پیدا ہوتی ہیں، فنا ہوجاتی ہیں۔ آفتاب ہمیشہ اپنی وحدت کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ سمندر کی موجوں اور بلبلوں کا سرِ منشا بھی ایک ہے اور وہ ہے خود سمندر اسی طرح نسلِ انسانی کے منتشر افراد کا حال ہے، ان کا سرِ منشا انسانیت ہے اور انسانیت کا سرِ منشا وحدت ہے۔ دنیا کی ہر موجود شے میں مادہ جاری وساری ہے۔ مادہ پر وجود حاوی ہے اور وجود کا سرِ منشا وہ وحدت ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی۔[1]

دنیا اور دنیا میں بسنے والوں کا وجود درحقیقت وجود واحد کا فیض ہے جس کو ہم خدائے واحد کہتے ہیں۔ اسلامی حکومت کی سیاسی وحدت اسی وجودِ اعلیٰ کے حکم پر مبنی ہے جس کا منشا یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسان قدرت کے قوانین کے ماتحت متحد ہو کر اپنی بہتری کا کام انجام دیں۔

دنیا کی مملکتیں چند ہزار سے چند کروڑ تک محدود انسانوں کی محدود قومی شیرازہ بندی پر قناعت کرتی ہیں مگر اسلامی تصور عالمگیر نظم کی وحدت پر زور دیتا ہے اور اس کو امت کی اصلاح سے تعبیر کرتا ہے۔ عصرِ حاضر میں دنیائے سائنس کے کمالات نے یہ بات ایجاد کی ہے کہ دنیا میں ارجمند انسانوں کا عالمگیر نظم ناممکن ہے۔ اس پر جس قدر تعجب کیا جائے کم ہے۔ دنیا

[1] تقریر دلپذیر شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب ص ۱۲۳۔ افاداتِ ربانی مجاہدِ کبیر حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکے عقلا یہ تو تسلیم کر سکتے ہیں کہ ہماری دنیا میں ایک سورج ہے اور عقل سے محروم لاتعداد نورانی عناصر اس کے گرد جمع ہیں اور نا معلوم مدت سے اپنے مقصدِ حیات کو پورا کر رہے ہیں۔ لیکن یہ نہیں مان سکتے کہ دنیا کے دو ارب انسان جو عقل و شعور سے بہرہ مند ہیں۔ خدائے واحد کے حکم پر اپنے بہترین فائدوں کے لیے جمع ہو سکتے ہیں۔

اسلام اس تصور کے خلاف ہے، وہ کہتا ہے کہ جس طرح فرد، خاندان، قبیلہ اور قوم کی وحدت کو تسلیم کیا جاتا ہے اس سے زیادہ عالمگیر نظم کی وحدت پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ دنیا تقسیم و تفریق کا جہنم بن جائیگی جس کا ایندھن ہر زمانہ میں انسان کو بننا پڑیگا، تمام وحدتوں کو ماننا اور ارضی وحدت کو تسلیم کرنے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ انسانی جسم کے اعضاء کو علیحدہ علیحدہ کر کے یہ کہا جائے اب تم کام کرو۔ یہ ایک آپریشن ہے جس نے انسانیت کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ نظامِ شمسی کے نورانی عناصر ترستی ہوئی نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہے ہیں اور اُس وقت کے منتظر ہیں جب روئے زمین کے انسان اسلام کے اجتماعی نظام پر ایمان لائینگے اور بڑی تعداد میں خدا کے حکم کے سامنے اپنی انفرادیت کو ختم کر کے انسانیت عامہ کے رُکن بن جائینگے۔

ہمارے علماءِ اجتماعیات کے نزدیک اُمت کی منظم ہیئت انسانی فطرت کا تقاضا ہے، ابن مسکویہ (۴۲۱ھ)[1] نے آج سے آٹھ سو سال پہلے زمانۂ حال کے نظریوں کی رہنمائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "انسان طبعًا انسانیتِ عامہ کی بہتری چاہتا ہے کیسی ایک انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ تنہا انسانی تمدن اور تہذیب کے تمام مطالبات کو پورا کرے اس لیے انسانوں کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ بہت بڑی تعداد میں بیک وقت اپنی مشترکہ بہتری کے لیے جمع ہو جائیں اور باہمی تعاون اور ہمکاری سے انسانی ترقی کے لیے کام کریں۔ اس اجتماعی نظام میں ہر فرد کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کے جسم میں کوئی ایک

---

[1] تہذیب الاخلاق لابن مسکویہ ص ۱۷-۱۸ طبع کردستان العلمیہ۔ جمالیہ مصر ۱۳۲۹ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عضو جس طرح اعضاء کے مجموعے سے انسان بنتا ہے اسی طرح افراد کے مجموعے سے انسانی ترقی کا مطمح نظر اپنے کمال پر پہنچتا ہے۔

حکیم ابونصر فارابی نے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسلامی نظریہ کی پیش بندی کی ہے، وہ ابن مسکویہ کی تصریحات پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"انسانی ارتقاء[1] انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور انسانی فطرت کے لیے اجتماع لازمی ہے اجتماعی نظام کی تین صورتیں ہیں۔

اجتماع عظمیٰ (انٹرنیشنل ازم) سوسائٹی کا وہ نظم جو تمام معمورۂ ارضی پر حاوی ہو۔

اجتماع وسطیٰ (نیشنلزم) وہ قومی نظام جو دنیا کے کسی جغرافیائی حصہ میں بروئے کار آئے۔

اجتماع[2] صغریٰ (کارپوریشن) کسی شہر میں شہریوں کا نظام۔

ان میں متمدن اُمت وہ ہے جس کے افراد میں زیادہ سے زیادہ ضبط و نظم اور تعاون ہو

فارابی کے بعد امام غزالی نے احیاء العلوم میں ایک مستقل باب لکھا اور اس میں یہ ثابت کیا کہ انسان کا دنیا سے گہرا تعلق ہے اور دنیا کی اصلاح انسان کی ذمہ داری ہے، دنیا کا بڑا عنصر ہماری زمین ہے اور اس زمین کا نمائشی ساز و سامان صرف اس بات کی جانچ کے لیے ہے کہ انسان بہتری کے لیے کیا کام کرتا ہے۔ ہر فردِ انسانی اپنی تخلیق کی رو سے تنہا نہیں رہ سکتا۔ بلکہ اجتماعی نظام بنانے پر مجبور ہے۔ یہ نظام فرد سے شروع ہو کر اُمت اور حکومت کے نظم پر ختم ہوتا ہے جس کے ساتھ شہری نظم، اراضی بندوبست، عدالت، فوج، قانون جیسے سیاسی اُمور کو تعلق ہے[3]۔

غزالی کے دو سو سال بعد علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ انسان[4] اپنی طبیعت سے تمدن

---

[1] آراء اہل المدینۃ الفاضلہ۔ فارابی (۲۸۷ھ تا ۳۵۰ھ)، ص ۵۳-۵۴۔ [3] احیاء العلوم ج ۳ (حقیقۃ الدنیا) ص ۱۹۴-۱۹۰۔ [4] مقدمہ ابن خلدون۔ ف اول، کتاب اول ص ۳۰-۳۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسند ہے۔ تمدن نام ہے انسانی اجتماع کا۔ یہ اجتماعی شیرازہ بندی ہی ہے جو دنیا کی تعمیر اور خلافت وریاست کا مدار ہے۔"

یہ تصریحات ظاہر کرتی ہیں کہ اُمت کی تنظیم میں انسان کی اصل فطرت مؤثر رہی ہے۔

اُمّتِ اسلامیہ کے اسماءِ حسنیٰ

قرآن کے نزدیک روئے زمین کے تمام انسانوں کی تخلیق "قانونِ وحدت" کے مطابق عمل میں آئی ہے۔ تمام انسان نفسِ واحدہ سے نکل کر بساطِ وجود پر آئے ہیں[1]، اور نفس واحد در جسم واحد کی مانند جانِ تخلیق میں پیدا کیے گئے[2]۔ جس طرح انسان اپنے اعضاء اور عناصر کی ترکیب کے بعد ایک جسم واحد بن جاتا ہے اسی طرح تمام انسان متحد ہو کر اجتماعی نظم پیدا کرتے ہیں اور ایک تخلیقی معاشرہ کی تکوین کا موجب بنتے ہیں[3]۔

درحقیقت جس طرح ایک انسان اپنی منفرد ہستی کے اعتبار سے ایک وحدت ہے اسی طرح خاندان ایک وحدت ہے، قوم ایک وحدت ہے، ملک وحدت ہے، روئے زمین کا مجموعی وجود ایک وحدت ہے، اور روئے زمین کے تمام انسانوں کی ہستی ایک وحدت ہے۔

عالمگیر وحدت اور اجتماع کا یہی وہ قانون ہے جس کی بنیاد پر اُمت کی تنظیم عمل میں آتی ہے۔ قانونِ قرآن میں اُمت کو متعدد ناموں سے یاد کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک نام اسلامی تنظیم کی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ذیل میں وہ تمام نام درج کیے جاتے ہیں جن کا قرآن کے قانونِ مبین میں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ **اُمت واحدہ**: قرآنِ عظیم اسلامی سوسائٹی کے اصلی، فطری اور ابتدائی نظم کو

---

[1] قرآن عظیم (خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ الاعراف) [2] (مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ) قرآن کی اس آیت سے اشارۃً یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ دیکھو سورۂ لقمان۔

[3] نظام العالم والامم علامہ جوہری ج ۲ ص ۴، ۳ (رحمانیہ مصر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اُمتِ واحدہ" کا نام دیتا ہے[1]۔ قرآن اس واحد نظریہ کا واحد موجد اور داعی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق اس دنیا کے تمام انسان قوم واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن جغرافیائی حدود کی بنا پر قوم کی تشکیل کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور بہت سی قوموں کے علیحدہ علیحدہ وجود کو تسلیم کر کے بین الاقوامی وفاق قائم کرنے کا حامی نہیں ہے بلکہ خدائے واحد کی پیدا کی ہوئی دنیا کو انسانیت کا وطنِ اکبر قرار دیتا ہے اور تمام انسانوں کو قومِ واحد کی صورت میں خدا کے حکم پر متحد دیکھنا چاہتا ہے۔ زیادہ واضح الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت اپنے وحدانی اختیار کے لیے تمام دنیا کو ایک قوم دیکھنا چاہتی ہے۔ اگرچہ انسانیت حق و باطل کے جُدا جُدا محاذوں پر ہزاروں قوموں کی شکل میں نظر آ رہی ہے تو یہ قرآن کے ضابطہ کے خلاف ہے (وما کان النَّاسُ اِلَّا اُمَّۃً واحدۃً فاختلفوا) تمام انسان ایک ہی قوم ہیں بعد میں علیحدہ علیحدہ ہو گئے ہیں[2]۔ قرآن پیغمبروں کو ہدایت کرتا ہے۔ پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ کام اچھے سے اچھا کرو اس موقع پر خداوند عالم اپنے پیغمبروں سے کہتا ہے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ یہ تمہارے اجتماعی نظام کے تمام ارکان اُمتِ واحدہ ہیں اور میں تمہارا پروردگار اور فرمانروا ہوں۔ انسان نے ایک عرصہ کے بعد آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اپنا کام الگ الگ کر لیا۔ اب ہر فرقہ (پارٹی) اپنے نظریات اور رجحانات میں مگن ہے۔ (اے پیغمبر) ان فرقوں (قوموں اور پارٹیوں) کو ان کی غفلت اور بیہوشی میں غرق ہونے کے لیے چھوڑ دیجیے، ایک مقررہ وقت تک[3]۔

اس کے علاوہ اسلامی حکومت کا نظام قومیتوں کی منتشر تنظیمات کی جگہ النّاس کے لفظ سے انسانیتِ عامہ سے اپنے تعلق کو ظاہر کرتا ہے[4]۔ اور قوم کی جگہ اُمت کو اور اُمت کی جگہ

---

[1] قرآن عظیم (یعتذرون۔ یونس) مترجمہ شیخ الہند ص ۲۷۱۔ [2] المومنون ۲۳
[3] یہ فرمانِ الٰہی کا حقیقی مفہوم ہے۔ دیکھو ترجمہ شیخ الہند پ۱۸ المومنون ۲۳۔ ص ۴۴۸ تفصیل کے لیے دیکھو بحر المحیط ابوحیان اندلسی ۷۵۴ھ ج۵ ص ۲۳۱ و ۵۲۳، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵، ۵۲۴ و ۵۸۵۔
[4] (یا ایہا الناس) ھو خطاب لجمیع العالم۔ بحر المحیط ج ۵ ص ۱۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امتِ واحدہ کو اپنے نظم و تنظیم کا منتہا تصور کرتا ہے۔

(ب) **اُمت مسلمہ**: خدائے واحد کی حکمبردار قوم جس میں دنیا کے ہر حصہ اور ہر نسل کے انسان برابری اور بھائی چارہ کے اصول پر جمع ہوں۔ جو اپنی شیرازہ بندی کے لحاظ سے جسمِ واحد[۱] کی مانند ہوں اور خدا کے حکم سے انسانیتِ عامہ کی بہتری کا کام انجام دیں[۲]۔ یہ لوگ اپنی عالمگیر اور خود شناس قومیت کے دائرہ میں نحن لہ مسلمون کا نعرہ بلند کرتے ہیں[۳]، جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم ایک خدا کے حکمبردار۔ اس کے علاوہ کسی کے حقِ حکمبرداری کو تسلیم نہیں کرتے۔

اُمتِ مسلمہ کی تکوین کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی جو صدیوں تک سیپ موتی کی طرح ابر نیساں کا انتظار کرتی رہی۔ آخر اسلام کے ظہور کا زمانہ آیا اور اُمتِ محمدیہ قوموں اور ملتوں کے ہم آہنگ وحدانی نظام کی صورت میں مذہب و حکومت کی بساط پر آموجود ہوئی۔

(ج) ملتِ ابراہیم: اُمتِ مسلمہ اپنی اصل اجتماعی تنظیم کے لحاظ سے ملتِ[۴] ابراہیم کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی یہ حیثیت ایک برتر حکم "فاتبعوا ملۃ ابراھیم" کے ماتحت اور اساسی قانون کے تابع ہے۔ اسلامی نظم کا یہی وہ رُخ ہے جس نے ہزارہا سال پہلے اپنے تنظیمی رجحان کو ظاہر کر دیا تھا اور یہی وہ مذہبی شیرازہ بندی تھی جس نے بعد کی بے نظیر تنظیمات کی طرف اشارہ کر کے ایک اُمتِ عظمیٰ کی داغ بیل ڈالی[۵]۔

حضرت ابراہیم نے اسلامی معاشرہ کے ہیرو (امام) کی حیثیت سے خداوند عالم سے

---

[۱] بخاری (فتح الباری) ج ۱۰ ص ۳۶۰ (کتاب البر والصلۃ) عن نعمان بن بشیر۔ المومنین کمثل الجسد الخ
[۲] بحر المحیط ابو حیان اندلسی ج ۱ ص ۲۷۲ - ۳۸۸ روح المعانی ج ۱ ص ۳۴۵ [۳] حوالۂ بالا ص ۳۰۹۔
[۴] روح المعانی ج ۱ ص ۳۵۲ [۵] قرآن عظیم سورۂ بقرہ (بل ملۃ ابراھیم) سورۂ آل عمران فاتبعوا ملۃ ابرٰھیم سورۂ انعام (دیناً قیماً ملۃ ابرٰھیم) سورۂ نحل (ان اتبع ملۃ ابرٰھیم) سورۂ حج (ملۃ ابیکم ابراھیم)
[۵] روح المعانی آلوسی ج ۱ ص ۳۵۲ ج ۴ ص ۴۔ بحر المحیط ابو حیان اندلسی ج ۱ ص ۳۰۶۔ تعریفات شریف (باب الدال) ص ۷۳۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱ ص ۲۵ "ابراہیم"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چار چیزوں کی آرزو تھی (۱) شہر امن - جو تمام دنیا کے لیے مرکز امن و امان ہو (۲) پُرثمر زندگی جو تمام شہریوں کے لیے عام ہو (۳) امت مسلمہ - ایک قوم جو ہمیشہ خدا کی حکمبردار رہے (۴) ایک رسول معلم قانون و سیاست اور رہنمائے مذہب و اخلاق - یہ دعائیں بارگاہِ عرش تک پہنچیں اور درجۂ قبول پر فائز ہو کر رہیں - جب اُمت مسلمہ کی تشکیل عمل میں آگئی اور قرآن نازل ہوا تو اس نے یہ آخری اعلان بھی کر دیا "ملت ابراہیم میں داخل ہونے سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو علم و آگاہی سے محروم ہو اور فی نفسہ بیوقوف ہو"[1]

اُمت وسطیٰ اسلامی حکومت کے دائرہ میں جو لوگ فرمانبردار انسانوں کی حیثیت سے متحد ہو کر اپنی قومی تصویر بناتے ہیں، ان کو ایک خاص فرمان کی رو سے اُمت وسطیٰ کا نام دیا گیا ہے۔[2] اس نام کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اُمت اسلامیہ اپنی صحیح اور سچی حیثیت میں عدل و اعتدال کے اعتبار سے ترازو کے کانٹے کی طرح درمیان میں ہے اور متوازن خوبیوں کی مالک ہے۔

اُمتِ اسلامیہ کا ظہور مشرق و مغرب کے درمیان ہوا۔ اس کا نام اُمۃ مسلمہ اس لیے ہے کہ وہ ماضی و حال کے درمیان تمام قوموں سے اچھی قوم ہے۔

ایشیا افریقہ اور یورپ کے وسط میں ہے۔ دنیا کی قوموں میں اخلاق کاملہ پر فائز ہے یہود کی طرح تجاوز کار نہیں اور انجیل پر ایمان رکھنے والوں کی طرح ایک کے بعد دوسرا چپت کھانے کے لیے تیار نہیں۔

قرآن کے قانون کے مطابق اُمۃ وسطیٰ ایک ایسی اچھی اور سچی تنظیم ہے جس کا ہر فرد اس حقیقت پر گواہ ہو کہ خدا نے دنیا کی بہتری کے لیے مذہب کے اعلیٰ اصول اور مملکت کے مفید قوانین انسانیت عامہ کے ہاتھ میں دیے، مگر ان میں سے بہت سے انسانوں نے اپنی بہتری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا[3]

[1] قرآن عظیم پ ۱، البقرہ [2] قرآن عظیم۔ وکذلک جعلنٰکم اُمۃً وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس الخ پ ۲ البقرہ [3] تفصیل کے لیے دیکھو بحر المحیط ابو حیان اندلسی ج ۱ ص ۴۲۱-۴۲۲ - روح المعانی آلوسی ج ۲ ص ۵-۶

www.KitaboSunnat.com

تہذیب وتمدن کی طرف سے زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ اس کا رجحان غرور و پندار کی طرف نہیں ہے بلکہ انسانی تعامل کے پاکیزہ واجبات پر مشتمل ہے۔

اسلام کے قانون میں نظامِ اجتماعی کا مرتبہ۔

اسلام کی نظر میں انسان "معیار احسن" پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کی تخلیق اصل فطرت پر ہوئی ہے۔ ہر انسان کی ایک فطرت ہے اور ہر انسان کا نفس اپنی بصیرت پر کام کرتا ہے جس طرح دوسرے معاملات میں انسان کی فطرت کام کرتی ہے اسی طرح اجتماعیات میں بھی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اسلام انسانی فطرت کے اس اجتماعی رجحان کو تسلیم کرتا ہے اور اس کو دین کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔

دین، ملت اور امت درحقیقت ایک ہی حقیقت کے تین نام ہیں۔ تینوں میں اجتماعی نظم کا مفہوم موجود ہے اور تینوں میں اصل کے اعتبار سے یکسانیت ہے۔ اگر کچھ فرق ہے تو ان کے یکجا ہونے سے ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ فرق صرف اعتباری ہے۔

اسلام کے اجتماعی نظام کو دین سے کیا تعلق ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے دین کی لفظی تحقیق کافی ہے۔

امام راغب اصفہانی صاف طور پر لکھتے ہیں: الدین کالملۃ (دین اور ملت دونوں مماثل ہیں) علامہ سید شریف یہ تصریح کرتے ہیں کہ دین اور ملت اصلاً ایک ہیں دین میں اطاعت کا مفہوم ہے اور ملت میں اجتماع کا۔ ظاہر ہے کہ اجتماعی زندگی میں بھی اطاعت ہی کا عنصر جوہر کی طرح کام کرتا ہے[1]۔

دین کا تعلق خدا کے پیغمبروں سے ہمیشہ رہا ہے۔ آغازِ تخلیق سے لے کر اب تک اس لفظ پر انبیاء کی سرگرمیاں موقوف رہی ہیں اور یہ امر سب جانتے ہیں کہ انبیاء خدا کی قائم کردہ اجتماعی تنظیمات کے قائد اور امام تھے۔

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ہم تمام پیغمبر علاتی بھائیوں کی جماعت کے

---

[1] مفردات القرآن امام راغب اصفہانی (دان) ج ۲ ص ۲۶۔ تعریفات سید شریف (الدین والملۃ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تہذیب وتمدن کی طرف سے زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ اس کا رجحان غرور و پندار کی طرف نہیں ہے بلکہ انسانی تعامل کے پاکیزہ واجبات پر مشتمل ہے۔

اسلام کے قانون میں نظامِ اجتماعی کا مرتبہ۔

اسلام کی نظر میں انسان "معیار احسن" پہ پیدا کیا گیا ہے اور اس کی تخلیق اصل فطرت پر ہوئی ہے۔ ہر انسان کی ایک فطرت ہے اور ہر انسان کا نفس اپنی بصیرت پر کام کرتا ہے جس طرح دوسرے معاملات میں انسان کی فطرت کام کرتی ہے اسی طرح اجتماعیات میں بھی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اسلام انسانی فطرت کے اس اجتماعی رجحان کو تسلیم کرتا ہے اور اس کو دین کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔

دین، ملت اور امت درحقیقت ایک ہی حقیقت کے تین نام ہیں۔ تینوں میں اجتماعی نظم کا مفہوم موجود ہے اور تینوں میں اصل کے اعتبار سے یکسانیت ہے۔ اگر کچھ فرق ہے تو ان کے یکجا ہونے سے ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ فرق صرف اعتباری ہے۔

اسلام کے اجتماعی نظام کو دین سے کیا تعلق ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے دین کی لفظی تحقیق کافی ہے۔

امام راغب اصفہانی صاف طور پر لکھتے ہیں: الدین کالملۃ (دین اور ملت دونوں مماثل ہیں) علامہ سید شریف یہ تصریح کرتے ہیں کہ دین اور ملت اصلاً ایک ہیں دین میں اطاعت کا مفہوم ہے اور ملت میں اجتماع کا۔ ظاہر ہے کہ اجتماعی زندگی میں بھی اطاعت ہی کا عنصر جوہر کی طرح کام کرتا ہے[1]۔

دین کا تعلق خدا کے پیغمبروں سے ہمیشہ رہا ہے۔ آغازِ تخلیق سے لے کر اب تک اس لفظ پر انبیاء کی سرگرمیاں موقوف رہی ہیں اور یہ امر سب جانتے ہیں کہ انبیاء خدا کی قائم کردہ اجتماعی تنظیمات کے قائد اور امام تھے۔

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ہم تمام پیغمبر علاتی بھائیوں کی جماعت کے

---

[1] مفردات القرآن امام راغب اصفہانی (دان) ج ۲ ص ۲۶۔ تعریفات سید شریف (الدین والملۃ ۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مانند ہیں، اور ہمارا دین ایک ہے[1]" قرآن اسلام کی ہیئتِ اجتماعی کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ مشہور و ممتاز پیغمبروں کا جو قانون ہے وہی تمہارے لیے ہے۔ قانون کیا ہے۔؟ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا۔ یہ کہ دین کو استوار و قائم کرو اور تفریق کو قبول نہ کرو۔ اس کے بعد دوبارہ تاکید ہے (وما تفرقوا) نظامِ اجتماعی کو پارہ پارہ نہ ہونے دو۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ) اسی نظریہ کی تائید میں لکھتے ہیں "اوصی اللہ تعالیٰ جمیع الانبیاء بالائتلاف والجماعۃ ونھاھم عن الاختلاف والافتراق" (خدا کی طرف سے انبیاء کو یہ ہدایت رہی ہے کہ وہ منظم رہیں، ایک جماعت کی صورت میں رہیں اور اختلاف و افتراق سے دور رہیں۔ امام ابوبکر جصاص حنفی (۳۷۰ھ) تصریح کرتے ہیں کہ اجتماع کے لیے خدا کا حکم ہے اور تفرقہ ممنوع ہے[2]۔

یہی وہ ہدایت ہے جو اسلام کے اجتماعی میلان کے لیے اساس کا درجہ رکھتی ہے انسانی عقل کی خود فریبی سے اجتماعی فطرت کو اپنے ذہنِ غلط کار کی خلاقی سمجھتا ہے حالانکہ یہ خدا اور اس کے پیغمبروں کا عطیہ ہے جو اس دنیا میں حقیقی نظم کو قوت دینے کے لیے عطا ہوا ہے[3]۔

سب سے پہلا حکم جس پر اسلام کی اجتماعی فطرت کا مدار ہے۔ قرآن کی یہ عظیم الشان آیت ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا[4] (سب مجتمع ہو کر اللہ کے حکم پر جمع ہو جاؤ اور جماعت کے نظم کو متفرق نہ ہونے دو"

حافظ عماد الدین ابن کثیر اس حکم کے اجتماعی رجحان کو ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں امرھم بالجماعۃ ونھاھم عن التفرق[5] (افرادِ اُمت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ جماعت کی

---

[1] حدیث نحن معشر الانبیاء اولاد علاتٍ دیننا واحد (مشکوٰۃ المصابیح (باب ذکر الانبیاء)

[2] احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳ و ۳۵ (ھو امر باجتماع ونھی عن الفرقۃ)

[3] مندرجۂ بالا مباحث کے لیے دیکھو تفسیر قرآن العظیم ابن کثیر ج ۴ ص ۱۰۹، تائید مزید کے لیے دیکھو۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ قرآن ۴ آل عمران موضح القرآن ص ۶۶

[4] [5] تفسیر قرآن العظیم ج ۱ ص ۳۸۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت میں منظم رہیں اور غیر منظم ہو کر رہنا گوارا نہ کریں) شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی اس آیت کی بنا پر جماعت کے قیام کو فرض قرار دیتے ہیں[1]

سورۂ انعام کے آخر میں خداوند عظیم نے قوت کے ساتھ یہ حکم دیا: "وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ" (مقررہ سیدھی سچی راہ سے علیحدہ ہو کر مختلف اور متفرق راستے نہ اختیار کرو۔ یہ راستے تم کو پارہ پارہ کر کے اصل راہِ حق سے جدا کر دینگے)

قرآن نے اسی مرحلہ پر یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ دین اجتماعی نظم کا طالب ہے اور جو افراد اس نظم سے علیحدہ ہو جاتے ہیں وہ جماعت کے فرد نہیں رہتے۔ ایسے لوگوں سے مرکز کو کوئی سروکار نہیں[2] قرآن اسی اجتماعی نظم کو دین قیم قرار دیتا ہے۔ اسی جگہ خدا کی فرمانروائی کا اعلان کرتا ہے اور روئے زمین کی حکومت کا تذکرہ کرتا ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دین کو نظامِ اجتماعی سے اور نظامِ اجتماعی کو حکومت سے کس درجہ تعلق ہے[3]۔ قرآن حکیم کا یہی وہ تصور ہے جس کے بعد کوئی مسلمان دین کے اجتماعی مفہوم کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتا[4]۔

قرآن قانونِ الٰہی ہے، اس کے بعد پیغمبر اعظم کے فرامین کا درجہ ہے جن کو عرفِ عام میں حدیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور اکرم نے قرآن کے حکم کے مطابق اجتماعی نظم کی بنیاد معاشرۂ اخوت پر رکھی انما المومنون اخوۃ کے اصول کو زندہ کیا[5] اور تمام دنیا کو بتایا کہ انسان کسی منطقہ کے رہنے والے ہوں کسی نسل سے ہوں اسلامی نظام کے دائرہ میں بھائی بھائی ہیں۔ بھائی چارہ کا یہ تخیل قدیم تخیل سے جداگانہ اور بلند تھا۔ کیونکہ عمل کے میدان میں

---

[1] موضح القرآن شاہ عبدالقادر صاحبؒ پ۴ آل عمران ع ۱۱ ص ۶۶ حمائل طبع بلالی ۱۳۱۸ھ

[2] إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (پ۸ الانعام ص ۱۹۳ شیخ الہند) مفہوم: جو افراد منتشر ہو گئے اپنے دینی نظام سے اور علیحدہ علیحدہ پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں

[3] دین اور حکومت کے قانونی تعلق کے لیے آیت ذیل ملاحظہ فرمائیے: فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ (پ۳۰ سورۂ علق)

[4] قرآن عظیم تفصیل کے لیے سورۂ انعام کے دو آخری رکوع تلاوت کیجیے۔

[5] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۱۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیا کے مختلف انسانوں نے پہلی مرتبہ برادرانہ تعامل، ہمکاری اور حقوق کی یکسانیت کا منظر دیکھا۔

امت کے ایک فرد نے ایک مرتبہ اُمت کے اجتماعی مستقبل کے متعلق سوال کیا، آنحضرتؐ نے اس کو حکم دیا، حکم کے الفاظ یہ تھے: تلزم جماعۃ المسلمین (مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ باہم بستہ و پیوستہ رہنا اور اسلامی حکومت کے قائد و امام سے ربطِ محکم واستوار رکھنا۔ یہ حکم تمام اُمت کے لیے اجتماعی فرمان کا حکم رکھتا ہے اور افراد کے لیے ایک قانون ہے۔

اس حدیث میں مندرجہ تفصیل اہم ہدایتوں پر مبنی ہے۔ حذیفہ ابن الیمان کا بیان ہے کہ مجلسِ نبوی میں عام طور پر امن، ایمان، اصلاح حال کے متعلق سوال کیے جاتے تھے، ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ اگر اس بہتر دور کے بعد خراب دور آجائے تو کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے حکم دیا گیا، اگر ایسا دور آئے تو اسلام کے اجتماعی نظام اور اس کے امام کا ساتھ دینا، اور اگر وہ موجود نہ ہو تو مخالفتوں کے ہنگاموں اور پارٹیوں سے علیحدہ رہنا یہاں تک کہ زندگی ختم ہو جائے[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ایک حدیث کے ضمن میں علمار قانون کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت کا یہ فرمان اجتماعی زندگی کو لازمۂ حیات اور واجب قرار دیتا ہے۔ جماعتی نظم کی پابندی لازمی ولابدی ہے جو اس کے خلاف عمل کریگا وہ جماعت سے کٹ جائیگا[2]۔

اجتماعی نظم کا یہی وہ احساس ہے جس کی بنا پر حضرت عمرؓ نے جابیہ کے خطاب عام میں یہ الفاظ فرمائے: علیکم بالجماعۃ[3] "تم سب اپنے اجتماعی نظم اور شیرازۂ نظام کے اندر مجتمع رہو تفرقہ سے علیحدہ رہو۔ شیطان ایک فرد کے ساتھ رہتا ہے اور جماعت سے دور بھاگتا ہے، جو شخص جنت کی لطیف ہوا چاہتا ہے اس کو جماعتی نظام کے اندر رہنا چاہیے"۔

---

[1] باب کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ صحیح البخاری (فتح الباری) ج ۱۳ ص ۲۹-۳۰ [2] باب قول النبی ستروں بعدی اموراً) صحیح البخاری (فتح الباری) ابن حجر عسقلانی ج ۳ ص ۵ طبع البہیہ مصر [3] حوالہ بالا ص ۳۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتماعی نظام کی اہمیت کا اندازہ ایک اور واقعہ سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کا قتل تاریخِ اسلام کا دردناک حادثہ ہے۔ اس حادثہ کے بعد حضرت ابو مسعودؓ سے کسی نے دریافت کیا اب کیا چارۂ کار ہے؟ اُنھوں نے بے تکلف جواب دیا: علیك بالجماعة فان الله لم یکن لیجمع امة محمد علی ضلالة[1] (جماعت کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ اُمت محمدؐ کسی غلطیات پر جمع نہیں ہو سکتی)

ہم مسلمانوں میں سے اکثر اس امر کو جانتے ہیں کہ اسلام ایک مذہب ہے، لیکن اُمت کی اکثریت نے اس بات کو ذہن سے نکال دیا ہے کہ اسلام ایک نظام بھی ہے۔ یہ بات بدقسمتی کا سیاہ پردہ ہے جس کو باخبری کے ہاتھ سے دور کر دینا چاہیے۔ ہمارے لیے صدیق اکبرؓ کا زمانہ زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ بعض تازہ دم مسلمان اسلامی نظام سے علیحدہ ہو گئے۔ صدیق اکبرؓ نے اسلامی فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی حضرت علیؓ ساتھ تھے، انھوں نے سواری کی باگ روک کر امیر المومنین سے خطاب کیا: "ہمیں اپنی جان کا صدمہ نہ دیجیے اور مدینہ واپس چلیے۔ والله لئن فجعنا بك لا یکون للاسلام نظاما ابدا"[2] (اللہ کی قسم اگر آپ کی جان چلی گئی اور ہمیں یہ صدمہ پہنچا تو اسلام کا نظام کبھی اور کسی طرح قائم نہ ہو سکیگا) حضرت علیؓ کا یہ اضطراب خود ساختہ نہ تھا بلکہ اس یادگار بےچینی کا نمونہ تھا جس کا اظہار بدر کے محاذ پر پیغمبر اعظمؐ کی زبان سے ہو چکا تھا۔ اس وقت جبکہ شدید جنگ جاری تھی آنحضرتؐ ان الفاظ میں خدا سے مخاطب تھے "اللّٰھم ان تھلك ھذہ العصابة لا تعبد"[3] (خداوندا! اگر یہ جماعت اور نظام برباد ہو گیا تو تیری عبادت اور حکمبرداری کے لیے کوئی نہ رہیگا"

اسلام کو نظمِ اجتماعی سے جس درجہ تعلق ہے، اس کا اظہار عبادات تک میں ہوتا ہے۔ کوئی عبادت جو فرض ہو اجتماع کے بغیر صورتِ تکمیل حاصل نہیں کرتی۔ نماز اسلام کا رکن ہے۔

---

[1] فتح الباری کیف الامر اذ لم یکن جماعة ج ۱۳ ص ۳۰۔۳۱ [2] تاریخ البدایة والنہایة ابن کثیر ج ۶ ص ۳۱۵ دارقطنی عن ابن عمر [3] اُسد الغابہ فی احوال الصحابہ (الصدیق) ج ۱ ص ۲۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع میں اس کے متعلق الصلوٰۃ جامعۃ فرمایا[1]۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ نماز اجتماع کو بروئے کار لانے والی ہے۔ ہر نظامِ اجتماعی کے لیے دلوں کا جمع ہونا ضروری ہے، نماز اس کا ایک ذریعہ ہے اس میں صف بندی ضروری ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم ہے، صفوں کو برابر کرو کیونکہ صفوں کو برابر کرنے سے دل ایک صف میں آجاتے ہیں[2]۔

عہدِ فاروقی میں نماز کی اجتماعی قوت سے حکومت کے نظامِ اجتماعی کو مستحکم کیا گیا۔ اس زمانہ میں اسلامی حکومت فارس کی جابر شہنشاہیت کے مقابلہ میں صف آرا تھی مثنیٰ ابن الحارثہ نے محاذ سے یزدگرد کے تخت نشین ہونے کی خبر دی، اس دفت کو فوج کشی کے لیے موزوں سمجھا گیا، فاروق اعظمؓ کے حکم سے افواج مدینہ کے باہر پہنچ گئیں کسی کو معلوم نہ تھا مہم کا مرکز کدھر ہے۔ حضرتِ عثمانؓ نے دریافت کیا: امیر المومنین! کیا کوئی خبر کہیں سے وصول ہوئی ہے؟ امیر المومنین نے اس کے جواب میں فرمایا نماز کا اجتماع منعقد کیا جائے۔ تمام مسلمان اپنے امیر کے گرد جمع ہو گئے۔ قائدِ حکومت نے مجمع عام کو صورتِ حال سے مطلع کیا، شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور شوریٰ کے بعد سپہ سالاروں کی کمان میں فوجی مہم بھیجی گئی[3]۔

عبادتوں میں اسی قسم کے اجتماعی تعامل کا ہونا اسلام کے نظمِ اجتماعی کی آخری دلیل ہے۔ جس کے بعد کوئی مخالف دلیل قبول نہیں کی جا سکتی۔

اُمتِ اسلامیہ کی تاریخی تشکیل

حکومت کی تشکیل ایک منظم قوم کی تشکیل پر منحصر ہے۔ دنیا میں حکومت قائم کر لینا آسان ہے، لیکن ایک قوم کا بنانا مشکل ہے اور ایک بڑی قوم کا بنانا اور بھی دشوار ہے۔

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۲۰۹ (ابن ماجہ عن البراء بن عازب) [2] مسلم عن ابی مسعود الانصاری "استووا ولا تختلفوا الخ" دیکھو مشکوٰۃ باب تسویۃ الصفوف [3] الفخری فی اداب السلطانیہ ابن الطقطقی ص ۵۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے ظہور کے بعد اُمتِ مسلمہ کا ظہور قدرتی بات تھی لیکن اس مقصد کے پورا ہونے میں جن اہم طریقوں سے کام لیا گیا ہے وہ بھی قدرت کے منشا کے مطابق ہے۔

دنیا میں اُمتِ اسلامیہ کے ظہور کا فلسفہ ایک قدرتی عمل پر منحصر ہے۔ فرد، اُمت، حکومت یہ تین عناصر ہیں جو تعلق کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ اسلامی نظام میں سب سے پہلی شئے فرد ہے۔ پہلے ایک فرد پیدا ہوتا ہے۔ فرد اُمت کو بناتا ہے، اُمت حکومت قائم کرتی ہے جس کا نام ریاستِ عامہ ہے

نظم و تنظیم کا یہ عجیب و غریب سلسلہ ایک دور کی شکل میں باقی رہتا ہے۔ فرد اُمت کو بناتا ہے۔ اُمت اپنے اندر سے بہترین فرد کو پیدا کرتی ہے۔ پھر فرد بہترین اُمت کو بناتا ہے۔ اور بہترین اُمت بہترین فرد کو پیدا کرتی ہے۔ یہ دور جب تک قانونی روایات کے مطابق جاری رہیگا، اسلام کا نظام اپنی داخلی قوت اور بیرونی دباؤ کو جاری رکھیگا اور جب کسی عنصر میں کوئی کمزوری پیدا ہو جائیگی تو نظام اُسی حد تک کمزور ہو جائیگا۔

آنحضرتؐ فرد تھے، آپ نے اُمت کو بنایا، اُمت نے اپنے اندر سے صدیق اکبرؓ کو پیش کیا، پھر صدیق اکبرؓ نے اُمت کو بنایا، اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ اُمتِ مسلمہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ منظرِ عام پر آگئی۔ یہاں یہ امر بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ اُمتِ اسلامیہ کا اجتماعی نظم تاریخ عالم کے تمام نظاموں کے مقابلہ میں جداگانہ طرز پر ہوا ہے۔ فرد سے قبیلہ کا ظہور، اور قبائل کی ترکیب سے ایک قوم کا ظہور ہمیشہ ایک خود کار اجتماعی مصلح کے ماتحت ہوتا ہے، لیکن پیغمبرِ اعظمؐ کا ظہور منجانب اللہ ہوا۔

تنظیمِ اُمت کے سیاسی مرحلے | آنحضرتؐ کی عمرِ مبارک چالیس منزلیں طے کر چکی تھی۔ نوشیروان عادل کے پوتے کسریٰ پرویز کی حکومت کا بیسواں سال تھا۔ حیرہ میں ایران کا وائسرائے ایاس بن قبیصہ حکمرانی کر رہا تھا۔ رمضان کی ۱۷ تاریخ تھی کہ اُمتِ اسلامیہ کی تنظیم کا کام شروع ہوا۔ توحید کا عقیدہ وہ پہلا قانون تھا جس پر ربانی قوم کی تعمیر و تنظیم کا کام شروع ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے تنظیم اُمت کا کام شروع کیا اور اس کو معراج تکمیل تک پہنچایا۔ اس مقصد کو اپنی کامیابی کے لیے جن سیاسی منزلوں سے گزرنا پڑا وہ حسب ذیل تھیں:۔

۱۔ گھریلو معاشرہ | پیغمبر اعظم نے خدا کے حکم سے اپنے گھر کے افراد کو حلقۂ اُمت میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ گھر کے افراد میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اس دعوت کو قبول کیا اور ایک وزیر کی طرح آپ کے لیے قوتِ بازو بن گئیں[۱]۔ اس طرح گھر کے معاشرہ سے اسلامی معاشرہ کی تشکیل شروع ہوئی۔

۲۔ خاندانی معاشرہ | آنحضرت نے خاندان کے افراد کو بار بار جمع کیا۔ ایک مرتبہ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے نمائندوں کو دسترخوان پر جمع کیا اور ان کو بتایا کہ میں دین و دنیا کی بہتری کا نصب العین لے کر آیا ہوں[۲]۔

ایک اور موقع پر بنی عبد المطلب اور عبد مناف کے پینتالیس نمائندوں کا جلسہ طلب کیا جو بے نتیجہ رہا اس کے بعد دوسرا اجتماع منعقد فرمایا جس میں اعلان کیا کہ میں انسانیت عامہ کے لیے خدا کی طرف سے نمائندہ ہوں۔ یہ خاندانی معاشرہ کے لیے اہم سعی تھی جس کے نتیجہ میں صدیق اکبرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ، حضرت بلالؓ اسلام لائے۔

۳۔ شہری معاشرہ | خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر مکہ کے شہریوں کو جمع کیا اور اپنے مقصد کی صداقت سے آگاہ کیا، صورتِ حال سنگین ہوگئی، آخری سہارا بھی کمزور ہوگیا مگر آپ نے فرمایا "اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے میرے لیے اس نصب العین سے دست بردار ہونا ناممکن ہے جس کے لیے میں مامور ہوں"۔ یہ وہ سعی جمیل تھی جس کی قوت نے عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن وقاصؓ ایسے بلند پایہ انسانوں کو اسلامی نظام سے وابستہ کردیا۔ اب معشر قریش کے مقابلہ میں معشر

۱؎ سیرۃ ابن ہشام ص ۱۴۰ ۲؎ الضاً ص ۱۵۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمین کا قیام عمل میں آگیا۔ رفتہ رفتہ یہی جماعت دہائیوں تک پہنچ گئی[1] جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی (اسلامی تاریخ میں معاشرہ (سوسائٹی) کے لیے معشر کا لفظ آتا ہے)

۴۔ خفیہ معاشرہ | آنحضرتؐ نے دارالندوہ کے مقابلہ میں دارالارقم کو اسلامی سیاست اور اُمتِ مسلمہ کا مرکز بنایا۔ یہ مکان ارقم بن ابی ارقم کے نام سے منسوب تھا اب اس کا نام دارالاسلام (ایوان حکمبرداری)، رکھا گیا۔ دارارقم نے مسلمانوں کے خفیہ دینی نظام کے لیے مرکز کی حیثیت اختیار کرلی۔ تاریخ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اُمت کی تکوین کے تین سال خفیہ جد وجہد پر مشتمل تھے[2]۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کا اجتماع پہاڑوں کے دامنوں میں ہوتا تھا۔

۵۔ عالمگیر سیاسی معاشرہ | پیغمبر اعظمؐ نے مذکورہ منزلوں کو طے کرنے کے بعد خدا کے حکم سے اُمت کے عام سیاسی معاشرہ کے لیے عام مہم شروع کی۔ عکاظ، ذی المجاز، یعینہ کے سالانہ بازار اور نمائشیں، اس مہم کا ذریعہ قرار دی گئیں۔ یہاں سادہ مزاج عرب میلوں کا سفر کر کے پہنچتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے اجتماع سے مقصد کو پوری طرح قوت دی۔ آپ نے ذی المجاز کے بھرے اجتماع میں انسانیتِ عامہ کو ان الفاظ میں خطاب کیا۔

"انسانو! توحید کو قبول کرو، اسی میں عام انسانی بہتری کا پروگرام موجود ہے"

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب خدا کا فرمان آیا اور کھلی ہوئی جدوجہد شروع ہوگئی تو حضور اکرمؐ ہر فرد ہر جماعت، ہر قبیلہ، ہر طبقہ، اور ہر مجلس میں تشریف لے گئے اور ہر انسان کو توحید کے مقصدِ وحید پر جمع ہونے کی دعوت دی[3]۔ آخر کار ہجرتِ مدینہ کے بعد اُمت کی شیرازہ بندی کا کام اتنا نمایاں ہوگیا کہ مشرق ومغرب کے رہنے والے اُس سے آشنا ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے اس مقصد کے لیے عالمگیر کوشش شروع کی اور اس کا مرکز عرب کو بنایا قبائل کے سرداروں کے پاس نمائندے بھیجے، نقیب مقرر کیے۔ تاجدارانِ عالم کے پاس

[1] روض الانف سہیلی ج ۱ ص ۱۶۳۔۱۶۸۔ [2] تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۶۔ تاریخ ابن کثیر ج ۱، ص ۲۴۔ ج ۳ ص ۴۔ [3] تاریخ ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۔۴۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سفارشیں روانہ کیں۔ خارجی سفارتوں کو مدینہ میں قبول کیا، معاہدے طے فرمائے اور سازشی دشمنوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا، فوجیں منظم کیں اور ان کی رہنمائی مشرق و مغرب کی حدود کی طرف فرمائی۔ اس طرح اجتماعی حکمتِ عملی کے وہ تمام عناصر سامنے آ گئے جن کی بنا پر اُمتِ وسطیٰ کی تشکیل و ترقی عمل میں آئی، اور منظم حکومت نے دنیا کو اپنا چہرۂ زیبا دکھایا۔

پیغمبرِ اعظم کا اجتماعی تعامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا سیاسی تعامل تکوینِ اُمت کی حقیقت پر بہترین گواہ ہے۔ خیر القرون کے فیصلہ کن لمحات اسی مقصد کی تکمیل کے لیے صرف ہوئے۔ آنحضرتؐ کے احکام میں ہر اہم حکم اجتماعی نظام کے قیام، دوام اور استحکام پر مبنی تھا۔ قرآن نے جب کوئی حکم دیا آنحضرتؐ نے قول و عمل سے اس کی تصدیق کر دی اور خلفاء راشدین نے حکمتِ عملی کے میدان میں اُس سے کام لیا۔ یہاں تک کہ وہ ساری دنیا کے لیے نمونہ بن گیا۔

آنحضرتؐ کے مجموعۂ قوانین و ہدایات میں جو بُنیادی احکام موجود ہیں ان میں حکومت کے پانچ ستون ذکر کیے گئے ہیں۔ جن میں سب سے پہلی چیز اجتماعی نظم ہے۔ فرمانِ مبارک کے الفاظ یہ ہیں:۔

میں[1] امیر اور آمر کی حیثیت سے اُمت کے افراد کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں

۱۔ الجماعۃ — اجتماعی نظم کے قیام کا،

۲۔ والسمع — امیر کے حکم کی فرمانبرداری کا،

۳۔ والطاعۃ — حکم کی تعمیل اور اطاعت کا،

۴۔ والہجرۃ — اجتماعی مطمحِ نظر کے لیے وطن سے ہجرت کے اختیار کرنے کا،

۵۔ والجہاد — خدائے واحد کے راستہ میں جہاد کرنے کا۔

آخر میں فرمایا جو فرد جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوگا، اس کی گردن سے فوراً

---

[1] رواہ الترمذی، کتاب الامارۃ (مشکوٰۃ المصابیح۔ ص ۳۲۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رشتۂ اسلام کٹ کر علیحدہ ہو جائیگا۔ اسلام کے بعد جو شخص زمانۂ جاہلیت کی روایات کی طرف رجوع کریگا اُس کا مقام جہنم ہے خواہ وہ روزوں پر روزے رکھے اور نمازوں پر نمازیں پڑھتا رہے"۔

یہ حدیث قرآن کے واضح احکام کی صاف تفسیر ہے۔ اس سے ان مسلمانوں کو اپنا حشر معلوم ہو سکتا ہے جنہوں نے صدیوں سے نمازوں اور روزوں پر قناعت کر رکھی ہے اور فرمان نبوی کی واجب التعمیل ہدایات کی تکمیل سے اپنی جان کو چُرا رکھا ہے۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) قول وعمل کی مطابقت کا نمونۂ احسن تھے اس لیے ہر معاملہ کی طرح جماعت کے قیام کے لیے زبان مبارک سے جو جملے ادا ہوئے تھے اُن کو حکمت عملی کی صورت میں بھی پیش فرمایا۔ حضور اکرمؐ نے تکوین اُمت کے لیے وہ تمام طریقے اختیار فرمائے جو ایک ترقی یافتہ ملی نظم کے لیے ضروری ہو سکتے تھے۔ آپ نے سب سے پہلے دنیا کے سامنے "بنی آدم کی عظمت" کا قانون پیش کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ تمام انسان بحیثیت انسان دارائے عظمت ہیں[1]۔ اس کے بعد تمام نسل انسانی کو قانونِ مساوات سے آگاہ کیا اور فرمایا تمام انسان خدا کی مخلوق اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ قومیں نسلیں اور قبیلے محض اس لیے ہیں تاکہ اُن کو علیحدہ علیحدہ پہچانا جا سکے۔ شرافت وعظمت کا معیار یہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ نکوکاری اور پرہیزگاری ہے۔ ارجمند انسان وہ ہے جو کردار کا اچھا ہے اور نفس انسانی کو بدترین کاموں سے بچا سکتا ہے[2]۔

جب تک آپ کا قیام مکہ میں رہا قرآن نے انسانی سوسائٹی کو اپنا مخاطب بنایا[3]، یہ اس امر کی علامت تھی کہ اسلام کے ملی نظم کا منتہی انسانیت کی تنظیم ہے۔ جب مکہ میں زمانۂ جاہلیت کے لیڈروں نے آپ کی کامیابی کو دشوار سے دشوارتر کر دیا تو تکوینِ اُمت کے

---

[1] قرآن عظیم پ۱۵ سورۂ اسراء رکوع۷ [2] قرآن عظیم پ۲۶ الحجرات ع۲ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ ... اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ [3] بحر المحیط ج ۱ ص ۹۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام کو نئے میدانوں اور نئے اشخاص کی تلاش میں مکہ سے باہر کی دنیا کو دیکھنے کے لیے دوسرے شہروں میں جانا پڑا۔ آنحضرت کی پیغمبرانہ سیاست نے خدا کی مرضی سے ہجرت کا اصول وضع کیا۔ ہجرت کے قانون نے توسیع اُمت کی مہم کو کامیابی کی معراج پر پہنچا دیا۔ پہلے آپ زید بن حارثہ کو لے کر طائف گئے۔ اس مشکل سفر میں ایک کافر سردار مطعم کی حمایت حاصل ہو گئی اس کے بعد آپ کی ہدایت پر رشتہ نبوی اور رشتہ تبلیغی میں دو بار حبش کی طرف ہجرت کی گئی، پہلی مرتبہ گیارہ آدمیوں نے وطن چھوڑا، دوسری مرتبہ بیاسی مسلمانوں نے اپنے تحفظ اور نئی کامیابیوں کے لیے حبش کو اپنا وطن بنایا[۱]۔ آخر میں مدینہ کی ہجرت عمل میں آئی جس کے نتیجہ میں مدینہ اسلام کی ریاست عامہ کا پہلا دارالخلافہ قرار پایا۔ مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار آپ کی ہدایت پر بھائی بھائی ہو گئے اور اس طرح اخوت کا اصول مسلمانوں کی سیاستِ ملی میں داخل ہو گیا۔

جب مدینہ میں مہاجرین و انصار جمع ہو گئے تو پہلی مرتبہ اُمت کی حقیقی تصویر تیار ہو گئی۔ قرآن میں پہلے صرف انسانوں کو خطاب کیا گیا تھا اب اس میں ایماندار انسانوں (مومنوں) کی اجتماعی ہیئت سے بھی خطاب شروع ہو گیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ[۲] (مسلمان حقیقی بھائی ہیں) یہ وہ قانون تھا، جو اسلامی معاشرہ کی روح پر چھا گیا۔ انسانیت کو پہلی مرتبہ حکمت عملی کے میدان میں اس قانون کا تجربہ ہوا [illegible] [illegible] میں فلاح بن آدم [illegible] ہوا تھا۔

آنحضرت نے اُمتِ مسلمہ کی تنظیم کو برقرار رکھنے کے لیے میان [illegible] ہدایات جاری کیں۔ احادیث میں جابجا مسلم [illegible] کی [illegible]

قرآن نے اسلامی سوسائٹی کے برگزیدہ رکن (مومن) کی تعریف [illegible] ہو اور کردار کا اچھا ہو یعنی مومن صالح ہو۔ خواہ مرد ہو یا عورت [illegible] مومن کی مثال ایسی ہے جیسے الرأس من الجسد (دماغ جسم کے نظام میں) اُمت کے

---

[۱] بحر المحیط [۲] بخاری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک فرد کو دوسرے فرد سے جو تعلق ہے۔ آنحضرت نے اس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:

المسلم اخو المسلم[1] (مسلمان مسلمان کا حقیقی بھائی ہے)

آپ نے مسلمانوں کے سیاسی معاشرہ کی وحدت اور اتحاد پر زور دیا، اور فرمایا: "مثل المومنین الخ کمثل جسد واحد الخ" مسلمان اپنی اجتماعی شان اور باہمی تعامل کے اعتبار سے ایسے ہیں جیسے جسمِ واحد۔ اس جسم واحد کے عناصر میں جو ربط وضبط ہے اس کا استحکام معمولی نہیں ہے، بلکہ پوری قوت کے ساتھ بستہ وپیوستہ ہے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں ہوا: "المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً" ایک فرد دوسرے فرد سے مل کر ایسا ہو جاتا ہے جیسے بُنیاد واحد جس کے اجزا ایک دوسرے سے مضبوطی کے ساتھ بستہ ہوتے ہیں۔

چونکہ اُمت کے اجتماعی نظم کا سرِ منشا بنی نوع انسان کی وحدت ہے اور انسانی انتشار میں نسلی تفریقات کو بہت بڑا دخل ہے۔ اس لیے آنحضرت نے اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا۔ آپ نے انسانیتِ عامہ کی مجموعی ہیئت کو خطاب کر کے فرمایا۔ تمہارا خدا ایک ہی، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ تم میں ارجمند وہ ہے جو کردار کا زیادہ اچھا ہو۔

آنحضرت نے اجتماعی نظم کے موجبات پر زور دینے کے ساتھ ان عوامل سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی جن سے اسلامی معاشرہ میں داخلی جنگ، بدنظمی، اختلاف و انتشار اور تقسیم و تفرقہ کی صورتیں پیدا ہوں۔ اجتماعی نظم دو طرح خراب ہو سکتا ہے۔

ا۔ افراد مرکزی نظم حکومت سے جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

ب۔ افراد آپس میں جنگ وپیکار پر کمربستہ ہو جائیں۔

پیغمبرِ اعظم نے دونوں صورتوں کے متعلق ہدایات جاری فرمائیں۔ جماعتی نظم کے قیام

---

[1] صحیح البخاری۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا حکم دیا اور اختلاف کی ہر ایک صورت سے باز رہنے کا حکم جاری فرمایا۔ آپؐ نے اصحابِ کرام سے عہد لیا کہ وہ معاملاتِ حکومت میں حکمبرداری کے ساتھ کام کریں گے اور امیرِ حکومت کے خلاف محاذِ جنگ قائم نہیں کریں گے جب تک کہ وہ اسلام کے قانون کے مطابق امیر رہے اور اس سے کھلا ہوا کفر ظاہر نہیں ہوتا[1]

داخلی جنگ کے وقوع کو روکنے کے لیے قرآن نے مسلمانوں کے نام فرمان صادر کیا "اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں لڑیں تو اُن میں صلح کرادی جائے، اگر ایک جماعت نہ مانے تو تمام مسلمان مل کر اس سے جنگ کریں یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم پر لوٹ آئے۔

آنحضرتؐ نے اس حکم کی تائید میں مسلمانوں کے نام یہ اصولی ہدایت جاری فرمائی "خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو کو تم پر حرام کر دیا ہے[2]۔ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن اُڑانے کے لیے تیار ہو جاؤ" قرآن نے مسلمان کے قاتل مسلمان کی سزا جہنم تجویز کی۔ اس سلسلہ میں بھی آپ نے دو حکم جاری کیے :-

(۱) جو مسلمان مسلمان پر لشکر کشی کرے وہ ہمارے دائرہ اجتماعی سے خارج ہے۔

(۲) اگر دو مسلح مسلمان ایک دوسرے پر حملہ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں کی سزا جہنم ہے۔ کیونکہ دونوں ارادۂ قتل میں برابر کے شریک ہیں۔

آپ نے داخلی جنگ کے موجبات کو روکنے کے لیے بھی احکام جاری کیے۔ اجتماعی نظام کے دائرہ میں جو چیزیں آمادۂ جنگ کرتی ہیں آپ نے ان کو متعین کیا جو یہ ہیں۔ افراد کی باہمی بدگمانی، عیب جوئی، ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی، دو طرفہ بغض و عناد، ایک کے خلاف دوسرے کی مخالفانہ تدبیریں، دیرپا قطع تعلق اور غصہ۔ پیغمبرِ خدا نے ان سب سے منع کیا۔ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ کی جاری کردہ ہدایات درج ذیل ہیں:

۱۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے حملہ سے مسلمان سلامت رہے۔

[1] مشکوٰۃ شریف (متفق علیہ) عن عبادہ بن الصامت۔ کتاب الامارہ ص ۳۱۹ [2] تیسیر الوصول شیبانی ۵ ص ۲۲

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) مسلمان مسلمان کے خلاف بُرا گمان قائم نہ کرے۔ بدگمانی لغو اور جھوٹ ہے۔ آپس میں عیب جوئی نہ کی جائے، باہم حسد نہ کیا جائے۔ بغض کو جائز نہ رکھا جائے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف مخالفانہ تدبیریں نہ کرے۔ سب کے سب خدا کے بندے بن کر رہیں اور بھائی بھائی ہو جائیں۔

(ج) کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ربط وضبط کو منقطع کرے۔

(د) غصہ نہ کیا جائے، بہادر وہ نہیں ہے جو بہادر کو پچھاڑ دے، بلکہ وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر کنٹرول رکھے[1]۔

یہ تھے وہ احکام وقوانین جن کی تعمیل کرنے سے منتشر عرب ایک ایسی اُمتِ عُظمیٰ کی شکل میں جمع ہو گئے جس کی مثال تلاش کیے سے نہیں ملتی۔

---

[1] بخاری (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۲۸) کتاب الادب۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دفعہ ۲، شوریٰ

اسلام کی شوروی حکومت (ریاستِ عامہ) کا قیام و دوام شوریٰ پر موقوف ہے اس کا بننا، باقی رہنا اور قوت و اقتدار کی جولانگاہ میں ترقی کرنا۔ اُمت کی عام رائے۔ اہلِ حل و عقد (مشیرانِ حکومت) کے مشورے۔ جماعت کے خداداد اجتہاد اور شوریٰ کے بحث و مباحثہ پر موقوف ہے۔

شوریٰ اسلامی حکومت کا خاصّہ لازمہ ہے اور امامتِ کبریٰ کے عہدہ کے لیے ایک لابدی وصف ہے جو کبھی اُس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اس حکومت کی صحیح تعبیر کے لیے یہ کہنا قطعاً درست ہوگا کہ شوریٰ حکومت کی جان ہے بلکہ شوریٰ ہی حکومت ہے

قانونی تشریحات و نظائر

اسلامی حکومت اپنے شورٰی میلان اور سچے جمہوری اور پارلیمنٹری رجحان کے لحاظ سے تمام دنیا کے لیے ایک نمونہ اور معیار و منہاج ہے، افلاطون کے زمانے (۴۲۷ ق م) سے لے کر انگلستان میں پارلیمنٹ کے زمانۂ قیام (۱۶۸۸ء) تک زمین کے کسی حصّے میں ایسی عظیم الشان پارلیمنٹ کا پتہ نہیں چلتا جو اسلام کے نظامِ شوریٰ کی طرح سادہ ہو، حقیقی ہو، بے قید ڈکٹیٹرشپ اور بے لگام سرمایہ دارانہ شہنشاہیت سے بے واسطہ و لاتعلق ہو۔ اس کا مدار قومیت سے زیادہ بین الاقوامیت پر ہو اور بین الاقوامیت سے زیادہ ایک ایسی عالمگیر متحدہ قومیت (انسانیت) پر جس کے دائرہ میں دنیا کے تمام منطقوں، قوموں، نسلوں اور طبقوں کے افراد ایک لمحہ ضائع کیے بغیر داخل ہو سکیں اور چاہیں تو ایک منٹ کے فیصلہ پر مساوی درجہ کے رکن بن سکیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجودہ زمانہ تعمیر و ترقی کا زمانہ ہے۔ اس دور میں برطانیہ، فرانس اور امریکہ میں پارلیمنٹ کے قواعد کی زبردست نمائش ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود یہ کہنا آج بھی صحیح ہوگا کہ ہماری دنیا اسلام سے علیحدہ رہ کر کوئی ایسا پارلیمنٹری نظام قائم نہیں کر سکی جو شوریٰ کی طرح تمام دنیا کی بڑی پارلیمنٹ کی صورت اختیار کر سکتا اور اہل دنیا کو بغیر امتیاز اپنا گرویدہ بنا لیتا

شوریٰ کی حقیقت شوریٰ کی حقیقت رائے عامہ کا اظہار ہے۔ امام راغب تصریح کرتے ہیں۔

"شوریٰ کا مفہوم آراء کا حاصل کرنا ہے۔ اس کے لیے پہلے دو سمتیں متعین ہوتی ہیں۔ ایک سمت رائے لینے والے ہوتے ہیں، دوسری طرف رائے دینے والے۔ ایک سمت اپنی ذمہ داریوں کے دائرہ میں اہم معاملات سے دوچار رہے، ایسی حالت میں ایک سمت کے اصحاب دوسری سمت کے لوگوں سے رائے طلب کرتے ہیں، اور سلامتی و کامیابی کے لیے ایک فیصلہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ بس اسی کا نام شوریٰ ہے"[1]۔

اسلامی قانون میں پہلی سمت ارکانِ حکومت، امام اور اولوالامر (مدبرین حکومت) پر مشتمل ہے، دوسری سمت افرادِ اُمت پر۔

علامہ ابوحیان اندلسی نے شوریٰ کے متعلق جو تصریحات پیش کی ہیں اُن کے مطابق شوریٰ[2] اظہارِ رائے کے اُس مطالبہ کا نام ہے جس کا خطاب اُمت کے افراد سے ہو جس کے ماتحت اُمت کے افراد اجتماعی صورت میں آپس میں مل کر بیٹھیں، دنیا کے متعلقہ معاملات کی بہتری کے لیے اپنی عقل اور اجتہاد سے کام لیں اس اصول پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب حکومت کے ارکان اور اُمت کے قابلِ اعتماد افراد اپنے بہترین فائدوں کے لیے جمع ہو کر رائے طلب کریں اور رائے دیں تو یہ سمجھا جائیگا کہ شوریٰ اپنی حقیقت کو پیش کر رہا ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس سلسلہ میں وہ رائے ظاہر کی ہے جو آج کل کے

---

[1] مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی (لفظ شوریٰ) ج ۲ ص ۲۳۵۔ الذریعہ الیٰ مکارم الشریعہ فصل ۳ ب ص ۱۰۸۔ کلیات ابوالبقاء حنفی ص ۳۹۵ [2] بحر المحیط ابوحیان اندلسی (۶۵۴ھ–۷۴۵ھ) ج ۳ ص ۹۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترقی یافتہ پارلیمنٹری نظام کے لیے بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شوریٰ کی روح یہ ہے کہ جماعت کے افراد میں سے ہر فرد اپنے علم اور قابلیت کے مطابق اپنی آرا اور خیالات پیش کر دیتا ہے، ایک دوسرے کے نظریات آپس میں ملتے ہیں اور اس سے ایک اچھا فیصلہ ہاتھ آجاتا ہے[1]۔ ہمارے زمانہ میں بھی پارلیمنٹ کی حقیقت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر الفاظ نہیں پیش کیے گئے۔ یہ وہ بیان ہے جس کی بنا پر شوریٰ کی معنویت پوری طرح سامنے آجاتی ہے اور یہ سمجھنے کا موقع ملتا ہے کہ پارلیمنٹ کا وجود کوئی ایسی منفرد حقیقت نہیں ہے جس کو آج سے پہلے اسلامی عہد میں نہیں سمجھا گیا۔

شوریٰ کی قانونی حیثیت شوری کی بنیاد ایک ایسے قانونی حکم اور آئینی تعامل پر ہے جو کبھی کمزور نہیں ہو سکتا۔ اس کی قانونی حیثیت کے اظہار کے لیے پہلی بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے اور حکم بھی کسی معمولی انسان اور معمولی قوم کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے سردار اعظم پیغمبر معظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور دنیا کی اس عظیم الشان عالمگیر قوم کے لیے جس کو عرشِ اعظم سے خیر الملل کا خطاب عطا کیا گیا ہے یعنی اس پیغمبر کے لیے جس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں اور اس قوم کے لیے جس سے بہتر کوئی قوم نہیں

۱۔ آنحضرت کو حکم دیا گیا (وشاورهم في الأمر[2]) حکومت کے معاملات میں شوریٰ پر عمل کیجیے۔

۲۔ مسلمانوں کے اجتماعی تعامل کے متعلق ضابطہ کے طور پر یہ تصریح ہے أمرهم شورى بينهم[3] (ان کی حکومت کے کام شوریٰ سے انجام پاتے ہیں)۔

قرآنِ حکیم نے ان دونوں موقع پر شوریٰ کا ذکر ان امور کے متعلق کیا ہے جو قرآن کے قانونِ اساسی میں طے شدہ نہیں ہیں[4] اور جو دین کے ماتحت دنیا کے کارخانے کو چلاتے ہیں۔

---

[1] تفسیر مظہری پ۴ آل عمران ج ۲ ص ۱۶۲۔ بناء المشاورة استخراج ما عندهم من العلم بالاصلح بتلاحق الافکار۔ [2] قرآن عظیم پ۴ آل عمران ص ۹۰ طبع بجنور [3] پ۲۵ الشوریٰ ص ۶۳۲
[4] فتح القدیر امام شوکانی ج ۱ ص ۳۶۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوریٰ کی یہی وہ قانونی حیثیت ہے جس کا اظہار چھٹی صدی ہجری کے مستند عالم قانون امام ابن عطیہ[1] نے ان الفاظ میں کیا ہے ان الشوریٰ ھی من قواعد الشریعۃ وعزائم الاحکام شوریٰ شریعت کے قوانین میں سے ایک اساسی قانون اور حکومت کے فیصلوں کی بنیاد ہے۔[2]

شوریٰ کی غایت | اسلام کے علماء قانون نے صراحت کے ساتھ اُن قانونی غایتوں کو ظاہر کیا ہے جن کا تعلق شوریٰ سے ہے، وہ لکھتے ہیں کہ شوریٰ کے اجراء سے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) "استصواب رائے عامۃ" اس سے رائے عامہ اپنی اجتماعی صورت میں ظاہر ہوجاتی ہے۔

(ب) "رائے عامہ کا اطمینان" شوریٰ کے فیصلے سے رائے عامہ مطمئن ہوجاتی ہے

(ج) "تکوین قانون عامہ" عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے تعامل کی وجہ سے شوریٰ نے ہمیشہ کے واسطے اُمت کے لیے واجب التعمیل قانون کی صورا ختیار کرلی ہے۔

(د) حصولِ رھنمائی حکومت کو اعلیٰ رہنمائی سے فیضیاب ہونے کا موقع ملتا ہے اور رشد و ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

(ہ) "اجتہاد" شوریٰ سے مدبرانہ غور وفکر کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اور درست نتائج تک پہنچنے میں امداد ملتی ہے۔[3]

شوریٰ ایک حکمت عملی کی حیثیت سے | شوریٰ مجرد قانون ہی نہیں ہے بلکہ ایک زبردست حکمت عملی بھی ہے۔ اگر اسلام کا نظامِ حکومت امام کے اختیارِ مطلق پر مبنی ہوتا تو نہ شوریٰ کا حکم آتا اور نہ دنیا

---

[1] الحافظ القاضی۔ الامام المفسر عبدالحق ابن غالب بن عطیہ (۴۸۱-۵۴۶ھ) صاحب الوجیز فی التفسیر (بستانی ج ۱ ص ۶۰۹)

[2] بحر المحیط ج ۳ ص ۹۱، فوائد القرآن صاحب فتح الملہم علامہ عثمانی (ترجمہ شیخ السند مولانا محمود حسن) الشوریٰ ص ۶۳۲۔ طبع بجنور "خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر تھی"

[3] علماء قرآن و حدیث اور فقہائے اُمت نے مندرجہ بالا غایتوں کے اظہار کے لیے بالترتیب حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں:۔ الاستظہار برایہم۔ التطییب لانفسہم۔ ان تکون سنۃ بعد لامۃ۔ ارشاد للاجتہاد۔ دیکھو۔ البحر المحیط ابوحیان اندلسی ج ۳ ص ۹۸۔ روح المعانی علامہ آلوسی ج ۴ ص ۹۴-۹۵۔ تعریفات سید شریف ص ۵ (الاجتہاد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سردار اور اسلام کے برگزیدہ پیغمبر اس پر عمل کرتے۔ آنحضرت نے قول اور فعل سے یہ ثابت کیا ہے کہ شوریٰ قانون بھی ہے اور حکمت عملی بھی۔ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب شوریٰ کا حکم آیا تو حضور اکرم نے فرمایا۔ اگرچہ اللہ اور اس کا رسول شوریٰ سے بے نیاز ہیں مگر شوریٰ کا یہ حکم اس لیے ہے تاکہ اُمت کے لیے رحمت ہو۔ اس کے بعد اُمت کا فرد رائے اور مشورہ طلب کریگا کبھی اعلیٰ درجہ کی رہنمائی سے محروم نہ ہوگا اور جو شوریٰ کو ترک کردیگا وہ کبھی غلط راہ سے نہ نکلیگا۔[۱]

حضرت قتادہ کے اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کو وحی نازل ہونے کے باوجود اپنے اصحاب سے مشورہ کا حکم ملنا اس لیے تھا کہ قوم کا ضمیر اور رائے مطمئن ہو جائے اور شوریٰ اُمت کے لیے قانون بن جائے۔ حضرت حسنؓ کی روایت سے بھی اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ شوریٰ کے حکم کا مقصد یہ تھا کہ اس میں صحابہ کے لیے قانونی وجوب پیدا ہو جائے اور بعد میں اُمت کے لیے ایک مستقل حکمت عملی بن جائے۔

مندرجہ بالا احادیث کے بعد آنحضرت کے عمل کو دیکھنا موجب سعادت ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے: ما رایت احدًا اکثر مشورۃ لاصحابہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم (میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے رفقاء (اصحاب) سے مشورہ کرنے میں اتنا زیادہ سرگرم ہو جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے)[۳]

حضرت قتادہ نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ "آنحضرت کو منجانب اللہ حکم تھا کہ اہم معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیجیے" آنحضرت خدا کے اس حکم کی قوت کو محسوس فرماتے تھے اور اس کی تعمیل کو لازمی سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہ بھی فرماتی ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱] بیہقی۔ شعب الایمان۔ عن ابن عباس (بسند حسن) روح المعانی ج ۴ ص ۹۴۔ [۲] روایت ابن جریر
[۳] اس اثر کو ابن ابی حاتم نے سندِ حسن کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دیکھو فتح الباری (عسقلانی) ج ۱۳ ص ۲۸۶
[۳] رجال ثقات (ترمذی الجہاد) بخاری (کتاب السنہ) فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۸۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم سے زیادہ لوگوں سے رائے اور مشورہ کرنے والا انسان نہیں دیکھا۔ آنحضرت کا قول تھا کہ اگر ابوبکر و عمر شوریٰ میں ایک رائے پر جمع ہو جائیں تو میں اس کے خلاف عمل نہیں کرونگا۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو تحریری طور پر ہدایت کی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانونِ شوریٰ پر عامل تھے۔ تم بھی لازماً اس پر عمل کرنا" ضحاک کا بیان ہے کہ فاروق اعظم نے عورتوں کو بھی حق رائے دہی دیا تھا اور وہ معاملات میں ان کی رائے بھی لیتے تھے[1]

علامہ شوکانی یمانی شوریٰ کے متعلق اسلامی تعامل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "مسلمان اجتماعی نظم کے ساتھ شوریٰ سے کام لیتے ہیں۔ جلد بازی اور مطلق العنانی کے ساتھ انفرادی رائے سے کام لینا ان کی روایات میں داخل نہیں ہے[2]"

فاضل قانون داں ابن خویز منداد مسلمانوں کے لیے شوریٰ کو لابدی قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "امیر حکومت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قانونِ شوریٰ سے قوت حاصل کرے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ امیرِ حکومت کسی معاملہ میں اتنی واقفیت اور مہارت نہ رکھتا ہو جس قدر معاشرہ کے دوسرے افراد رکھتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی قوم پر صورتِ حال مشکلات سے پُر ہو جائے دونوں صورتوں میں شوریٰ کا انعقاد اور ماہرینِ علم و فن کی رائے لینا ضروری ہے۔ جنگی معاملات میں فوج کے کمانڈروں سے مصالحِ عامہ کے سلسلہ میں عوام کے نمائندوں سے مملکت کے نظم اور تعمیر و ترقی کے معاملہ میں اول درجہ کے مدبروں، دفتری حکام، انتظامی افسروں اور وزیروں سے شوریٰ میں رائے لینی چاہیے[3]"

یہ ہیں وہ روایات جن سے شوریٰ کے تعامل پر روشنی پڑتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ شوریٰ ایک قانون بھی ہے اور حکمت عملی بھی۔

---

[1] تفسیر مظہری علامۃ الامام ثناء اللہ پانی پتی ج ۲ ص ۱۶۱۔

[2] فتح القدیر ج ۴ ص ۵۲۶۔

[3] فتح القدیر علامہ شوکانی ج ۱ ص ۳۶۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایوانِ شوریٰ

شوریٰ کے جلسوں کے لیے ایوان کا ہونا ضروری ہے جس طرح عصرِ حاضر میں ہر دارالعوام کے لیے ایک عمارت ہوتی ہے اسی طرح مکہ میں مسلمانوں کے اجتماع اور اجتماعی مشوروں کے لیے دارالارقم ابتدائی ایوان تھا جس کو دارالاسلام (ایوان حکمرداری) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مدینہ میں عہدِ سعادت تک کھلے میدانوں سے ایوان کا کام لیا جاتا تھا۔ مسجد نبوی بہت ہی باعظمت اجتماعوں کے لیے وقف تھی۔ خلافت راشدہ میں سب سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ سے ایوانِ شوریٰ کا کام لیا گیا۔[1]

حضرت عمرؓ کے انتخاب کے متعلق خاص شوریٰ، صدیق اکبرؓ کی قیامگاہ پر ہوا۔[2] عام شوریٰ کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ عوام الناس ایک مقام پر جمع تھے جہاں اُن کی رائے لی گئی۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ اجتماع مسجد نبوی میں تھا یا کسی اور جگہ۔[3] حضرت عثمانؓ کے متعلق "دارالمشورہ" کو ایوانِ شوریٰ کی حیثیت سے استعمال کیا گیا۔[4] چوتھے انتخاب میں حضرت علیؓ نے مسجد نبوی کے ایوانِ تقدیس کو استصواب رائے عامہ کے لیے تجویز کیا۔[5]

یہ ہے ایوانِ شوریٰ کی تاریخ۔ اگر اُمت کسی زمانہ میں وقت کے مطابق کوئی ایوان تعمیر کرے تو یہ اسلام کے عمرانی رجحان کے عین مطابق ہوگا۔

شوریٰ کے عناصر | ۱۔ امام "(شورویٰ حکومت کا منتخب رہنما، اور قائدِ اعلیٰ)

۲۔ اُمت (خدائے واحد کو ماننے والوں اور اس کے فطری قوانین پر گامزن ہونے والے انسانوں کا عالمگیر گروہ اور شیرازہ بند شورویٰ نظام)

---

[1] یہ سایہ دار احاطہ تھا جہاں عام اجتماعات ہوتے تھے (دائرۃ المعارف بستانی ج ۹ ص ۴۴۔

[2] اسد الغابہ ج ۹ ص ۶۹ [3] بعض تاریخی روایتوں میں بیت المال کی عمارت اور بعض میں حضرت عائشہ کی قیام گاہ کا ذکر ہے۔ دیکھو تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۴ (قصۃ الشوریٰ) [5] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۵۲-۱۵۷

نظام حکومت

www.KitaboSunnat.com

۳۔ "مجلس اہلِ حل وعقد" حکومت کے مدبروں اور مشیروں کا مرکزی ادارہ جس کے ارکان اپنے اعلیٰ کردار اور بلند خدمات کی وجہ سے پوری طرح اُمت کے اعتماد کا مرکز ہوتے ہیں۔

۴۔ "ارکانِ شوریٰ" اسلامی ریاستِ عامہ کے وہ تمام شہری جو اسلام کے فطری قوانین کے پابند ہوں بشرطیکہ اوسط درجہ کے علم وعقل سے بہرہ مند ہوں، اُمت کے وہ تمام افراد جو شوریٰ میں شرکت کر سکیں جو اجتماعی نظم کے بہی خواہ ہوں۔ ذاتی غرض اور شخصی نفع اندوزی کے تصور سے خالی ہوں یعنی امین ہوں اور اس درجہ سلامتیِ فکر کے مالک ہوں کہ صحیح رائے پیش کر سکیں[1]۔ اشتراک کا طریقہ حالات کے مطابق بدل سکتا ہے)

۵۔ "رائے دہندگان" ہر وہ انسان جو اسلام کے معاشرۂ اخوت کا رکن ہو۔ عاقل بالغ اور پابندِ قانون ہو کسی معاملہ پر رائے دینے کے لیے جتنا علم اور سمجھ بوجھ ضروری ہے اس سے محروم نہ ہو۔

استصواب رائے عامہ کی صورت میں حقِ رائے دہی کی دو شرطیں ہیں۔ اسلام اور اسلامی شعور۔ اس کے علاوہ نہ کسی علمی ڈگری کی ضرورت ہے نہ ثروتمندی کی اور نہ کسی خاص قیمت کی جائداد کے مالک ہونے کی، نہ رنگ ونسل کی نہ قوم ووطن کی۔

اس صورت میں مردوں اور عورتوں، بوڑھوں اور بچوں، شہریوں اور دیہاتیوں، مقیم اور مسافر سب حقِ رائے کے مالک ہیں[2]۔

شوریٰ کے تاریخی اجلاس ۱ تا ۳۵ھ

ذیل میں شوریٰ کے ان اجلاسوں کا نقشہ درج کیا جاتا ہے جنہوں نے سچی پارلیمنٹری روایات کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

---

[1] ادب الدین والدنیا۔ الماوردی۔ الشوریٰ ص ۱۹۸۔۲۰۰ و استرشد والعاقل فرشد والحدیث) (الدین النصیحة الحدیث)، (المستشار مؤتمن الحدیث) تفسیر مظہری استخراج، عندہم من العلم بالاصلح بتلاحق الافکار۔ آل عمران ج ۲ ص ۱۶۲ ۔ [2] الذریعة الی مکارم الشریعة۔ امام راغب اصفہانی۔ ادب الدین والدنیا ماوردی تاریخ البدایة والنہایة۔ ابن کثیر ج ، ص ۱۹۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہدِ نبوی

۱۔ شورائے اذان ۔ سنہ ۱ ہجری، اس شوریٰ کے نتیجہ میں نماز کے اجتماع کے لیے منجانب اللہ اذان دینے کا حکم دیا گیا۔[۱]

۲۔ شورائے بدر الکبریٰ سنہ ۲ ہجری ۔ (معرکۂ بدر کے متعلق)[۲]

۳۔ شورائے اُسارائے بدر الکبریٰ سنہ ۲ ہجری (بدر کے جنگی قیدیوں کے متعلق)[۳]

۴۔ شورائے اُحد ۔ سنہ ۳ ہجری (محاذِ اُحد کے متعلق)[۴]

۵۔ شورائے خندق سنہ ۵ ہجری (حضرت سلمان کا مشورہ، مدینہ ڈیفنس کی تیاری)[۵]

۶۔ شورائے افک سنہ ۶ ہجری ۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق ایک ناواجب بہتان تراشا گیا ۔ یہ مسئلہ عام مشورہ کے لیے رائے عامہ کے سامنے پیش کیا گیا۔[۶]

۷۔ شورائے حدیبیہ سنہ ۶ ہجری ۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی زیارت کے متعلق رائے عامہ سے استصواب فرمایا۔[۷]

۸۔ شورائے اسیرانِ ہوازن سنہ ۸ ہجری ۔ ہوازن کے چھ ہزار جنگی قیدیوں کے متعلق نمائندہ اسمبلی طلب کی گئی۔[۸]

۹۔ شورائے معاذ بن جبل سنہ ۱۰ ہجری ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو گورنر یمن مقرر کرنے کے لیے شوریٰ طلب فرمایا۔[۹]

عہدِ خلافت راشدہ

۱۱۔ شورائے سقیفہ بنی ساعدہ سنہ ۱۱ ہجری (ریاست عامہ کے پہلے صدر کا انتخاب) س

---

[۱] فتح الباری بدء الاذان ۔ ج ۲ ص ۶۱، ۶۵ [۲] تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۳ تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۴۵ [۳] تاریخ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۶ [۴] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۱ تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۳-۲۳ تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۵۷ [۵] تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص ۹۵-۹۹ ۔ تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۶۷ [۶] تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷ ۔ تاریخ ابن اثیر ج ۴ ص ۱۴۲، ۱۹۰ ۔ طبری ج ۳ ص ۶۸۔
[۷] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۰ [۸] صحیح البخاری بحوالہ تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص ۳۵۴۔
[۹] مجمع الزوائد الہیثمی ج ۹ صفحہ ۲۴۴ ۔ تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۹۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوریٰ میں ہوا[1]

۱۲۔ شوریٰ جیش اسامہ ۱۱ھ سنہ ہجری (پیغمبر اعظم نے آخری لمحات میں جلیل القدر صحابہ کا ایک لشکر مرتب کیا تھا اور اس کی کمان بیس سالہ نوجوان اسامہ کو دی تھی۔ وصالِ مبارک کے بعد حضرت صدیق نے اس کو محاذ پر روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ شوریٰ اسی فیصلہ پر غور کرنے کے لیے ہوا تھا)[2]

۱۳۔ شورائے مرتدین زکوٰۃ ۱۱ھ سنہ ہجری (پیغمبر اعظم کی وفات کے بعد نومسلم قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ صدیق اکبر نے صدر حکومت کی حیثیت سے اس معاملے کے قابل بحث پہلو کو رائے عامہ کے سامنے رکھا)[3]

۱۴۔ دوسرا انتخابی شوریٰ ۱۳ھ سنہ ہجری۔ صدیق اکبر نے آخری لمحات میں اپنے جانشین (فاروق اعظم) کے انتخاب کے لیے مجلس حکومت سے مشورہ کیا اور اس کے بعد عام شوریٰ سے منظوری حاصل کی[4]

۱۵۔ شورائے محاذ عراق ۱۳ھ سنہ ہجری (عراق میں دوسری فوجی مہم کے متعلق فاروقی عہد میں اس شوریٰ کا اجلاس ہوا)[5]

۱۶۔ شورائے میثاق بیت المقدس ۱۵ھ سنہ ہجری (اہل قدس نے صلح کے لیے یہ خواہش کی تھی کہ خود امیر المومنین مدینہ سے قدس تشریف لائیں اور شرائط طے کریں۔ فاروق اعظم نے اپنی روانگی کو رائے عامہ کے فیصلہ پر موقوف رکھا اور اس کے لیے شوریٰ طلب فرمایا)[6]

۱۷۔ شورائے محاصل عراق ۱۶ھ۔ یہ شوریٰ عراق کی مفتوحہ زمینوں کے محاصل کے

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۹، الاصابہ فی تمیز الصحابہ [2] تاریخ ابن کثیر ج ۶ ص
[3] ایضاً ج ۶ ص ۳۱۲ [4] اسد الغابہ، ابن اثیر ج ۴ ص ۶۷-۷۰
[5] تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص ۳۵ [6] ایضاً ج ۷ ص ۵۵ فتح بیت المقدس۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعلق ہوا تھا جس میں فیصلہ ہوا کہ زمینوں کا محصول فوج کے فاتح سپاہیوں میں تقسیم کی بجائے خلافت کے خزانہ میں جمع کیا جائے (کتاب الخراج امام ابو یوسف)

۱۸۔ شوریٰ جنگ نہاوند ۲۱ سنہ ہجری (عہد فاروق) تاریخ اسلام کی مشہور جنگ جہاد نہاوند سے پہلے فاروق اعظم نے اس شوریٰ کا اجلاس[۱] طلب کیا تھا۔

۱۹۔ تیسرا انتخابی شوریٰ ۲۳ سنہ ہجری (خلافت راشدہ کے تیسرے امیر حضرت عثمان غنی کے متعلق چھ اصحاب کی مجلس شوریٰ کا تقرر اور استصواب رائے عامہ[۲])

۲۰۔ شورائے انتخاب چہارم ۳۵ سنہ ہجری (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے انتخاب[۳] کے متعلق) رائے عامہ کا اجتماع۔

شوریٰ کی قانونی صورتیں

۱ سنہ ہجری سے ۳۵ سنہ ہجری تک شوریٰ نے جس طرح کام کیا ہے اس سے مندرجہ ذیل صورتیں منظرِ عام پر آتی ہیں۔

۱۔ عمومی اجلاس، جو رائے عامہ کے مطالبہ پر منعقد ہوتا ہے (دیکھو شوریٰ سقیفہ بنی ساعدہ)

۲۔ باضابطہ رسمی اجلاس، جو رئیس الحکومت کی طرف سے کسی اہم معاملہ کو پیش کرنے کے لیے طلب کیا جاتا ہے۔ (نظائر۔ شوریٰ بدر الکبریٰ، سفر حدیبیہ، میثاق قدس وغیرہ)

۳۔ مشورۂ جماعت۔ اس صورت میں چند افراد ہم رائے ہو کر بطور خود رئیس الحکومت سے ملتے ہیں اور اپنا مشورہ پیش کرتے ہیں اور صدرِ حکومت ان کا مشورہ دلی توجہ سے سنتا ہے (نظائر صلح حدیبیہ، جیش اُسامہ)

۴۔ مشورۂ فرد۔ جماعت کا ایک فرد اپنی نمایاں قابلیت کی بنا پر امام اور امت کو مشورہ دیتا ہے جس کو منظور کر لیا جاتا ہے (دیکھو غزوہ خندق مشورہ سلمان فارسی)

۵۔ نمائندہ اسمبلی۔ اس صورت میں بڑی بڑی قوموں کے نمائندے حکومت کے زیر اثر

---

[۱] تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص ۱۰۷ [۲] ایضاً ص ۱۴۰، ۱۴۶ [۳] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۵۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمع ہو کر کسی معمولی مسئلہ پر رائے دیتے ہیں (ہوازن کے چھ ہزار جنگی قیدیوں کے متعلق اس قسم کا اجلاس طلب کیا گیا تھا۔

۶۔ شوریٰ اہلِ حل وعقد:۔ امام حکومت کے مشیروں اور مدبروں کی محدود مجلس مقرر کرتا ہے۔ اس کے نامزد ارکان مقررہ مقصد کا فیصلہ شوریٰ سے کرتے ہیں اور اس کا نفاذ رائے عامہ کی منظوری سے ہوتا ہے (دیکھو شوریٰ انتخاب سوم)

۷۔ استصواب رائے عامہ۔ اس صورت میں شوریٰ کے اہم فیصلہ کو نافذ کرنے سے پہلے بڑے پیمانہ پر رائے عامہ طلب کی جاتی ہے جس میں شہری، دیہاتی، مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے رائے دیتے ہیں (دیکھو شوریٰ انتخاب سوم، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مدینہ میں استصواب رائے عامہ کے مقصد کی تکمیل کے لیے تین دن تین رات ووٹ لیے[۱]

امام اور شوریٰ دنیا میں حکومت کے صدر اور پارلیمنٹ کے باہمی تعلق کا مسئلہ جس قدر پیچیدہ ہے اسلام کے قانون میں اسی قدر صاف اور محکم ہے۔ اسلامی حکومت شورویٰ حکومت ہے اور امام اُس کا با اقتدار رہنما ہے۔ قدرۃً امام شوریٰ کے اختیارات کا نمائندہ ہے اور حکمت عملی کے دائرہ میں مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں کا ترجمان! اس حیثیت سے اسلامی حکومت کا رہنما عام انسانوں میں سے ایک انسان ہے اور اس کی ہستی عوام کی ساختہ پرداختہ ہے۔ شوریٰ کا فیصلہ ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے امام صدارت کے منصبِ عظمیٰ پر آتا ہے اور اُمت کی عام رائے ہی وہ مقیاس ہے جو امام کو اس کے عہدے سے معزول ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نظام میں پارلیمنٹ کا فیصلہ صدر کی قوتِ فیصلہ پر قانونی فوقیت رکھتا ہے۔

یادداشت اسلامی تاریخ میں صدیق اکبر کا انتخاب پہلا انتخاب تھا۔ اس موقعہ پر سقیفہ کے شوریٰ میں فاروق اعظم نے عوام کو یہ اصولی تنبیہ کی تھی: فمن بایع عن غیر مشورۃ المسلمین فانہ لا بیعۃ لہ[۲]

---

[۱] حوالوں کے لیے دیکھئے عنوان شوریٰ کے تاریخی اجلاس۔ [۲] سیرۃ ابن ہشام (روض الانف) ج ۲ ص ۲۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر شوریٰ کے فیصلہ کے بغیر کسی شخص کو رہنمائے حکومت بنا یا گیا تو یہ فیصلہ کالعدم ہوگا۔ اس قانونی حکم کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں ہوئی اس کے بعد ہر انتخاب میں استصواب رائے عامہ اور بیعتِ عامہ کے بعد صدر کا تقرر عمل میں آیا اور اس تنبیہ کو مستقل قانونی اہمیت حاصل ہوگئی اور یہی بات اس امر کی اہم نظیر بن گئی کہ شوریٰ اسلامی حکومت کے جسم میں جان کی مانند ہے۔

شوریٰ کی قوت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امام کی عہدہ سے علیحدگی جمہورِ اُمت کے اختیار کی چیز ہے۔ علامہ عضدالدین نے لکھا ہے کہ امام کو معزول کرنا تنہا اُمت کا قانونی حق ہے۔ سید شریف اس کی تائید میں لکھتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے کام درست طریقہ پر انجام نہ پائیں اور دین کے معاملات میں خرابی کی صورت نظر آئے تو اُمت امام کو عہدہ سے علیحدہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اجتماعی نظم کے لیے امام کا تقرر بھی اُمت کا حق ہے اور معزول کرنا بھی[1]۔

امام کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس کی طاقت شوریٰ کی طاقت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اس سے بے نیاز ہو کر کام کرنا اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ ابن عطیہ نے اس معاملہ میں صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ اگر صدرِ حکومت ماہرینِ علم وفن اور اُمت کے دیندار افراد کا شوریٰ طلب کیے بغیر اپنی رائے سے کام کرتا ہے تو اس کو عہدہ سے معزول کر دینا چاہیے۔ اس پر تمام علمائِ قانون متفق ہیں[2]۔

شوریٰ کی یہ طاقت کیوں ہے محض اس لیے کہ امام کی ہستی مطلق العنان نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین نے اسی پر لکھا ہے کہ امام کا تقرر ایک فرض ہے جس کا تعلق سرتاسر عوام کے مفاد سے ہے[3]۔ ایک ایسی حکومت جو مفادِ عامہ سے ربط وضبط رکھتی ہے قانوناً عوام کے اختیار پر مبنی ہوگی اور ایسی حالت میں اس کے رہنما کو اعلیٰ روایت کے طور پر شوریٰ کے فیصلوں کا احترام کرنا ضروری ہوگا۔

---

[1] المواقف مع شرح ج ۸ ص ۳۵۳ [2] وحکی القرطبی عن ابن عطیہ لا خلاف فی وجوب العزل من لا یستشیر اہل العلم والدین۔ فتح القدیر شوکانی (آل عمران) ج ۱ ص ۳۶۰ [3] رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوریٰ اور عزم

شوریٰ کے متعلق قرآن کی دونوں آیات کو سامنے رکھنے سے بظاہر دو خیال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک جگہ حکم ہے: "امرھم شوریٰ بینھم"[1] (مسلمانوں کے کام آپس کے مشورہ سے انجام پاتے ہیں) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اہم فیصلے، اہم معاملات اور اجتماعی امور باہمی شوریٰ، بحث و مباحثہ اور مبادلۂ آراء سے طے پاتے ہیں۔ حکم عام ہے جس کی رو سے حکومت کے صدر نشین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ شوریٰ کے بعد اپنے ذاتی رجحان یا فیصلہ پر عمل کرے اور اپنے ذاتی اختیار کو اُمت کے اختیار کردہ فیصلہ پر ترجیح دے۔

دوسری جگہ آنحضرت کے لیے خاص ربانی حکم ہے: وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ[2] (اہم معاملہ میں اپنے اصحاب سے مشورہ کرلیا کیجیے اور جب آپ معاملہ متعلقہ میں عزم کرلیں تو اب اعتماد خدا ہی پر رکھیے۔ ان الفاظ سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے امیر و امام کو مشورہ کرنے کے بعد اپنے عزم اپنے ذاتی فیصلے کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے۔ مشورہ کرنا ضروری ہے، مشورہ کی پابندی ضروری نہیں۔

شوریٰ کے متعلق قرآن کے یہ دونوں حکم بنظر ظاہر دو مختلف زاویہ ہائے نگاہ پیش کرتے ہیں ——— مگر حقیقت میں یہ اختلاف کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں نتیجہ پر پہنچنے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ قرآن کی "آیت عزم" کا کیا مفہوم ہے؟ یہاں چند نکتے قابلِ لحاظ ہیں:۔

۱۔ اس آیت میں آنحضرت کو حکم ہے کہ حکومت کے معاملات کو صحابہ کے شوریٰ میں پیش کیجیے اور شوریٰ کے بعد جب آپ عزم کریں تو خدا پر اعتماد کیجیے۔ دیکھنا یہ ہے کہ عزم سے پیدا ہونے والی رائے شوریٰ کے فیصلہ کی پابند ہے یا آزاد۔ قرآن میں شوریٰ کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور عزم کو بعد میں۔ قدرتاً حکم کا منشا یہ ہے کہ پہلے شوریٰ کا اجلاس منعقد کیا جائے۔

---

[1] فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۸۶ [2] البحر المحیط ج ۳ ص ۹۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہر ہے کہ یہ اجلاس کسی مسئلہ کے فیصلہ کے لیے ہوگا۔ جب فیصلہ ہو جائیگا تو وہی عزم کی بنیاد بن جائیگا۔ اگر اہم مواقع پر شوریٰ ہوتا رہے۔ شوریٰ کے فیصلے وجود میں آتے رہیں اور صدرِ حکومت شوریٰ کے ہر فیصلہ کے بعد مطلق العنانی کے ساتھ یا اپنی صوابدید کے مطابق ذاتی عزم اور شخصی اختیار سے کام کرتا رہے تو شوریٰ کا کیا حشر ہوگا۔ اور اگر اس زمانہ میں نازک ترین حالات میں صدر کی تنہا رائے غلط ثابت ہو جائے اور ایک سے زیادہ مرتبہ اسی طرح غلط ثابت ہوتی رہے تو اس صورت میں خدا کے حکم کا منشا کس طرح پورا ہوگا، عصرِ حاضر میں جمہوریت کا لفظ ڈکٹیٹر شپ (مطلق العنانی) کے لیے بولا جاتا ہے اور جمہوریتوں کے صدر ڈکٹیٹروں کی طرح کام کرتے ہیں۔ اگر قرآن کی رو سے صدرِ حکومت کو شوریٰ کے فیصلوں کو رد کرنے اور مطلق العنانی سے کام کرنے کی اجازت دے دی جائے تو اس کو کوئی شے اپنی ذاتی رائے پر عمل کرنے سے نہیں روک سکیگی۔ حالانکہ قرآن کا حکم عام بہتری کے لیے ہے اور اس میں شوریٰ کو عزم پر اولیت حاصل ہے۔

۲۔ آیتِ عزم میں بطورِ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے، آنحضرت کے پیغمبرانہ احکام شوریٰ کے باوجود واجب التعمیل ہیں۔ اس آیت کی رو سے کسی صدرِ حکومت کو وہ اختیار حاصل نہیں ہو سکتا جو آپ کی ذات کو مخاطب قرار دے کر صرف آپ کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں جہاں مسلمانوں کے اجتماعی تعامل کا ذکر ہے وہاں تنہا شوریٰ کو فیصلہ کن اہمیت دی گئی ہے۔ امیر کا، امیر کے ذاتی فیصلہ کا اور اس فیصلہ کو شوریٰ سے پہلے اور شوریٰ کے بعد استعمال کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔ اس لیے جب اس زمانہ میں اسلامی پارلیمنٹ اور صدرِ حکومت کے فیصلوں کے درمیان مقابلہ ہوگا تو قرآن کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے باہمی شوریٰ کا فیصلہ واجب التعمیل ہوگا "مسلمانوں کے کام شوریٰ سے طے پاتے ہیں" یہ الفاظ قرآن میں ایک مستقل دفعہ کی صورت میں موجود ہیں، ان کے خلاف کسی حکومت کا کوئی امیر حرکت نہیں کر سکتا، نہ ان الفاظ میں کمی ہو سکتی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نہ ان پر اضافہ جائز ہے۔

اگر آیتِ عزم ہی کو دلائل کی بُنیاد قرار دیا جائے تو حقیقت وہاں بھی وہی ہے جو یہاں ہے حکومت کے رہنما کو ایک فیصلہ کرنے اور عزم کے مطابق عمل کرنے کی اجازت حاصل ہے لیکن یہ عزم شوریٰ کے فیصلہ کے بعد اور اس فیصلہ کے مطابق ہوگا نہ کہ مخالف۔ مشہور محدث، مفسر اور مورخ حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی معتبر ترین تفسیر میں ابن مردویہ سے حضرت علیؓ کی روایت کے مطابق یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: مشاورة اهل الرای ثم اتباعهم[1] (پہلے اہلِ رائے کا باہمی مشورہ اور اس کے بعد شوریٰ کے فیصلے کی پیروی) معلوم ہوا عزم وہ ارادہ ہے جو امام کے دل میں شوریٰ کے فیصلہ پر کاربند ہونے کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ارادہ شوریٰ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ عیناً شوریٰ کے مطابق ہوتا ہے۔

شوریٰ اہم معاملات کا فیصلہ کرتا ہے اور امام رہنمائے حکومت کی حیثیت سے اس کو نافذ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ امام کا فیصلہ وہی ہو جاتا ہے جو شوریٰ کا فیصلہ ہوتا ہے

حجۃ الاسلام امام ابوبکر الجصاص الحنفی (المتوفی سنہ ۳۷۰ھ) آیت عزم کی تفسیر کے بعد صریح اور صاف لفظوں میں لکھتے ہیں (وفی ذکر العزیمة عقیب المشاورة دلالة علی انها صدرت عن المشورة[2]) قرآن میں عزم کو شوریٰ کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ فیصلہ اور عزم وہی معتبر ہو سکتا ہے جو شوریٰ کے فیصلہ کا نتیجہ ہو اور شوریٰ سے صادر ہوا ہو۔

حافظ ابن کثیر نے بھی آیت کا ترجمہ اس طرز پر کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کا وہی عزم اور عمل معتبر ہے جو شوریٰ کے بعد شوریٰ کے فیصلہ پر مبنی ہو۔ ان تمام تصریحات کے بعد امام کے شخصی فیصلہ کو شوریٰ کے فیصلہ پر ترجیح دینا بڑی جرأت کا کام ہے

[1] تفسیر قرآن العظیم ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۰ [2] احکام القرآن ج ۲ ص ۵۰ (شاورھم فی الامر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغام کی قوت سے فیضیاب تھے۔ آپ کو بظاہر نہ کسی مشورے کی ضرورت تھی نہ استصواب رائے عامہ کی۔ اس کے باوجود آپ کے لیے شوریٰ کو ضروری قرار دیا گیا۔ اگر نبی خدا صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں شوریٰ کے لیے مامور تھے اور معاملاتِ حکومت میں شوریٰ کے فیصلوں پر عمل فرماتے تھے تو دنیا میں اب کبھی وہ شخص پیدا نہیں ہوسکتا جو شوریٰ کی پابندی سے آزاد ہو[1]۔

یادداشت | مشہور محدث حاکم نے مستدرک میں حضرت علیؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے مشورہ کی اہمیت کو پیش کیا اور فرمایا: لوکنتُ مستخلفًا احدًا عن غیر مشورۃ لاستخلفت ابن ام عبد[2] (اگر میں شوریٰ کے بغیر کسی کو خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو خلیفہ بناتا) معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص موقع پر حضور کی ذاتی رائے تھی، مگر آپ نے اس پر عمل نہیں فرمایا۔ آپ نامزد فرما سکتے تھے مگر آپ نے شوریٰ کے حق کو باقی رکھا۔

میمون بن مہران کا بیان ہے: صدیق اکبرؓ کا تعامل یہ تھا کہ جب فیصلہ کن مرحلہ آجاتا تو وہ قانونِ الٰہی اور قانونِ نبوت سے رہنمائی حاصل کرتے اگر کوئی نظیر نہ ملتی تو اُمت کے نمائندے، سربراہِ کار اور بہترین افراد کو جمع کرتے، معاملہ اُن کے سامنے پیش کیا جاتا اور اتفاقِ رائے سے جو طے ہوجاتا وہی فیصلہ نافذ ہوتا[3]۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت ہے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہم مواقع پر فیصلہ کا حق اُمت کے صالح اور صلاحیت مند افراد کو حاصل ہو[4]۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ بعض صحابہ نے فاروق اعظم حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی بات اللہ کی کتاب اور رسولؐ کے قانون میں نہ ملے تو ہم کیا کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جس طرف رائے دینے والے اصحاب کی کثرت ہو اس پر عمل کرو

خباب ابن عمر جابر بن زید کو ہدایت کرتے ہیں کہ اگر تم نے قرآن اور قانونِ نبوت کو چھوڑ کر

---

[1] السیاسۃ الشرعیہ ابن تیمیہ ص ۵، [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۸۔ ترمذی ج ۲ ص ۵۴۴ جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۲۰۔ [3] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۱ [4] ایضاً ص ۵۲ (کلام الصحابۃ فی الرأی)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی رائے پر عمل کیا تو خود ہلاک ہوگے اور دوسروں کو ہلاک کر دوگے۔ اس سے زیادہ اہم حضرت علی کی روایت ہے۔ وہ دربارِ رسالت میں حاضر ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اگر ہم کوئی چیز کتاب و سنت میں نہ پائیں تو کیا کریں حضور اکرم فرماتے ہیں کہ قانون جاننے والے عبادت گزار مسلمانوں سے مشورہ کرو۔ پھر یہ ہدایت ہوتی ہے: لا تمضوا فیہ رائ خاصۃ (ایسے موقع پر کسی شخص کی انفرادی رائے کو جاری نہ کرو)[1]

یہ تمام روایتیں رائے عامہ کے قانونی اقتدار کے حق میں فیصلہ دیتی ہیں، اور ان کی بنا پر قرآن کے مفہوم و مقصد کو معین صورت میں پیش کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ان تمام روایتوں کا منشاء ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کے دائرہ میں فیصلہ کا انحصار کسی ایک انسان کے عزم و عمل پر نہیں بلکہ رائے عامہ پر ہے جس کی رہنمائی امیر کا مشورہ کرنا ہے۔

شوریٰ کے متعلق تاریخی تعامل

اسلامی پارلیمنٹ اور صدرِ حکومت کے اختیار کی صحیح حیثیت دریافت کرنے کے لیے اسلامی تاریخ آخری عدالت ہے جس کا فیصلہ بہر صورت مستند قرار پائیگا۔ دیکھنا یہ ہے کہ عہدِ نبوت میں پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طرزِ عمل رہا اور خلافتِ راشدہ میں اسلامی حکومت کے صدر نشین اصحاب نے اس مسئلہ خاص میں کس حکمت عملی سے کام لیا۔

عہدِ رسالت پر ایک پاک میں نظر ڈالنے سے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ آنحضرت حکومت کے ہر اہم معاملہ میں شوریٰ طلب فرماتے تھے۔ صورتِ حال کا تعلق دین کی مصلحتوں سے ہوتا یا دنیا کے مفاد سے، گھر کے وقائع سے ہوتا یا شخصی حوادث سے، صحابۂ کرام آنحضرت کو مشورہ کے لیے بےچین پاتے تھے۔ شوریٰ کے متعلق پیغمبرِ اعظم کی یہ سرگرمی اور گرمجوشی درحقیقت خدا کے حکم کی آئینہ دار تھی، شوریٰ کا تعلق امرِ الٰہی سے تھا اور امرِ الٰہی کی تعمیل کے لیے ایسی ہی سرگرم سعی کی ضرورت تھی۔

[1] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یادداشت   اسلامی تاریخ میں حادثۂ افک ایک دردناک واقعہ تھا۔ حضور کی پاکدامن رفیقۂ حیات پر بہتان تراشا گیا۔ آنحضرت نے اپنی عائلی زندگی کے اس مخصوص معاملہ میں بھی حضرت علیؓ حضرت اسامہؓ اور عام مسلمانوں سے مشورہ کیا، اور یہ ثابت فرمایا کہ زندگی کے عام تعامل میں بھی شوریٰ مفید ہو سکتا ہے۔[1]

آنحضرت نے ایک فرد اور ایک سے زیادہ افراد کے مشورہ کو قانونی اہمیت دی۔ آپ نے فرمایا اگر جماعت کا فرد اپنے بھائی سے مشورہ کرے تو مشورہ دینا اس کی ذمہ داری میں داخل ہو جاتا ہے۔[2] صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے ارشاد ہوا کہ اگر تم دونوں کا مشورہ ایک ہو جائے تو میں اس کے خلاف نہ کرونگا۔

بدر کے محاذ پر حضور اکرم ایک جگہ خیمہ زن ہوئے۔ خباب بن منذر نے دوسری جگہ محاذ قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے ذاتی عزم کر لینے کے باوجود مشورہ کو قبول کیا اور ترجیح دی۔[3] ۵ھ ہجری میں حضرت سلمان نے حملہ آوروں کے خلاف مدینہ سے باہر خندق کھودنے کا مشورہ دیا جس کی منظوری عمل سے دی گئی۔ اس محاذ پر آنحضرت یہ عزم کر چکے تھے کہ قبیلہ غطفان سے صلح کر لی جائے تاکہ مدینہ کا محاصرہ کرنے والا لشکر کم ہو جائے لیکن سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے معاہدہ صلح کے خلاف مشورہ دیا۔ آنحضرت نے اپنے عزم پر عمل کرنے کی جگہ سعدین کے مشورہ پر عمل فرمایا[4] اور مجوزہ معاہدہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ۶ھ میں آپ نے بحیثیت پیغمبر مکہ معظمہ کا عزم فرمایا۔ پیغمبرانہ کاموں میں شوریٰ کا کوئی دخل نہ تھا لیکن حضور نے وحی الٰہی سے پہلے سفر حدیبیہ کے متعلق شوریٰ طلب کیا اور اس کے فیصلہ کے بعد سفر کا عزم فرمایا۔[5]

---

[1] طبری ج ۳ ص ۱۰۔ تاریخ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶۰-۱۶۲۔ [2] ابن ماجہ عن جابر اذا استشار احدکم الخ [3] روض الانف سہیلی ج ۲ ص ۱۸۰۔ [4] غطفان کے سرداروں کے نام عیینہ بن بدر اور حرث بن عوف۔ (شرط صلح، مدینہ کی تہائی پیداوار پر جنگ سے علیحدگی (سعدین کا جواب) اس معاہدہ کی کوئی ضرورت نہیں ہم ان کو تلوار کے علاوہ کچھ نہ دینگے۔ دیکھو سیرۃ ابن ہشام غزوہ خندق۔ روض الانف ج ۲ ص ۱۹۱۔ احکام القرآن ج ۲ ص ۴۹ [5] سیاق البخاری لعمرۃ الحدیبیہ (ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان نظائر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم شخصی اور اجتماعی زندگی کے ہر مرحلہ پر شوریٰ کے شاندار تعامل، انسانی ضمیر کی آزادی اور رائے عامہ کے حقوق کا کس درجہ خیال رکھتے تھے۔ اگر آنحضرت اُمت کے قابل افراد کی رائے کو اس درجہ وجہ اہمیت قرار دیتے تھے تو اس سے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اجتماعی زندگی کی جولانگاہ میں اجتماعی شوریٰ کا فیصلہ قائد حکومت کے لیے کتنا اہم اور کس قدر واجب التعمیل ہو گا"

شوریٰ کے تاریخی اجلاس

ذیل میں شوریٰ کے نمایاں اجلاسوں کی کارروائی درج کی جاتی ہے۔ یہ وہ چند نمونے ہیں جو شوریٰ اور امام کے اختیارات کے لیے معیار و منہاج ہیں کیونکہ ان سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ نبوت اور عہد خلافت میں شوریٰ ہی کے فیصلوں کو ترجیح کا حق دیا جاتا تھا۔

۱۔ **شورائے بدر الکبریٰ** (۲ھ) اسلام کے دشمن اسلامی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے جو جارحانہ اسکیمیں تیار کر رہے تھے اُن کا فیصلہ جن میدانوں میں ہوا اُن میں بدر کا میدان بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آنحضرت مدینہ سے روانہ ہوئے، عقیق، ذوالحلیفہ، ذات الجیش، وادی ذفران سے گزر کر خیمہ زن ہوئے، جانباز اصحاب کا لشکر ساتھ اور دشمن اپنے محاذ پر نقل و حرکت میں مصروف تھا۔

اس نازک موقع پر آپ نے شوریٰ منعقد کیا۔ مجلس کا افتتاح ان الفاظ سے فرمایا: اشیروا علیّ ایھا الناس (آپ سب لوگ مجھ کو یہ مشورہ دیں کہ کیا کرنا چاہیے) اس کے بعد عام بحث شروع ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق کھڑے ہوئے اُنہوں نے ایک اعلیٰ درجہ کی تقریر کی۔ حضرت عمر بن الخطاب کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے بہترین تقریر کی۔ اس کے بعد حسب ذیل تقریریں سُنی گئیں۔

مقداد بن عمرو: یا رسول اللہ! خداوند برتر کی رہنمائی جس طرف ہو اسی طرف چلیے ہم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم موسیٰؑ کے حواریوں کی طرح یہ نہ کہینگے کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا لڑو (ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے چاروں طرف لڑینگے) ہم برک غماد تک جائینگے اور ہرگز ساتھ نہ چھوڑینگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوریٰ کی عمومیت پر زور دیا اور سب کی طرف عام خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے بیان کرے۔ چونکہ اس وقت انصار کی اکثریت تھی اس لیے آپ نے دوبارہ توجہ دلائی۔ چنانچہ انصار کے سردار سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے

سعد: یا رسول اللہ! ہم آپ کی اطاعت کا اور وفاداری کا عہد کر چکے ہیں جس طرف مرضیِ مبارک ہو چلیے۔ اگر آپ ہم کو سمندر میں جست لگانے کا حکم دینگے تو قسم بخدا ہم ضرور اس میں آپ کے ساتھ کود جائینگے، ہم میں سے ایک شخص بھی باقی نہ رہیگا۔

ان تقریروں سے جنگ کے حق میں فیصلہ ہو گیا اور اس کی تعمیل میں اسلامی لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم مل گیا[۱]۔ اس جنگ میں تین سو تیرہ مسلمانوں نے ایک ہزار دشمنوں کے مقابلہ میں فتح عظیم حاصل کی۔ جنگ کے بعد جنگی قیدیوں کے متعلق بھی شوریٰ منعقد ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے نمایاں طور پر اپنی رائیں پیش کیں اور اس سے ایک اور نظیر قائم ہو گئی[۲]۔

۲۔ **شورائے اُحد ۳ھ**: اُحد پہاڑ کے میدان میں شوال ۳ھ ہجری میں معرکۂ کارزار گرم ہوا تھا۔ اس موقع پر آنحضرت نے اپنے اصحاب کا شوریٰ منعقد کیا۔ تین ہزار دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ایک ہزار مسلمان تھے۔

آنحضرت نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا، اس وقت جنگ کی اسکیم کے دو پہلو ہیں

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ (واقعہ بدر الکبریٰ) ص ۶۱۴-۶۱۵۔ تاریخ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۲-۲۶۳۔

[۲] ایضاً ج ۳ ص ۲۹۶۔ عن حسن۔ استشارہ رسول اللہ ﷺ فی الاساریٰ۔ یوم بدر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارا لشکر مدینہ سے باہر نکل کر جنگجو دشمنوں کو روکے یا مدینہ میں انتظار کیا جائے جب وہ حملہ آور ہوں تو حملہ کا جواب دیا جائے۔ آنحضرت کی رائے یہ تھی کہ شہر میں دشمن کا انتظار کیا جائے عبداللہ ابن ابی نے تقریر کرتے ہوئے کہا: میں نبی اکرم کی اس رائے سے متفق ہوں کہ ہمیں شہر سے باہر نہ نکلنا چاہیے۔

مسلمانوں کی اکثریت نے پُرزور انداز اختیار کر کے کہا: یا رسول اللہ ہمارے ساتھ دشمنوں کی صفوں کی طرف چلیے اور ہماری کمان اپنے ہاتھ میں لیجیے۔ ابن ابی نے اپنی رائے پر اصرار کیا اور کہا: یا رسول اللہ ہرگز بیرونی محاذ پر نہ جائیے، اگر ہم باہر نکلے تو شکست ہوگی اور شہر میں رہ کر لڑے تو فتح ضرور ہوگی۔ شوریٰ کی اکثریت نے جواب میں باہر نکلنے پر زور دیا۔ چونکہ یہ خالص اجتماعی معاملہ تھا اور آنحضرت اُمت کے کاموں کو اُمت کے عام فیصلہ کے مطابق انجام دیتے تھے اس لیے آپ نے شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق کمان اپنے ہاتھ میں لی، فوجی لباس پہنا اور باہر نکل کر رہنمائی کرنے کا عزم کر لیا۔ آپؐ کی ذاتی رائے یہ نہ تھی مگر آپ نے اپنے عزم کی جگہ شوریٰ کے فیصلے کو اختیار فرمایا۔ اس فیصلہ کے فوراً بعد اصحاب کو کچھ خیال پیدا ہوا اور انھوں نے عرض کیا۔ اگر آپ اپنی رائے پر عمل کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو اس پر عمل کیجیے۔ شوریٰ کا فیصلہ ہو چکا تھا، آپؐ عزم کر چکے تھے اور مرحلہ تھا خدا پر توکل کا اس لیے آپ نے فرمایا: جب پیغمبر اپنی اُمت کے لیے فوجی لباس پہن لیتا ہے تو اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہوتا کہ وہ محاذِ جنگ پر اپنا فرض انجام دینے سے پہلے اپنی وردی اور اسلحہ اُتار دے[1]۔ چنانچہ آنحضرت میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے محاذ قائم ہوا، جنگ ہوئی اور چند لوگوں کی غلطی سے پہلے حملہ میں کچھ شکست بھی ہوئی اور اس کے نتیجہ میں آنحضرت کے دانت بھی شہید ہوئے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر آنحضرت نے شاوِرھم فی الامر کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شوریٰ کے فیصلہ پر عمل جاری رکھا۔ اور اپنے ذاتی فیصلہ

---

[1] البدایۃ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۳، ۲۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ذرا زور نہیں دیا۔

۳۔ شوریٰ سقیفہ بنی ساعدہ (۱۱ھ) پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں شوریٰ کے متعلق جس عظیم الشان حکمت عملی پر عمل کیا تھا خلافتِ راشدہ کے بہترین دورِ حکومت میں ہو بہو اس کی پیروی کی گئی۔ خدا کے رسولؐ کے بعد خدا کے نکوکار بندوں کو پہلی مرتبہ سقیفہ کے شوریٰ میں جمع ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

آنحضرتؐ کا وصال اسلام کے نظامِ اجتماعی کے لیے سب سے بڑا حادثہ تھا۔ یہ ایسا موقع تھا جب صحابۂ کرام کو اپنے فرض کی تکمیل کرنی تھی، انسانی بصیرت تاریخ کے صفحات پر ان کے فیصلہ کی منتظر تھی اور یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ پیغمبر اسلام کے بعد شہنشاہیت قائم کرتے ہیں یا مطلق العنان آمریت (جابرانہ ڈکٹیٹرشپ) یا خدا کے حکم کے مطابق شوریٰ کے فیصلے اور امت کے اختیار پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

صحابہ نے شوریٰ کو ترجیح دی۔ یہ پہلی حقیقی پارلیمنٹ تھی جس میں خدا کی حکمبردار قوم کے بہترین دماغوں نے مل کر شوریٰ کے قانون پر عمل کیا۔ اس موقع پلان کے لیے یہ بات غیر معمولی طور پر اہم تھی کہ آنحضرت نے اسلامی تاریخ کے اس فیصلہ کن مرحلہ پر اپنے عزم اور ذاتی فیصلہ سے کسی کو قائد الحکومت مقرر نہیں کیا بلکہ سب کچھ امت کے اختیار پر چھوڑ دیا۔

حضور کے وصال کے بعد حضرت عباسؓ نے مجمع عام میں دریافت کیا: حضرات! کیا آپ میں سے کوئی جانتا ہے کہ آنحضرت نے کسی شخص کو حکومت کے لیے نامزد کیا ہے۔ سب نے کہا "نہیں" صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے بھی یہی سوال کیا، انہوں نے بھی یہی کہا کہ "نہیں"۔ اس بحث سے امت کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرت نے اس معاملہ کو امت کی رائے عامہ کے سپرد کر دیا۔

آخر معاملہ شوریٰ کے سامنے پیش ہوا۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اور صدیق اکبر کے انتخاب سے پہلے جب کسی کا اختیار نہ تھا تو شوریٰ ہی کا اختیار بحال تھا۔ اس موقع پر جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے لاگ صاف صاف بحثیں ہوئیں اور اُن سے اصل مقصد کو تقویت حاصل ہوئی اس کی مثال اس سے پہلے دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس شوریٰ کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

سعد بن عُبادہ: انصار کو اسلام لانے کا جو شرف ہے وہ عرب میں کسی کو حاصل نہیں۔ جب مسلمان کمزور تھے تو انصار نے ان کو قوت بہم پہنچائی اس لیے خلافت انصار کا حق ہے۔

انصار: (آوازیں) تمہاری رائے صحیح ہے۔

صدیق اکبر:۔ مہاجرین اسلام لانے میں شرفِ سبقت رکھتے ہیں۔ عرب کے قبائل کی رائے عامہ قریش ہی پر جمع ہو سکتی ہے۔ تم ہمیں بیحد محبوب ہو، تمہاری عزت پر ہمیں شک نہیں ہے، بہتر ہے کہ تم عمر یا ابو عُبیدہ کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔

عمر اور ابو عُبیدہ: نہیں نہیں! تم سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔

انصار: ہمیں ابو بکر کی عظمت کا اعتراف ہے ہم کو مہاجرین سے دلی محبت ہے، خلافت کے معاملہ میں ہماری خواہشیں صرف اسلام کی قوت کے لیے ہیں، اس لیے دو امیر مقرر کیے جائیں۔ ایک انصاری، دوسرا مہاجر۔

صدیق اکبر:۔ انصار مہاجرین اولین کے بعد سب سے افضل ہیں اس لیے مناسب یہ ہے کہ امارت کے لیے مہاجرین میں سے انتخاب کیا جائے اور انصار وزراء مقرر ہوں اور تمام کام شوریٰ سے طے پائیں۔

خباب انصاری:۔ معشر انصار! اپنی جگہ مضبوط رہو، خلافت تمہارا حق ہے، یہ نہ ہو تو دو امیر مقرر کیے جائیں۔

عمر فاروق: نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ عرب کی رائے عامہ تمہاری امارت پر جمع نہیں ہوگی۔

خباب: انصار! خدا کی قسم تم خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو عبیدہؓ: جماعت انصار! تم پہلے تھے جنہوں نے دین کو قوت دی اب تم دین کو کمزور کرنے میں پہل نہ کرو۔

یہ بحث جاری رہی آخری تقریر نے فیصلہ کر دیا۔

بشیر بن سعد انصاری: اے انصار! بیشک ہم نے اسلام قبول کرنے میں اور راہِ جہاد میں فضیلت حاصل کی ہے لیکن اس کی بنا پر ذاتی حقوق پیش کرنا مناسب نہیں ہے، خدا سے ڈرو اور مخالفت سے دست بردار ہو جاؤ۔

بشیر بن سعد کی تقریر نے شوریٰ کو فیصلہ کن مرحلہ پر پہنچا دیا۔ انصار اسلامی سوسائٹی کے اتحاد کی خاطر ایثار پر تیار ہو گئے۔ شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق صرف ایک ووٹ کے اختلاف سے صدیق اکبر کا انتخاب عمل میں آیا اور مسجدِ نبوی میں بیعتِ عامہ کی مبارک رسم عمل میں لائی گئی[۱]

یہ ہے وہ تفصیل جو شوریٰ اور عزم کے باہمی تعلق کو قطعی صورت میں پیش کرتی ہے اگر عزم کو جبیہ اہمیت حاصل ہوتی تو آنحضرت ضرور اپنا شخصی فیصلہ صادر کرتے۔ صدیق اکبر اُمت میں بہترین ہستی تھی۔ آپ کے بعد وہ اپنے فیصلہ سے امین الامۃ ابوعبیدہ کو یہ عہدہ دے سکتے تھے لیکن اتنے زبردست موقع پر اس طرح کے اہم معاملہ کا مجرد شوریٰ کے حوالہ ہونا اور شوریٰ سے طے پانا یہی اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے معاملاتِ حکومت میں شخصی عزم پر فیصلوں کا مدار نہیں بلکہ شوریٰ پر ہے۔

۴۔ دوسرا انتخابی شوریٰ (۱۳ھ) حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس انتخاب کو تین مرحلوں سے گزرنا پڑا (۱) نامزدگی بصورت تجویز (۲) شوریٰ (۳) استصواب رائے عامہ۔

[۱] سیرۃ ابن ہشام جالبیہ (روض الانف ج ۲) ص ۷،۳ (امر سقیفہ بنی ساعدہ) تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۳-۱۲۶۔ تاریخ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۵ ص ۲۴۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس زمانہ کا علمی رجحان فاروق اعظم کے انتخاب کے متعلق زبردست غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ آج کی دنیا پہلی صدی ہجری سے تیرہ سو سال کی مسافت پر آباد ہے۔ زمانہ کے اس بُعد نے عصرِ جدید کے علمی دماغوں کو یہ فرض کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ فاروق اعظم کا تقرر صدیق اکبر کے شخصی فیصلہ اور قطعی اختیار کی بنا پر عمل میں آیا ہے اور اس میں امت کے شوریٰ اور جمہور کی رائے کا کوئی دخل نہ تھا۔ یہ رائے پیغمبرِ اعظم کے جانشینوں کے متعلق ایک بڑی جسارت ہے جس کو آسانی سے گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

صدیق اکبرؓ کو ہر شخص سے زیادہ یہ معلوم تھا کہ "شوریٰ" خدا کا حکم ہے۔ ان کا انتخاب بجائے خود شوریٰ سے ہوا تھا۔ فاروق اعظم پہلے شخص تھے جنہوں نے اس موقع پر یہ اعلان کیا تھا "لاخلافۃ الا عن مشورۃ" شوریٰ کے بغیر منصبِ خلافت کا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ علم و تحقیق کی دنیا میں یہ تسلیم کرنا دشوار ہے کہ صدیق اکبر چند ہی دن کے بعد اس قانون کو بھول گئے جس کی بنا پر ان کا انتخاب ہوا تھا اور فاروق اعظم نے دو ہی سال کے بعد یہ گوارا کر لیا کہ ان کے تقرر میں اصولِ شوریٰ کو نظر انداز کر دیا جائے (عیاذاً باللہ)

فاروق اعظم کا تقرر شوریٰ سے ہوا ہے یا صدیق اکبر کے منفرد شخصی فیصلہ سے۔ اس کا جواب صورتِ انتخاب سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ انتخاب تین منزلوں سے نکل کر مکمل ہوا تھا۔

۱۔ تجویز نامزدگی: اس انتخاب میں سب سے پہلے صدیق اکبر نے فاروق اعظم کا نام تجویز کیا۔ (اسلامی قانون میں اس کا نام تجویز استخلاف ہے) یہ حکم نہ تھا بلکہ خلیفۃ المومنین کی رائے کا مطالبہ اور جانشینِ حکومت کے لیے ذاتی تجویز تھی۔[۱]

---

[۱] مورخ ابن اثیر نے زید بن وہب سے حضرت علی کا یہ بیان درج کیا ہے کہ "صدیق اکبر نے زندگی کے آخری لمحات میں یہ رائے قائم کی کہ منصبِ حکومت کے لیے عمر کی ہستی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ اُن کی رائے تھی، انہوں نے حکومت کو خاندانی میراث نہیں سمجھا ورنہ وہ اپنے بیٹے کو امیر نامزد کرتے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کا شوریٰ طلب کیا۔ شوریٰ کی رائے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی کچھ موافق، کچھ مخالف"۔ اسد الغابہ۔ ذکر صدیق اکبر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ شوریٰ: صدیق اکبرؓ نے دوسرے مرحلہ پر مسلمانوں کا شوریٰ طلب کیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، سعید بن زیدؓ، ابو الاعورؓ، اسید بن حضیرؓ اس شوریٰ کے ممتاز افراد تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن کو رائے عامہ اپنا نمائندہ سمجھتی تھی۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب مجوزہ نام عام شوریٰ میں پیش ہوا تو ایک صاف طور پر دو حصوں میں تقسیم ہوگئیں[1]۔ کچھ لوگ اس کے حامی تھے اور کچھ اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ مخالفین نے کہا کیا آپ ہماری امارت کی زمام ایک سخت گیر انسان کو دینا چاہتے ہیں۔ آپ خدا کو کیا جواب دینگے۔ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا: میں کہونگا کہ میں نے منصبِ امارت کے لیے تیرے انسانوں میں سے بہترین آدمی کو مسلمانوں کا امیر بنایا ہے۔ امیر ہونے کے بعد اس کی یہ سخت گیری ختم ہوجائیگی۔

۳۔ استصواب رائے عامہ: ۔ صدیق اکبرؓ نے شوریٰ کے بعد مجوزہ نام کو رائے عامہ حاصل کرنے لیے عوام کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے مکان کے جھروکے سے ان الفاظ میں لوگوں کو مخاطب کیا: ۔

لوگو! میں نے نامزدگی کے ذریعہ سے ایک شخص کا نام طے کیا ہے (افترضون بہ) کیا آپ لوگ اس کے حق میں ووٹ دیتے ہیں۔ تجویز پر غور کرنے کے بعد سب لوگوں نے کہا قد رضینا (ہم سب کی مرضیِ عامہ اس تجویز کو منظور کرتی ہے)، صرف حضرت علیؓ نے للکار کر کہا: "ہم عمر بن الخطاب کے علاوہ کسی دوسرے کا نام منظور نہیں کرسکتے"[2]

مندرجہ بالا تینوں منزلوں سے گزرنے کے بعد یہ انتخاب مکمل ہوا اور فاروق اعظم منصبِ خلافت پر فائز ہوئے۔

---

[1] اسد الغابہ ابن اثیر ج ۴ ص ۶۸ (عمر) واستشار المسلمین فی ذلك فمنهم من رضی ومنهم من کره... (وشاور من المهاجرین والانصار) ص ۶۹

[2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۶۹... حدثنا داؤد بن عمر۔ تاریخ الامم والملوک طبری ج ۴ ص ۵۱۔۵۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلط اندیشی کی بنیاد | جو ملغ زمانۂ حال میں اس انتخاب کو صدیق اکبرؓ کے ذاتی فیصلہ کا نتیجہ تصور کرتے ہیں اُن کو انتخاب کے تینوں پہلوؤں میں سے صرف ایک پہلو پر قناعت نہیں کرنی چاہیے۔ ایک شخص کا نام تجویز کرنے اور حکم جاری کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اگر اس فرق کو نظر انداز کر دیا جائے تو خیالات کی بنیاد لازماً غلط ہو جائیگی۔ یہ امر بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ صدیق اکبرؓ نے نام پہلے تجویز کیا اور شوریٰ بعد میں طلب کیا حالانکہ شوریٰ امام کے عزم پر مقدم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجویز بعنوانِ عزم نہ تھی بلکہ مسلمانوں کی خیر سگالی کے لیے ایک رائے تھی جس کا نفاذ شوریٰ کی بحث، متفقہ فیصلے اور جمہور کی عام منظوری کے بعد عمل میں آیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو صدیق اکبرؓ پہلے شوریٰ طلب کرتے اور اس کے بعد اپنے فیصلے کا اعلان کر دینے پر کفایت کرتے۔

یادداشت | صدیق اکبر سے زیادہ کوئی شخص اس امر سے واقف نہ تھا کہ شوریٰ خدا کا حکم ہے اور منصب خلافت کا تعلق جمہور کی مرضیِ عامّہ سے ہے۔ یہ وہ بات تھی جس کا علم خود آنحضرت کی زبان سے ہو چکا تھا۔[1]

ایک مرتبہ حضرت علی نے حضور سے دریافت کیا: "یارسول اللہ من نؤمر" (یارسول اللہ ہم کس کو امیر بنائیں) جواب میں ارشاد ہوا اگر تم (اجتماعی حیثیت میں) ابوبکر کو امیر مقرر کروگے تو اُن کو امانت بردار، دنیا داری سے دور اور آخرت کا دلدادہ پاؤگے، اگر عمر کو مقرر کروگے تو ان کو طاقتور بارِ امانت کا اہل اور اللہ کے معاملہ میں ملامت سے بے پرواہ دیکھوگے اور اگر علی کو مقرر کروگے تو وہ تم کو صراطِ مستقیم پر لیجانے والے رہنما کا کام دینگے۔[2]

یہ سوال اور اس کا جواب دونوں اس امر پر شاہد ہیں کہ حکومت کے اہم معاملہ کا فیصلہ کرنا کسی ایک

---

[1] عن علی (قال ان تومروا ابا بکر الخ) رواہ احمد والبزار والطبرانی فی الاوسط ورجال البزار ثقات۔ مجمع الزوائد کتاب الخلافۃ ج ۵ ص ۱۷۶۔

[2] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے بلکہ اس کا طے کرنا جمہور کے باہمی فیصلہ پر منحصر ہے۔ آنحضرت نے اس حدیث میں مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ امیر بنانے والے اسلامی سوسائٹی کے تمام ارکان ہیں نہیں اجازت دی کہ امیرِ وقت لوگوں کی رائے لے کر اپنے ذاتی عزم سے حکومت کے رہنما امام کو مقرر کر دیا کریں۔ صدیق اکبر اس فرمان سے باخبر تھے کیا یہ ممکن ہے کہ جو بات پیغمبرِ اعظم کی طرف سے علم میں لائی جا چکی ہے صدیق اکبر اس کی خلاف ورزی کرتے۔ یہ وہ بات ہے کہ مسلمان جس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

۵۔ تیسرا انتخابی شوریٰ (۲۳ھ) فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمان ذی النورینؓ اسلامی حکومت کے قائدِ اعلیٰ (امام) منتخب ہوئے پہلے انتخابات کی طرح یہ انتخابات بھی شوریٰ کے فیصلہ اور رائے عامہ کی منظوری سے تکمیل پذیر ہوا۔ فاروق اعظمؓ نے (مجوسی غلام) ابو لولؤ کے خنجر سے زخمی ہونے کے بعد سب سے پہلے مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب کیا اور فرمایا میں اپنے اختیار سے کسی شخص کو نامزد نہیں کرونگا بلکہ جمہور صحابہ میں سے وہ اصحاب اس کے زیادہ مستحق ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر خوش رہے۔ اس زمانہ میں رائے عامہ کے اعتماد کا اہم عنصر آنحضرت کی مرضی تھی، اس لیے آپ نے اسی کا لحاظ فرمایا۔ جب حالت نازک ہوگئی تو امیر المومنین نے امامت کے تمام اختیارات سے دست برداری دے دی اور حضرت عائشہؓ کو یہ اطلاع دے دی کہ میں آج سے امیر المومنین نہیں ہوں، اور یہ بھی طے کر دیا کہ عبوری دور میں شوریٰ کو اختیارات حاصل ہونگے۔

آپ نے عام مسلمانوں کو مجلس شوریٰ کے ارکان کے ناموں کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ ان کے انتخاب میں وہ اصول کارفرما ہے جس پر جمہور اُمت کا اتفاق ہے۔ ارکانِ شوریٰ میں یہ حضرات تھے: حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

یادداشت	صورت انتخاب: فاروق اعظم نے منصب خلافت کے متعلق طے کیا کہ پہلے چھ اصحاب

میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیا جائے، عبداللہ بن عمر کو محض مشورہ دینے کا حق ہوگا۔ خلافت کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منصب سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ فیصلہ اکثریت کے مطابق ہوگا۔ اگر رائیں برابر ہونگی تو عبداللہ بن عمر فیصلہ کن ووٹ دینگے۔ اگر ارکانِ شوریٰ ان کے فیصلہ کو منظور نہ کریں تو اُمت کو اس جماعت کی رائے منظور کر لینی چاہیے جس کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف ہوں۔ میرے بعد تین دن کے اندر کسی ایک شخص کو منتخب کر لیا جائے ایسا نہ ہو کہ چوتھا دن آجائے اور تم پر کوئی امیر نہ ہو۔

امیر المومنین نے ایک ایک لمحہ کے بعد ایسی ہدایتیں دیں جن کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ مفادِ عامہ اور مرضیِ عامہ بنیادی شئے ہے۔ آپ نے مجلس شوریٰ کے منتخب ارکان سے فرمایا کہ تم کو صرف اس لیے رکن قرار دیا گیا ہے کیونکہ تم عوام الناس کی نظر میں ان کے قائد اور سردار ہو اور اس لیے منصبِ خلافت کو تمہارے دائرہ میں محدود کیا گیا ہے[۱] آخر میں یہ ہدایت کی "جب مجوزہ ضابطے کے مطابق اُمت کے عام افراد ایک فیصلہ پر جمع ہو جائیں اور اس کے بعد کوئی جماعت نافرمانی کرے تو اُس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے[۲]"

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجھے رائے عامہ کی طرف سے اطمینان ہے۔ وہ تم پر بے اعتمادی نہ کریگی کیونکہ وہ اس حقیقت سے واقف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر تم لوگوں سے خوش رہے ہیں لیکن مجھے یہ خطرہ ضرور ہے کہ تم میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں رائے عامہ بھی اختلاف سے دوچار ہو جائے[۳]۔ امیر المومنین نے مجوزہ اصحاب میں سے بعض افراد کو خاص طور پر یہ ہدایت کی کہ تم اپنے خاندان کے افراد کو عوام الناس کی گردن پر مسلط نہ کر دینا[۴]۔ اور اپنے ہونے والے جانشین کے متعلق فرمایا۔ "اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ عوام پر قابو پانے کی کوشش کرے۔ اس کو مہاجرین انصار، اہلِ عرب، فوج کے عام سپاہیوں اور اسلام کے شہریوں کے حق کو محسوس کرنا چاہیے۔ سرمایہ داروں سے زائد مال لے کر عام غریبوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا چاہیے[۵]۔

---

[۱] تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۵ (انی نظرت فوجدتکم رؤساء الناس وقادتہم الخ) [۲] ایضاً (واقتلوا الباقین ان رغبوا عما اجتمع علیہ الناس الخ) [۳] ایضاً ص ۳۴ [۴] الفتوحات الاسلامیہ (دحلان) ج ۲ ص ۲۸۱ (وقال لعثمان لا یحملن بنی معیط علی رقاب الناس الخ) [۵] اسد الغابہ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوریٰ اور استصواب رائے عامہ	شوریٰ کے ارکان فاروق اعظمؓ کے مجوزہ ضابطوں کے مطابق

دیوانِ مشاورت میں جمع ہوئے اُنہوں نے گرم گرم بحثیں کیں اور یہ سمجھ لیا کہ ان کا فیصلہ عام شوریٰ سے منظوری حاصل کیے بغیر قابلِ عمل نہیں ہو سکتا۔ شوریٰ کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے تدبر سے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں سے کسی ایک کے لیے اُمت کی رائے عامہ کا فیصلہ حاصل کریں۔ اُنہوں نے اُمت کے تمام افراد کو رائے دہی کا حق دیا اور پہلے دونوں منتخب اشخاص سے گفتگو کی اس کے بعد استصوابِ رائے عامہ کا اعلان کیا۔ اس موقع پر برگزیدہ لوگوں، فوج کے کمانڈروں، فوجی دستوں، عام سپاہیوں، افراد اور جماعتوں، عورتوں اور بچوں اور مدینہ آنے جانے والے مسافروں سے رائے لی گئی تین دن اور تین رات مسلسل رائے لینے کے بعد ووٹروں کے اختلاف سے حضرت عثمانؓ کے نام کا اعلان ہوا[1]۔ اس طرح تیسری مرتبہ بھی یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے امیر اور عوام نے شوریٰ کی پابندی کی اور شوریٰ کا طریقہ بھی وہ اختیار کیا جو موجودہ ترقی یافتہ ممالک میں صدیوں بعد جاری ہوا ہے اور جس سے برطانوی پارلیمنٹ آج تک محروم ہے۔

جو اصحاب یہ سمجھتے ہیں کہ منصبِ خلافت کے انتخاب میں فاروق اعظمؓ کے ذاتی اختیار کا زبردست دخل تھا۔ انہیں ان کی مندرجہ ذیل تین ہدایتیں یاد رکھنی چاہئیں۔

(ا) لاخلافۃ الا عن مشورۃ۔ خلافت کا قیام اُس وقت تک نا جائز ہے جب تک شوریٰ کا فیصلہ نہ ہو (کنز العمال)

(ب) من بائع عن غیر مشورۃ المسلمین فانہ لا بیعۃ لہ۔ جو عام مسلمانوں کے شوریٰ کے بغیر کسی شخص کو امیر قرار دے کر بیعت کریگا تو یہ بیعت کالعدم ہوگی[2]

(ج) فان الخلافۃ شوریٰ فی ھؤلاء الرھط الستۃ الذی توفی رسول اللہ وھو

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) ج ۷، ص ۱۴۵، ۱۴۶۔

[2] تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۴، ۳۹۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنہم راضی۔ خلافت کا فیصلہ ان چھ افراد کی مجلس شوریٰ کریگی جن سے زندگی بھر آنحضرتؐ خوش رہے[1]۔ (یہ الفاظ اُس وقت فرمائے جب عوام نے آپ سے یہ درخواست کی کہ امیر المومنین منصبِ خلافت کا فیصلہ اپنے ذاتی اختیار سے فرمائیں)

امیر المومنین کی یہ تینوں ہدایتیں اس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ فاروق اعظم اصولاً شوریٰ[2] کے فیصلہ کو اپنے فیصلہ پر ترجیح دیتے تھے اور اُنہوں نے تیسرے انتخاب کے موقع پر بھی شوریٰ کے فیصلہ کو حکمت عملی کی بنیاد قرار دیا۔

چوتھا انتخابی شوریٰ (۳۵ھ)۔ ۳۵ھ[3] میں مسلمانوں نے بار چہارم اسلام کی ریاست عامہ کے امیر کا انتخاب کیا۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ کی شہادت ایک دردناک حادثہ کی صورت میں رونما ہوئی۔ فاروق اعظمؓ کی زندگی کے آخری لمحوں میں یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ جمہور زیادہ تر حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے حق میں ہیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے انہی دونوں بزرگوں کے متعلق استصواب رائے عامہ کیا تھا جس کے نتیجہ میں عثمان غنیؓ کامیاب ہو گئے تھے۔ چونکہ وہ آج شہید ہو چکے تھے اس لیے ان کے بعد صرف حضرت علیؓ ہی کی ہستی ایسی تھی جس پر رائے عامہ کی نظر تھی[4]۔

---

[1] سیرت ابن ہشام، روض الانف ج ۲ ص ۳۷۳۔ اُسد الغابہ ج ۴ ص ۷۶-۷۰۔

[2] امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب اپنے جانشین کے تقرر کے متعلق تین صورتیں اختیار کر سکتے تھے: ممتاز صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد اپنے اختیار سے کسی شخص کو حکماً مقرر کر دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے سب کچھ اُمت کے اختیار اور مرضی پر چھوڑ دیتے۔ یا صدیق اکبر کے اسوۂ سیاسی پر کاربند ہو کر اپنے جانشین کا نام تجویز کر دیتے اور اُمت سے رائے لے کر اس کا نفاذ فرما دیتے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے جانشین کا نام تجویز کر سکتا ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نام تجویز کرنے کی ذمہ داری نہ لوں دونوں صورتوں میں میرے سامنے ایسی نظیریں ہیں جو مجھ سے بہتر ہستیوں نے چھوڑی ہیں۔

فاروق اعظم نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے اختیار کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور آخری کام یہ کیا کہ جمہور کے معتمد نمائندوں کی مجلس شوریٰ مقرر کر کے سب کچھ رائے عامہ کے اختیار میں دے دیا، اور ایک ایسی صورت تجویز کی جس میں ماضی کی دو اعلیٰ روایتیں اپنی بہترین خوبیوں کے ساتھ جمع تھیں۔

[3] مطابق ۶۵۶ء [4] تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۷-۳۸ (۳۵ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدینہ میں ممتاز صحابہ موجود تھے وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پُرزور طریقہ پر یہ رائے دی کہ اب آپ منصب امارت کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لیں۔ اس موقع پر جانبین میں جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی "عوام الناس کے مفاد کا مطالبہ یہ ہے کہ امیر حکومت کا تقرر جلد عمل میں لایا جائے۔ ہم سب کی رائے میں اس عہدہ کے لیے آپ سے زیادہ اور کوئی مستحق نہیں۔ آپ ہر طرح صفِ اول کی اولیں شخصیت ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے عہدہ امامت سے انکار فرمایا اور کہا "مجھے امیر نہ بنائیے بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے وزیر بنا دیں"۔

اس موقع پر تمام آرا متحد ہو گئیں صحابہ کی رائے عامہ نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنایا، ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم ضرور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرینگے" حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ اس حقیقت پر ناطق ہیں کہ حکومت کے غیر معمولی معاملات کے لیے عوام کی مرضی ہی وہ آخری عدالت ہے جس کا فیصلہ بڑے سے بڑے انسان کے عزم پر غالب ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں: ففی المسجد فان بیعتی لا تکون خفیاً ولا تکون الا عن رضی للمسلمین (اگر یہی فیصلہ ہے تو منصبِ امامت کا قطعی فیصلہ مسجدِ نبوی میں ہوگا۔ آپ مجھے حکومت کا جو کام سپرد کر رہے ہیں وہ لوگوں کی نظروں سے چھپ کر نہ ہوگا اور میرے متعلق جو بھی طے ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی مرضیِ عامہ سے ہوگا) چنانچہ اس رائے کو تسلیم کر لیا گیا۔ صحابہ نے آپ کا نام تجویز کیا تھا۔ جب مسجدِ نبوی میں مجوزہ نام پیش ہوا تو پہلے مہاجرین و انصار نے اور اس کے بعد عام انسانوں نے اس کو منظور کر لیا۔[۱] یہ آخری انتخاب تھا جس نے مرضیِ عامہ اور شوریٰ کے قانون کی اہمیت کا اعلان کیا۔

امام کا اختیارِ مطلق اور عزم: شوریٰ کی شاندار تاریخ سے باخبر ہونے کے باوجود بعض علمی دماغ اسلامی حکومت کے رئیس (امام) کو مختارِ مطلق مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک امام کو قابلِ اعتماد مشیروں کی رائے لے کر اپنے عزم اور فیصلہ کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اس دعوے کی تائید میں نظیروں

---

[۱] تاریخ الامم والملوک طبری ج ۵ ص ۱۵۲ (فاتاہ اصحاب رسول اللہ ؐ ۔ لابد للناس امام الخ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کی جاتی ہے۔ آنحضرت نے صلحنامۂ حدیبیہ کے موقع پر اور صدیق اکبرؓ نے جیشِ اسامہ اور مرتدینِ زکوٰۃ کے متعلق صحابہ کی رائے اور مشورہ کے خلاف اپنے فیصلہ پر عمل فرمایا۔ تاریخی اعتبار سے یہ بیان درست ہے لیکن اس سے امام کے اختیارِ مطلق کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

غلط اندیشی کی بنیاد اس مسئلہ میں مرحلۂ اول پر غلط اندیشی کی بنیاد کو صاف کر دینا ضروری ہے علماءِ اسلام نے تصریح کی ہے کہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں دو قسم کی ذمہ داریوں پر فائز تھے۔

(۱) منصبِ رسالت (پیغمبری)، (۲) منصبِ امامت (حکومت و ریاست) یہی دونوں ذمہ داریاں ہیں جن سے آنحضرت کے طرزِ عمل میں فرق پیدا ہو جاتا تھا۔ آنحضرتؐ منصبِ رسالت کا کام خدا کے حکم (وحی الٰہی) کے مطابق انجام دیتے تھے اور منصبِ امامت کا کام شوریٰ کے ذریعہ سے آپ پیغمبرانہ ذمہ داریوں میں وحی سے پہلے حسب مرضی مشورہ تو کر لیتے تھے لیکن شوریٰ طلب کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری نہ تھا۔ ایسے حالات میں صرف خدا کا حکم واجب التعمیل ہوتا تھا۔ البتہ اس معین شکل کے علاوہ حضور اکرمؐ نے کبھی اپنے عزم کو شوریٰ کے خلاف استعمال نہیں کیا، یہ امر قدرتی بھی ہے کیونکہ پیغمبر کی ہستی امام کی ہستی پر اور پیغمبری کا منصب حکومت و امامت کی ذمہ داری پر فائق ہے۔ اگر دونوں ذمہ داریوں کے اس فرق کو بخوبی ذہن نشین کر لیا جائے تو امام و شوریٰ کے باہمی اختیار کے متعلق غلط اندیشی کی بنیاد اپنی جگہ پر باقی نہ رہیگی[1]۔

---

[1] شوریٰ کے ایوان میں اور امامت کی ذمہ داریوں کے دوران میں امام کی انفرادی رائے کا کیا درجہ ہے؟ اس کا جواب خیر القرون کی تاریخ شوریٰ بخوبی پیش کرتی ہے۔

(۱) عہدِ نبوی میں اس سلسلہ کی پہلی روشن مثال اُس وقت سامنے آئی جب پیغمبرِ اعظمؐ نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم اعلیٰ (گورنر) مقرر فرمایا۔ آنحضرت نے اُمت کے بلند پایہ مشیروں کو شوریٰ میں طلب کیا۔ اس وقت حضور اکرمؐ نے شوریٰ سے پہلے جو تاریخی الفاظ فرمائے وہ یہ تھے: انی فیما لم یوح الیّ کاحدکم (وہ مسائل جن کے متعلق میرے پاس خدا کی وحی نازل نہیں ہوئی ان میں میری انفرادی رائے تم (بقیہ برصفحہ ۳۳۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یادداشت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل اور شوریٰ کی تاریخ مندرجۂ بالا ذمہ داریوں کے فرق کو نمایاں طور پر پیش کرتی ہے۔ ثبوت کے طور پر صرف دو مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ آنحضرت نے بدر کبریٰ کے محاذ پر ایک خاص جگہ خیمہ زن ہونے کا فیصلہ کیا اور صحابہ کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ صحابہ میں سے حضرت خباب بن منذر نے فوراً عرض کیا حضور! کیا اس جگہ قیام کے متعلق خدا کا حکم ہے؟ یا آپ کا فیصلہ ہے؟ یا جنگ ہی یا جنگی تدبیر؟ جواب ملا یہ ہمارا ذاتی عزم ہے" خباب نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ہدایت کا تعلق پیغمبرانہ ذمہ داری سے نہیں ہے بلکہ حضور کے سیاسی

(بقیہ صفحہ ۳۴۲) لوگوں کی ایک رائے کے برابر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۶ کتاب المناقب) ج ۱ ص ۱۷۸ باب الاجتہاد۔ رواہ الطبرانی عن معاذ بن جبل۔ اس شوریٰ میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور اُسید بن حضیر شریک تھے۔ شوریٰ میں ہر ایک نے بحث میں حصہ لیا۔ اس کے تمام رجال ثقات ہیں۔ طبرانی نے صرف ابوالعطوف کے متعلق لم اعرفہ لکھا ہے)

(۲) دوسرے موقع پر صدیق اکبرؓ نے اپنے انتخاب کے بعد جمہور کے ایوان عام میں یہ الفاظ کہے تھے: "مجھے تم نے امیر بنایا ہے حالانکہ میں تم پر فائق نہیں ہوں، اگر میرا طرز عمل بہتر ہو تو مجھ سے تعاون کرو، غلطی کروں تو اصلاح کر دو" ان جملوں کا منشا یہ ظاہر کرنا تھا کہ عوام کی مجموعی طاقت امام کی منفرد قوت پر فوقیت رکھتی ہے۔ اور جمہور کی رائے مناسب مواقع پر امیر کی رہنمائی کر سکتی ہے (سیرۃ ابن ہشام، روض الانف ج ۲ امر سقیفہ بنی ساعدہ)

(۳) صدیق اکبر کے بعد فاروق اعظم نے اپنے زمانہ میں امام کی انفرادی رائے کی قانونی حیثیت کو متعین کیا۔ آپ نے عراق کی زمینوں کے متعلق شوریٰ طلب کیا اور بھرے ہوئے ایوان میں فرمایا "میں نے آپ کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ حکومت کی ان ذمہ داریوں میں شریک ہوں جو خود آپ ہی نے مجھے سپرد کی ہیں۔ اس شوریٰ میں میری حیثیت شوریٰ کے ایک فرد کی برابر ہے۔ آج تم کو ایک حق بات کا فیصلہ کرنا ہے (کتاب الخراج امام ابو یوسف باب قسمۃ الغنائم ص ۲۵ (فانی واحد کاحدکم)

اسلام کے تین درخشاں زمانوں کی یہ تین مثالیں اپنی حقیقت کی آپ گواہ ہیں۔ فاروقی عہد میں جو شوریٰ ہوا اُس میں جمہور نے ارض عراق کے متعلق امیر المومنین سے شدید بحثیں کیں۔ آخر کار فاروق اعظم کو قرآن سے چند نظیریں مل گئیں اور اس پر شوریٰ کے تمام ووٹ متحد ہو گئے۔ اس واقعہ نے یہ ثابت کر دیا کہ خدا کے قانون کی نظیر لانے سے پہلے امام اپنی منفرد رائے سے جمہور کے فیصلے کو دبا نہیں سکتا اور اگر کسی معاملہ کا فیصلہ وحی الٰہی سے ہو چکا ہے تو عوام امام کی منفرد رائے کے خلاف کوئی رائے پیش نہیں کر سکتے کیونکہ امام کو ایسی رائیں مسترد کر دینے کا حق حاصل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزم و اختیار سے ہے مجوزہ مقام سے اختلاف کیا اور مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ جگہ غیر موزوں ہے یہاں سے لشکر کو لے کر چلیے اور دوسری جگہ خیمے ڈالیے آنحضرت نے اس مشورہ کو سُنا صحابہ بھی متفق نظر آئے۔ زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ خباب کے مشورے کے مطابق فوجوں کی فرودگاہ بدل گئی[1]

(ب) محاذِ خندق کے موقع پر مدینہ دشمنوں کی متحدہ افواج کے محاصرہ میں تھا۔ آنحضرت نے شہریوں کی پریشانی کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ غطفان کے سرداروں سے مدینہ کی تہائی پیداوار پر صلح کرلی جائے۔ بنی غطفان نے حضور کی مجوزہ صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ صلحنامہ پر دستخط نہ ہوئے تھے کہ آنحضرت نے سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے صورتِ واقعہ کو سُننے کے بعد پہلا سوال یہ کیا۔ "مجوزہ صلح خدا کا حکم ہے یا حضور اکرم کی ذاتی رائے؟ جواب ملا " ہماری ذاتی رائے ہے"۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ صلح کا تعلق پیغمبرانہ ذمہ داری سے نہیں ہے بلکہ ذاتی عزم سے ہے تو دونوں حضرات نے صلح کے خلاف مشورہ دیا اور کہا کہ " واللہ ہم اپنے دشمنوں کو تلوار کے علاوہ اور کچھ نہیں دینگے"

آنحضرت نے اپنے ماہر مشیروں کو جب اس درجہ مخالف پایا تو مجوزہ صلحنامہ پر دستخط کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنے فیصلے پر عمل نہیں فرمایا۔ یہ دونوں مثالیں صاف ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کے تعامل کا مدار دو قسم کی ذمہ داریوں پر تھا اور صحابہ مشورہ پیش کرنے سے پہلے برسرِ عام یہ معلوم کر لیتے تھے کہ معاملہ متعلقہ شوریٰ کی دسترس کے اندر ہے یا خارج از اختیار۔

خلفاءِ راشدین کی تاریخِ حکومت میں بھی یہ دونوں ذمہ داریاں خاص فرق کے ساتھ نمایاں رہی ہیں۔ اس مبارک زمانہ میں یہ بات طے شدہ تھی کہ وہ معاملات جو اسلام کے قانونِ اساسی (وحی الٰہی) اور رسالتماب کے پیغمبرانہ فرامین کی رو سے ہمیشہ کے لیے واجب العمل تھے، ان کے باب میں شوریٰ کا اختیار فائق نہ تھا۔ ایسے معاملات میں امام مشورہ نہ کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۷۔ ارایت ھٰذا المنزل منزلا انزلك اللّٰہ لیس لنا ان نتقدمہ ولا نتاخر عنہ، روایت ابن اسحاق۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے خیالی میں مشورہ دیتا تو امام اس تصریح کے ساتھ اس کو نامنظور کر دیتا کہ یہ خدا کا قانون ہے یا اس کے رسول کا حکم ہے۔ صحابہ کرام یہ سن کر باخبر ہو جاتے اور اختلافی مشورہ آناً فاناً وحدتِ افکار میں تبدیل ہو جاتا تھا۔

صلح حدیبیہ | صلح حدیبیہ اُن واقعات میں سے ہے جن کو شوریٰ کے خلاف اور امام کے اختیارِ مطلق کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے حالانکہ غور کرنے سے اندازہ ہوگا کہ یہ واقعہ اصلاً شوریٰ کا موئد ہے۔

درحقیقت یہ صلح عام اُمیدوں کے خلاف صرف پیغمبرانہ ذمہ داری کے ماتحت طے پائی، آنحضرتؐ نے مکہ معظمہ کا عزم کرنے سے پہلے بڑے اہتمام سے شوریٰ طلب کیا اور اس کے فیصلہ پر عمل فرمایا یہ اس بات کا گرانقدر ثبوت تھا کہ حضور اکرم وحی الٰہی آنے سے پہلے ان معاملات میں بھی شوریٰ منعقد فرماتے تھے جو بعد میں خدا کے حکمِ مطلق کے ماتحت طے پائے ہیں[1]۔

یہ صحیح ہے کہ صلحنامہ حدیبیہ کی تجاویز[2] عوام کے لیے دلشکن اور مایوس کن تھیں لیکن اس سے شوریٰ اور رائے عامہ کی قدر و قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جو کچھ ہوا خدا کے حکم سے ہوا۔ مرضیِ عامہ

---

[1] آنحضرتؐ نے ۶ھ میں چودہ سو اصحاب کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کا عزم کیا۔ قافلہ کو غدیر اشطاط پر اطلاع ملی کہ قریش درندوں کی کھالیں پہن کر جنگ کے لیے تیار ہیں۔ یہ سن کر حضور اکرمؐ نے شوریٰ طلب فرمایا اور صورتِ معاملہ کو اس کے سامنے پیش کیا۔ صدیق اکبرؓ نے ارکان کو خطاب کر کے تقریر کی۔ "یہ سفر جنگ کے لیے نہیں ہے۔ ہم نہ جنگ میں پہل کریں گے اور نہ کسی کو قتل کریں گے، اگر حملہ ہوا تو مقابلہ ضرور کیا جائیگا" آخر میں شوریٰ کا فیصلہ ہوا کہ سفر جاری رکھا جائے۔ چنانچہ اسی فیصلہ پر عمل کیا گیا۔

[2] تجاویز صلح میں متعدد باتیں بظاہر عام جذبات کے خلاف تھیں۔ صلحنامہ کی ترتیب کے وقت قریشِ مکہ نے رسول کے لفظ پر اعتراض کیا، آپ نے اس کی جگہ اپنے نام کے ساتھ عبداللہ لکھوایا۔ بسم اللہ پر اعتراض ہوا تو اس کی جگہ دستورِ قریش کے مطابق "باسمک اللھم" درج کرا دیا۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل شرائط کو منظور کر لیا۔ (۱) دس سال کے لیے جنگ بند رہیگی۔ مسلمان تکمیل مقصد (بیت اللہ کی زیارت) کے بغیر واپس ہو جائینگے (۲) قریش کے جو آدمی بھاگ کر آئینگے مسلمان ان کو واپس کر دینگے لیکن قریش مسلمانوں کے بھاگے ہوئے آدمیوں کو واپس نہیں دینگے (۳) مسلمان سال آئندہ چند پابندیوں کے ساتھ حج کر سکینگے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانوناً بڑی چیز ہے لیکن خداوند تعالیٰ کی مرضیِ اعلیٰ اس سے بھی بلند و بالا ہے۔

فاروق اعظم، حضرت علی اور دوسرے صحابہ جن کو کمزور صلح ناگوار تھی وہ رائے دیتے ہوئے یہ اندازہ نہ کر سکے کہ صلح حدیبیہ آنحضرت کے اختیارِ مطلق کی جگہ پیغمبرانہ ذمہ داری پر تکمیل پا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب فاروق اعظم نے صدیق اکبر سے غصہ میں یہ کہا "اگر ہم مسلمان اور یہ لوگ کافر ہیں تو ہم کیوں کمزوری کا اظہار کریں" تو صدیق اکبر نے فوراً غلط فہمی دور کرنے کے لیے فرمایا "عمر! حضور اللہ کے رسول ہیں، آپ کا فیصلہ درست ہے، آپ نے خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا۔ خدا ضرور آپ کی امداد کریگا" جب یہی شکایت حضور کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے بھی اس کو ان الفاظ میں رد کر دیا "میں خدا کا رسول ہوں میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہ کرونگا، مجھے یقین ہے خدا میرے ثمرہ کو ضائع نہ کریگا"[1]

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آنحضرت نے صلح حدیبیہ کے لیے شوریٰ سے منظوری کیوں نہیں لی اور رائے عامہ کے احتجاج کو کس لیے نظر انداز فرمایا۔ اس باب میں ذرا شبہ نہیں کہ اگر صلح حدیبیہ کا تعلق آپ کی مخصوص پیغمبرانہ ذمہ داری سے نہ ہوتا تو آپ ہمیشہ کی طرح اس معاملہ کو بھی اپنے صحابہ کی رائے عامہ سے طے فرماتے[2]

شورائے جیشِ اُسامہ ۱۱ھ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صدیق اکبر نے آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت اُسامہ کی فوج کو شام کے محاذ پر روانگی کا حکم دیا، حالانکہ دار الخلافہ مدینہ قبائلی بغاوت کی وجہ سے خطرات میں محصور تھا اور صحابہ کا مشورہ یہ تھا کہ اُس وقت اس فوج کو باہر نہ روانہ کیا جائے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام (روض الانف ج ۲ ص ۲۳۰)۔ [2] آنحضرت نے خدا کے حکم سے صلح کر لینے کے بعد رائے عامہ کو مطمئن کرنے کے لیے غیر معمولی توجہ کی جس سے مرضیِ عامہ کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے قرآن میں عام اطمینان کے لیے فتح مبین اور فتح قریب کی خبر دی گئی۔ اور اسی مقصد کے لیے سورۃ الفتح نازل ہوئی جس پر سات جلیل القدر صحابہ نے دستخط کیے جن میں دو بڑے معترض حضرت عمر اور حضرت علی بھی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتِ حال واضح ہونے کے بعد صحابہ صلح پر متفق ہو گئے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس واقعہ سے امام کو آمر مطلق قرار دینا ایک تاریخی واقعہ کی غلط تعبیر پیش کرنا ہے اس معاملہ میں صدیق اکبر نے جو کچھ کیا اس میں مطلق العنانی کا ذرا دخل نہ تھا۔ آنحضرت نے اُسامہ کی فوج کو مرتب کر کے محاذ پر جانے کا حکم دیا تھا، صدیق اکبر نے اس کو واجب التعمیل سمجھا، اور صحابہ کے مشورہ کے مقابلہ میں یہ ضروری خیال کیا کہ حضور اکرم کی پیغمبرانہ وصیت اور آخری حکم پر عمل کیا جائے

شورائے مرتدینِ زکوٰۃ ۔ آنحضرت کی وفات کے بعد مدینہ کے اطراف میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے خلاف بغاوت رونما ہوئی ۔ باغی کہتے تھے کہ نماز بدستور رہے زکوٰۃ معاف کر دی جائے ۔ شوریٰ کا مشورہ یہ تھا کہ نرمی کی جائے ۔ صدیق اکبر نے دونوں باتوں کو رد کر دیا ۔ انہوں نے شوریٰ کے ارکان کو یاد دلایا زکوٰۃ خدا کے حکم سے واجب ہے ۔ شوریٰ اس میں کمی کا مشورہ نہیں دے سکتی ۔ آپ نے فرمایا :-

"قانونِ الٰہی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے ۔ میری زندگی میں اسلام میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اگر فرض زکوٰۃ دینے سے انکار کیا گیا تو میں انکار کرنے والوں سے تنہا جہاد کرونگا ۔

یہ کتنی بڑی غلطی ہے کہ صدیق اکبر قانونِ الٰہی کو پیش کر کے صحابہ کو صحیح طور پر سمجھا رہے ہیں، مگر دوسری طرف کچھ دماغ یہ باور کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین شوریٰ کے فیصلوں کو رد کر کے اپنے شخصی عزم پر عمل کرنے کے عادی تھے اور مطلق العنان امیر کی حیثیت سے کام کرتے تھے ۔

| یادداشت | صدیق اکبرؓ کے بعد بہت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ صدیق اکبر نے خدا کے

قانون کی تعمیل کر کے اپنے فرض کو ادا کیا تھا ۔ صدیق اکبر کے دلائل ایسے تھے جنہوں نے شوریٰ کو

لے صدیق اکبر نے اس وقت صحابہ سے اختلاف کیوں کیا ۔ اس کا سبب خود ان کے الفاظ میں یہ ہے "اگر میں یہ اندیشہ بھی کرتا کہ مجھے درندے اُٹھا لیجائینگے اور میں بستی میں تنہا رہ جاؤنگا تو میں ایسی حالت میں بھی اُسامہ کی فوج کو بھیجتا، اور وہ کام کر کے دکھاتا جس کا حکم اللہ کے پیغمبر نے دیا تھا" یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ جیشِ اُسامہ کی روانگی میں امیرالمومنین کے شخصی عزم اور فیصلہ کا دخل نہ تھا بلکہ اس کا تعلق پیغمبر اعظم کی آخری وصیت اور دربارِ نبوت کے قطعی حکم کی تعمیل سے تھا کیونکہ آنحضرت نے اپنی زندگی میں اس فوج کو روانگی کا حکم دیا تھا ۔ دیکھو سیرت ابن ہشام (روض الانف) جلد ۲ ص ۳۵۲ و ۳۶۹ ۔ تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۱۲ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطمئن کر دیا تھا اس لیے یہاں شوریٰ کی مخالفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ جن کو صدیق اکبر نے برسر مجلس ڈانٹا تھا اس وقت یہ کہتے ہوئے نظر آئے۔ "واللہ خدا نے ابوبکر کا سینہ جہاد کے لیے کھول دیا" فعرفت انہ الحق[1] "اب مجھے معلوم ہوا کہ انہی کی رائے درست ہے"۔

علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ کی رائے کی اطاعت نہیں کی بلکہ مدلل بحث کے بعد خود اپنی آزاد رائے قائم کی[2] اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے صحابہ نے بھی اپنی اپنی رائے کے ماتحت آخری فیصلہ پر پہنچنے میں کامیابی حاصل کی اور اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا وہ صدیق اکبرؓ کی حاکمیت کے ماتحت نہیں ہوا بلکہ امت کی رائے عامہ کی قوت سے رونما ہوا[3]

شوریٰ کا امتیاز اور خصوصیات

اسلام دنیا کی پہلی طاقت ہے جس نے موجودہ پارلیمنٹ سے ایک ہزار سال پہلے شوریٰ کے نام سے ایک سچے پارلیمنٹری نظام کی تشکیل کا کام اپنے ذمہ لیا۔ اس نے اس وقت اختیار عامہ کے اصول کی بنیاد رکھی جب یورپ کی تاریخ جہالت پر پانچ صدی کا زمانہ گزر چکا تھا۔ دنیا روم و فارس کی شہنشاہیتوں کے شکنجہ میں دبی ہوئی تھی اور ایشیا سے لے کر افریقہ تک اور افریقہ سے یورپ تک زمین کے کسی حصہ میں جمہوریت اور ڈیماکریسی (عمومیت) کا چمن سرسبز و شاداب نہ تھا[5]

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۶ ص ۳۱۴ [2] شرح مسلم بشرح النووی ج ۱ ص ۲۰۱ (طبع مصر) عن ابی ہریرۃ۔ [3] بے جے کے بنچلی نظریۂ سلطنت [4] دائرۃ المعارف فرید وجدی (ادربا) ج ۲ ص ۷۶۲۔ الاسلام فی عصر العلم ج ۱ ص ۳۴۳۔۲۳۳ [5] یورپ میں پارلیمنٹ کی بنیاد شاہ ہنری سوم کے عہد میں ۱۲۶۵ء میں ارل سائمن ڈی مانٹفورڈ کے ہاتھوں پڑی لیکن یہ جمہور کے اختیار کا ناقص ظہور تھا جس کو ہنری نے ۱۲۶۶ء میں ختم کر دیا۔ انیسویں صدی تک پارلیمنٹ کا نظام بے حقیقت تھا۔ ۱۸۱۶ء کے انتخاب کے بعد مسٹر پٹ اصغر وزیر اعظم انگلستان نے خود یہ اعتراف کیا تھا کہ "انگلستان کی پارلیمنٹ تمام برطانیہ عظمیٰ کی نمائندہ نہیں ہے بلکہ نام نہاد شہریوں، اعلیٰ خاندانوں اور سرمایہ داروں کی قائم مقام ہے" ۱۸۸۹ء میں انگلستان میں دوسرا انقلاب رونما ہوا، اس وقت پارلیمنٹ اپنی معین شکل میں دنیا کے سامنے آئی۔ اسی تاریخ سے آج تک ایوان پارلیمنٹ نے

(انسائیکلوپیڈیا ص ۲۴۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آرمینس وان میری نے بجا طور پر یہ اعتراف کیا ہے کہ "کائنات ارضی کے تمام مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسے ڈیما کریسی (حقیقی جمہوریت) کی بنا پر امتیاز اور فوقیت حاصل ہے۔ انسان کی عمرانی تاریخ سے آج تک اگر صحیح معنی میں کوئی شوروی (پارلیمنٹری اور جمہوری) حکومت قائم ہوئی ہے تو بتقسیم یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ خلفاء راشدین ہی کی خلافتِ راشدہ تھی"[1]

زمانۂ حال کی پارلیمنٹ غلط طریقہ پر اولیت کا شرف حاصل کرنا چاہتی ہے۔ موجودہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں بڑے رعب و داب کے ساتھ پارلیمنٹ کی معین تصویر اور اس کے قانونی طریقوں کی تکوین کا دعویٰ کرتی ہیں۔ لیکن یہ جزئی کام ہے جس کی کوئی بنیادی اہمیت نہیں ہے۔ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ حقیقی پارلیمنٹ کا موجد ہے اور یورپ دوسرے درجہ کا کاریگر، کیونکہ شوریٰ دنیا کے سامنے اُس وقت آیا جب پارلیمنٹ زمین کے کسی حصہ پر پیدا نہیں ہوئی تھی۔

مسٹر جولیو کسٹلاٹ (Jolivet Castelat) نے اپنی کتاب "قانونِ تاریخ" میں لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد چار صدی کا زمانہ ایسا گزرا ہے جب دنیا میں عربی تمدن کے علاوہ اور کوئی تمدن نہ تھا[2]" اس بیان کے بعد یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ یورپ میں شہنشاہیت

(بقیہ صفحہ ۳۳۸) جو ترقی کی ہے اس کے متعلق ماہرین قانون کی رائے ان الفاظ میں قلمبند کی گئی ہے "اگرچہ دنیا کی کوئی مجلس ہاؤس آف کامنز (پارلیمنٹ) انگلستان سے بہتر نہیں لیکن یہ ہاؤس اپنے ترکیبی اصول و طریق کے لحاظ سے مکمل نہیں ہے۔" یہ ہے پارلیمنٹ کی ابتدا اس کے مقابلہ میں "شوریٰ" کا سیاسی ظہور [۲] ۶۳۲ء میں ہوا۔ یعنی موجودہ پارلیمنٹ سے بارہ سو سال پہلے۔ گورنمنٹ انگریزی کے اصول و طریق حکومت (P.R.S) لاہور ۱۹۰۲ء ہاؤس آف کامنز ص ۸۹-۱۰۸۔

نوٹ صفحہ ہذا۔ [1] دیکھو نظام العالم والامم جوہری ج ۲ صفحہ ۲۲۴۔ جی ڈبلیو برے "عرب ہمیشہ ڈیما کریسی اور شوریٰ کا گہوارہ رہا ہے۔" دیکھو برے کی اسلامی سوسائٹی بحوالۂ بالا ج ۲ ص ۲۴۵۔ سروجنی نائیڈو۔ اسلام نے سب سے پہلے جمہور کی حکومت قائم کی جس کو قانون الٰہی چلاتا ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھو الحدیقہ محب الدین الخطیب مصری۔ [2] (بر صفحہ ۳۴۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی شکست و ریخت اور عوام کے اختیار کا ظہور اسلام ہی کے جمہوری آثار میں سے ایک اثر ہے جس کی صورت بدل دی گئی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام کی شوریٰ حکومت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی اگر بنی امیہ اسلامی جمہوریت کا خاتمہ نہ کرتے اور بنی عباس اور آلِ عثمان ان کے بعد شہنشاہیت کو اپنا اصول نہ بناتے اور شوریٰ کی جگہ ولیعہدی کا اصول نہ جاری ہوتا تو مسلمان یقیناً شوریٰ کی تشکیل و ترقی کا کام بھی اتنے ہی شاندار طریقہ پر عمل میں لاتے جس قدر خود شوریٰ نے اپنی سچی عظمت کو ظاہر کیا ہے لیکن خلافتِ راشدہ کے بعد جو کچھ ہوا اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ شوریٰ اپنی حقیقت کے اعتبار سے کوئی معمولی ادارہ ہے اور اس کو اولیت کا جو شرف حاصل ہے اس پر کسی دوسرے ادارہ کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ شوریٰ اسلام کی خلاقی کا اعلیٰ نمونہ ہے اور اپنی خصوصیات کے اعتبار سے مستقل ہے۔ سب سے اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو خرابیاں پارلیمنٹ کے نظام کی روح بن چکی ہیں اُن کو شوریٰ کے نظام میں خوردبین کی امداد سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔

شوریٰ کی خصوصیات

اسلامی شوریٰ زمانۂ حال کی پارلیمنٹ سے کئی امور میں مختلف ہے۔

ا۔ معین قانون شوریٰ ایک ایسے معین خدائی قانون کا پابند ہے جس کی اصل میں کوئی تغیر ممکن نہیں۔ پارلیمنٹری نظام میں قوم کی مطلق مرضی کو حکومت کی جان گنا جاتا ہے[۱]۔ شوریٰ میں یہ مرضی مطلق نہیں ہوتی بلکہ اقتدارِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کی مرضی کے ماتحت ہوتی ہے[۲]۔

(نوٹ صفحہ ۳۳۹) [۱] موسیو رینہ مارشل (Rene Martial) نے اپنی کتاب "فرانسیسی عنصر" میں یہ اعتراف کیا ہے کہ یورپ میں عربوں نے اپنے تمدن کے جو آثار چھوڑے ہیں وہ جرمن نسل کے لوگ بھی نہ چھوڑ سکے۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [۱] گورنمنٹ انگریزی کے اصول (P.R.B.S) [۲] پارلیمنٹ کی حکمرانی ص ۱۱۱

[۲] خدا کا قانون چاند سورج کی طرح ابد تک اپنی اصل پر برقرار رہیگا۔ شوریٰ مملکت کے ارتقائی مدارج میں قواعد و ضوابط کو ترتیب دیتی ہے مگر اصل قانون کے خلاف کبھی فیصلہ نہیں دیتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ایوان | ریاستِ عامہ کی مجلسِ شوریٰ وحدانی پارلیمینٹ ہے شوریٰ کے مختلف طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس پر ایوانِ واحد کا اطلاق ہوگا۔

یادداشت | مجلس اہلِ حل وعقد شوروی مجلس ہے۔ مگر وہ ہاؤس آف لارڈز نہیں ہے جس کے ارکان موروثی طور پر نامزد ہوتے ہیں اور شاہی شہزادے سمجھے جاتے ہیں۔ اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے "شوریٰ کا بینۂ حکومت"

۳۔رئیس الحکومت کی طاقت | شوریٰ کے نظام میں رئیس الحکومت کی ہستی ایک طاقتور مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ منصب امامت پر فائز ہونے کے بعد اس کا ہر قانونی حکم واجب التعمیل ہے۔ جب وہ حکومت کا عام کام انجام دیتا ہے تو رائے عامہ اور مفادِ عامہ کا خیال رکھتا ہے لیکن غیر معمولی حالات کے علاوہ اس کا ہر کام مضبوط حکمت عملی اور قوت کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ اُمت کا ہر فرد ہر وقت اظہار رائے کے لیے آزاد ہے لیکن جہاد وعمل کے میدان میں امیر کے احکام سے سرتابی نہیں کرسکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ریاستِ عامہ کا رئیس ایک طاقتور آمر تو ہے آمرِ مطلق نہیں ہے، بلکہ اس کا مقام بے لگام جمہوریت اور بے قید ڈکٹیٹر شپ کے درمیان ہے۔

یادداشت | امام شوریٰ کے فیصلے سے منتخب ہوتا ہے اس کے انتخاب کے بعد تمام مفرد رائیں مرکب ہوکر پورے نظام کی قوت بن جاتی ہیں۔ اب نہ وہ وقتِ معینہ پر بار بار بے وجہ بدلتا ہے اور نہ اُس کے کابینۂ حکومت میں تبدیلی ہوتی ہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس سے پارلیمینٹ محروم ہے[1]۔

۴۔ترکیبی حیثیت | "شوریٰ" مستقل، نمائندہ اور نیابتی ایوان نہیں ہے اور نہ وہ انتخاب کے ان قوانین، طریقوں اور صورتوں کا پابند ہے جو سرمایہ دار شہریتوں اور جمہوریتوں کا طغرائے امتیاز

---

[1] زمانۂ حال کی جمہوری پارلیمینٹ میں حکومت کا مرکز بے حد کمزور ہے جس کی وجہ سے اس کا رجحان ٹوٹنے کی طرف رہتا ہے۔ اس کا صدر بدلتا رہتا ہے۔ وزارتی انقلاب تیزی سے رونما ہوتا ہے، قوتِ عاملہ آتی جاتی رہتی ہے جمہوری پارلیمینٹ کی یہ کمزوری ڈیموکریسی (عمومیت) کی توسیع کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے اور طوائف الملوکی سے ہاتھ ملانے پر تیار رہتی ہے۔ دیکھو نظریۂ سلطنت بلنچلی (نیابتی عمومیت کے اقتدار کی کمزوری) ۳-۶ ب ۲۴ ص ۴۹۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور جن کی رو سے بسا اوقات جمہور کی صحیح نمائندگی ناممکن ہو جاتی ہے۔[1]

جمہور کی سچی مرضی اور حقیقی مشورہ شوریٰ کی جان ہے۔ اصل شے رائے عامہ کا اظہار ہے معین ایوان نہیں ہے۔ ایوان کی حیثیت کا انحصار حالات اور وقت کے واجبات پر ہے۔ قانون میں شوریٰ کے طریقے اور تاریخی صورتیں موجود ہیں امام کو اختیار ہے کہ وہ امن و جنگ اور صلح و نظم کے لحاظ سے جیسا زمانہ ہو اسی کے موافق شوریٰ طلب کرلے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی قانون ایک جامد ایوان کی جگہ بدلتی سدلتی ہوئی دنیا کے ارتقاء پذیر حالات کا لحاظ رکھتا ہے۔ امام وقت کی مناسبت سے ماہرین کی مجلسِ شوریٰ بھی بُلا سکتا ہے مجلسِ نمائندگان بھی طلب کر سکتا ہے۔ استصوابِ رائے عامہ بھی کر سکتا ہے اور دوسری صورتوں پر بھی عمل کر سکتا ہے۔

یاددداشت | اگر دنیا کے حالات کا تقاضا ہو تو شوریٰ متعین قوانین اور معین ایوان کی حیثیت قبول کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ جمہور کا مفاد اس کے حق میں ہو۔ اور اسلام کے اساسی قوانین کا لحاظ رکھا جائے۔

۵۔ جماعت بندی | شوریٰ۔ ایک متحدہ شیرازہ بند نظام ہے، جس میں افراد آزادیِ ضمیر کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ شوریٰ کے ایوان میں مستقل جماعت بندی (پارٹی سسٹم) نہیں ہے۔[2] نہ برسرِ اقتدار اکثریت ہے، اور نہ اقتدار سے محروم اقلیت۔ نہ مزدور کسان اور غریب ہیں۔ اور نہ اونچے نیچے طبقے ہیں بلکہ وہ ایک متحدہ[3] ایوان ہے جس کے ارکان تمام ذمہ داریوں میں یکساں

---

[1] پارلیمنٹری انتخاب کے جملہ طریقوں کی تکمیل سرمایہ داری کے بغیر ناممکن ہے، حالانکہ جمہور ہمیشہ سے غریب ہیں۔ پارلیمنٹ کے سرمایہ دار ارکان ایک معین ایوان میں پانچ سال تک عوام کے نام پر کام کرتے ہیں۔ اس عرصہ میں عوام کے خیالات بدل جاتے ہیں مگر پارلیمنٹ کے ارکان ووٹروں کی رائے کے خلاف عمل کرنے کے باوجود ایوان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ [2] اسلامی عہد میں سقیفہ کے موقع پر صرف ایک مرتبہ انصار و مہاجرین نے دو جماعتوں کی حیثیت سے بحث کی تھی لیکن شوریٰ کے فیصلے نے یہ طے کر دیا کہ اسلامی معاشرے کا اتحاد اصل شے ہے اور اُس کا باقی رہنا ضروری ہے۔ [3] تاریخ میں بار بار جماعت بندی کرنے کے بعد مسلمان متحد ہو جاتے تھے۔ اس کی بنا پر ایک مغربی فاضل (سناوک ہرگرونژے پروفیسر لیڈن یونیورسٹی) لکھتا ہے کہ "اتحاد اور اجتماع اسلام کی ہمہ گیر فطرت کا نام ہے جو ان کو جماعتی لڑائیوں کے بعد بھی متحد کر دیتی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریک ہیں اور مساوی اقتدار کے مالک ہیں۔ ایوان کا اہم عنصر فرد ہے اور ایوان مجموعۂ افراد کا نام، فرد کو ضمیر اور رائے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ ہر فرد ہر وقت رائے کا اظہار کر سکتا ہے اور مناسب مشورے سے کارگر بحث کا آغاز کر سکتا ہے چونکہ فرد مشورہ دینے میں قوم کا امین ہوتا ہے اور اس کو اپنی سچی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے ایک فرد جماعت سے زیادہ اچھا کام کر گزرتا ہے۔ اس طرح جمہوریت کی سب سے بڑی خوبی عمومیت (ڈیماکریسی) بروئے کار آجاتی ہے اور ایوانِ شوریٰ جمہوریت کی سب سے بڑی کمزوری غیر عادلانہ جماعت بندی سے محفوظ ہو جاتا ہے[1]۔

عمومیت (ڈیماکریسی)

عمومیت، شوریٰ کے تعامل کی اساس ہے۔ اس نظام میں جبّار شہنشاہیت کا کوئی وجود نہیں۔ شوریٰ کی حکومت میں نہ تاج ہے نہ عرشِ سلطنت ہے نہ شاہی دربار ہے، نہ شہنشاہ ہے، نہ شاہی شہزادے اور نہ سرمایہ دار اور جاگیردار۔

[1] موجودہ جماعتی اور طبقاتی جنگ جس نے نظمِ عالم کو درہم برہم کر رکھا ہے اور نہ ختم ہونے والے اختلافات زمانۂ حال کے پارلیمنٹری نظام کی پیداوار ہیں۔ اسلام اس تقسیم و تفریق کے خلاف ہے وہ سوسائٹی کی بنیاد جمہور کے مفاد پر جمہور کی نگرانی پر رکھتا ہے اور تمام طبقوں کو حقوق اور معاشرت کی مساوی سطح پر رکھتا ہے۔ عصرِ حاضر کے ایوانوں میں تین طرح پر حکومت کا کارخانہ چل رہا ہے۔ یا تو کسی ایک مسلک کی جبری حکومت ہے یا کسی ایک قابو یافتہ اکثریت کی یا کسی مطلق العنان اقلیت کی۔ شوریٰ ان میں سے کسی طرز کو گوارا نہیں کرتا۔ اگر فرد کو اختلاف کا حق ہے تو اس اختلاف کی طاقت کمزور رہتی ہے اور اس کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ فرد کو دو ہدایتیں ہر وقت ذہن میں رکھنی پڑتی ہیں:۔

۱۔ اختلاف امتی رحمۃ (الجامع الصغیر سیوطی (حدیث ۲۸۸) بحوالہ المقدسی والبیہقی۔ ج ۱ ص ۲۹) اُمت کا اختلاف رحمت ہے۔ اختلافِ رائے میں صرف وہی اسلوب اختیار کرنا جائز ہے جو تمام سوسائٹی کے لیے موجبِ رحمت ہو۔

۲۔ المستشار مؤتمن (ادب الدین والدنیا الماوردی) عن عائشۃ عن النبی صلعم ص ۲۰۷ رواہ ابوداؤد و الترمذی والنسائی عن ابی ھریرۃ) شوریٰ میں رائے دینے والا فرد امانت بردار ہے، اس کو رائے اس طرح دینی چاہیے جیسے ایک امین دوسرے کی امانت ادا کرتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یادداشت | عمومیت کی خصوصیت یہ ہے کہ حکومت میں عوام کا اختیار کارفرما ہو، رنگ و نسل کا امتیاز نہ ہو، سرمایہ داری کا بیجا غلبہ نہ ہو، ایوان کے ہر کام میں سادگی اور کفایت کا دخل ہو تاکہ عامی سے عامی شخص بھی حکومت کو اپنی چیز سمجھے۔ شوریٰ اس قسم کی تمام خصوصیتوں کی حامل ہے۔

عہدِ نبوت اور خلافتِ راشدہ کے چاروں دور اس امر کی دلیل ہیں کہ تاریخ کے کسی عہد میں کسی قوم نے اسلام کی طرح مثالی عمومیت نہیں قائم کی۔ اسلامی دور میں انتخاب کے لیے بہت ہی سادہ تعامل تھا جس میں سرمایہ داری کا ذرا اثر نہ تھا، رائے دہی کے لیے ایک شرط تھی، انسان ہو اور ہو اسلام کے قانون کا پابند[1]

دفعہ (۲) امامتِ کبریٰ کا دفتر

امامتِ کبریٰ کے دفتر سے رہنمائے مملکت (لیڈر آف دی اسٹیٹ Leader of the state) کا مرکزی دفتر مراد ہے۔ اس دفتر کے عناصر ترکیبی اور عہدیدار حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ **امامِ ملت**۔ حکومت اور مملکت کا قائد اعظم، ریاستِ عامہ کا سب سے بڑا رہنما۔[2]

۲۔ **امین الامۃ** (اُمت کا بلند پایہ سیاسی امین) کابینۂ امامت کا رکنِ اعظم؛[3]

---

[1] اسلامی عہد میں صدیق اکبر مکی، سعد بن معاذ مدنی، سلمان فارسی، صُہیب رومی، عبداللہ بن سلام (اسرائیلی)، بلال حبشی، زید بن حارثہ اور اُسامہ بن زید (غلام اور غلام زادہ ہونے کے باوجود) یکساں حقوق کے مالک تھے۔

[2] جرمنی کے چانسلر کو رائشس فیوہرر (Reishs fuehrer) رہنمائے مملکت کا لقب دیا گیا ہے۔ دراصل یہ لفظ امام کا صحیح ترجمہ ہے اور اسلام کے قانون کی لفظی تقلید ہے۔

[3] حضرت ابوعبیدہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نظمِ حکومت کے سب سے بڑے رکن تھے ان کو فوق العادہ ذمہ داریاں سپرد کی جاتی تھیں۔ امن و جنگ کی مہمات میں آنحضرت کے ساتھ رہتے تھے انہیں ممتاز ماہرِ قانون کی حیثیت سے یمن کی خاص مہم پر بھیجا گیا۔ ذات السلاسل (فولادی زنجیروں کے محاذ) پر اُس زبردست مہم کا سردار بنایا گیا جس میں صدیق اکبر اور فاروق اعظم عام ارکان کی حیثیت سے شامل تھے۔ (باقی بر صفحہ ۳۴۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مملکت کا معتمدِ عام!

یادداشت اگر اسلامی نظامِ حکومت میں اس عہدہ کو مستقل قرار دیا جائے تو یہ وزیرِ اعظم کے عہدہ کے برابر اہم ہوگا۔ امین الامۃ کو وزیر فوق العادہ[1] کے اختیارات بھی حاصل ہوتے ہیں اور وہ حکم ملنے پر خاص سفارتی فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ عہدِ نبوی میں حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ایک خاص فرمان کے ذریعہ یہ منصبِ عظمیٰ دیا گیا تھا۔

۳۔ **اولوالامر**۔ اہل حل وعقد ۔۔ امامت کے مشیرانِ سیاسی (وزراء) اربابِ بست و کشاد۔[2]

۴۔ **کاتب**۔ مرکزی محکمۂ تحریرات کے کارکن جو دفترِ امامت کے احکام کو ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں اور ان کو متعلقہ افراد تک پہنچاتے ہیں۔

یادداشت عہدِ نبوت میں دفتری نظم و نسق اور صیغۂ تحریرات کا کام اربابِ انشاء کی ایک ذمہ دار جماعت کرتی تھی[3] (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۱۱۹) جن کو السجل (رجسٹرار) کہتے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی

(بقیہ صفحہ ۳۴۴) حضور کے وصال کے بعد شوریٰ سقیفہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی "یہ امین الامۃ ہیں ان کو امیر بنایا جائے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہدِ حکومت میں ان کو قیامِ امن کی اہم ذمہ داریوں پر فائز رکھا اور اپنے جانشین کا نام تجویز کرتے ہوئے فرمایا "اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کا نام تجویز کرتا۔ (دیکھو اُسد الغابہ۔ ابن الاثیر ج ۲ ص ۸۵-۸۶) البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۵ ص ۳۵۵۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] وزیر فوق العادہ (وہ سفیر جس کو دوسری طاقتوں سے معاہدے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اور اس کے اختیارات فوق العادہ ہوتے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ کا قول ہے "نحن رسل رسول اللہ وفی سبیل اللہ" ہم اللہ کے راستہ میں رسول اللہ کے سفراء ہیں۔ الاصابہ ابن حجر عسقلانی ج ۴ ص ۱۱-۱۲

[2] علامہ منصور انصاری کی تصریح: اولوالامر وہ منظم جماعت ہے جو اُمت کے حلقہ میں نیابتی طور پر قانون حکومت کو نافذ کرتی ہے یعنی اہلِ حل وعقد۔ حکومت الٰہی فارسی "امامت اُمت ص ۳۳)

حدیث میں حکومت کے مشیروں کو اہل الرائے کا نام دیا گیا ہے۔ اسلامی قانون کے علماء نے اسی لفظ کی بنا پر ان کے لیے اہلِ حل وعقد کا نام تجویز کیا ہے۔ (یہ روایت حضرت علی کے حوالہ سے عزم کی بحث میں موجود ہے)۔ دیکھو شرح المواقف سید شریف "الامامۃ" ج ۲ ص ۳۵۱-۳۵۲۔ رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۱ مقدمہ ابن خلدون ف ۲۶ ص ۱۳۵) [3] عن ابن عباس السجل کاتب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم "سجل" معاہدوں، مقدموں اور دفتری احکام کے رجسٹر کو کہتے ہیں اس کو دفتر کے ان کارکنوں کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو صیغۂ تحریرات کے انچارج ہوتے ہیں (ابوداؤد بحوالہ تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۳۴۶-۳۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ میں دفتر نبوت کے ممتاز کاتبوں کے بارہ نام درج کیے ہیں۔ جن میں سے حسب ذیل حضرات نمایاں ہیں: حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، معاویہ بن ابوسفیانؓ، علاء ابن الحضرمیؓ، حنظلۃ الاسیدیؓ۔[۵۱]

۵۔ ترجمان (غیر ملکی زبانوں کے ماہرین) جو دفتر خارجہ میں غیر ملکی دستاویزوں، یادداشتوں اور معاہدوں کا ترجمہ کرتے ہیں اور سیاسی ترجمانی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

یادداشت | عہد نبوی میں دنیا کی دوسری طاقتوں سے سیاسی دستاویزوں کا تبادلہ شروع ہو گیا تھا۔[۵۲] آنحضرتؐ نے اسی وقت اپنے صحابہ میں سے چند افراد کو ایشیا، یورپ اور افریقہ کی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا اور ان زبانوں پر عبور حاصل کرنے کے بعد ان کو بحیثیت ترجمان مقرر فرمایا۔[۵۳]

---

۵۱ مورخ طبری نے لکھا ہے۔ ابی بن کعب صیغہ تحریرات کے اصل ذمہ دار تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں دوسرے اصحاب لکھتے تھے۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۸۲ (ذکر من کان یکتب لرسول اللہؐ)

۵۲ آنحضرت کے عہد میں یورپ میں سلطنت روم سے، افریقہ میں مملکت حبش اور مقبوضات مصر سے اور ایشیا میں شہنشاہیت فارس، ریاست حیرہ و انبار (عراق) اور ریاست غسان (شام) سے نامہ و پیام کا سلسلہ جاری ہوا تھا۔ روض الانف ج ۲ ص ۳۵۲ - ۳۵۹

۵۳ زید بن ثابت عہد نبوی میں صیغہ تراجم کے ذمہ دار اعلیٰ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت کو یہود کی زبان سیکھنے کا حکم دیا، اور انہوں نے اس کی تعمیل کی۔ زید خود کہتے ہیں "ما مرت خمس عشرۃ لیلۃ حتی حذقتہ" (پندرہ دن نہ گزرے تھے کہ میں نے یہود کی زبان میں کمال حاصل کر لیا) قال الامام احمد عن خارجہ بن زید۔ البخاری فی الاحکام عن خارجہ۔ ابوداؤد عن احمد بن یونس قال الترمذی حسن صحیح۔ دیکھو تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۳۴۹۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے زید کو سریانی زبان سیکھنے پر مامور کیا اور انہوں نے اس کو اس امر کی تعمیل کرتے ہوئے یہ زبان سیکھی۔ اس زبان کے علاوہ زید بن ثابت نے دوسری اجنبی زبانیں بھی سیکھیں۔ سفیر ایران سے فارسی۔ دربان نبوت سے رومی (یونانی) آپ کے ایک خادم سے حبشی اور ایک تیسرے خادم سے قبطی زبان سیکھی (بحوالہ الاسلام والحضارۃ العربیہ کرد علی ج ۱ ص ۱۶۳۔ نظام الحکومۃ النبویہ کتانی ج ۱ ص ۲۰۳) زید بن ثابت آنحضرت کے حضور میں دوسری حکومتوں اور طاقتوں کو سرکاری طور پر خطوط لکھتے تھے۔ ان کی زبانوں میں اسلامی فرامین کو لکھتے تھے، اور باہر سے جو پیغام آتے تھے ان کا ترجمہ کرتے تھے (عمدۃ تلمسانی بحوالہ نبوت وسلطنت۔ حامد ص ۹۷) دوسرے صحابہ بھی غیر ملکی زبانیں جانتے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ متعدد غیر ملکی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۴۹ (کان لابن زبیر مائۃ غلام یتکلم مع کل غلام منہم بلغۃ غیر الاخری)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ امین الخاتم (مہر کا محافظ اعلیٰ) انگلستان کے نظامِ حکومت میں شاہی مہر بردار لارڈ پریوی سیل (Lord Privy Seal) کا عہدہ امین الخاتم کے عہدہ کے مماثل ہے۔ برطانیہ میں یہ عہدہ اسلامی عہدِ حکومت سے صدیوں بعد قائم ہوا ہے۔ آنحضرت اور آنحضرت کے خلفاء راشدین کے دور میں مہرِ مملکت کو قانونی اہمیت حاصل تھی[1]۔ یہ وہ زمانہ ہے جب سلطنت برطانیہ کا ظہور بھی نہ ہوا تھا۔

دفعہ (۲۳) مجلس وزراء (CABINET)

کابینۂ اہلِ حل وعقد۔ (عاملۂ مملکت) مجلس مشیرانِ حکومت (ایڈوائزری کیبنٹ) (Advisory Cabinet)

یادداشت امام رہنمائے مملکت کی حیثیت سے اس کی کارفرما طاقت کا مظہر ہے اور وہ اپنے اختیار سے اس مجلس کو ترتیب دیتا ہے۔ مجلس اربابِ حل وعقد (نظم وانتظام) کا تقرر قابل تقلید قانونی روایات کے تابع ہے۔ یہ مجلس شوروی ہے اور مجلس شوریٰ کا جوہر ہے اور بذاتِ خود ایک بالادست مجلس شوریٰ ہے۔ اس کے ارکان امام کے سیاسی مشیر دفترِ امامت کے وزیر اور امت کے معتمد ہوتے ہیں ان میں چند باضابطہ وزراء کی حیثیت سے مقرر ہوتے ہیں اور اپنے صیغوں کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور بیشتر ارکان مشیرانِ حکومت کی حیثیت سے جن کا کام مشورہ دینا اور ان اہم ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے جو انہیں مملکت کی طرف سے سپرد کی جائیں۔

اس مجلس کے ارکان کی تعداد مقرر نہیں ہے بلکہ حالات کے تابع ہے اور ضرورت کے لحاظ سے کم وبیش ہو سکتی ہے۔ یہ مجلس اسلام کے قانون اور شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہے اور امام کے ساتھ

---

[1] معیقیب بن ابی فاطمۃ الدوسی آنحضرت کی مہر کے امین تھے۔ عہد صدیقی میں اور اس کے بعد عہد فاروقی میں ان کو بیت المال کی طرف منتقل کر دیا گیا تھا۔ آنحضرت کی مہر چاندی کی تھی اور اس پر (محمد رسول اللہ) نقش تھا۔ حضور کی وفات کے بعد یہ مہر خلفاء راشدین کے پاس محفوظ رہی، اور حضرت عثمان کے عہد میں چھے سال بعد پانی میں گر کر گم ہوگئی۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۳۵۵-۳۵۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشترکہ ذمہ داری کے اصول پر کام کرتی ہے۔

قانونی نظائر (قرآن عظیم "واجعل لی وزیرا من اھلی" سورۂ طٰہٰ) (واجعلنا معہ اخاہ ھٰرون وزیرا۔ الفرقان)

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند عالم سے یہ درخواست کی تھی کہ میرے لیے ہارون کو وزیر مقرر کردیا جائے تاکہ میں مشترکہ طاقت اور مشترکہ ذمہ داری پر فرعون کی شہنشاہیت کا خاتمہ کرسکوں۔ یہ پہلی درخواست تھی جس پر ان الفاظ میں منظوری دی گئی "موسیٰ تمہاری درخواست منظور کرلی گئی۔ ہارون کو تمہارا وزیر بنادیا گیا"

۲۔ فرمانِ نبوی: عرب کا کوئی جوانمرد وہ نصب العین لے کر ظاہر نہیں ہوا۔ جو میں لایا ہوں، تم میں سے کون ہے جو اس منصب کی ذمہ داریوں میں میرا وزیر ہو" (تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲) اسلامی حکمت عملی کا یہ پہلا مطالبہ تھا جو ہمارے لیے قانونی سند ہے حضرت خدیجۃ الکبریٰ پہلی ہستی تھیں جنہوں نے اسلام کے وزیر کی حیثیت سے مکہ میں حضور کی ذمہ داریوں میں شرکت کی (خدیجۃ۔ کانت لہ وزیر صدق علی الاسلام (ابن ہشام روض الانف ج ۱، ص ۲۵۸)

۳۔ امیر کے لیے وزیر کی ہستی ایک خداداد بھلائی ہے۔ جب خداوند تعالیٰ اسلامی حکومت کے صدر کے ساتھ بہتر معاملہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مخلص اور صادق وزیر کو وابستہ کردیتا ہے جو اُسے اہم امور کی طرف توجہ دلاتا ہے اور اس کی ذمہ داریوں میں شریک و معاون ہوتا ہے (اذا اراد اللہ بالامیر خیرا۔ عن عائشۃ ابوداؤد والنسائی۔ من ولی منکم امر المسلمین الخ رواہ احمد والبزار۔ مجمع الزوائد الہیثمی ج ۵ ص ۲۱۰۔ باب الوزراء)

۴۔ عہد نبوی میں کابینۂ امامت کے ارکان (امین الامہ ابوعبیدہؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، اسید بن حضیرؓ) جن میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ مستقل وزیر تھے۔ آنحضرتؐ ان کے متعلق خود فرماتے ہیں (ووزرائی من اھل الارض فابوبکر وعمر) ابوبکرؓ اور عمرؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روئے زمین پر میرے وزرا ہیں (اسد الغابہ ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۳)

۵۔ سقیفہ میں صدیق اکبرؓ کا خطاب انصار سے (نحن الامراء وانتم الوزراء) ہم میں سے امیر ہوں اور تم میں سے وزیر۔ (تاریخ ابن کثیر زاعتراف سعد) ج ۵ ص ۲۴۷)

۶۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے انتخاب کے وقت منصب امامت سے انکار کرتے ہوئے فرمایا مجھے امیر نہ بنائیے بہتر یہ ہے کہ میں وزیر بنایا جاؤں نہ کہ امیر (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۵۲ ۳۵ھ)

مندرجہ بالا نظائر سے کابینۂ وزارت کے قیام کا قانونی وجوب ثابت ہوتا ہے یہاں بطور مثال عہد صدیقی کی وزارت کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے

صدیقی وزارت | ۱۔ صدیق اکبر۔ صیغۂ صدارت عظمیٰ، قیام امنِ عامہ، قانونِ شریعت، صیغۂ دفاع و جہاد۔ ۲۔ عمر بن الخطاب صیغۂ عدل و محاکم عدلیہ۔ ۳۔ ابو عبیدۃ بن الجراح۔ صیغۂ مالیاتِ عامہ (بیت المال) ۴۔ حضرت علی۔ صیغۂ تحریرات ریاست عامہ۔ ۵۔ عثمان بن عفان صیغۂ اخبار و اطلاعات۔ ۶۔ زید بن ثابت۔ صیغۂ امور عامہ (دیکھو تاریخ طبری ج ۴ ص ۵ تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۶۱)

ریاستِ عامہ کے وزارتی صیغے

اسلامی حکومت میں مملکت کا انتظام چند بڑے صیغوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

۱۔ امامتِ کبریٰ (بحیثیت وزارتِ عظمیٰ) امام اس منصب کے اعتبار سے ریاستِ عامہ کا صدر اعظم ہوتا ہے۔ اور شوریٰ، عاملہ، عدلیہ کا رہنما؛ صیغوں کی تعداد مقرر کرنا۔ مشیروں کا تقرر اور ان کی ذمہ داریوں کی تقسیم تنہا اس کا حق ہے۔ وہ ضروری صیغوں کا کام اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے اور باقی صیغوں کے لیے وزیر و مشیر مقرر کر سکتا ہے،،

امین الامۃ۔ امام اپنی بالادست ذمہ داریوں میں سہولت کے لیے اپنے وزیروں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے اول درجہ کے مدبر کو امین الامۃ مقرر کر سکتا ہے۔ امین الامۃ امام کے اختیارات کا مظہر اتم اور وزیر اعظم کے ہمپایہ ہوگا۔

وزارتی صیغے

ا۔ صیغۂ دینی (امور مذہبی و مفاد عامہ) ب۔ صیغۂ امن عامہ۔ ج صیغہ خارجہ (شعبہ تعلقات ممالک خارجہ) د۔ صیغۂ امور داخلہ عامہ اور انتظام داخلی۔ ہ صیغۂ عدل و انصاف (محکمہ دار الفتویٰ و دار القضاء) و۔ صیغۂ جہاد و دفاع۔ ز۔ صیغۂ بیت المال (محکمۂ مالیات ومعاشیات)

دفعہ (۲۳) صیغۂ دینی

فرائض : مذہب کی حفاظت اور اسلام کی عالمگیر اشاعت۔ ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا انتظام اور نگہداشت۔ قانونِ اسلام اور احکامِ شرع کی تعلیم و ترویج تمام برائیوں کا خاتمہ اور تمام بھلائیوں کا اجراء۔

صیغۂ دینی کے محکمے | ا۔ محکمہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ یہ محکمہ اپنے عالمگیر حلقۂ اثر میں دو فرض انجام دینے پر مامور ہے۔ دنیا سے تمام برائیوں کے خاتمہ پر اور تمام بھلائیوں کی ترویج پر۔

ب۔ محکمۂ دعوت و تبلیغ۔ اس محکمہ کے نمائندے اپنے قلمرو میں اور قلمرو سے باہر تمام دنیا میں اسلام کی دعوت لے کر پہنچتے ہیں اور عالمگیر فکری انقلاب کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

ج۔ محکمۂ احتساب (جزا و سزا) یہ محکمہ اسلامی زندگی کے تمام اخلاقی پہلوؤں کا نگراں ہے اور اس کی خلاف ورزی پر مناسب وقتی سزا دینے پر مامور ہے۔

د۔ محکمۂ تعلیم و تربیت۔ اسلامی اصول پر اُمت کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتا ہے

امیر صیغۂ وزارت۔ صیغۂ دینی۔ دینی حکومت کی جان ہے۔ اس لیے ہر زمانہ میں امام ہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس صیغہ کا امیر ہوتا ہے۔

یادداشت | اسلام میں شیخ الاسلام کا کوئی عہدہ نہیں ہے۔ اُمت کا رہنما حکومت کا امیر بھی ہوتا ہے اور اسلام کا محافظ بھی۔ شیخ الاسلام کا عہدہ نوایجاد بدعت ہے جسے سلاطین نے قائم کیا تھا۔ اسلام کا قانون اس کا متحمل نہیں کرتا۔

قدیم زمانہ کی طرح اس زمانہ میں بھی تمام برائیوں، ہر قسم کی بدمعاشیوں (شراب، جوا، سود، عیاشی، بدکاری، جھوٹ، فریب، لوٹ، کھسوٹ، دھوکہ بازی) کو قانونی جواز حاصل ہے۔ ان سب چیزوں کو یکسر ختم کرنے کے لیے جو قوت درکار ہے اُس کا سرچشمہ امام ہی کی ذات ہو سکتی ہے۔

وزارتِ دینی کی تشکیل

امام ۔ (بحیثیت امیر شریعت اور وزیر امور دینی)

امین الامۃ[1] ۔ (وزارت شرعیہ کا مشیر اعلیٰ)

نقیب[2] ۔ (وزارت شرعیہ کے باضابطہ نمائندے جو مستقل اور مقررہ حلقوں میں کام کے ذمہ دار ہوتے ہیں)

داعی[3] ۔ (وہ کارکن جو دنیا کے منطقوں میں اسلام کے حوصلہ مند سفیر بن کر جاتے ہیں)

محتسب ۔ وزارت مذہبی کے سپاہی محکمہ امر بالمعروف کے مجاہدین جو سوسائٹی کے زبردست نگراں ہوتے ہیں۔

---

[1] الاصابہ۔ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) عامر (ابو عبیدۃ الجراح) ج ۴ ص ۱۱ (امین ہٰذہ الامۃ ابو عبیدۃ الجراح) یہ ان الفاظ کا خلاصہ ہے جو نبی اکرمؐ نے امین الامۃ کو ایک شرعی مہم پر روانگی کے وقت فرمائے۔

[2] پیغمبر اسلامؐ نے اس قسم کے تیرہ[۱۲] نقیب مقرر فرمائے تھے جو اوس وخزرج کے علاقوں کے نمائندے تھے اور دو طرفہ نمائندگی کا فرض انجام دیتے تھے۔ سیرۃ ابن ہشام (۲۱۳ھ) ج ۱ ص ۲۷۶

[3] داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں بہت سے داعی مقرر کیے ہیں۔ دیکھو سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۴-۲۶۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماءِ امت ۔ وہ اشخاص جو علم و تربیت کے ذمہ دار ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک کی ذات ایک یونیورسٹی کے برابر ہوتی ہے کبھی مرکز میں کام کرتے ہیں اور کبھی مرکز سے باہر اسلامی تعلیم و تربیت کی راہ میں جانفشانی اٹھاتے ہیں ۔

دفعہ ۲۴ صیغہ امنِ عامہ

اسلامی حکومت کی حدود اور اس کے عالمگیر حلقۂ اثر میں امن نظم کا قیام اس صیغہ کی ذمہ داری ہے ۔

صیغۂ امنِ عامہ سیاسی نظام کے اعتبار سے درجۂ اول کی چیز ہے ۔ یہ صیغہ صیغۂ دینی کا خادم ہے اور تمام صیغے اس کے فرمانبردار ہیں ۔ اس کا کام وزارت امورِ مذہبی کے بعد اور وزارتِ جہاد سے پہلے ہے ۔

مذہب عالمگیر امن کا نصب العین پیش کرتا ہے، یہ صیغہ اس کی تعمیل کرتا ہے ۔ جب ریاست کا کوئی حلقہ یا دنیا کی کوئی طاقت اس نصب العین کے خلاف حملہ کرتی ہے تو وزارتِ جہاد میدان میں آجاتی ہے ۔ صیغۂ جہاد کی کامیابی کے بعد متعلقہ رقبہ کا انتظام پھر اسی وزارت کے ہاتھ میں آجاتا ہے ۔

وزارتِ امنِ عامہ

۱۔ امام ۔ (بحیثیت رہنمائے حکومت اور وزیر صیغہ) صیغہ کا وزیر اور ذمہ دار ہے ۔

۲۔ امین الامتہ (جو امام کے سکرٹری کی حیثیت سے قیامِ امن کی خاص خاص مہموں میں امام کی نمائندگی کرتا ہے ۔

ل‍ه امین الامتہ ابو عبیدہؓ اسی قسم کی ایک مہم میں عمرو بن العاص کے ساتھ مقرر کیے گئے تھے ۔
(اصابہ ابن حجر ۔ ج ۴ ۔ ص ۱۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ امیر الرایۃ[1] (علمبردار امن) امامتِ عظمیٰ کے حکم سے قیامِ امن کی خاص مہم پر مقرر ہوتا ہے اور بدامنی کے محاذ پر نرمی اور انسانیت کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے۔

۴۔ امیر الامن (انتظامی حاکم) جو قیامِ امن کے فوراً بعد امن کی بقا اور استحکام کے لیے مقرر کیا جاتا ہے یا وہ انتظامی افسر جو امام کے جانشین کی حیثیت سے خاص حالات میں اس خاص عہدے پر فائز ہوتا ہے۔

یادداشت | مکہ میں قیامِ امن کے بعد عتاب بن اسید بن ابی العیص اس عہدے پر مقرر ہوئے (ابن ہشام۔ ج ۲ ص ۲۸۸)

قرآن حکیم میں بیت اللہ کے متعلق کہا گیا ہے۔ یہ پہلا ایوان ہے، انسانیتِ عامہ کے لیے اس کے حلقہ میں جو انسان داخل ہو جاتا ہے اس کے لیے امن ہے (آل عمران رکوع ۱۰)

حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی۔ رب اجعل ھٰذا بلداً اٰمناً وارزق اھلہ من الثمرات اس شہر کو امن کا دارالخلافہ بنا دے اور اس کے وابستگان کو پُرثمر اور بہار آفریں زندگی عطا فرما۔ (البقرہ رکوع ۱۵)

قرآن نے جس امن و خوشحالی کا ذکر کیا ہے۔ اسلامی حکومت اپنے دور میں اسی کا مظہرِ اتم تھی مورخ وان کریمر نے عہدِ نبوی کے امن کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے[2]

"آنحضرت نے نئے مذہب کے ساتھ ایک نیا نظامِ حکمرانی بھی پیش کر دیا جو بالکل جدید اور خاص صورت رکھتا تھا۔ متعدد چھوٹے بڑے اور مختلف اقسام کے قبیلوں کو جو رات دن بدامنی میں مبتلا رہتے تھے آنحضرتؐ کے پیغام نے ایک قوم بنا دیا۔۔۔ جب

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۱۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قیامِ امن کی مہم کے موقع پر سعد بن عبادہ کو علمبردار امن کی حیثیت سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ مگر انہوں نے شہر میں داخل ہوتے ہوئے یہ نعرہ لگایا "آج جنگ عظیم کا دن ہے آج خون حلال ہے۔ حضرت عمرؓ نے دربارِ نبوت میں عرض کیا کہ سعد کے ہاتھوں امن خطرہ میں ہے آپ نے سعد کی جگہ حضرت علی کو امیر الرایہ (علمبردار امن) مقرر کر دیا۔

[2] وان کریمر (۳) ص ۹۔ ۳۰۔ ۳۱ بحوالہ ترجمہ پیچنگ آف اسلام ص ۵۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت کا وصال ہوا تو تمام عرب پر خدا کا امن چھایا ہوا تھا۔

ڈاکٹر آرنلڈ اسی امن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ایک اعرابی نے سنی وہ چلا کر بولا: افسوس محمد کی وفات پر، جب تک وہ زندہ تھا میں دشمنوں سے حفاظت اور امن میں تھا"[1]

امن وامان کا یہی داعیہ تھا کہ جب مدینہ پہنچ کر آپ نے پہلا خطبہ دیا تو اس کو امن وسلامتی کی دعا، پر ختم کیا۔ اور جب آپ دنیا کے سردار کی حیثیت سے دنیا کے دارالسلطنت مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ دشمنانِ امن سے جنگ کرنے کے بعد امنِ عامہ کا قیام اسلامی حکومت کی پہلی ذمہ داری، دنیاوی نقطۂ نگاہ سے فتح مکہ کا دن بدامنی کا دن تھا، لیکن آپ نے بدترین دشمنوں کے لیے بھی امن کے دروازے کھول دیے اور حکم دیا" جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے، جو حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے، جو مسجد حرم میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے، جو گھر کا دروازہ بند کرلے اس کو امن ہے۔[2] یہ پہلا دن تھا جب امنِ عالم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچا اور اس کے بعد اسلام کے اچھے زمانہ تک کبھی غروب نہیں ہوا۔

دفعہ ۲۵ صیغۂ خارجہ

اسلامی حکومت دنیا میں عالمگیر امن کی ذمہ دار ہے۔ صیغۂ خارجہ اس ذمہ داری کی تکمیل پر مامور ہے۔ یہ وزارت درحقیقت صیغۂ امن و نظم کا ایک شعبہ ہے جس نے مستقل اہمیت حاصل کرلی ہے۔

صیغۂ خارجہ بیرونی طاقتوں کو باضابطہ امن وسلامتی کا پیغام بھیجتا ہے، سفارتی تعلقات اور یادداشتوں کا تبادلہ کرتا ہے اور دنیا میں امن وامان کے مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے معاہدے طے کرتا ہے، اپنے سفراء روانہ کرتا ہے اور دوسری حکومتوں کے سفراء کو امامت

---

[1] ترجمہ پریچنگ آف اسلام ص ۵۷ [2] تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۹۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عظمیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے۔

یادداشت | زمانۂ حال کے دفاترِ خارجہ قومی مفاد کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت کا صیغۂ خارجہ انسان کے ہمہ گیر فائدوں کے لیے وجود میں آتا ہے، اور تمام دنیا کو اپنے حلقۂ اثر میں سمجھتا ہے۔ سفراء کا تقرر امامتِ عظمیٰ کے حکم سے ہوتا ہے حکم کی تعمیل کرنا صیغۂ خارجہ کا کام ہے۔

وزارت خارجہ کی تشکیل

امام: (بحیثیت رہنمائے حکومت)

وزیر: (وہ ہستی جس کو امام دنیا میں قیامِ امن کا صیغہ سپرد کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اپنے سیاسی اختیارات اس کے حوالہ کر دیتا ہے۔

دفترخارجہ: دفترخارجہ وزیرِ خارجہ کے ماتحت ہے۔ اس کی تشکیل زمانہ کی ضرورت امامتِ عظمیٰ کے عزم اور اُمت کے مفادِ عامہ پر منحصر ہے۔

سفراءِ مملکت: (سیاسی نمائندے۔ صیغۂ تعلقاتِ خارجہ کا وہ اہم عنصر جو دوسری قوموں کے سامنے اسلامی حکومت کی نمائندگی کرتا ہے اور ریاستِ عامہ کی طرف سے سفارت کے فرائض انجام دیتا ہے۔

یادداشت | عہدِ نبوی میں اس منصب پر متعدد اصحاب کا تقرر ہوا۔ بارہا داخلی امن کے مقصد کو تقویت دینے کے لیے سفارتیں بھیجی گئیں اور متعدد مرتبہ عالمگیر امن کے لیے سفراء کا تقرر ہوا[1]

---

[1] عہدِ نبوی کی سفارتیں :-

شمار	سفیر	دربار	سنِ روانگی
۱	خراش بن اُمیّہ	قریشِ مکہ	حدیبیہ سنہ ۶ھ
	قریش نے خراش کو قتل کرنے کی کوشش کی اس لیے وہ واپس آگئے۔		
۲	عثمان بن عفان (دوسری سفارت)	قریشِ مکہ	حدیبیہ سنہ ۶ھ
۳	عمرو بن اُمیہ ضمری	نجاشی (حکومت حبش)	"

(باقی بر صفحہ ۳۵۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سفراءِ دول: (دوسری طاقتوں اور حکومتوں کے نمائندے جو امامتِ عظمٰی کے دربار میں حاضر ہوکر نمائندگی کے فرائض انجام دیتے ہیں)

یادداشت عہدِ نبوی میں دوسری حکومتوں کی سفارتیں اور سفراء اس قسم کی نمائندگی کرچکے ہیں ذیل میں ان سفارتوں کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

(۱) سفارت بنی خزاعہ (حدیبیہ ۶ھ) صدر سفارت، بدیل بن ورقا خزاعی۔ رسالتمآب نے سفارت کو یقین دلایا کہ سفرِ مکہ کا مقصد جنگ نہیں ہے۔

(۲) قریش کی سفارت اولیٰ (حدیبیہ ۶ھ) سفیر مکرز بن حفص عامری۔

(۳) قریش مکہ کی سفارت دوم۔ سفیر حلیس بن علقمہ۔ یہ فوجی سفارت تھی۔ سفیر حلیس قبائل کی اتحادی فوجوں کا سردار تھا۔

(۴) قریش کی تیسری سفارت (حدیبیہ ۶ھ) سفیر عروہ بن مسعود۔

مندرجہ بالا تینوں سفارتیں مطمئن ہوکر واپس گئیں۔ عروہ جو ماہر سیاست سفیر تھا اس نے قریش کو یہ رپورٹ دی "میں نے قیصر و کسریٰ، نجاشی کی حکومتیں دیکھی ہیں، مگر محمدؐ کی سلطنت کی مثال میں نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۵۵)

شمار	سفیر	دربار	سنہ روانگی
۴	دحیہ بن خلیفہ کلبی	قیصر (حکومت روم)	حدیبیہ ۶ھ
۵	عبداللہ بن حذافہ سہمی	کسریٰ (حکومت فارس)	"
۶	حاطب بن ابی بلتعہ	مقوقس (حکومت مصر)	"
۷	عمرو بن عاص سہمی	فرمانروائے عمان	"
۸	سلیط بن عمرو عامری	فرمانروائے یمامہ	"
۹	علاء بن حضرمی	منذر بن ساوی (حکومت بحرین)	"
۱۰	شجاع بن وہب اسدی	والی غسان	"
۱۱	مہاجر بن امیہ	ریاست حرث بن عبد حمیری	"

ماخذ۔ دیکھو سیرۃ ابن ہشام (روض الانف) ج ۲ ص ۳۵۲۔ ۳۵۸۔ تاریخ طبری۔ تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص ۲۶۲ تا ۲۷۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہیں نہیں دیکھی، اب تم جو مناسب سمجھو اقدام کرو۔

۵۔ سفارت بنی ثقیف (۹ھ) ارکان چھے افراد، صدر وفد۔ عبد یالیل۔

۶۔ ۹ھ میں حسب ذیل علاقوں کی سفارتیں رسالتماب کے حضور میں باریاب ہوئیں۔

سفارت بنی تمیم (ترجمان سفارت عطارد بن حاجب) سفارت بنی عامر۔ سفیر عامر بن طفیل۔ سفارت بنی سعد سفیر ضمام بن ثعلبہ۔ سفارت عبد القیس، سفیر جارود بن عمر (یا بن بشر)۔ سفارت بنی حنیفہ۔ سفارت بنی طے سفیر زید الخیل۔ سفارت بنی زبید، سفیر عمرو بن معدی کرب۔ سفارت بنی کندہ (۸۰ افراد) سفیر اشعث بن قیس۔ سفارت ازد، سفیر صرد بن عبد اللہ۔

۷۔ سفارت شاہان حمیر (بعد تبوک ۹ھ)

۸۔ سفارت ہمدان، سفیر مالک بن عنط کے علاوہ تین اور قبائلی سردار تھے۔

اسلامی عہد کے معاہدے

معاہدوں کا اساسی مقصد دنیا میں بہت سے عہد نامے ہو چکے ہیں اور ابھی لاتعداد معاہدے ہونگے۔ اسلامی قانون کی رو سے اسلامی معاہدوں کا مقصد اور غایت وہی ہے جو اسلامی حکومت کی غایت ہے۔ نظریۂ توحید کے مطابق تمام دنیا کے تعلقات کی توحید اور تمام انسانوں کی بہتری، ساری دنیا میں امن کا قیام، ظلم کا خاتمہ اور اسلام کی رہنمائی (لیڈرشپ) میں دنیا کے باشندوں کے معاشی، سیاسی اور اجتماعی حقوق کی مساوات۔ اسلامی حکومت عالمگیر حکومت ہے اور وہ اس حیثیت سے بین الاقوامی تعلقات کو بروئے کار لاتی ہے، لیکن معاہدوں کی وجہ سے اصل مقصد سے دستبردار نہیں ہوتی

پہلا تاریخی معاہدہ میثاقِ فضول پہلا معاہدہ ہے جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی۔ عبد اللہ جدعان زمانۂ جاہلیت میں قبائلِ قریش کے سن رسیدہ سردار تھے ان کے مکان میں یہ معاہدہ ہوا۔ قریش کے تمام قبائل کے نمائندے اس میں شریک ہوئے اور سب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس معاہدے پر دستخط کیے کہ ہم شہر مکہ میں جس مظلوم کو دیکھینگے اس کے حلیف ہو کر ظالم سے لڑینگے اور ظلم کی تلافی کرائینگے، یہ مظلوم مکہ کا باشندہ ہو یا غیر ملکی سیاح[1]

آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ "میں اس معاہدہ کے وقت موجود تھا اور یہ معاہدہ مجھ کو سُرخ اونٹوں سے زیادہ پیارا ہے اگر اسلام میں بھی کوئی اس قسم کے معاہدہ کے لیے مجھے دعوت دیگا تو میں اُس کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نظر آؤنگا"[2]

یادداشت یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ زمانۂ جاہلیت کے جہلا اس معاہدہ پر زیادہ مدت تک عمل نہیں کر سکے۔ مگر مسلمان پہلی صدی ہجری میں خلافت راشدہ کے بعد بھی اس کے پابند رہے[3]۔ انہوں نے وقت کے جبار اور ظالم انسانوں، طاقتوں اور حکومتوں کی سازشوں کا مقابلہ کیا۔ صرف اس لیے تاکہ امن قائم ہو، انصاف بروئے کار آئے۔ انسانی حقوق تسلیم کیے جائیں اور ظالموں کو اتنا بے بس کر دیا جائے کہ اُن کے تاریخی مظالم کی پوری تلافی ہو سکے۔

مکہ میں قریش اسلام کے دینی نظام اور سیاسی اثر کے خلاف تھے آنحضرتؐ نے ان کو ایک طاقتور حریف سمجھ کر معاملات طے کرنے کی کوشش کی۔ ہمیں اس عہد کے تعلقات میں پیغمبرانہ عزیمت کے علاوہ سیاسی فراست کا اعلیٰ نمونہ بھی نظر آتا ہے۔

آنحضرتؐ نے حریف طاقتوں کے سامنے دو باتیں پیش کیں (۱) جئتکم بخیر الدنیا میں تمہارے لیے دنیا کی بہتری کا پیغام لایا ہوں۔ (۲) قولوا معی لا إلٰہ الا اللہ وان تفلحوا (میرے ساتھ مل کر خدائے واحد کا نعرہ بلند کرو۔ انسانوں کی اجتماعی بہتری کا نظام بروئے کار آجائیگا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۹۰ حلف فضول [2] یہ معاہدہ عہد معاویہؓ تک بھی مؤثر تھا۔ ولید بن عتبہ حضرت معاویہ کی طرف سے گورنر تھا۔ حضرت امام حسینؓ کو اس سے اختلاف ہوا تو انہوں نے فرمایا: "مجھ کو میرا پورا حصہ دے دیا جائے ورنہ میں مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر میثاق فضول کو پکارونگا۔ حاضرین نے اس کی تائید کی اور گورنر مدینہ کو امام کا حق دینا پڑا۔

[3] روض الانف سہیلی ج ۱ ص ۹۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتداء میں اسلام اور قریش کے درمیان ابو طالب ترجمان تھے۔ قریش بار بار سفارتیں لے کر آتے تھے لیکن آنحضرت ہر بار صرف اس لیے نامنظور کر دیتے تھے کہ اُن کے مطالبات اساسی مقصد کے خلاف تھے۔

ایک مرتبہ عُتبہ بن ربیعہ قریش کے حکم سے نمائندہ بن کر آیا اور اُس نے آنحضرت کے سامنے تین چیزیں پیش کیں "خزانہ، سلطنت، عدالت عالیہ کی ججی" کیونکہ یہ تینوں پیشکشیں اصل مقصد کی تکمیل میں حارج تھیں اس لیے ان کی بُنیاد پر کوئی معاہدہ نہ ہو سکا۔

ابو طالب کی وفات سے کچھ پہلے قریش کے طاقتور سردار عتبہ، شیبہ، ابو جہل، اُمیہ، ابو سفیان معاہدہ کرنے کے لیے آئے۔ ابو طالب درمیانی ایلچی بنے۔ پیغمبر خدا نے ارکانِ سفارت کے سامنے صرف ایک شرط پیش کی "کلمۂ توحید پر متحد ہو جائیے۔ اس کے بعد آپ لوگوں کو دنیا بھر کی حکومت مل جائیگی"۔ اس شرط کو قبول نہیں کیا گیا۔ اور ارکانِ سفارت تالیاں بجا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سفارت ناکام ہو گئی اور ابو طالب نے کہا "اب فیصلہ خدا کے حکم سے ہی ہوگا"[1]۔

معاہدۂ عقبہ | (عقبہ اول اور عقبہ دوم) یہ دونوں معاہدے مدینہ کے قبائل اوس و خزرج سے ہوئے اور ان سے اسلامی قوت کا رتبہ بلند ہو گیا۔ قریشِ مکہ اسلام کی قوت کے ساتھ ہموار نہ ہو سکے ان معاہدوں نے دوسری طاقتوں کو اسلام کی قوت بنا دیا اور اسلام کے خارجی اثر کو دنیا کی سرحدوں تک پھیلا دیا۔

معاہدۂ عقبۂ اول (سلنہ نبوی) | "ہم آنحضرت کے حکم سے سرتابی نہ کرینگے اور تمام فسادانگیز سرگرمیوں سے باز رہینگے۔ اس یادداشت پر مدینہ کی سفارت کے بارہ ارکان نے دستخط کیے۔ اس کے بعد مصعب ابن عُمیر آنحضرت کے سفیر مقرر ہو کر مدینہ روانہ ہوئے۔ اس وقت مدینہ میں سخت داخلی جنگ جاری تھی، مگر اس معاہدہ نے بے مثال امن قائم کر دیا[2]۔

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۱۰ وفات ابو طالب۔ [2] اس معاہدہ سے پہلے سلسہ نبوت میں مدینہ کے چھ سردار اسلام کی وفاداری کا اعلان کر چکے تھے۔ اس [illegible] یہود اور [illegible] اہل مدینہ کے درمیان بدامنی موجود تھی مگر وہ آنحضرت کے [illegible] میں [illegible] ہو گئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاہدۂ عقبہ دوم (۱۲ سنہ نبوی)	یہ دوسری سفارت تہتر ارکان پر مشتمل تھی[1]۔ ایک تہائی رات گزرنے کے بعد یہ معاہدہ طے پایا۔

ا۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ آنحضرت کی ایسی ہی حفاظت کرینگے جیسی اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں

ب۔ آنحضرت اطمینان دلاتے ہیں جو تمہارا دشمن ہو وہ میرا بھی دشمن ہو، جو تمہارا حلیف ہے وہ میرا بھی حلیف ہے، تمہاری ذمہ داری میری ذمہ داری ہے، میری ذمہ داری تمہاری ذمہ داری ہے، تمہاری عزت میری عزت ہے، میری عزت تمہاری عزت ہو۔

آنحضرت ؐ کے تعلقات خارجہ کا بھی وہ مرحلہ ہے جو اسلام کے خارجی تعلقات کا سنگِ بنیاد ثابت ہوا۔ یہاں اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ یہ معاہدہ اس وقت عمل میں آیا جب اہلِ مدینہ نے ان اساسی مقاصد کو تسلیم کر لیا جن پر ایمان لانا دنیا کی وحدت اور قیامِ امن کے لیے ضروری تھا۔ چنانچہ اس معاہدہ نے مدینہ کو دنیا کا دارالخلافہ بنا دیا۔

معاہدہ جُہینہ	جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے چند منزل پر آباد تھا۔ اس سے یہ معاہدہ طے پایا کہ وہ دونوں فریقوں سے برابر کے تعلقات رکھیگا اور غیر جانبدار رہیگا۔ مدینہ کے اس پہلے معاہدہ کو معاہدۂ جہینہ کا نام دینا صحیح ہوگا۔

معاہدۂ بنی ضمرہ ۲ھ	مدینہ سے کچھ دور قبیلہ بنو ضمرہ آباد تھا، آنحضرت نے ودان کی مہم کے وقت ابواء میں قبیلہ کے سردار مغشی بن عمرو ضمری سے قیامِ امن کا معاہدہ کیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ یہ محمد رسول اللہ کا تحریری معاہدہ ہے، بنو ضمرہ کو اس بات کی ضمانت دی جاتی ہے کہ ان کا مال اور جان امن میں رہیگا۔ دوسرے حملہ آور کے خلاف ان کی مدد کی جائیگی۔

۲۔ بنی ضمرہ خدائی مذہب کے خلاف محاذ قائم نہیں کرینگے اور جب پیغمبر خدا اُن کو مدد کے لیے بلائینگے تو وہ اپیل کا جواب عمل سے دینگے[3]۔

---

[1] یہ سفارت حضرت مصعب بن عمیر کی سعی سے مکہ میں آئی تھی کعب کا بیان ہے آنے والوں میں مسلمان اور مشرک دونوں شریک تھے۔ [2] سیرۃ النبی (علامہ شبلی) ج ا ص ۲۰۸ [3] روض الانف ج ۲ ص ۵۸ (غزوۃ العشیر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ معاہدہ مدینہ کی پہلی سیاسی مہم کا نتیجہ ہے۔ اس میں قیام امن کا مقصد اصلی بھی موجود ہو اور یہ داعیہ بھی کہ ہر اسلامی معاہدہ کو اساسی مقصد کے مطابق ہونا چاہیے۔

معاہدہ یہود مدینہ سنہ ۱ھ اسلام سے پہلے مدینہ میں یہود کا اقتدار اور تسلط تھا، ہجرت کے بعد آنحضرت نے پیغمبرانہ فراست سے کام لے کر یہ طے کیا کہ مدینہ میں جو خارجی طاقتیں ہیں ان سے معاہدہ کر لیا جائے۔

مدینہ کے اطراف میں یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔ انصار میں اوس و خزرج دو بڑے قبیلے تھے حضور اکرمؐ نے یہود و انصار کو ایک صلح کانفرنس میں جمع کر کے ان کے باہمی روابط کو منظم کر دیا۔ مدینہ میں اسلام کے صیغۂ خارجہ کا یہ پہلا معاہدہ ہے جس سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد کی تکمیل میں زبردست امداد ملی۔

معاہدہ کی اہم دفعات حسب ذیل ہیں[1]:

۱۔ یہ میثاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریری دستاویز ہے۔ یہ ایک معاہدہ ہے جو مسلمانوں اور یثرب کے ان لوگوں کے درمیان طے پایا جو ان کے اتحادی بن گئے ہیں اور جہاد کے محاذ پر اُن کا ساتھ دینگے۔

۲۔ خوں بہا کا موجودہ قانون وہی باقی رہیگا، اور دونوں فریق اس معاملہ میں عدل و انصاف کے اصول پر قائم رہینگے۔

۳۔ جو مسلمان امن شکنی کریگا، فتنہ و فساد بپا کریگا، قابلِ اعتراض طریقہ اختیار کریگا، سرکشی اور سیہ کاری میں حصہ لیگا دوسرے مسلمان اس کا ساتھ نہ دینگے۔ ایسے مسلمان کو سب مسلمان مل کر سزا دینگے خواہ یہ شخص ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۴۔ مسلمان مسلمان کے مقابلہ میں کافر کی مدد نہ کریگا، بلکہ جنگ کی صورت میں تعاون سے کام کرینگے مسلمانوں کی صلح ایک ہے، کوئی مسلمان کسی دوسری طاقت سے تنہا صلح نہ کریگا

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ (مدینہ میں پہلا خطبہ) تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ یہودیوں سے جو لوگ مسلمانوں کے اتحادی بنینگے اُنہیں مذہبی آزادی کا حق ہوگا اور مسلمان اپنے مذہب کے معاملہ میں آزاد ہونگے۔ بنی عوف کے یہود مسلمانوں کے نظامِ اجتماعی میں داخل سمجھے جائینگے اور اسی طرح دوسرے یہودی قبائل بھی۔

۶۔ سب مسلمان اس معاہدے سے متفق ہیں، اس سے برگشتہ ہوجانا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ فریقین میں اختلاف ہوگا تو فیصلہ کے لیے خدا و رسول کی طرف رجوع کیا جائیگا۔

۷۔ فریقین ایک دوسرے کے معاون اور بہی خواہ رہینگے اور آپس میں سچے مشیروں کی طرح کام کرینگے۔ بشرطیکہ معاملہ جائز ہو نا جائز نہ ہو۔

۸۔ مظلوم کی مدد کی جائیگی، ظالم ظلم کا ذمہ دار ہوگا

۹۔ مدینہ فریقین کے لیے امن کا شہر ہوگا۔ مدینہ میں رہنے والے اور غیر ملکی مسافر کو امن حاصل ہوگا، اس کو خدا اور رسول کی پناہ حاصل ہوگی۔ یہاں قتل کرنا اور فساد پھیلانا حرام ہوگا۔

۱۰۔ خارجی تعلقات صرف آنحضرتؐ کی منظوری سے قائم ہونگے۔

۱۱۔ کسی تیسری طاقت سے صلح کی جائیگی تو وہی معتبر ہوگی جس میں دونوں فریق شریک ہونگے مذہبی جنگ اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

مندرجہ بالا معاہدہ اور اس کی دفعات اپنی حقیقت پر آپ گواہ ہیں۔ امن و سلامتی آزادی اور انصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔ یہ معاہدہ اُن لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو قرآن کی زبان میں ظلم اور گناہ کی راہ میں تیز رو تھے۔ جھوٹ کے عادی، حرام کھانے میں جری، سود خور، سرمایہ دار، غریبوں کا مال ناحق ہضم کرنے والے تھے۔ آنحضرت نے اس معاہدہ کے بعد بھی اس قوم کو مزید رعاتیں دیں مگر بدنام اور بدکردار یہودیوں نے ہر رعایت کو نظر انداز کردیا۔

اس زمانہ میں مسلمان مکہ سے بے وطن ہو چکے تھے۔ مدینہ میں صورت حال نازک تھی، بیرونی دشمن مدینہ کی دیواروں تک پہنچ کر جارحانہ حملے کر رہے تھے۔ اسلامی نظام بھی خطرہ میں تھا [illegible] حالت میں یہود نے ایک اچھے معاہدہ کو توڑ دیا۔ اُنہوں نے حملہ آوروں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو مدد دی، سازشیں کیں، جاسوسی کی، آنحضرت کی جان لینے کی کوشش کی، خارجی دشمنوں قریش اور داخلی دشمنوں (منافقوں) سے ساز باز کیا جب سازش کھل گئی، مجرموں نے جرموں کا اقرار کرلیا تو اُن کو معمولی سزا دی گئی، دنیا میں جن جرائم کی سزا موت ہے اسلام نے انتہائی نزاکتوں کے وقت بھی ان کی سزا یہ تجویز کی کہ اثر پذیر علاقوں کو خالی کرالیا۔

معاہدۂ حدیبیہ سنہ ۶ ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شوریٰ کے بعد چودہ سو مسلمانوں کو لے کر سنہ ۶ ھ میں عازم حج ہوئے۔ جنگ کا ارادہ قطعاً نہیں تھا۔ یہ سُن کر جنگجو قریش درندوں کی کھالیں پہن کر اور مسلح ہو کر ذی طویٰ میں جمع ہوگئے۔

آنحضرت عسفان میں خیمہ زن تھے قریش کی خبر سُن کر بڑی حسرت سے فرمایا:۔

"قریش کو کیا ہوگیا ہے، آپس کی لڑائی اور جنگجوئی ان کو کھا گئی ہے پھر بھی اُس سے باز نہیں آتے، کیا ہی بہتر ہوتا کہ یہ مجھ کو اور تمام عرب کو معاملہ کرنے کے لیے چھوڑ دیتے اور درمیان سے اپنا دخل نکال لیتے"۔

آپ کے انسانی احساس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے ثنیۃ المرار پہنچ کر قریش کے ارادوں کا حال معلوم کرنے کے بعد بھی یہی فرمایا "آج قریش صلہ رحمی کے جو حقوق طلب کریں گے وہ میں ان کو ضرور دوں گا" یہی وہ احساس تھا جس نے قریش کے اُن سفیروں کو موافق بنا دیا جو مخالفت کے لیے آئے تھے[1]۔

---

[1] بُدیل بن ورقا، پہلا سفیر تھا جس نے سفارت کی مہم سے واپس ہو کر قریش کو بتایا کہ تمہاری جنگی تیاری بے بنیاد ہے۔ قریش کا دوسرا سفیر مکرز بن حفص تھا اور تیسرا قبائلی افواج کا سپہ سالار حلیس بن علقمہ تھا۔ یہ دونوں بھی حضور کے پیام امن کو سُن کر مطمئن لوٹے۔ چوتھا سفیر عروہ بن مسعود ثقفی تھا جس نے واپس جا کر قریش کو رپورٹ دی کہ میں نے قیصر و نجاشی کے درباروں میں بھی وہ حکومت نہیں دیکھی جو آج دیکھی۔

جب قریش نے اپنے سفراء کی رپورٹوں اور فیصلوں کو مسترد کر دیا تو مسلمانوں کی طرف سے خراش بن اُمیہ سفیر بنا کر بھیجے گئے مگر قریش نے ان کے اونٹ کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے اور خود اُن کو قتل کرنا چاہا۔ اب حضرت عمر تجویز ہوئے اور آخر میں اُن کی جگہ حضرت عثمان کو بھیجا گیا۔ قریش نے ان کو بھی ——— روک لیا۔ مسلمانوں میں ان کے قتل کی خبر مشہور ہوگئی۔ اس خبر پر آنحضرت نے مسلمانوں کو جمع کیا اور ان سے موت کا حلف لیا۔ یہی وہ حلف ہے جس کا نام بیعت رضوان ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قریش نے سہیل بن عمرو کو آخری سفیر کی حیثیت سے بھیجا یہ سفارت کامیاب ہوئی، اوراس کے نتیجہ میں حدیبیہ کا مشہور صلحنامہ طے پایا۔

قریش نے معاہدہ صلح کی تحریر کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پر اعتراض کیا حضور نے اس اعتراض کو قبول کرلیا اور قریشی روایات کے متعلق باسمک اللھم لکھوا دیا۔ اس کے بعد آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر اعتراض کیا تو آپ نے اس کی جگہ عبداللہ لکھوا دیا۔ اس کے بعد حسب ذیل دفعات قلمبند کی گئیں[1]

۱۔ یہ معاہدہ صلح محمد بن عبداللہ اور سہل بن عمرو عامر کے درمیان طے پایا۔

۲۔ دس سال تک کسی قسم کی جنگ نہ ہوگی، دونوں فریق جنگ سے باز رہینگے۔

۳۔ قریش کا جو شخص بے اجازت محمد کے پاس چلا جائیگا اس کو مکہ واپس کردیا جائیگا، اور جو محمد کا آدمی مکہ آجائیگا اس کو قریش واپس نہ کرینگے۔

۴۔ جو قبیلہ محمد (صلعم) کے عہد میں داخل ہونا پسند کریگا اس کو آزادی ہوگی اور جو قریش کے عہد میں آنے کا آرزومند ہوگا وہ بھی آزاد ہوگا۔

۵۔ آنحضرت اس سال واپس چلے جائینگے، آئندہ سال اپنے اصحاب کے ساتھ آسکینگے جو لوگ اسلحہ ساتھ لائینگے وہ میان میں اور غلافوں میں رکھینگے کھلے طور پر لے کر چلنے کے مجاز نہ ہونگے۔

بیرونی تعلقات کے قیام کا اس سے بہتر نمونہ ملنا دشوار ہے۔ دنیا کا کوئی سیاسی دماغ ایسی حالت میں اس قسم کی شرائط منظور نہیں کرسکتا جبکہ اس کے ساتھ ایک جانباز فوج بھی ہو لیکن آپ نے اسلام کے مطمح نظر کی تکمیل کے لیے اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی کی[2] حالانکہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے جانباز کمانڈر اس کمزور صلح کے خلاف تھے۔

---

[1] تاریخ الامم والملوک طبری ج ۳ ص ۹، السنۃ السادسۃ [2] معاہدہ کی تکمیل کے بعد ابوجندل قریش کی قید سے فرار ہوکر مسلمانوں سے آملے لیکن سہیل نے تیسری دفعہ کے ماتحت ان کو (باقی صفحہ ۳۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یادداشت حدیث وتاریخ اس پر متفق ہیں کہ حدیبیہ کا یہی وہ صلحنامہ ہے جس نے فضا کو بدل دیا۔ عرب کے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام انسانیت اور امن کا پیغام ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ انہوں نے وحشیانہ تشدد کے باوجود قیام امن کی کوششوں کو ترک نہیں کیا۔ انہوں نے جانیں گنوا دیں مگر اس یقین کا دامن نہیں چھوڑا جس کا مقصد و منشاء تمام دنیا کو اپنے حلقہ اثر میں لینا تھا۔

اسلامی صیغۂ خارجہ اور دولِ عالم

اسلامی صیغہ خارجہ کے تعلقات دنیا کی حکومتوں سے دربارِ نبوت کے صیغۂ خارجہ نے حبش، روم، فارس، مصر، یمامہ، عمان، غسان، بحرین کے درباروں میں خاص طور پر سفیر بھیجے۔ ان میں سے ہر سفیر اسلام کی طرف سے امن وسلامتی کا پیغام لے کر گیا۔ نجاشی حبش کے دربار میں عمرو بن امیہ جو پیغام لے کر گئے تھے اس میں حضورِ اکرم نے لکھا تھا "اسلم تسلم" (خدائے واحد کی اطاعت قبول کرو، امن وسلامتی سے بہرہ یاب ہو گے) مہاجرین کے متعلق جو تحریری یادداشت بھیجی گئی تھی اس میں یہ درج تھا۔

"میں تمہارے سامنے خداوند عرش کی تعریف کرتا ہوں۔ اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ مسلمانوں کو پناہ دینا، ان پر تشدد نہ کرنا ہیں تم کو اور تمہاری افواج کو خداوند بلند وبرتر کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ یہ خیر خواہی کا پیغام ہے اس کو قبول کرنا تمہارا کام ہے۔ امن وسلامتی کا وہی مستحق ہے جو سچی رہنمائی کو قبول کرتا ہے"[۱]

نجاشی نے اس پیغام کو عزت سے قبول کیا اور اچھے عنوان سے اس کا جواب دیا۔ اس

(بقیہ صفحہ ۳۶۴) واپس طلب کیا، ابوجندل نے شور مچایا، یا رسول اللہ کیا مجھے پھر دشمنوں کے قبضہ میں دے دیا جائیگا اور میں پھر اس ظالمانہ تشدد کا شکار بنونگا۔ حضور نے فرمایا: ابوجندل صبر کرو۔ خدا تمہاری آزادی کا جلد سامان کر دیگا، میں معاہدہ کی پابندی پر مجبور ہوں۔

نوٹ صفحہ ہذا [۱] تاریخ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۸۳۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۵۲۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد دنیا نے دیکھا کہ حبش کا امن ایک ہزار سال تک بدستور باقی رہا۔

اسلام کے صیغۂ خارجہ پر یہ الزام عائد نہیں ہو سکتا کہ اس کا کام ملک گیری ہے اور مقصد شہنشاہیت کو رواج دینا۔ اسلامی تاریخ میں کوئی ایسی سفارت نہیں مل سکتی جس نے شہنشاہیت کے لیے کسی معاہدہ پر دستخط کیے ہوں۔

یادداشت شجاع بن وہب دربارِ غسان میں معاہدہ کے لیے بھیجے گئے۔ ان کے ساتھ جو دستاویز تھی اس میں امن و سلامتی کا پیغام تھا اور حضورؐ نے صاف لکھ دیا تھا "یبقی لک ملکک" (تمہارا ملک تمہارے ہاتھ میں آزاد رہیگا) کسریٰ شہنشاہ ایران کے نام جو تحریری وثیقہ بھیجا گیا تھا اس میں بھی یہ پیشکش تھی کہ اسلامی نظام کو قبول کر لیا جائے۔ تمہاری سلطنت سلامت رہیگی[لہ] یہ پیشکش صحیح تھی کیونکہ اسلام کے بعد حکومت کا مزاج بدل جاتا ہے، فساد مٹ جاتا ہے اور انسانیت کی بہتری باقی رہ جاتی ہے یہ واقعات اس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ اسلام کا صیغۂ خارجہ عالمگیر امن کے لیے عالمگیر انسانیت پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جو خیالات اس کی طرف منسوب ہیں وہ دل و دماغ کی گمراہی پر مبنی ہیں ہیں

تبوک کا معاہدۂ صلح ۹ھ رجب ۹ھ میں تبوک کا صلحنامہ عمل میں آیا۔ جب حضورؐ تبوک پہنچ گئے تو یحنہ بن رؤیہ فرمانروائے ایلہ خود حاضر ہوا، اس نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ آپؐ نے درخواست کو شرفِ قبول عطا کیا اور مندرجہ ذیل صلحنامہ منظور فرمایا۔

۱۔ یہ وثیقہ امن اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری پر لکھا گیا ہے۔ یحنہ بن رؤیہ اور ایلہ کے شہری، ان کا بحری بیڑہ، ان کے سیاح اور مسافر، بحری ہو یا بری اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امن میں ہیں۔ اس امن میں شام اور یمن کے وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ان کے حلیف ہیں۔

۲۔ ان لوگوں کو بحری اور بری راہوں سے گزرنے کا حق ہو گا اور وہ ہر چشمہ پر خیمہ زن ہو سکینگے۔

اس عہد نامہ کا ایک ایک لفظ انسانیت، امن اور خوشحالی کے نظام کا آئینہ دار ہے۔ اس سے

لہ تاریخ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۴ ص ۲۶۸-۲۷۰ تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸۰-۲۸۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوتا ہے کہ ایک غیر مسلم حکومت بھی اسلام کے نظام امن میں برابر کی حصہ دار ہوسکتی ہے۔ اس سے وہ الزام بھی باطل ہو جاتا ہے کہ اسلام نے مذہبی تشدد اور تلوار کی قوت سے غلبہ پایا ہے۔ اسلام کو اور اسلامی حکومت کو انسانیت اور امن کا قیام مطلوب ہے۔ اگر دنیا کی طاقتیں اس صداقت کو محسوس کرلیں تو وہ خود یہ اعتراف کرلینگی اسلام انسانیت کی بہتری کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں رکھتا۔

صلحنامہ ثقیف ۹ھ آنحضرت نے ۹ھ میں ثقیف سے معاہدۂ صلح کیا۔ یہ قبیلہ اسلامی سفیر عروہ بن مسعود ثقفی کو قتل کرچکا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس کو صلح کا خیال پیدا ہوا۔ اس وقت اسلام کی طاقت غلبہ حاصل کر رہی تھی لیکن آپؐ نے ثقیف کے سفیر عبد یالیل اور اس کے پانچ رفقاء کو باریابی کا موقع عنایت کیا۔ آپؐ نے سفیر کے چند نامناسب مطالبوں کو ماننے سے انکار کر دیا لیکن معاہدۂ صلح کو منظور کرلیا۔ اس صلحنامہ کے الفاظ یہ تھے:[1]

۱۔ یہ تحریری وثیقہ محمد رسول اللہ کی ذمہ داری پر لکھا گیا ہے۔

۲۔ مسلمان ثقیف کے علاقہ میں نہ گھاس کاٹینگے نہ لکڑی، نہ یہاں کے جانوروں کو شکار کرینگے۔

۳۔ جو شخص اس کی خلاف ورزی کریگا اس کو سزا دی جائیگی، جو زیادہ تجاوز کریگا اس کو گرفتار کرکے دربار نبوت میں پیش کیا جائیگا۔ یہ رسول اللہ کا حکم ہے جو اس کے خلاف جائیگا وہ اپنے نفس پر ظلم کریگا۔

یادداشت اس صلحنامہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اسلام کا صیغۂ خارجہ صرف اصلاح حال کا منتظر رہتا ہے[2]

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ [2] غیر قوموں کو اسلام قبول کرنے کے لیے جو پیغام بھیجا جاتا ہے اس کا مقصد بھی اصلاح اور امن و سلامتی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اسلام کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید نے نجران میں نبی کریم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بنی حرث کو بھی پیغام دیا۔ اسلام قبول کرلو امن و سلامتی کے حلقہ میں رہوگے" ابن ہشام ج ۲ ص

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ایک سرکش منطقہ کے قاتل افراد بھی قیام امن کے لیے آمادہ ہو جائیں تو ان کے معاشی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں اسلامی حکومت کے بڑے سے بڑے شہری کو سزا دی جاتی ہے، یہ وہ خصوصیت ہے جو موجودہ حکمران قوموں میں صداقت کے ساتھ نظر نہیں آتی۔

معاہدۂ بیت المقدس ۱۵ھ بیت المقدس کا صلحنامہ فاروق اعظم کے عہد کی یادگار ہے مضمون درج ذیل ہے:-

۱۔ میں عمر خدا کے ایک بندے اور مسلمانوں کے امیر کی حیثیت سے بیت المقدس کے باشندوں کے لیے اس معاہدۂ صلح کو منظور کرتا ہوں۔

۲۔ بیت المقدس کے باشندوں کے لیے امان ہے۔ اور یہ امان جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست اور بیمار اور قدس کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔ گرجاؤں پر قبضہ نہیں کیا جائیگا، نہ اُن کو منہدم کیا جائیگا، نہ اُن کی صلیبیں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائیگی، نہ اُن کے مذہب کے متعلق کسی قسم کا جبر کیا جائیگا نہ اُن پر کسی قسم کا جبر و تشدد کیا جائیگا۔[۱]

اس معاہدہ میں عیسائیوں کی پاسداری کی وجہ سے یہود کو بیت المقدس میں قیام کی اجازت نہیں دی گئی۔[۲]

یادداشت قُدس کا معاہدہ اسلام کے صیغۂ خارجہ کے مقصد کو اچھی طرح ظاہر کرتا ہے۔ اگر اسلام مذہبی تشدد اور دینی تعصب کا قائل ہوتا اور غارتگری کو جائز رکھتا تو فتح قدس سے زیادہ اور کوئی اچھا موقع نہ تھا۔ ایک ایسی حکومت جو محاذ پر فاتح کی حیثیت رکھتی۔ دوسرا مذہب رکھنے والے حریفوں کے علاقہ میں امن وانسانیت کا اس سے بہتر مظاہرہ نہیں کرسکتی۔ دنیا کی تاریخ میں اس پُر

---

[۱] تاریخ طبری۔ فتح بیت المقدس۔ پریچنگ آف اسلام (دعوت اسلام) آرنلڈ۔ ص ۵۲۔
[۲] عیسائی یہود کو حضرت مسیح کا قاتل سمجھتے تھے۔ چونکہ اس حادثہ کا مرکز وقوع بیت المقدس تھا اس لیے عیسائیوں کی رعایت ضروری تھی۔ رومی مسلمانوں کے حریف تھے مگر معاہدہ میں ان کو امان دیا گیا، اور اُنہیں رومی علاقوں میں جانے کی اجازت دی گئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرامن انقلاب کی مثال نہیں ملتی جو فتح مکہ اور بیت المقدس کے بعد رونما ہوا۔ یہ انسانیت کا انقلاب تھا جس کی مثال دریافت کرنا مشکل ہے۔ مسٹر آرنلڈ نے بجا طور پر یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ دور اندیشی کی ایسی مثال تھی جو عیسائیوں کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

دفعہ (۲۶) صیغہ امورِ داخلہ

اسلامی حکومت کے نظام میں داخلی امن و نظم کا کام صیغۂ امورِ داخلہ سے متعلق ہے، ریاستِ عامہ کے شہریوں کے حقوق، جان و مال اور عزت و آبرو کی نگہداشت اس صیغہ کی ذمہ داری ہے۔ یہ صیغہ جمہور کے باہمی معاملات کو درست رکھنے پر زور دیتا ہے، صیغۂ عدل و انصاف اور صیغۂ مفادِ عامہ کو ان کے فرائض کی ادائگی کے قابل بناتا ہے اور حکومت کے اعلیٰ و ادنیٰ حکام کو قانون کے مطابق کام کرنے پر آمادہ رکھتا ہے۔

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ھ میں یثرب پہنچ کر اس کو اسلام کی حکومت کا دار الخلافہ قرار دیا، اس کا نام مدینہ اور قبۃ الاسلام رکھا، اُسے حرم کا خطاب دیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے حلقۂ امن و نظم میں انسان کی جان و مال اور آبرو کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔[۱]

آنحضرتؐ نے مدینہ میں سب سے پہلے امورِ داخلہ کی طرف توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں اپنی حکمت عملی کی بنیاد حسب ذیل امور پر قائم کی:

۱۔ مدینہ کو نظمِ مملکت کا مرکز قرار دیا اور داخلی نظام کے تمام شعبوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔[۲]

---

[۱] مدینہ کا نام مکینہ اور سید البلدان (دار الحکومت اور شہروں کا سردار) بھی ہے۔ وفاء الوفاء با خبار دار المصطفیٰ ج ۱ ص ۷۵۔ [۲] مدینہ کے نظمِ داخلی کے متعلق آنحضرتؐ کے طریقۂ کار کا ذکر سیرت و تاریخ کی تمام مستند کتابوں، ابن ہشام، طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر میں موجود ہے۔ آپ نے وقتاً فوقتاً جو احکام اس سلسلہ میں نافذ کیے ان میں سے اہم درج ذیل ہیں:۔
احکامِ نبوی، کوئی شخص دوسرے شخص پر تلوار نہ اٹھائے۔ امراءِ حکومت رعیت کی خیر خواہی کریں۔

(بقیہ بر صفحہ ۳۷۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب ۔ یہود (بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع) مدینہ کے اطراف میں قلعہ بند مکانوں اور برجوں میں بود و باش رکھتے تھے۔ دولتمند تھے، با اثر تھے اور جنگ کا ساز و سامان رکھتے تھے۔ آپ نے ان سے یہ معاہدہ کیا کہ "انہیں مذہبی آزادی حاصل رہیگی اور وہ زمانۂ امن میں مسلمانوں کے حلیف اور زمانۂ جنگ میں رفیق متصور ہونگے"۔ اس معاہدہ سے آغاز کار میں معاملات داخلہ کی تنظیم میں کافی امداد ملی۔

ج ۔ قریش مکہ ہجرت کے واقعہ سے شدید برہم تھے۔ ان کے لیے مدینہ میں مسلمانوں کا اجتماع ناقابل برداشت تھا، ان کا پروگرام یہ تھا کہ اس نظام پر جارحانہ حملہ کر کے اس کو ختم کر دیا جائے۔ آنحضرت ؐ نے اس کے مقابلہ میں سرحدی دفاع کا انتظام کیا۔ اور حملہ آوروں کو باز رکھنے کے لیے نیم فوجی گشتی مہمیں (جن کو سریہ کہتے تھے) جاری کیں[۲]۔

(د) مدینہ پر اکثر بیرونی حملہ کا خطرہ پیدا ہوتا تھا، آنحضرت شدید مواقع پر محاذ کی کمان کے لیے خود باہر تشریف لے جاتے تھے اور اپنی عدم موجودگی میں مدینہ کا داخلی انتظام اپنے نائب الحکومۃ کو سپرد کر دیتے تھے۔ اس قسم کے نائب ہر ایک غزوہ کے موقع پر مقرر کیے جاتے تھے[۳]۔

(بقیہ صفحہ ۳۶۹) عوام رئیس حکومت کی اطاعت کریں۔ حکومت حکمت اور تدبر کے ساتھ کی جائے اور شوری کو حکمت عملی کا جزو سمجھا جائے۔ (صحیح البخاری کتاب الاحکام۔ فتح الباری ج ۱۳ ص ۹۵-۱۸۳)

نوٹ صفحہ ہذا [۱] سیرۃ ابن ہشام (روض الانف) ج ۲ ص ۱۲ طبع جمالیہ مصر۔

[۲] حملہ آوروں کی اطلاع آنحضرت کو ملتی تھی اور آپ اسی اطلاع پر سریہ روانہ کرتے تھے۔ اس سلسلہ کی پہلی مہم کے امیر (کمان افسر) عبیدہ بن حرث تھے۔ اس میں ساٹھ ستر آدمی تھے جنہوں نے ثنیہ مرہ کے قریب دفاعی محاذ قائم کیا تھا۔ تاریخ میں اس قسم کی ترپن ۵۳ مہموں کا ذکر کیا گیا ہے (طبری ج ۳ ص ۱۱ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۱۶ و ۱۴۱)

[۳] آنحضرت کے نائب حکومت (حوالہ کے لیے تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ کے صفحات دیے گئے ہیں)

۱۔ غزوہ ودان وابوا	سنہ ۲ھ	ص ۲۴	نائب الحکومت			سعد بن عبادہ انصاری
۲۔ " بواط	سنہ ۲ھ	"	"	"	"	سعد بن معاذ انصاری
۳ " العشیر	سنہ ۲ھ	"	"	"	"	ابو سلمہ بن عبد الاسد
۴ " معرکہ الصغری (وادی سفوان)	سنہ ۲ھ	"	"	"	"	یزید بن حارثہ

(باقی بر صفحہ ۳۷۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵) مدینہ کی اسلامی ریاست ابتدا میں صرف ایک شہری ریاست تھی۔ چند سال کی تنظیمات کے بعد اس کا رقبہ بڑھ گیا۔ آنحضرت نے داخلی نظم کے لیے اس کو بارہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبہ پر ایک امیر عامل (گورنر) مقرر فرمایا۔ یہ تھا صیغۂ داخلہ کا پہلا باضابطہ کام جو آئندہ کے لیے تنظیم مملکت کی بنیاد بنا۔[1]

خلیفۂ اوّل صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) اور خلیفۂ دوم فاروق اعظمؓ کے عہد میں بھی معمولی

(بقیہ صفحہ ۳۷۰)

۵۔ غزوہ بدر الکبریٰ ۲ھ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۳ نائب الحکومت عمرو بن ام کلثوم
۶۔ 〃 بنی قینقاع ۲ھ ابن کثیر ص ۵۲ 〃 〃 ابولبابہ بن منذر انصاری
۷۔ 〃 الکدرہ ۲ھ 〃 〃 〃 〃 عمرو بن ام کلثوم
۸۔ 〃 نجران ۳ھ 〃 ص ۵۳ 〃 〃 〃
۹۔ 〃 احد ۳ھ 〃 〃 ۵۷ 〃 〃 〃
۱۰۔ 〃 بنی نضیر ۳ھ 〃 〃 ۶۵ 〃 〃 〃
۱۱۔ 〃 بدر ثانیہ ۴ھ 〃 〃 ۶۶ 〃 〃 عبداللہ بن رواحہ
۱۲۔ 〃 خیبر ۷ھ 〃 〃 ۸۲ 〃 〃 سباع بن عرفطہ انصاری
۱۳۔ 〃 فتح مکہ ۸ھ 〃 〃 ۹۲ 〃 〃 ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری
۱۴۔ 〃 تبوک ۹ھ 〃 〃 ۱۰۶ 〃 〃 سباع بن عرفطہ

(نوٹ صفحہ ہذا:) [1] عہدِ نبوی کے امراء اور عمال:۔

صوبے	صوبائی حکام	صوبے	صوبائی حکام
۱۔ مکہ	عتاب بن اُسید انصاری	۷۔ السواحل	ابوموسیٰ اشعری
۲۔ طائف	مالک بن عوف۔ عثمان بن ابی العاص	۸۔ جند	معاذ بن جبل
۳۔ بحرین	العلاء بن الحضرمی	۹۔ وادی القریٰ	عمرو بن سعید بن العاص
۴۔ عمان	عمرو بن العاص	۱۰۔ تیماء	یزید بن ابی سفیان
۵۔ نجران	سفیان بن الحرب	۱۱۔ یمامہ	ثمامہ بن اثال
۶۔ صنعاء (یمن)	باذان (العجمی) مہاجر بن اُمیہ ابان بن سعید بن العاص		

دیکھو صحیح البخاری (ما کان یبعث من الامراء)
فتح الباری کتاب المغازی ج ۱۳ ص ۲۰۵ طبع البہیہ مصر
تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صیغۂ داخلہ نے اپنے فرائض بخوبی انجام دیے۔ صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں یہ صیغہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک حصہ میں باقاعدہ نظام قائم تھا۔ ملک متعدد صوبوں میں منقسم تھا اور ہر صوبہ پر ایک گورنر حکومت کرتا تھا۔ دوسرا حصہ شام کے محاذ جنگ پر مشتمل تھا۔ یہاں انتظامی حکومت فوجی کمان کے ماتحت تھی، فوج کے سپہ سالار ہی اس علاقہ کے گورنر ہوتے تھے[1]۔ اس حصہ ملک میں حضرت ابو عُبیدہ، حضرت خالد، شرحبیل، یزید، عمرو، امرائے لشکر جمع تھے (تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۱)

دفعہ (۳۷) صیغۂ جہاد و دفاع

جہاد کا مفہوم انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا، جہاد ہے (الجھـاد

---

[1] عہدِ صدیقی کے صوبے اور گورنر:-

صوبہ	عامل (گورنر)
۱۔ مکہ معظمہ	عتاب بن اسید
۲۔ طائف	عثمان بن ابی العاص
۳۔ صنعاء (یمن)	مہاجر بن ابی اُمیہ
۴۔ حضرموت (〃)	زیاد بن لبید
۵۔ جند (〃)	معاذ بن جبل
۶۔ زبید (〃 معہ رمع)	ابو موسیٰ اشعری
۷۔ خولان	یعلی بن اُمیہ
۸۔ بحرین	علاء بن الحضرمی
۹۔ نجران	جریر بن عبداللہ
۱۰۔ جُرش	عبداللہ بن ثور

(دیکھو تاریخ طبری ج ۴ ص ۵۰ حسینیہ مصر)

عہدِ فاروقی کے صوبے اور گورنر (۲۳ھ)

صوبہ	عامل (گورنر)
۱۔ مکہ مکرمہ	نافع بن عبدالحارث
۲۔ طائف	سفیان بن عبداللہ الثقفی
۳۔ صنعاء	یعلی بن منبہ
۴۔ الجند	عبداللہ بن ابی ربیعہ
۵۔ کوفہ	مغیرہ بن شعبہ
۶۔ بصرہ	ابو موسیٰ اشعری
۷۔ مصر	عمرو بن العاص
۸۔ حمص (شام)	عمیر بن سعد
۹۔ دمشق	معاویہ بن ابوسفیان
۱۰۔ بحرین	عثمان بن ابی العاص

(تاریخ الامم طبری ج ۵ ص ۴۲ ۲۳ھ)

عہدِ عثمانی میں ماورائے عرب کے حسب ذیل صوبوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی:-

بصرہ دارالحکومت مقبوضاتِ عراق و ایران۔
قنسرین دارالحکومت آرمینیہ۔
کوفہ مرکز حکومت آذربائیجان۔
مصر مرکز حکومت مقبوضات شمالی افریقہ
شام، صوبۂ متحدہ اردن، فلسطین، دمشق، حمص

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو) (امام راغب[1])

جہاد پہلے درجہ میں صرف ایک جد وجہد ہے جو حق وصداقت کے لیے حرکت میں آتی ہے[2] اور اس کو جنگی معرکہ آرائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ جد وجہد صرف ایسے ماحول کا مطالبہ کرتی ہے۔ جس میں اسلام کا ضمیر، زبان اور قلم اپنا پیغام دلوں تک پہنچانے میں آزاد ہو۔ لیکن اُس وقت جبکہ دشمن طاقتیں علم وعقل کی رہنمائی سے محروم ہو کر مقابلہ پر آجائیں اور اسلام کی طاقت اور اسلامی جماعت کے خلاف تباہ کن سازشیں اور علی الاعلان جنگی تدابیر عمل میں آنے لگیں تو ایسے وقت میں جہاد کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ دشمنوں اور ان کے تمام جنگی مرکزوں کے خلاف مسلح جنگ کی جائے[3]۔ اور ان کو فتح کر کے دم لیا جائے۔

جہاد کا نصب العین جہاد کا نصب العین یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ خدا کا بول بالا رہے قرآنِ حکیم نے اس نصب العین کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے: کَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا "خدا کے باغی منکروں کا دعویٰ سرنگوں رہے اور اللہ کا بول ہمیشہ بالا رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے بھی یہی نصب العین متعین ہوتا ہے، ایک دیہاتی حاضر خدمت ہوا اُس نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ ایک شخص مال لوٹنے کے لیے جنگ کرتا ہے، دوسرا شخص ذاتی شہرت کے لیے محاذِ جنگ پر لڑتا ہے اور تیسرا شخص غرورِ شجاعت کی نمائش کے لیے میدانِ جنگ میں آتا ہے، ان میں سے کونسا شخص جہاد فی سبیل اللہ کے نصب العین کو پورا کرتا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا: من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ[4] (تینوں میں سے کوئی نہیں بلکہ وہ شخص جو اس لیے

---

[1] مفردات القرآن امام راغب (جہد) [2] تعریفات سید شریف (طبع استنبول) "الجہاد ہو الدعاء الی دین الحق ص ۵۵۔ [3] کلیات العلوم ابی البقاء حنفی الجہاد الدعاء الی دین الحق والقتال مع من لایقبلہ۔ ص ۲۶۰۔ [4] عمدۃ القاری شرح بخاری عینی (عن ابی موسیٰ کتاب الجہاد) ج ۶ ص ۵۵۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگ میں حصہ لیتا ہے تاکہ ہمیشہ کلمۃ اللہ بلند رہے اور اللہ کا بول بالا نظر آئے)

جہاد کا یہ نصب العین اتنا صاف ہے کہ اس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں اس کے بعد یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اسلام کے بدترین مخالفوں نے تعصب کے ماتحت جہاد کا جو کچھ مفہوم سمجھا ہے اسلام کا قانون اور جہاد کی تاریخ اس سے بری ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ اسلام نے جنگ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (ا) جہاد فی سبیل اللہ وہ معرکۂ جنگ جو خدائے واحد کی راہ میں انسانیتِ عامہ کی توحید و تنظیم اور فلاح و صلاح کے لیے گرم ہوتا ہے۔ (ب) قتال فی سبیل الطاغوت وہ جنگ جو خدا سے بے پروا ہو کر طاقت کے غرور میں انسانی بہتری کے ہمہ گیر مطمحِ نظر سے علیحدہ ہو کر لڑی جاتی ہے اور جس کے نتیجہ میں خدا کا نام لینے والی کمزور قوموں، مردوں، عورتوں اور بچوں کو پامال کیا جاتا ہے[1]۔

قرآن نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ایماندار انسانوں کی جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہوتی ہے اور خدا کے منکر جب لڑتے ہیں تو ان کی جنگ طاغوتی جنگ ہوتی ہے جس کا اصلی نام شیطانی جنگ ہے۔

قرآن کی رُو سے اس دنیا کے فرمانروائے حقیقی کا منشا یہ ہے کہ اس کا پیغمبر اور اس کے فرمانبردار انسان ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ اختیار کریں[2]۔ مسلمان معرکہ آرا ہوں تو فی سبیل اللہ اور جان دیں تو فی سبیل اللہ۔

ایک مرتبہ پیغمبر اعظم نے ابو سعید سے فرمایا "وہ انسان جس نے اللہ کو خوش کر لیا اسلام

---

[1] دیکھو قرآن عظیم ومالکم لا تقاتلون ... الذین یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت ... طاغوت کا مفہوم دیکھو مفردات امام راغب (معبود من دون اللہ ... عبارت عن طریق الخیر ... (النہایۃ ج ۳ ص ۲۲)

[2] قرآن عظیم ... پیغمبر اعظم فقاتل فی سبیل اللہ ... وجاهد فی سبیل اللہ ...
... جاهدوا فی سبیل اللہ ... قاتلوا فی سبیل اللہ ...

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اپنا مذہب بنالیا اور محمد کو رسول تسلیم کرلیا، جنت پر اُس کا قبضہ ہوگیا لیکن اس مرحلہ پر ایک اور کام باقی ہے جس سے انسان سو درجہ بلند ہوجاتا ہے"۔ ابو سعید نے دریافت کیا "یا رسول اللہ اس کام سے بھی مطلع فرمایئے" آنحضرت نے اس کے جواب میں تین بار ایک ہی نعرہ بلند بلند کیا۔ جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ![1]

حکمِ جہاد | جہاد ایک فرض ہے، عظیم الشان فرض! حکم ہے اور حکم بھی فرمانروائے حقیقی، خداوند ذوالجلال کا!

حکم اور مفہوم حکم | جنگ تم پر عائد شدہ فرض ہے، اگرچہ وہ تمہیں ناگوار ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بُری معلوم ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک چیز تمہیں اچھی لگتی ہو اور وہ تمہارے حق میں اچھی نہ ہو، اللہ ہی جانتا ہے (کہ تمہارے لیے کس بات میں بہتری ہے اور کس میں خرابی) اور تم نہیں جانتے[2]۔ (قرآنِ عظیم سیقول بقرہ آیت ۲۱۶ شیخ الہند ص۴۲)

اسلامی فوج (جُند[3])

"اسلامی فوج" شیرازہ بند مجاہد سپاہیوں کی ترکیب، تنظیم، اتحاد اور اجتماع سے وجود پذیر ہوتی ہے۔ اس کا ہر فرد صیغۂ جہاد و دفاع کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ پر مامور ہے۔

اسلامی فوج قانوناً خدا کی فوج ہے اور خدا کا اعلان یہ ہے: وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (بیشک ہماری فوج ہی غالب و فاتح ہے[4])

عہدِ سعادت میں اسلام کے دشمنوں کو اپنی فوجی طاقت اور کثرت پر غرور تھا

---

[1] صحیح مسلم (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الجہاد ص ۳۳۴) عن ابی سعیدؓ

[2] قرآن عظیم پ۲ بقرہ کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم الخ

[3] قرآن حکیم میں فوج کے لیے جند کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ دیکھو مفردات امام راغب لفظ جند۔ النہایہ ابن اثیر ج ۱ ص ۲۱۵۔ [4] قرآن حکیم پ۲۳ والصّٰفّٰت ع۲ رکوع ۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن قرآن نے دشمن فوج کو "اَضْعَفُ جُنْدًا" (ایک بہت ہی کمزور فوج) کا خطاب دیا۔[1] ان دونوں بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنی کم سے کم فوج اور دشمن کی زیادہ سے زیادہ لشکر کے متعلق کیا نظریہ رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی کم سے کم فوج کے متعلق اسلام کی روح کیا ہے اور دشمن کی زیادہ سے زیادہ فوج کے لیے اسلام کیا نظریہ رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کے آخری حصہ میں اسلام کی اجتماعی اور عسکری شیرازہ بندی کی طرف نہایت ہی پاکیزہ اشارہ کیا گیا ہے۔ جب خدا کی کمک اور فتح پہنچ جائیگی تو یہ صاف نظر آئیگا کہ انسان فوجوں کی صورت میں اللہ کے دینی نظام میں داخل ہو رہے ہیں۔[2] قرآن کے اس مفہوم سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان اللہ کے دین کی فوج ہیں جن کے لیے فتح منجانب اللہ مقدر ہے۔[3]

سپاہی (مجاہد) اسلامی فوج کے سپاہی کا قانونی نام مجاہد ہے۔ صرف مجاہد نہیں بلکہ مجاہد فی سبیل اللہ جس کے معنی ہیں خدا کی راہ میں جہاد و جنگ کرنے والا لشکری۔ مجاہد اسلامی فوج میں حاضر رہنے والا رکن ہے۔ اس اعتبار سے ان تمام شہریوں پر فوقیت رکھتا ہے جو فوجی خدمت پر حاضر نہیں ہیں (دیکھو قرآن عظیم) وہ لوگ جو گھر پر بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو مجاہد فی سبیل اللہ ہیں برابر نہیں ہیں۔" اللہ نے مجاہدین کو قاعدین (غیر فوجی افراد) پر اجر کے اعتبار سے فضیلت دی ہے۔[4]

ان آیات کی رو سے فوجی سپاہیوں کے حقوق کی فوقیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسلامی حکومت ان کو غیر معمولی اہمیت کے ساتھ پورا کرنے پر مامور ہے

فوجی سپاہی کا عقیدہ | انما الحیوٰۃ الدنیا لعب و لھو[5] (زندگی نرا کھیل ہے)

---

[1] قرآن حکیم پ۱۶ سورۂ مریم ع۱۹ رکوع ۵۔ [2] کشاف زمخشری ج ۴ سورۃ النصر ص ۲۴۹۔ (اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا) [3] اسلامی عہد میں فوج کو جند اور افواج کو اجناد کہا جاتا تھا۔ دیکھو النہایہ ابن اثیر ج ۱ ص ۲۲۴۔ باب الجیم مع النون (فی حدیث عمر انہ خرج الی الشام فلقیہ امراء اجناد الشام الخ [4] قرآن عظیم پ۵، النساء "لا یستوی القاعدون" الخ۔ فضل اللہ المجاہدین علی القاعدین۔ [5] قرآن حکیم پ۲۶ سورۂ محمد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ا) نصرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ[1] (فتح منجانب اللہ اور فتح جلدی) (ب) ما النصر الا من عند اللّٰه[2] (امداد پہنچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے اللہ!) (ج) اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ[3] (میدان جنگ میں مال اور اولاد کا تصور ایک فتنہ ہے جس سے محفوظ رہنے ہی میں نجات ہے۔

مجاہد سپاہیوں کا باہمی تعلق | سب سپاہی ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار ہیں :-

"اولٓئك بعضهم اولياء بعض"

فوجی خدمت سے مستثنٰی شہری | کمزور، مریض اور تنگ حال فوجی خدمت سے مستثنٰی ہیں :

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا) بشرطیکہ وہ دوسری شکل سے اسلام سے خیرخواہی کا حق ادا کریں۔

فوج کی تشکیل

۱۔ **اسلامی فوج کا پہلا دستہ۔** بیس مجاہد سپاہی (ان یکن منکم عشرون[5]) (قرآن حکیم)

۲۔ **اسلامی فوج کا دوسرا دستہ۔** سو مجاہد سپاہی (ان یکن منکم مائۃ[6])

۳۔ **اسلامی فوج کا تیسرا دستہ۔** ایک ہزار مجاہد سپاہی (فان تکن منکم الف[7])

۴۔ **اسپ سوار فوج۔** قرآن عظیم میں اس فوج کی رباط الخیل کا نام دیا گیا ہے اور دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے سوار فوج کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے[8]۔ بدر کبریٰ ۲ھ میں اسلامی فوج کے ساتھ صرف دو سوار تھے۔ احد ۳ھ میں مستقل سوار فوج قائم ہوئی جس کی کمان زبیر بن العوام کو ملی ۹ھ میں تبوک کے محاذ پر سوار فوج کی تعداد دس ہزار تک پہنچ چکی

---

[1] قرآن حکیم پ ۲۸ الصف ۱۳ [2] قرآن پ ۹ الانفال ۱ [3] و [4] ایضا

[5] [6] [7] قرآن عظیم سورۂ انفال ۹ یا ایها النبی حرض المؤمنین علی القتال الخ

[8] سورۂ انفال ومن رباط الخیل ترهبون به الخ [9] زرقانی ج ۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی جو پوری فوج کا ⅓ حصہ تھی[1]۔

۵۔ فولاد پوش فوجی دستے ۔قرآنِ حکیم نے دنیا میں سب سے پہلے انسان کی طبع ایجاد کو اس بات سے مطلع کیا ہے کہ فولاد کے اندر خداداد فولادی قوت موجود ہے وہ ایک ٹھوس جنگ میں کام آنے والی شدید اور سنگین چیز ہے۔ جس میں انسان کے لیے بے حد و بے قیاس فائدے ہیں۔

پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں قرآن کی اس تحقیق سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا۔ یہ بات تعجب انگیز ہے کہ بدر کبریٰ ۲ھ میں آپ کی فوج کا ایک سپاہی بھی فولاد پوش نہ تھا۔ احد ۳ھ میں آپ نے پہلی مرتبہ سو سپاہیوں کی زرہ پوش پلٹن قائم کی لیکن فتح مکہ کے تاریخی محاذ پر جب آپ نے اپنی دس ہزار فوج کا مظاہرہ کیا تو اس کا ہر سپاہی فولاد میں غرق تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آدمی لوہے کے سمندر میں تیر رہے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے ابو سفیان کو یہ مظاہرہ ایک ٹیلہ سے دکھایا تو وہ پکار اٹھا "اب محمدؐ کی حکومت زبردست ہو گئی ہے"۔

(۶) ایک مکمل فوج ۔ ہر وہ فوج جو کسی ایک محاذ پر دشمن کی فوج کا مقابلہ کرے اسلام کے قانونِ عسکری کی رو سے ایک مکمل فوج سمجھی جائیگی۔ اس فوج کی تعداد حالات کی نسبت اور وقت کی ضرورت کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے۔

عہدِ نبوی میں مختلف محاذوں پر فوج کی تعداد اور تناسب حسب ذیل تھا:۔

محاذ	اسلامی فوج	دشمن فوج
۱۔ بدر ۲ھ	تین سو تیرہ ۳۱۳	ایک ہزار

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: البرکۃ فی نواصی الخیل۔ عن انس (گھوڑے کی پیشانی برکت ہے)۔ الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ الاجر والمغنم عن عروۃ (گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک بہتری بندھی ہوئی ہے یعنی اجر ہے اور غنیمت) صحیح البخاری کتاب الجہاد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محاذ	اسلامی فوج	دشمن فوج
۲۔ اُحد ۳ھ	سات سو	
۳۔ موتہ ۸ھ	تین ہزار	ایک لاکھ
۴۔ فتح مکہ ۸ھ	دس ہزار	
۵۔ حُنین ۸ھ	بارہ ہزار	
۶۔ تبوک ۹ھ	تیس ہزار	

۷۔ **عام لام بندی** (جمع آوری افواج) جب بیرونی دشمن کی طرف سے عام حملہ اور جنگ میں جنگِ عمومی کی شان پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں اسلامی فوجوں کی لام بندی اور جمع آوری از روئے حکم فرض ہے۔ اس قسم کے حالات میں ریاستِ عامہ کے ہر شہری کے لیے فوجی خدمت لازمی ہے۔ قاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ

(قرآن عظیم پ ۱۰۔ التوبۃ ۹ ۳۶)

۸۔ **فوجی لباس**۔ فوج کا لباس خاص ہونا چاہیے، اس کی تجویز اور تیاری میں جداگانہ امتیاز، حفاظت اور جنگی ضرورت و مصلحت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

یادداشت | آنحضرت نے جنگ بدر کی ایک گفتگو میں عوف بن حرث سے جنگی لباس کا ذکر کیا ہے۔

غزوۂ اُحد میں آپ کے محافظ دستے کے پچاس تیرانداز سپاہی مکمل سفید وردی میں ملبوس تھے اور آنحضرت خود دو فولادی زرہیں پہنے ہوئے تھے۔

فتح مکہ کے محاذ پر اسلامی فوج کے دس ہزار سپاہی فولادی لباس میں اس طرح غرق تھے کہ آنکھوں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔ آنحضرت فولادی زرہ کے علاوہ نشانِ امتیاز طور پر سرخ رنگ کا عمامہ باندھے تھے۔

فتح مکہ کے بعد ایک فوجی افسر نے فاتح فوج کے ہر سپاہی کو توشہ خانہ سے اعلیٰ لباس دیا تھا۔ جسے حضرت علیؓ کی تجویز پر واپس لے لیا گیا تھا۔

۹۔ **امیر الافواج** (امیر الاجناد) اسلامی افواج کا سالارِ اعظم COMMANDER INCHIEF

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یادداشت امام تمام اسلامی افواج کا قائدِ اعظم ہوتا ہے کسی ایک فوج یا متعدد فوجوں کے لیے امیر الافواج کا تقرر اسی کا حق ہے۔

پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال کے اندر کم و بیش انیس ۱۹ جنگی محاذوں[1] پر امیر الافواج کے فرائض بذاتِ خود انجام دیئے اور تینتیس ۳۳ فوجی مہموں کے لیے امرائے افواج[2] کا تقرر فرمایا۔

خلافتِ راشدہ کے عہد میں فوجی تنظیم کا کام بڑے پیمانہ پر تھا۔ اس عصر میں عراق، شام اور ایران کے محاذوں پر تمام فوجیں امرائے افواج کے ماتحت تھیں[3]۔

محاذِ جنگ کی تشکیل

امیر افواج کا مستقر سپہ سالارِ افواج کا جنگی ہیڈکوارٹر جو بلند اور محفوظ جگہ پر قائم ہوتا ہے اور راز کی طرح خفیہ رکھا جاتا ہے[4]۔

---

[1] مشہور ترین محاذ۔ بدرالکبریٰ ۲ سنہ ھ، احد ۳ سنہ ھ، خندق ۵ سنہ ھ، موتہ ۸ سنہ ھ، فتح مکہ، حنین ۸ سنہ ھ، تبوک ۹ سنہ ھ

[2] مشہور ترین امرائے افواج: حضرت علی بن ابی طالب، ابو عبیدہ بن الجراح، عبدالرحمٰن بن عوف، زید بن حارثہ، عمرو بن العاص۔ آنحضرت کی آخری فوج کے آخری امیر اسامہ بن زید تھے۔ یہ فوج شام کے محاذ کو فتح کرنے کے لیے مرتب کی گئی تھی۔ دیکھو تاریخ الکامل ابن اثیر۔ ج ۲۔ فتح الباری عسقلانی ج ۱۳، ص ۲۰۵۔

[3] خلافت راشدہ کے مشہور فوجی کمانڈر:۔

محاذِ عراق (۱۲ سنہ تا ۱۴ سنہ ھ) ۱۔ امیر الامراء خالد بن ولید (محاذ الیس، حیرہ، الفراض)

۲۔ امیر الامراء مثنیٰ بن حارثہ۔ محاذ فرات۔ ۳۔ بشیر بن خصاصہ قائم مقام امیر الامراء

محاذِ یرموک (شام) ۱۳ سنہ ھ۔ امیر الامراء خالد بن ولید، اس محاذ پر چار منظم فوجیں چالیس ڈویژنوں پر مشتمل تھیں اور ان پر چار کمانڈر مقرر تھے۔ ابو عبیدہ بن الجراح امیر قلب۔ عمرو بن العاص اور شرحبیل بن حسنہ امراء میمنہ۔ یزید بن ابی سفیان۔ امیر میسرہ۔ القعقاع بن عمرو امیر الجند (خاص کمکی فوج)۔ دیکھو تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۷-۱۵۸۔

[4] ۲ سنہ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدر فوجی مستقر بالائی مکہ کے بلند حصہ پر قائم کیا گیا تھا ۲ سنہ ھ میں بدر الکبریٰ کے معرکۂ جنگ میں انصار کے ایک خفیہ اور محفوظ مقام پر آپ کا ہیڈکوارٹر بنایا گیا تھا۔ جہاں آنحضرت فوجی ہیڈ کا معائنہ کرنے کے بعد تشریف رکھتے تھے (سیرۃ ابن ہشام، روض الانف ج ۲ ص ۴۸، طبع جمالیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سالارِ افواج کی حفاظت: امیر الاجناد (کمانڈر انچیف) کی حفاظت کے لیے طاقتور اور مسلح فوجی دستہ کا تقرر محاذ کی دوسری اہم ضرورت ہے جس کی تکمیل لازماً کی جاتی ہے۔[1]

فوجی حکم کی اطاعت: امیر الافواج کا ہر وہ حکم جو مطابق قانون ہو واجب التعمیل ہے۔[2]

نقشہ محاذِ جنگ | جنگ کا مدار محاذِ جنگ کے نقشہ پر ہے۔ دشمن کے محاذ کی حالت، طاقت،

فوجی جاسوسی اور عسکری تفتیش | فوجی تعداد کا معلوم کرنا امیرِ افواج کے فرائض میں اہم فرض ہے اس کام کے لیے فوجی جاسوسی اور عسکری تفتیش سے امداد لینی چاہیے۔ اسلامی عہد میں سب سے پہلے بدر الکبریٰ کے محاذ پر محاذِ جنگ کے نقشے اور عسکری تفتیش سے باقاعدہ کام لیا گیا۔[3]

---

[1] ۲ھ بدر الکبریٰ کے معرکۂ جنگ میں انصار کے ایک مسلح دستہ نے سعد بن معاذ کی کمان میں اس فرض کو انجام دیا۔ ابن ہشام (روض ج ۲) ص ۶۹۔ جنگ اُحد ۳ھ میں پچاس تیر اندازوں کے ایک دستہ نے عبداللہ بن جبیر کی کمان میں یہی ڈیوٹی انجام دی تھی سیرۃ ابن ہشام (روض ج ۲)

[2] صحیح البخاری کتاب الاحکام۔ فتح الباری۔ ج ۱۳۔ ص ۱۰۴۔ باب السمع والطاعت للامام۔

[3] آنحضرت نے بدر کی جنگ سے پہلے عرق الظبیہ میں سب سے پہلے ایک دہقانی سے دشمن کے متعلق تحقیق کی تھی صفرا کے قریب پہنچ کر بسیس بن عمرو اور عدی بن زعباء کو دشمن کی صف کی طرف عسکری تفتیش کے لیے ارسال کیا تھا۔ صفرا پہنچ کر آپ نے محاذ جنگ کے نقشہ کے خطوط پر توجہ کی۔ آپ نے پہاڑوں کے نام دریافت کیے اور اُن قوموں کے متعلق علم حاصل کیا جن کی یہاں بود و باش تھی۔ اس کے بعد ذفران سے گزر کر اصافر کے ٹیلوں کے بعد بدر پر خیمہ زن ہوئے۔ یہاں سے آنحضرت سوار ہو کر صرف ایک شخص کے ساتھ آگے بڑھے اور ایک بوڑھے شخص سے دشمن کے متعلق دریافت کیا، اس سے معلومات لے کر واپس آئے۔ جب بوڑھے نے دریافت کیا کہ تم دونوں کہاں کے ہو تو آپ نے جواب دیا "پانی کے ہیں" وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا "کیا عراق کے پانی سے ہو؟"

شام کو حضرت علی، زبیر، سعد اور چند آدمیوں کا دستہ جاسوسی کے لیے بھیجا۔ یہ دستہ دشمن کے دو آدمیوں کو پکڑ لایا۔ آنحضرت نے ان سے یہ سوالات کیے۔ قریش کے لشکر کی تعداد کیا ہے، وہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا، نو دس۔ حضور نے فرمایا معلوم ہوا کہ اُن کی تعداد نو سو یا ہزار ہے۔ اس کے بعد دریافت کیا کہ قریش نے کہاں چھاؤنی ڈالی ہے اور قبائلی سرداروں میں سے کون کون سے سردار اُن کے لشکر کے ساتھ ہیں۔ سب کچھ معلوم کرنے کے بعد آنحضرت نے فرمایا "یہ مکہ ہے جس نے جگر کے ٹکڑے تمہارے سامنے لا کر ڈال دیے ہیں" سیرۃ ابن ہشام غزوۂ بدر الکبریٰ۔ (باقی بر صفحہ ۳۸۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوجی علم (بیرق عسکری) اسلامی فوج کے لیے فوجی علم سربلندی کا ایک نشان ہی جو ہر محاذ پر لہراتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس کو الرایہ اور اللواء کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ علمبردار کو امیر الرایہ اور امیر اللواء کا منصب حاصل ہوتا ہے۔

یادداشت | عہدِ نبوی میں حسب ذیل محاذوں پر علم نبوی بلند کیا گیا:۔

۱۔ لواءِ اوّل ثنیہ مرہ ۱ھ۔ امیر الافواج عبیدہ بن حرث، امیر اللواء مسطح بن اثاثہ۔

۲۔ لواءِ دوم۔ سیف البحر ۱ھ، امیر اللواء امیر حمزہ رضؓ

۳۔ لواءِ سوم۔ امیر الافواج سعد بن ابی وقاص۔ امیر اللواء المقداد بن عمرو وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۹۴

۴۔ لواءِ چہارم (بیرق ابیض) بدر الکبریٰ۔ امیر اللواء مصعب بن عمیر (ابن ہشام۔ غزوۂ بدر)

۵۔ لواءِ پنجم (بیرق اسود عقاب) بدر الکبریٰ میں دو سیاہ جھنڈے ہراول دستوں کے پاس تھے، جن میں ایک کا نام عقاب تھا اور اس کے امیر اللواء حضرت علی بن ابی طالب تھے۔ دوسرا ایک انصاری کے پاس تھا (ابن ہشام۔ بدر) تفصیل کے لیے دیکھو وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۹۴-۱۹۵

محاذ کی تشکیل۔ (۱) قلب، فوج کا مرکزی حصہ (ب) میمنہ فوج کا دایاں بازو (ج) میسرہ فوج کا بایاں بازو۔[1]

فوج کی صف بندی ۲ سنہ بدر الکبریٰ کے محاذ پر پہلی مرتبہ باقاعدہ صف بندی عمل میں

(بقیہ صفحہ ۳۸۱) محاذِ خندق پر سورج بلند ہونے سے پہلے حضور نے فرمایا کون ہے جو دشمنوں کی خبر مجھ کو لاکر دے اور جنت میں میرا رفیق ہو۔ حذیفہ نے لبیک کہا۔ فوراً گئے اور خبر لائے کہ دشمن طوفانِ باد کی وجہ سے منتشر ہو رہے ہیں۔ ابن ہشام۔ غزوۂ خندق۔ غزوہ حنین کے محاذ پر عبداللہ ابی حدرد کو ہوازن کے لشکر میں جاسوسی کے لیے بھیجا تھا اور وہ کامیاب واپس آئے تھے۔ ابن ہشام۔ غزوہ حنین۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] فتح مکہ ۸ سنہ ھ کے موقع پر محاذِ جنگ کی تشکیل اسی صورت سے کی گئی تھی۔ آنحضرت کا ہیڈ کوارٹر قلب میں تھا۔ فوج کا دایاں بازو (میمنہ) خالد بن ولید کی کمان میں تھا، جو زیریں مکہ سے شہر کی طرف بڑھا تھا۔ میسرہ زبیر بن العوام کے ہاتھ میں تھا جس نے مقام کدا سے پیش قدمی کی تھی۔ فوج کا وسطی حصہ (قلب) ابوعبیدہ بن الجراح کی کمان میں تھا جو حضور کے آگے آگے بالائی مکہ سے آگے بڑھا۔ دیکھو سیرۃ ابن ہشام ردد من الانف ج ۲) ص ۲۷۰-۲۷۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لائی گئی تھی۔ آنحضرت ایک نازک لکڑی کے اشارے سے صف بندی فرماتے تھے اور ہر سپاہی کو حکم تھا (استوو) صف کے برابر ہو۔[1] دیکھو قرآنِ حکیم "خدا کی نظر میں وہ لوگ محبوب ہیں جو اس کی راہ میں صف بندی کر کے لڑتے ہیں جیسے کہ وہ ایک سیسہ کی مضبوط دیوار ہیں" (الصف ۶۱)

قلعہ بندی۔ اسلامی فوج کی صف بندی (بُنیانٌ مرصوص) سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہونی چاہیے، محاذ منظم ہو اور اس میں قلعہ بندیاں قائم کی جائیں۔

خندقیں اور کمین گاہیں۔ حملہ کے لیے، دفاع کے لیے اور دشمن کو جال میں لینے کے لیے خندقیں اور کمین گاہیں جنگی لائن کا جزو لاینفک ہیں (واقعدوا لھم کل مرصد)

حملہ کا طریقہ۔ جب دونوں فوجیں محاذِ جنگ پر جمع ہو جائیں تو مجاہد سپاہیوں کا کام یہ ہے کہ وہ حملہ کریں اور گردنیں اڑاتے چلے جائیں: فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب پ ۲۶۔ محمد

حالتِ جنگ۔ جس وقت دشمن حملہ آور ہو اور صلح و امن کے تمام امکانات ختم ہو جائیں تو اس حالت کو حالتِ جنگ قرار دیا جائیگا۔ اس صورت میں قرآن کے احکام یہ ہیں:-

مجاہد فوجیں دشمنوں کو محصور کر کے پکڑ لیں، میدانِ جنگ کے ہر حصہ میں جہاں دشمن کے آدمی نظر آئیں ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ ہر سپاہی یہ سمجھے کہ اس کو فاتحانہ جنگ کی کھلی سند حاصل ہے،[2] اور کوئی دشمن ایسا نہیں جس کو اپنا حلیف، دوست اور اتحادی سمجھا جائے۔[3]

طریقۂ جنگ

فوج کشی۔ فوج کشی کے لیے دو صورتیں متعین ہیں ایک ایک دستہ آگے بڑھے اور حملہ کرے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۶۸ (غزوہ بدر الکبریٰ) [2] فخذوھم حیث ثقفتموھم و اولئکم جعلنا لکم علیھم سلطانا مبینا۔ پ النساء [3] ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا (حوالہ بالا)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا تمام فوج مل کر بڑھے اور عام یلغار کرے[1]۔

جنگی شعور۔ فوج کشی کا آغاز جنگی شعور کے ساتھ ہونا چاہیے۔ امیر افواج کو مرحلۂ اول پر مجاہد سپاہیوں کو میدانِ جنگ میں جوہر دکھلانے کے لیے برانگیختہ کرنا چاہیے۔ قرآن کی رو سے مجاہدین کی جنگی روح اس درجہ طاقتور ہونی چاہیے کہ بیس مجاہد دو سو دشمنوں پر غالب ہوں تو ایک ہزار پر اور ہزار دس ہزار پر[2]

طرزِ جنگ (قرآن کے احکام اسلامی فوج کے سپاہیوں کے لیے) "دشمنوں اور ان کے حلیفوں سے جنگ کرو" جنگ میں طاقت اور شدت کا مظاہرہ کرو" جب دشمن تم سے نبرد آزما ہوں تو وہ محسوس کریں کہ تمہارے جسم میں ایک شدید روح ہے۔

محاذِ جنگ پر کمزور اور بودے نہ بنو، پیغامِ صلح کا نام نہ لو۔ فتح تمہاری ہے خدا تمہارا ہے، تمہارے عمل نتائج کے اعتبار سے ہرگز کم نہ رہینگے۔

محاذ کے پیچھے محاذ۔ دشمن سے جنگ کی جائے اور محاذ کے پیچھے جو دشمن کی طاقتیں جمع ہیں ان کو بھی درہم برہم کر دیا جائے۔ جنگ ہو تو پسپا نہ ہو، پیٹھ نہ دکھاؤ، فرار نہ ہو۔ البتہ اگر کسی جنگی تدبیر کے سلسلہ میں محاذ چھوڑ کر پیچھے دوسرا محاذ بنایا جائے اور اس کا تعلق فوجی قوت کو بچانے سے ہو تو۔ یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص اپنی جگہ چھوڑ کر پسپا ہوگا اُس کو شدید سزا دی جائیگی۔

اختتامِ جنگ۔ جب دشمن کی طاقت کا خون ہو جائے" جنگ جب خود اپنے ہتھیار رکھ دے، جس وقت دشمن جنگ سے دست بردار ہو کر میدانِ جنگ سے کنارہ کش ہو جائے یا حقیقی معنی میں صدقِ دل سے صلح کی خواہش کرے، ایسی تمام صورتوں میں ہر صورت کو خاتمۂ جنگ کی علامت سمجھا جائیگا۔

---

[1] فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا رپ، النسآء) [2] یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ "اے پیغمبر مومنین کو جنگ کے لیے برانگیختہ کیجیے" الخ (پ، التوبہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگی قیدی۔ قرآن عظیم کا حکم ہے شدید اور فیصلہ کن قتال کے بعد دشمنوں کو جنگی قیدی بنا لیا جائے۔ اس کے بعد پہلی بات یہ ہے کہ ان کو احسان کر کے چھوڑ دیا جائے اور دوسری یہ کہ ان سے زرِ فدیہ لینے کے بعد رہا کر دیا جائے" فشدوا الوثاق فاما منًا بعد و اما فداء"

اسلام سے پہلے جنگی قیدیوں کے متعلق کوئی قانون نہ تھا، لیکن اسلام نے انتقام کی آگ پر پانی ڈال دیا، اسلامی فوج کو احسان کا حکم دیا اور آسان شرائط پر رہائی کی اجازت مرحمت کی۔ یہ انسانیت کا ایسا مظاہرہ ہے جس کی مثال مغرب کے مدبرینِ جنگ آج بھی پیش نہیں کر سکتے۔ اس زمانہ میں مفتوح کو جنگ کے بھاری پونڈ تاوانِ جنگ سالہا سال تک دینا پڑتا ہے۔ اسلام کے قوانینِ جنگ میں اس قسم کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر اسکاٹ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ" اسلام نے جنگ کی بے رحمیوں کو بہت کچھ ہلکا کر دیا ہے۔ اس نے مفتوحین کو بشرطِ اسلام پوری آزادی کا حق دیا اور بدقسمت قیدیوں کو جبر و تشدد سے بچایا۔"[۱] یہ اعتراف مبالغہ نہیں ہے بلکہ اسلامی حکمت عملی کے حسن و خوبی پر ایک محتاط اظہارِ خیال ہے۔

صیغۂ عدل و انصاف

صیغۂ عدل اسلامی حکومت کا ایک مستقل اور اہم ترین شعبہ ہے۔ اس کا نام صیغۂ قضا اور صیغۂ جزا بھی ہے۔ اس محکمہ کا قیام خدا کے حکم سے عمل میں آتا ہے۔ خدا حکومت کا اقتدارِ اعلیٰ اور انصاف کا سرچشمہ ہے۔ اس کی مرضی یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ کی طرح حکومت کے شعبہ میں بھی عدل اور اعتدال برابر جاری و ساری رہے۔ معمورۂ ارض سے حقیقی معنی میں ظلم اور زیادتی کا خاتمہ ہو جائے اور اس کے تمام بندے صحیح طور پر بسہولت انصاف حاصل کر سکیں۔

اسلامی صیغۂ عدل دنیا کی عدالتوں پر اسلامی عدالت کے امتیاز کو ظاہر کرتا ہے۔ دنیا کی یہ عدالتیں تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے انصاف کے گوہرِ آبدار کو حاصل کرنے میں ناکام رہی

[۱] اخبار الاندلس۔ سی پی اسکاٹ ج ۱، ص ۱۰۲ مقدمہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں جس نے ایک مرتبہ بھی کسی عدالت کا منہ دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ نامبارک عدالتیں انصاف کی روح سے خالی ہیں۔ ان سے انصاف حاصل کرنے کے لئے قارون کا خزانہ، جھوٹے گواہوں کی فوج، رشوت کی تھیلیاں، عمر نوح اور صبر ایوب کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات یہ سب چیزیں میسر ہو جاتی ہیں لیکن انصاف حاصل نہیں ہوتا[1]۔ اس کے برعکس اسلام کا صیغۂ عدل اصلی معنی میں انصاف کو بروئے کار لاتا ہے وہ عدالتوں کی کثرت اور نمائش پر زور نہیں دیتا بلکہ عدل کی حقیقت پر اصرار کرتا ہے۔

(۱) عدل: تمام انسان انسانی حقوق میں برابر ہیں (بشرطیکہ پابند قانون ہوں) عدل کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو اس کا حق ملے اور اگر کوئی اس حق پر ہاتھ ڈالے تو جرم کے برابر ظلم کی سزا پائے[2]۔

نظائر

۱۔ امام راغب اصفہانی: "مکافات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل ہے۔ یعنی نیکی کا صلہ نیکی اور بدی کا صلہ بدی ملنا چاہیے[3]۔"

۲۔ سید شریف: "عدل افراط و تفریط کے درمیان ایک نقطۂ مساوات ہے جو اطراف کو برابر رکھتا ہے، اور حق پر آکر رک جاتا ہے[4]۔"

۳۔ ابوالبقا حنفی: عدل ظلم کی ضد ہے۔ عدل یہ ہے کہ حقدار کو حق دلایا جائے اور جس کا

---

[1] قرآنی احکام:۔ ظالم صاف گمراہی میں ہیں (۱۱/۲) ظالم ایک دوسرے کے معاون ہیں (۱۹/۴۵) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا (۱/۵) ظالم فلاح نہیں پا سکتے (۱/۲) جو افراد انسانوں پر ظلم کرتے ہیں وہ ملزم ہیں (۴۲/۴۲) جو ظلم کریگا اس کو فوراً بعد سزا دی جائیگی (۸۷/۱۸)۔ (ہدایت: اوپر آیت کا نمبر ہے اور نیچے سورت کا)

[2] (ظلم) قرآن نے اسلام کے قانون کی حیثیت سے ظالم قوموں، ملتوں، فوجوں، جماعتوں اور ظالم افراد کے خلاف پرجوش آواز بلند کی ہے۔ قرآن میں ایک سو سے زائد ایسی آیتیں ہیں جن میں ظلم کو ناقابل برداشت اور قابل سزا قرار دیا ہے (دیکھو مصباح الاخوان لتخریج آیات القرآن وزارت جلیلۂ معارف ۱۳۲۲ھ طبع قسطنطنیہ ص ۱۷۵۔

[3] العدل ہو المساوات فی المکافات الخ۔ مفردات امام راغب باب العین ص ۸۲-۸۸

[4] تعریفات سید شریف (امر المتوسط بین طرفی الافراط والتفریط الخ) باب العین ص ۹۸۔ طبع آستانہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق نہیں اُس سے لے لیا جائے[1]

۴۔ علامہ عینی: "عدل واجب التعمیل احکام کی تعمیل کا نام ہے۔ عدل یہ ہے کہ حق کو تسلیم کیا جائے اور ظلم کا خاتمہ کر دیا جائے[2]"

قضاء وجزاء، صیغۂ عدل مملکت کے تمام شہریوں کے حقوق، امن، آزادی اور مساوات کا محافظ ہے۔ محکمۂ عدل معاملات کا فیصلہ کرنے میں حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ قانون کی تشریح کرتا ہے۔ قانونی حکم دیتا ہے اور قانون کے مطابق ثابت شدہ حق کو ظاہر کرتا ہے اس لیے اس کو قضا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور چونکہ اُس کو جزاء و سزا کا حق حاصل ہے اس لیے اس کا ایک نام صیغۂ جزاء بھی ہے[3]۔

نظائر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "ان القضاء فریضة محکمة وسنة متبعة[4]" قضاء ایک فرض اور محکم ذمہ داری ہے اور ایک قانون ہے واجب العمل؟

ابن ہمام حنفی: "قضاء وہ ادارہ ہے جو نزاعی مقدمات کا فیصلہ دیتا ہے[5]"

السرخسی: "معاملہ کی حقیقی نوعیت کا دریافت کرنا، فریقین کا بیان سُننا اور اُن کی مراد کو سمجھنا اور اس کے مطابق فیصلہ دینا قضا کا کام ہے[6]۔

سید شریف: "دلائل کی بنا پر حقِ واجب کو تسلیم کرنا اور ثابت شدہ حق کو حکم سے ظاہر کرنا قضا کی حقیقت ہے[7]"۔ (ضمیمہ[8])

---

[1] العدل اصله ضد الجور الخ کلیات العلوم ابی البقاء فصل العین ص ۴۶۰۔ [2] العدل امتثال المامورات وبذل الحق الخ عمدة القاری شرح البخاری علامہ عینی ج ۱۰ ص ۲۷۵۔ [3] قول عمرؓ میں صیغۂ جزاء کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں" ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۱ [4] المبسوط السرخسی ج ۱۶ ص ۶۰ ادب القاضی [5] فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۲ (ادب القاضی) [6] المبسوط ج ۱۶ ص ۶۲ [7] تعریفات سید شریف ص ۱۱۰

[8] (ضمیمہ) قضاء قرآن وحدیث میں (قرآنی نظائر) فاذا جاء امر اللہ قضی بالحق (مومن ۷۸) اذا قضی اللہ ورسولہ امرا (سورہ احزاب ۳۶) وقضی بینهم بالقسط (یونس ۵۴) دیکھو مفتاح القرآن بیت القرآن لاہور۔ فصل القاف مع الطاء ص ۵۳۹۔۔۵۴۰) (نظائر احادیث) ۱۔ من قضی بالحکمة عمدة القاری شرح بخاری عینی ج ۱ ص ۴۷۶۔۴۸۳۔۴۸۴ ۔ ۲۔ ان الزبیر خاصم رجلا فقضی رسول اللہ علیہ وسلم عمدة القاری

www.KitaboSunnat.com

قانون عدالت - عدل خدا کا حکم ہے[1]، اس لیے خدا کا قانون ہی اسلامی عدالت کا قانون کلی ہے (وما اختلفتم فیہ من شیء فحکمہ الی اللہ۔ شوریٰ پ۲۵) جملہ فیصلہ طلب معاملات میں حاکم عدالت کے فیصلہ اور اجتہاد کا مرجع خدا کا قانون ہے[2]۔

میزانِ عدل - میزانِ عدل کے دونوں پلڑے برابر ہونے چاہئیں۔ ہر عدالت کا فرض ہے کہ اس کا خیال رکھے۔ قرآن کہتا ہے کہ تمام پیغمبر اسلامی معاشرہ کے رہنما اور سردار تھے۔ ان کے ساتھ قانون عدالت اور میزانِ عدل دونوں چیزیں تھیں (وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔ پ۲۷ الحدید رکوع ۳)[3]

(د) مسئولیت انسانی - ہر انسان حکومت کے قانونِ عدل کے سامنے جوابدہ اور مسئول ہے۔

نظائر ۱۔ ہر انسان اپنے نفس کا نگراں اور ذمہ دار ہے (بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ پ۲۹ القیامۃ) ۲۔ تمام انسان جوابدہ ہیں (وھم یسئلون پ۱۷ انبیاء) ۳۔ انسان کا ہر عضو اپنے عمل کا جوابدہ ہے (ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔ پ۱۵ بنی اسرائیل) بیشک انسان کے کان اور آنکھ اور دل سب جوابدہ ہیں۔ ۴۔ قانون نفس انسانی کو انسانی طاقت کے مطابق مکلف قرار دیتا ہے (لا نکلف نفسا الا وسعھا۔ پ۸ الانعام)

(ہ) ضابطۂ جزاء وسزا - ہر پابند قانون شہری قانون کی طرف سے اچھا صلہ حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے[4] اور ہر قانونی مجرم جرم کے مطابق سزا پانے کا مستحق ہے۔

---

[1] العدل ھو حکم اللہ عمدۃ القاری شرح بخاری عینی ج ۱۱ ص ۲۹۳۔ [2] لو قضی بغیر حکم اللہ فسق اگر خدا کے قانون کے مطابق عدالتیں حکم نہ دیں گی تو بدترین جرم ہوگا۔ عمدۃ القاری اجر ... بالحکم ج ۱۱ ص ۲۰۶ تفصیل کے لیے دیکھو بحث قانون۔ [3] قرآن عظیم والمیزان بالقسط پ ... (بالقسطاس المستقیم پ۱۵ اسرائیل) (ووضع المیزان پ۲۷ الرحمٰن) [4] ھل جزاء الاحسان الا الاحسان پ۲۷ الرحمٰن) (وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ ثم یجزٰہ الجزاء الاوفیٰ پ۲۷ النجم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظائر ۱۔ جو انسان ذرہ بھر اچھا عمل اختیار کریگا وہ اس کا اچھا نتیجہ دیکھیگا اور جو ذرہ برابر بدعملی (جرم) کا ارتکاب کریگا وہ اس کی سزا پائیگا (فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ پ۳۰ الزلزال ۹۹)

۲۔ سزا جرم کے مطابق دی جائیگی نہ زیادہ نہ کم البتہ اصلاح نفس کے لیے سزا کم دیجا سکتی ہے اور معافی بھی ہو سکتی ہے (وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم۔ پ۱۴۔ النحل ۱۶) (جزاءُ سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا۔ پ۲۵۔ شوریٰ ۴۲)۔ جو انسان جرم کریگا اُس کی سزا پائیگا (ومن یعمل سوءً یجزبہ) کسی فرد کو دوسرے کے جرم کی سزا نہیں دی جا سکتی (لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ پ۔ انعام)

محاکم عدلیہ

۱۔ عدالت عالیہ مرافعہ امامت کبریٰ [۱]: اس اسلامی ریاست عامہ کی سب سے بڑی عدالت مرافعہ ہے۔ عدالت کا عادلِ اعظم اور قاضی اکبر مملکت کا قائدِ اعلیٰ "امام" ہوتا ہے [۲]۔

(اولی الناس بالقضاء الخلیفۃ۔ عمدۃ القاری عینی ج ۶ ص ۲۱۱)

۲۔ عدالت عالیہ وزارت عدل: صیغۂ عدل کا وزیر اس عدالت کا رئیس ہوتا ہے [۳]۔

۱؎ بالعدل والاحسان۔ عدل کے بعد احسان کا درجہ ہے۔ پ۱۴ النحل ۱۶۔ ۲؎ قرآن حکیم (نرفع درجات من نشاء۔ پ۷ انعام) کتاب، حکومت اور نبوت کے ساتھ آیت بالا کا ربط دیکھیے (یا داؤد۔۔۔ فاحکم بین الناس الخ پ۲۳ ص ۳۸) ۳؎ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اپنے عہد میں اس منصب کی ذمہ داریوں کی تکمیل کرتے رہے ہیں (فان جاؤک فاحکم بینھم مائدہ پ۶) (اُمرت لاعدل بینکم۔ قول نبوی ہیں تمہارے درمیان عدل کرنے پر مامور ہوں پ۲۵ شوریٰ ۴۲)۔ قول اعرابی یا رسول اللہ اقض بیننا الخ عمدۃ القاری عینی ج ۱۱ ص ۲۱۹۔ عدالت انبیاء کے لیے دیکھو ص ۳۶۳) عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ کان رسول اللہ یقضی والخلفاء بعدہ المبسوط ج ۱۶ ص ۸۲ (عہد فاروقی کی عدالت عالیہ مرافعہ و عدالتی کونسل ۔۔۔ کان عمر اذا رفعت الیہ حادثۃ قال ادعوا الی علیا و زید بن ابی کعب الخ المبسوط ج ۱۶ ص ۱۱۔ کانت القضیۃ ترفع عمر۔۔۔ ثم ترفع الیہ الحادثۃ۔ ۴؎ عہد صدیقی میں اس منصب پر فاروق اعظم فائز تھے (قال لعمر انا اکفیک القضاء (تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۶۱) (لما ولی ابو بکر ولی عمر القضاء سنن کبری بیہقی ج ۱۰ ص ۸۲) فاروق اعظم نے اس عہدہ پر عبداللہ بن مسعود کو مقرر فرمایا تھا۔ دیکھو حوالہ مندرجہ بالا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ **عدالت عالیہ ولایت**۔ یہ عدالت[1] صوبہ کی سب سے بڑی اور آخری عدالت اپیل ہے۔
۴۔ **عدالت فوق العادہ** (اسپیشل ٹریبونل) یہ عدالت خاص حالات میں خاص معاملات کے لیے مخصوص علاقوں میں قائم ہوتی ہے[2]۔

ابتدائی عدالتیں: ۱۔ عدالت صلح۔ ۲۔ عدالتِ اصلاح ۳۔ عدالتِ تحکیم ۴۔ عدالتِ حاکمہ ابتدائیہ۔

۱۔ عدالت اصلاح[3] (اولین عدالت) عدل کا طبعی منشا یہ ہے کہ معاشرہ کے افراد برابر کے حقوق کے مالک ہوں، اور ان کے درمیان تباہ کن اختلاف بالکل پیدا نہ ہو اگر پیدا ہو تو ترقی نہ کرے۔ موجودہ عدالتی نظم اس منشا کے خلاف ہے۔ اس کا کام عوام کے درمیان مستقل کشمکش کو باقی رکھنا اور مقدمہ بازی کو مستقل صورت دینا ہے۔ اسلام کا نظامِ عدل اس صورت

[1] اس کے چند نظائر: شریح بن الحارث (عہد فاروقی) قاضی عدالت عالیہ بصرہ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۹۰) ابوموسیٰ اشعری رئیس مجلس قضا بصرہ عہد فاروقی۔ المبسوط السرخی ج ۱۶ ص ۶۰۔ کعب ابن سور عہد فاروقی عادل اکبر ولایت بصرہ۔ سنن کبریٰ بیہقی ج ۱۰ ص ۸۶۔ معاویہ رئیس مجلس قضا شام (عہد فاروقی) حوالہ بالا ص ۶۵) عبیداللہ بن ابوبکرہ (عہد صدیقی) ولایت سجستان (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۰۷) موسیٰ ابن انس تابعی (عہد عمر بن عبدالعزیز) ولایت بصرہ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۹۱) ۔۔۔ اسی عہدہ پر حسب ذیل تابعی اور تبع تابعی بھی مقرر ہوئے ہیں: حسن بصری، زرارہ بن بصرہ میں۔ عبدالملک بن یعلیٰ۔ دیکھو عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۹۰-۳۹۱ کتاب الحاکم الی عمالہ [2] عہدِ نبوی میں زیادہ تر اس قسم کی عدالتیں ضرورت کے مطابق قائم کی جاتی تھیں۔ عہدِ خلفاء میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں (بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العمال و القضاۃ وکذلک الخلفاء بعدہ سنن کبریٰ بیہقی ج ۱۰ ص ۸۶ آداب القاضی) ۔۔۔ عہدِ نبوی کی خاص عدالتیں: ابوعبیدہ بن الجراح عدالتِ نجران۔ علی مرتضیٰ۔ معاذ بن جبل۔ ابوموسیٰ اشعری عدالتِ یمن (دیکھو حوالہ [illegible]) عمرو بن العاص بھی اسی قسم کی عدالت کے رئیس مقرر کیے گئے تھے۔ المبسوط ج ۱۶ ص ۶۲ (اضافی حوالہ عمدۃ القاری عینی ج ۱۱ ص ۳۸۶-۴۰۴-۴۰۲) فتح الباری عسقلانی ج ۱۳ ص ۱۳۲ من قضیٰ ولاعن فی المسجد)

[3] (الصلح خیر۔ قرآن حکیم "صلح بہتر ہے" قاضی عہدہ کے اعتبار سے اس امر پر مامور ہے کہ وہ سب سے پہلے مقدمہ کے فریقین کو صلح کی پیشکش کرے۔ المبسوط للسرخی ج ۱۶ صفحہ ۶۱۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم عدالت عالیہ امامت کبریٰ کے عادل اکبر کی حیثیت سے بہ نظر عدالتِ صلح کا کام کرتے تھے (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۵۵۔ باب الامام یأتی قوماً فیصلح)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو گوارا نہیں کرتا۔ عدالتِ صلح پہلی عدالت ہے جو قانونی عوامل سے زیادہ جانبین کے اخلاقی عوامل سے کام لے کر ۹۹ فیصدی مقدمات کو ابتدائی عدالتِ حاکمہ میں پیش ہونے سے پہلے ختم کردیتی ہے۔ صلح کا یہ رجحان عدالتی لوٹ کھسوٹ سے بالاتر ہوکر آخری عدالت تک باقی رہتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں انسانی برادری کو ہمہ گیر سکون حاصل ہوتا ہے۔ عدالتِ اصلاح، عدالتِ تحکیم بھی قانونی طرز پر اس مقصد کی تکمیل میں حصہ لیتی ہیں۔

عدالت اصلاح بین الناس (یہ عدالت قانونی دعاوی کو سننے کے بعد، صلح کی اخلاقی کوششوں کے ناکام ہونے پر نزاعی مقدمات کو مصالحت کے اصول پر طے کرتی ہے اور اس مقصد میں قانون سے پورا کام لیتی ہے[1]۔ اصلاح کے قانونی معنی یہ ہیں کہ پیدا شدہ باہمی فساد کو دور کردیا جائے (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۴۰۱ ۔ کتاب الصلح ص ۴۰۱ ۔ ۴۲۷۔ قرآن حکیم فاصلحوا بینہما بالعدل پ ۲۶ حجرات آیۃ ۹)

عدالتِ تحکیم[2] (ثالثی) یہ عدالت فریقین کی مرضی اور ثالثی کے اصول پر دعاوی کا فیصلہ کرنے کے لیے مقرر ہوتی ہے (یہ عدالت قتل اور شدید سزا کے مقدموں کے لیے وجود میں نہیں آتی،

---

[1] قرآن حکیم میں نزاعی مقدمات کے سلسلہ میں قانوناً مصالحت پر زور دیا گیا ہے کہ (۱) انسانیت عامہ کے افراد کے درمیان نزاعی مقدمات میں اصلاح پر زور دینا بہترین ذمہ داری ہے (پ ۵ النساء ۱۱۴) (۲) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان میں مصالحت کرادی چاہیے (پ ۲۶ حجرات ۱/۱۰) (۳) بقرہ ۲۸/۲۲۵ وتصلحوا بین الناس۔ فرمانِ نبوی: نماز روزہ اور صدقہ سے بہتر یہ کام ہے کہ نزاعی معاملہ کو سلجھا کر مصالحت کرادی جائے (ابوداؤد، ترمذی التاج ۲ ص ۱۸۲۔ عہدِ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا عدالتِ اصلاح کی ذمہ داریوں کو ادا کیا ہے کبھی تنہا اور کبھی پوری مجلس عدلیہ کے ساتھ دیکھو بنی عمرو اور بنی عوف کی مصالحت (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۴۰۳) دیکھو اہلِ قبا کی مصالحت (عمدہ ج ۶ ص ۴۰۷ عن سہل بن سعد)

[2] شرعاً تولیۃ الخصمین حاکماً یحکم بینہما ثالثی جس پر فریقین متفق ہوں السعدیات فقہ حنفی محمد سعید ازہری ج ص ۳۹۵۔ التاج الجامع للاصول ازہری ج ۳ ص ۸۱۔ المجلہ قانون حنفی سلطنت عثمانیہ باب ۴ مادہ ۱۸۴۱ ص ۳۴۳ (قرآن حکیم فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا ان یریدا اصلاحاً (حدیث نبوی دیکھو مقدمہ بائع اور مشتری رواہ البخاری عن ابی ہریرہ بحوالہ التاج ازہری ج ۳ ص ۱۸۲ التحکیم۔ عہد فاروقی دیکھو امیر المومنین فاروق اعظمؓ اور ابی بن ابی کعب کا مقدمہ زید بن ثابت کی عدالتِ تحکیم میں۔ المبسوط سرخسی ج ۱۶ ص ۱۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ عام نزاعی امور اور مالیات کے لیے بنائی جاتی ہے)
عدالت حاکمہ ابتدائیہ[1] (مقدمہ کی قانونی سماعت کرنے والی پہلی عدالت)
عدالت حاکمہ مصر[2] (عدالت شہر) ہر ضلع کے صدر مقام میں اس قسم کی عدالت ہوتی ہے۔

اسلامی عدالت کی قسمیں

امامت کبریٰ

سب سے بڑی اور آخری عدالت

صیغۂ عدل

- محکمۂ دار الفتویٰ
- محکمۂ عدل و انصاف

محکمۂ عدل

ابتدائی عدالتیں

- عدالتِ صلح
- عدالتِ اصلاح
- عدالتِ تحکیم
- عدالتِ محاکمہ

عدالتِ عالیہ

- عدالتِ مرافعۂ مصر (شہر)
- عدالتِ مرافعۂ ولایت
  - مشیرانِ عدالت
- عدالتِ عالیہ امامتِ کبریٰ
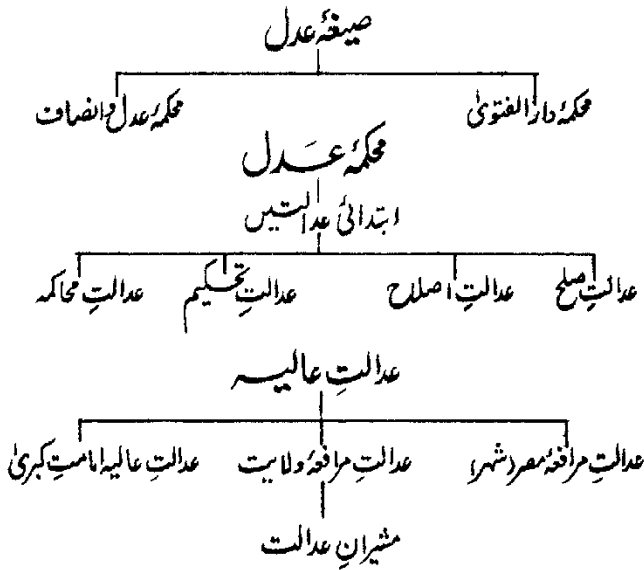
[1] اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ قرآن عظیم پ ۵ ع ۱۱) حوالہ کے لیے خلافت راشدہ کی مستند تاریخیں ملاحظہ کیجیے۔۱۲
[2] شدید سزاؤں کے مقدمے صرف اسی عدالت میں فیصل ہوتے ہیں ابتدائی عدالت ان میں حکم نہیں دے سکتی (لا یقیم الحدود الا امراء الانصار) عمدۃ القاری عینی ج ۱۱ ص ۳۸۵ - حاکم جلد ص ۴۱۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یادداشت

وثیقۂ ہدایات عدلیہ[1] | حاکم عدالت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلام کے قوانین اور ضابطوں کا علم رکھتا ہو، قوتِ فیصلہ کا مالک ہو قانون کی تشریح پر قادر ہو اور قانونِ عدل کے مطابق فیصلہ دے سکتا ہو۔[2]

ا۔ حاکم عدالت کے لیے لازمی ہے کہ وہ عدالت کے فرائض اس یقین کے ساتھ انجام دے کہ خدا اس کے ساتھ ہے۔[3]

ب۔ حاکم عدالت کو عدالت کا کام وقار کے ساتھ کرنا چاہیے۔[4]

ج۔ قاضیِ عدالت کا فرض ہو کہ وہ فریقین کے ساتھ برابر کا معاملہ کرے اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے ایک فریق کو دوسرے فریق پر برتری حاصل ہو۔[5] حتیٰ کہ کسی فریق سے تنہائی میں گفتگو اور مشورہ نہ کرے۔[6]

د۔ قاضی عدالت کو غریبوں اور باہر سے آنے والوں کے مقدمات کی سماعت پہلے کرنی چاہیے۔ اگر مقدمہ میں امیر و غریب دو فریق ہوں تو غریب سے بحد نرمی کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔[7]

---

[1] وثیقہ ہدایات فاروقی (دیکھو کتاب سیاسۃ القضاء و تدبیر الحکومۃ بنام معاویہؓ عامل شام) حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے وثیقۂ ہدایات میں حاکم عدالت کے لیے پانچ چیزیں ضروری قرار دی ہیں (۱) دعوے کے ساتھ دلائل کی سماعت (۲) فیصلہ کے لیے حلف لینا (۳) طاقتور اور کمزور کے درمیان نزاع ہو تو کمزور کے ساتھ نرمی کرنا تاکہ وہ طاقتور کے برابر ہو جائے۔ (۴) مضافات سے آنے والوں کے مقدمات کی سماعت پہلے کرنا (۵) آغاز مقدمہ میں صلح پر زور دینا (المبسوط السرخسی ج ۱۶، ص ۶۵۔ کتاب ادب القاضی۔

[2] کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفتی و یقضی و الخلفاء بعدھم (المبسوط حوالہ بالا ص ۶۲) اذا کان عالماً (ایضاً ص ۶۷) [3] اللہ مع القاضی مالم یجر اللہ قاضی عادل کے ساتھ ہو (الحدیث الترمذی) التاج الجامع للاصول الشیخ منصور ازہری ج ۳ ص ۶۰ کتاب القضاء، [4] فلمجالس القضاء من المھابۃ و الحشمۃ۔ عدالت کے لیے وقار لازمی ہو (المبسوط السرخسی ج ۱۶ ص ۶۶-۶۷) [5] عدالت کو گفتگو میں طرز گفتگو، فریقین پر نظر اٹھانے میں، بلند آواز سے خطاب کرنے میں اور عام طریق عدل میں فریقین سے یکساں معاملہ کرنا چاہیے۔ دیکھو عمر فاروقؓ اور ابیؓ کا مقدمہ زید بن ثابتؓ کی عدالت میں (المبسوط السرخسی ج ۱۶ ص ۶۳-۶۴) (فیہ دلیل وجوب التسویۃ) ص ۶۰ (ان الخصمین [6] (لا یشار احد الخصمین (المبسوط ج ۱۶ ص ۶۶)

[7] ان یقدم الغرباء (ان الغریب جناح سفر المبسوط السرخسی ج ۱۶ ص ۸۱ (للقاضی ان یقدم فی سماع الخصوم ص ۶۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہ۔ حاکم کو غصہ کی حالت میں عدالت کا کام نہ کرنا چاہیے اور عدالت کے کمرہ میں کوئی بات ایسی نہ کرنی چاہیے جس میں زور زبردستی اور زیادتی کا دخل ہو[1]۔

و۔ عورتوں اور مردوں کی سماعت علیحدہ علیحدہ ہونی چاہیے[2]۔

ز۔ تردد کی حالت میں فیصلہ نہ لکھنا چاہیے[3]۔ اگر ضروری ہو تو وقت زیادہ دینا چاہیے[4]۔ اگر انصاف میں شک ہو تو مقدمہ کو دوسری عدالت میں بھیج دینا چاہیے[5]۔ اگر حاکم عدالت مجتہد نہ ہو تو اس کو علمار قانون کا فیصلہ (فتویٰ) حاصل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ دینا چاہیے اور اگر مقدمہ کے لیے ضروری ہو تو ترجمان سے امداد لینی چاہیے۔

ح۔ قانونی مشیروں (اسیسروں اور جیوری) سے مجلس قضا (عدالت) میں مشورہ اور رائے نہ لینی چاہیے، بلکہ اس کام کو دوسری جگہ کرنا چاہیے[6]۔

ط۔ مقدمہ کے فریقین میں سے کسی کو ذاتی قیام گاہ پر ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع نہ دینا چاہیے اور عدالت میں تنہا ایک فریق سے سرگوشی نہ کرنا چاہیے[7]۔

ی۔ گواہ سے دریافت کرنا چاہیے تم اس معاملہ میں کس کس بات کی گواہی دیتے ہو اور کسی گواہ کو اپنے کسی لفظ سے متاثر نہ کرنا چاہیے۔

ک۔ جب فیصلہ سنائے تو ان الفاظ کے ساتھ سنائے۔ میں اس عدالت کے حاکم کی حیثیت سے

---

[1] عن ابی بکرۃ عن النبی "کوئی حاکم دو آدمیوں کے معاملہ میں بحالت غصہ فیصلہ نہ دے" (فتح الباری ج ۱۳ ص) ہدایات صدیق اکبرؓ۔ دیکھو حوالہ بالا (ہدایات فاروق اعظمؓ) دیکھو المبسوط ج ۱۶ ص ۶۵ (کان معاویہ عاملہ بالشام الخ ص ۹، (القاضی لایضار) [2] المبسوط السرخسی (للقاضی ان یقدم النسار) ج ۱۶ ص ۸۰۔
[3] عن النبی (دع ما یریبک الی ما یریبک الحدیث) المبسوط ج ۶ ص ۸۷۔ [4] فاروق اعظم کی عدالت میں بعض مقدمات کا فیصلہ ایک ماہ بعد ہوا ہے (التانی من اللہ الحدیث) المبسوط ج ۱۶ ص ۸۲۔
[5] حوالہ بالا ۱۲۔ کتاب الحاکم الی عمالہ والقاضی الی القاضی؛ عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۸۹ [6] حوالہ بالا ص ۴۴ المبسوط ج ۱۶ ص ۵۹۔ (ومشاورۃ اولی الرأے) (دیکھو عہد فاروقی، علی مرتضیٰ اور زید بن کعب اور صحابہ بحیثیت اسیسر جیوری اور مشیران عدالت) المبسوط ج ۱۶ ص ۱۷، مشیران عدالت کے لیے ضروری ہے کہ برابر کے قانون داں ہوں۔ [7] المبسوط السرخسی (لا ینبغی ان یخلو فی منزلہ مع احد المخصمین کما لا یشار) ج ۱۶ ص ۸۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حکم دیتا ہوں یا یہ فیصلہ دیتا ہوں[۱]۔

ل۔ عدالت میں رویہ نرم رکھنا چاہیے[۲] تاکہ اہلِ معاملہ دہشت زدہ نہ ہوں۔ حاکمِ عدالت کو اہلِ معاملہ سے کسی قسم کی رشوت، ہدیہ (ڈالی) نہ قبول کرنی چاہیے اور نہ اُن سے طمع رکھنی چاہیے[۳]۔

م۔ حاکمِ عدالت کو سب سے پہلے عدل کا خیال رکھنا چاہیے۔ مقدمہ کی کارروائی۔ اس کارروائی سے پیدا ہونے والا علم[۴]۔ اور انصاف تک پہنچنے کے لیے اجتہاد یہ تینوں چیزیں قابلِ لحاظ ہیں[۵]۔

ضابطہ شہادت (گواہی)

قرآنِ حکیم، قانونِ سنت اور قوانینِ فقہ میں اسلام کے ضابطۂ شہادت پر مستقل تفصیل موجود ہے۔ اسلام کی رو سے گواہ کا عادل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جس قدر حاکم کا عادل ہونا، کیونکہ شہادت (گواہی) ایک اہم درمیانی وسیلہ ہے جو عدالت کو عدل تک پہنچنے میں فیصلہ کُن مدد دیتا ہے۔ گواہ کے لیے علمِ قطعی یہ ہے کہ مذہب، اخلاق اور قانون کے معیار پر صحیح ہو اور اس کی شہادت سچی ہو اور انصاف پر مبنی ہو۔ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ جب گواہ واقعہ کو سورج کی طرح صاف طور پر دیکھ لے تو گواہی دے ورنہ اس کی جرأت

---

[۱] (ورکنہ قول القاضی حکمت او قضیت) السعیدیات فی احکام المعاملات محمد سعید الغفار ازہری فقیہ الحنفی النصف الاول ص ۳۸۴۔ [۲] دیکھو آنحضرت کی ہدایت بنام معاذ (یسرا ولا تنفرا) عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۰۴ [۳] قرآن حکیم ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً۔ پ بقرہ۔ حوالہ بالا ہدایا العمال ص ۴۰۵۔ "ہدایا العمال رشوۃ بھدیۃ" ابن التین ص ۴۰۷ (قول علی کرم اللہ وجہہ "نما فساد الاصر قال بالطمع" المبسوط ج ۱۶ ص ۷۱ [۴] قول امام اعظم ابوحنیفہ "للقاضی ان یحکم بعلمہ فی حقوق الناس" لا فی الحدود الی حقوق اللہ۔ عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۱ ص ۳۸۸۔ باب من رای للقاضی ان یحکم بعلمہ [۵] قاضی محض اپنے ذاتی علم کی بناء پر کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ اس کا وہی علم معتبر ہے جو اثنائے عدالت میں قانونی کارروائی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ البتہ قاضی اگر یہ جانتا ہے کہ انصاف کس طرف ہے تو وہ جرح میں اس سے کام لے سکتا ہے (یحکم بما سمعہ فی مجلس قضائہ قول ابویوسف و محمد) (یحکم بعلمہ فی الجرح والتعدیل، عمدۃ القاری علامہ عینی حنفی ج ۶ ص ۲۴۳۔ باب اثم من خاصم فی الباطل ۱۲ منہ۔ فتح الباری عسقلانی ج ۱۳ ص ۳۶ا۔ کتاب الاحکام الشہادۃ تکون عند الحاکم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکرہے" اسلام نے شہادت اور شاہدوں کا جو معیار مقرر کیا ہے اُس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عدالت کا اصل مقصود انصاف ہے۔ انصاف کی نمائش نہیں ہے۔ اس دعوے کی صداقت کے لیے ذیل میں ضابطۂ شہادت درج کیا جاتا ہے۔

شہادت کی تعریف ۔ شہادت اس قطعی اور فیصلہ کن بیان کا نام ہے جو قانونی عدالت[2] میں حاضر ہو کر کسی ایسے معاملہ کے متعلق دیا جاتا ہے جسے بیان کرنے والے نے صاف طور پر دیکھا ہو[3]۔

شاہد (قانونی گواہ) وہ شخص جو عدالت کے سامنے یا ان لوگوں کے سامنے حاضر ہو کر کسی واقعہ کو دیکھنے کے بعد صحیح بیان دے جو عدالت کی طرف سے مجاز ہوں[4]

شاہد کے قانونی اوصاف ۔ قانون کی نظر میں گواہ میں چند اوصاف ایسے ہیں جن کا ہونا لابدی ہے اور چند ایسے ہیں جو اس کی قانونی عزت کو ختم کر دیتے ہیں۔

شاہد عادل ۔ قرآن حکیم کا حکم ہے کہ شہادت محض اللہ کے لیے درست طریقہ پر دینی چاہیے اور گواہ صرف دو افراد ہوں جو انصاف اور سچائی پر عمل کریں[5]۔ دوسری جگہ تمام اصحاب ایمان کو حکم ہے "کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ (انصاف پر قائم رہ کر محض اللہ کے لیے گواہی دو)

اس کے بعد قرآن نے شہادت کی صداقت پر ایسا زور دیا ہے جو دنیا کے کسی قانون میں نظر نہیں آتا۔

شہادت دو تو انصاف کے ساتھ دو، خواہ یہ تمہاری ذات، تمہارے والدین، تمہارے عزیزوں کے خلاف جائے۔ دوسرا فریق سرمایہ دار ہو یا غریب و محتاج ۔۔۔ انصاف کے معاملہ میں دل کی خواہش

---

[1] "خبر قاطع" قول جوہری۔ عمدۃ القاری عینی حنفی ج ۶ ص ۱۱۱۔ [2] فی معنی الحضور۔ حوالہ بالا۔

[3] (حوالہ بالا) حدیث نبوی "جب گواہ واقعہ کو سورج کی طرح کھلا ہوا دیکھ لے تو گواہی دے ورنہ باز رہے"۔

[4] اذ یحضر مجلس القاضی (حوالہ بالا) عمدۃ القاری ج ۶ ص ۳۲۲۔

[5] واشہدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشہادۃ للہ۔ (پ ۲۸۔ الطلاق) ۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پیروی نہ کرو[1]

احکامِ شہادت (گواہ کے لیے ہدایات) شہادت کے لیے انصاف شرط ہے[2]۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ گواہی میں حقیقت ہو، یقین ہو، شک نہ ہو، دیکھی ہوئی بات ہو، سُنی ہوئی نہ ہو[3]، گواہ گنتی میں قانون کے مطابق ہوں، اور ہر گواہ میں عدل کے ساتھ عقل اور یادداشت کی قوت ہو[4]۔

اہم ہدایتیں: ا۔ جھوٹی شہادت نہ دی جائے۔ جھوٹی شہادت ناقابلِ قبول، قابلِ سزا اور لائقِ تشہیر ہے[5]۔ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے، فاسق و بدکار کی شہادت غیر معتبر ہے[6]۔ سزا یافتہ (تہمت طراز، چور، زناکار) شہرت یافتہ دروغ گو، قانون کی خلاف ورزی کرنے والے مجرم، مذہبی احکام کے مجرم، قاتل، خائن، تہمت سے یا کسی دوسری وجہ سے جرح میں مجروح شدہ گواہ کی گواہی ناقابلِ قبول ہے[7]۔ (سزا یافتہ تہمت طراز کی شہادت توبہ کے بعد[8] بقول بعض عام مقدموں میں جائز ہے) اگر معمولی گناہگار ہو اور گناہوں پر اصرار نہ ہو تو اس کی گواہی بھی لی جاسکتی ہے[9]۔ فاسق کی گواہی فاسق کے مقدمہ میں اور ایسے فاسق کی گواہی جو ذاتی وقار کی وجہ سے سچی گواہی دے سکے۔ بعض حالات میں جائز ہے[10]۔ باپ بیٹے، میاں بیوی، غلام اور آقا کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں ناجائز ہے[11]۔

۲۔ گواہی میں تخریب نہ کی جائے۔ گواہی سے پہلوتہی نہ کی جائے[12]۔

۳۔ گواہی کو چھپایا نہ جائے۔ ایسا کرنا خلافِ قانون ہے۔ گواہی کو خریدا نہ جائے۔

۴۔ گواہوں کی عزت کی جائے۔ کیونکہ اُن کی وجہ سے حقوقِ عامہ زندہ ہیں (الحدیث)[13] گواہ کو کوئی نقصان

---

[1] یاایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط ــــ ان تعدلوا۔ (پ۵، النساء)

[2] دیکھو عمدۃ القاری عینی ج ۶ ص ۳۲۲ تا ۳۰۹۔ المبسوط السرخسی ج ۱۶ ص ۱۱۱-۱۲۸)

[3] ع ۳۳۱ سماعی شہادت حکم قطعی کے لیے ناکافی ہے ص ۳۳۰ [4] ان العدالۃ شرط ۳۳۱ المبسوط ص ۱۱۳

[5] المبسوط ص ۱۴۴-۱۴۳-۱۴۵- [6] المبسوط ص ۱۲۱-۱۳۰ [7] المبسوط ص ۱۲۱-۱۳۰

المبسوط ص ۳۳۰-۳۳۹ [8] عمدہ ص ۳۴۱ [9] المبسوط ص ۱۲۱

[10] المبسوط ص ۱۳۱ [11] المبسوط ص ۱۲۱ [12] عمدہ (دیکھو آیاتِ قرآن) ص ۳۴۵

[13] المبسوط ص ۱۱۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ پہنچایا جائے یہ بات ایک طرح کا جرم ہے[1]

گواہوں کی قانونی تعداد۔ ثبوتِ زنا کے لیے چار گواہ مرد۔ قصاص قتل اور عقوبات (فوجداری) میں دو گواہ مرد۔ عام قانون مدنی کے مقدمات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں[2]۔

حق گواہی[3] گواہ پیش کرنا مدعی کا حق ہے۔ (البینۃ علی المدعی)

حق یمین۔ (قسم) ثبوت کی عدم موجودگی میں قسم اور حلف کے ذریعہ سے اپنی صفائی پیش کرنا مدعیٰ علیہ کا حق ہے (والیمین علیٰ من انکر)[4]

حلف[5]۔ حلف، قاضی (حاکم عدالت) دیگا۔ خدائے واحد کا حلف لیا جائیگا۔ عیسائی کو خدائے انجیل کا۔ یہودی کو خدائے توریت کا، اور مجوسی کو صرف خدا کے نام کا حلف دیا جائیگا۔

جھوٹا حلف۔ اگر عدالت میں سچی گواہی سے حلف کا جھوٹ معلوم ہوجائیگا تو حلف اور قسم کالعدم ہوجائیگی[6]

صیغہ نظام اقتصادی

ریاستِ عامہ کا اقتصادی نظم عوام کی ضروریات کا معاشی انتظام اور خزانہ حکومت بیت المال کا کام صیغہ امور اقتصادی و بیت المال کے سپرد ہے۔ یہ صیغہ زر، زمین، پیداوارِ زمین اور سرمایہ و محنت کے تمام حاصلات کا انتظام عمل میں لاتا ہے اور اپنے دائرہ کار میں ریاست کے تمام جمہور کی تمام معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

صیغہ کی ذمہ داریاں ارضی پیداوار کا انضباط، محاصل کی تحصیل اور جمع آوری۔ سرمایہ اور محنت کی متوازن شیرازہ بندی۔ زراعتی، صنعتی، تجارتی اور مالی امور کی نگہداشت، بیت المال کے مدات آمدنی (زکوٰۃ، صدقات، خمس، فیٔ، خراج، عشر، جزیہ، عشور، کراء الارض، اوقاف، ضرائب،

---

[1] لایضار کاتب ولا شھید (قرآن حکیم) [2] المبسوط ج ۱۶ ص ۱۴۵۔ ایک شہادت فیصلہ کے لیے ناکافی ہے (ص ۱۱۲) [3] عمدہ عینی ج ۶ ص ۳۲۲، ۳۷۷ دیکھو فیصلہ نبوی [4] عمدہ ص ۳۸۳۔ دیکھو فیصلہ نبوی [5] عمدہ ص ۳۸۵، ۳۹۲۔ المبسوط ص ۱۱۸۔ ۱۱۹ [6] حوالۂ بالا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اموالِ فاضلہ کی حفاظت جمہورِ مملکت کے درمیان ضروریاتِ زندگی کی مساوی تقسیم، غریب اور محنت کش انسانوں کی فارغ البالی اور برابر کی خوشحالی کی کفالت اور ریاستِ عامّہ کے مجموعی معاشی نظم اور اقتصادی تنظیمات کی نگرانی

یادداشت

معاشی زندگی اور اقتصادی نظم | دنیا میں کروڑوں انسان آباد ہیں۔ ان کی نسلیں اور قومیتیں مختلف ہیں مگر معاشی ضرورتیں یکساں ہیں۔ معاش کا مسئلہ انسانی فطرت کا قطعی مطالبہ ہے اور اس کی تکمیل ایک خدائی فرض ہے۔ حکومت کا کام یہ ہے کہ وہ اس کا خیال رکھے کہ جمہور کو ان کے حق کے مطابق کھانے پینے پہننے اور پاک صاف اعلیٰ زندگی بسر کرنے کی سہولت حاصل ہے۔

کارخانۂ عالم کے موجد نے قرآن عظیم میں معاشی ضرورتوں سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہوئے چار باتیں پیش کی ہیں (ا) زمین معاشی پیداوار کا مخزن ہے[1]۔ (ب) دن معاشی دوڑ دھوپ کے لیے ہے[2] (ج) معاشی پیداوار کو تمام انسانوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہیے، کیونکہ یہ تقسیم قانونِ قدرت کا منشاء ہے[3] (د) معیشت کے اچھے دور میں خدا کو نہ بھولنا چاہیے ورنہ خدا کی طرف سے معاش کا دائرہ تنگ کر دیا جائیگا[4]۔

درحقیقت خدا کی مرضی ہمیشہ سے یہ ہے کہ تمام انسان قوانینِ قدرت پر عمل کریں اور معاش کے اعتبار سے اچھے معیار پر نظر آئیں۔ البتہ انسان کی غربت، فقروفاقہ اور محتاجی شیطان کی اسکیم کا جزوِ اعظم ہے۔

اقتصادی نظم | مملکت کے لیے اقتصادی نظم ضروری چیز ہے کیونکہ یہی وہ شعبہ ہے جس پر معاشی زندگی کا دارو مدار ہے۔ اقتصادی نظم کا منشاء معاشی توازن ہے اور معاشی توازن کے معنی یہ ہیں کہ مملکت کے افراد کے درمیان سامانِ معیشت کے اعتبار سے اقتصاد (اعتدال) کی حالت پیدا ہوجائے، اقتصاد ہر شعبۂ حیات میں

---

[1] جعلنا لکم فیہا معایش

[2] وجعلنا النہار معاشا

[3] نحن قسمنا بینہم معیشتہم

[4] فان لہ معیشۃ ضنکا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذریعۂ نجات ہی لیکن اقتصادی صیغہ میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے[۱]۔

پیغمبر اعظم نے اقتصاد اور حیات اقتصاد کے متعلق تین نکتے پیش فرمائے ہیں۔

(۱) اقتصاد نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصّہ ہے[۲]۔ (۲) دولت خرچ کرنے میں اصولِ اقتصاد کا لحاظ رکھنا معیشت کے آدھے مقاصد کو پورا کر دیتا ہے (۳) انسانی نجات کے تین اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے۔ اقتصادی توازن، سرمایہ و غربت کے درمیان (القصد فی الغنی و الفقر)[۴]

اسلامی مملکت اقتصادی زندگی کے میدان میں مندرجہ بالا اصولوں اور نکتوں پر عمل پیرا ہوتی ہے اور معاشی اسلوب پر اپنے اقتصادی نظام کو قائم کرتی ہے۔

معاشی زندگی کے عناصرِ ترکیبی

ا۔ انسانی معاشرہ[۵]۔ بنی نوع انسان کا شیرازہ بند گروہ[۶] جس کا ہر فرد سامانِ معیشت کا حاجتمند ہے۔

ب۔ کرۂ ارضی۔ انسانی سوسائٹی کے مسکن، مستقر اور وطنِ اکبر کی حیثیت سے۔

ج۔ سرمایۂ پیداوار (قرآن حکیم کے الفاظ میں) جمع شدہ خزانے، سونا، چاندی، گھوڑے مویشی اور کھیتی[۷] ــــ کھیتی کے سلسلہ میں ہر قسم کے غلے۔ انگور، سبزیاں، زیتون، کھجوریں، گھنے باغ

---

[۱] قرآن عظیم میں اقتصاد کو مدِ نظر رکھنے والے اجتماعی نظم کو اُمتہ مقتصدہ اور اقتصاد کی راہ کو قصد السبیل اور اقتصادی فرد کو مقتصد کے نام سے یاد کیا ہے۔ [۲] رواہ الترمذی (الاقتصاد جزء من اربع وعشرین جزء من النبوۃ) مشکوۃ المصابیح باب الرفق وحسن الخلق ص ۴۳۴ (اصح المطابع دہلی) [۳] الاقتصاد فی النفقہ نصف المعیشۃ۔ بیہقی فی شعب الایمان مشکوۃ (باب الحذر) ص ۴۳۰ [۴] بیہقی فی شعب الایمان (مشکوۃ فصل الثالث باب الغضب والکبر ص ۴۳۴) [۵] انسانی سوسائٹی۔ دیکھو قرآن حکیم یا معشر الانس۔ انعام ع ۱۵ رحمٰن ع [۶] ولقد کرمنا بنی آدم (قرآن حکیم سورہ ۔ ع ۱۰) [۷] والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذٰلک متاع الحیوۃ الدنیا (آل عمران ع ۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میوے اور گھاس[1] یہ سب چیزیں دنیا میں سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور تمام انسانوں کی مشترکہ دولت ہیں۔ (ذٰلک متاع الحیٰوۃ الدنیا) (متاعاً لکم ولانعامکم)

(ہ) ذریعہ پیداوار (زمین) (قرآن حکیم کے الفاظ میں) "ہم نے تم کو زمین میں حکومت دی اور زمین ہی میں تمہارے لیے سامان معاش رکھا" زمین عام انسانوں کے فائدے کے لیے بنائی گئی ہے۔ (ولقد مکنٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش) (والارض وضعھا للانام۔

(و) محنت (مزدوری) معاشی دائرہ میں محنت اور مزدوری کی متعدد صورتیں قائم و دائم ہیں (ان سعیکم لشتّٰی) (یقیناً تمہاری محنت کی متعدد صورتیں ہیں)

(ز) حق المحنت (مزدور کی اُجرت) مزدور کی محنت کا پھل مزدور کو ملنا چاہیے (لیس للانسان الا ما سعٰی)

(ح) امدادِ باہمی (محنت مشترکہ) اچھے اور مفید کاموں میں امدادِ باہمی لازمی شئے ہے (تعاونوا علی البر) کیونکہ باہمی تعاون کے بغیر معاشی زندگی اپنی بہار نہیں دکھا سکتی[2] اِنتہا یہ کہ روٹی کا ایک ٹکڑا بھی تیار نہیں ہو سکتا۔ تمام انسان اللہ کا کنبہ ہیں اور اسلامی سوسائٹی جسم واحد کی مانند ہے، ایک کی تکلیف تمام جماعت کی تکلیف ہے۔

عام معاشی حقوق معاشی دائرہ میں ہر انسان کا ایک حق ہے اور دنیا کی پیداوار میں اس کا حصہ ہے ہر انسان کو ہدایت ہے کہ وہ اپنے حصہ کو نہ بھولے (لا تنس نصیبک من الدنیا)

پیغمبر اعظم نے انسانی سوسائٹی کے ہر رکن کے لیے مندرجہ ذیل حقوق رکھے ہیں۔

۱۔ (بیتٌ یسکنہ) گھر رہنے کے لیے

۲۔ (ثوب یواری عورتہ) کپڑا تن ڈھکنے کے لیے۔

---

[1] حبا وعنبا وقضبا وزیتونا ونخلا وحدائق غلبا وفاکھۃ وابا متاعا لکم ولانعامکم سورہ (۸۰) آیۃ (۲۸-۳۲)
[2] لا یمکن التعایش مالم یتظاھروا (الذریعۃ الیٰ مکارم الشریعۃ امام راغب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ (جلف الخبز) روٹی پیٹ کے لیے

۴۔ (والماء) پانی۔ استعمال کے لیے خواہ وہ آسمان سے برسے یا نہروں اور کنوؤں سے آئے۔

مملکت کا خزانہ (بیت المال) خاص طور پر ان شہریوں کا ذمہ دار ہے[1] جن کے ہاتھ خالی ہیں فاروق اعظم کا قول ہے کہ "اگر پیٹ بھر کر کھڑا ہو جاؤں اور دوسرے انسان بھوکے ہوں تو اس کے ایک ہی معنی ہیں کہ میں عوام کا اچھا والی نہیں ہوں" یہ حقوق عامہ کے احساس کی انتہا ہے اور حکومت کی ذمہ داری کی آخری حد!

اسلامی نقطۂ نگاہ سے دو باتیں زیادہ قابل لحاظ ہیں (۱) تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے (۲) تمام انسان اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔ اب وہ اونچے طبقہ کے ہوں یا نیچے طبقے کے۔ اللہ ان کا پروردگار اور فرمانروا ہے اور وہ اس کے بندے اور رعایا ہیں۔ "(الخلق کلھم عیال اللہ الحدیث)" فالناس شریفھم ووضیعھم فی ذات اللہ سواء اللہ ربھم و ھم عبادہ"[2] عمر بن الخطاب رض)

اسلامی حکومت معاشی زندگی کے دائرہ میں ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھنے پر مامور ہے۔ اللہ کے کنبے کا کوئی فرد کھانے، کپڑے اور مکان وغیرہ سے محروم نہ رہے اور اللہ کے بندوں میں سب کو انسانیت کے عام حقوق میں برابر کا سمجھا جائے۔ اگر اسلامی حکومت اس کا خیال نہیں رکھیگی تو انسانیت کے بلند درجہ سے گر جائیگی۔

---

[1] فاروق اعظم نے حضرت خالد کو ہدایت کی تھی کہ یہ سرکاری مال غریبوں کیلئے ہے "تحبس ھذا المال علی ضعفۃ المھاجرین"، مجمع الزوائد ھیثمی کتاب المناقب ص ۳۴۹ (باب ماجاء فی خالد)

[2] الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ راغب اصفہانی۔

[3] حضرت عمر فاروق کا فرمان عراق کے امیر الافواج کے نام دیکھو تاریخ ابن کثیر ج ۷، ص ۳۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی ذرائع

زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، وراثت، بیت المال۔

۱۔ زراعت:۔ "زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے قطعات ہیں، انگور کے باغات ہیں، کھیتیاں ہیں اور کھجوریں" "اللہ نے پانی برسایا، کھیتیاں اگائیں جو بعد میں خشک ہو جاتی ہیں، اس کے بعد زرد اس کے بعد چورا چورا کی جاتی ہیں" (قرآن حکیم) زمین ہے خود کھیتی کرو یا اپنے کسی بھائی سے کھیتی کرا لو یا اپنے پاس رکھو[1] (پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۔ تجارت:۔ تجارت معاش کا ایک ایسا اہم ذریعہ ہے جس کی طرف خدا بھی رہنمائی کرتا ہے[2] شرط یہ ہے کہ تجارت میں سود کا دخل نہ ہو (واحل اللہ البیع وحرم الربوا۔ بقروع وذروا البیع جمعہ ع ۲) آنحضرت سے سوال کیا گیا۔ اچھا ذریعہ معاش کونسا ہے، آپ نے جواب دیا۔ پاک صاف تجارت۔

۳۔ صنعت و حرفت: پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا معاش کا پاکترین ذریعہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا (عمل الرجل بیدہ[3]) وہ صنعت و حرفت جس میں انسان اپنے ہاتھ سے کام کرتا ہے، ایک اور موقع پر ارشاد ہوا "انسان کی پاک روزی وہ ہے جو اپنے کسب و محنت سے پیدا کرے[4] اس سے بہتر کوئی روزی نہیں ہے[5]

۴۔ وراثت۔ وہ سرمایہ اور سامانِ معاش جو باپ دادا کی میراث کے طور پر انسان کی معاشی

---

[1] عن جابر متفق علیہ مشکوٰۃ باب المساقات والمزارعت) ص ۲۵۰ آنحضرت نے جرف میں خود کاشت فرمائی اور صحابہ بھی زراعت کرتے تھے۔ (تاریخ ابن کثیر ج، ص ۳۵۔

[2] (الا ان تکون تجارۃ۔ بقرع ۳۵ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ نساء ع ۵)

[3] رواہ احمد عن رافع مشکوٰۃ کتاب البیوع ص ۲۴۲ طبع اصح (کل بیع مبرور)

[4] رواہ احمد (مشکوٰۃ کتاب البیوع ف۳ ص ۲۴۲۔ اصح)

[5] ابوداؤد۔ الدارمی (مشکوٰۃ حوالہ بالا) ان اطیب ما اکل الرجل من کسب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی میں معاون ہوتا ہے[1] اور جاگیرداری کے ظالمانہ طریقوں کو مٹاتا ہے۔

"حکم کتاب اللہ کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کر دو جن کا حق مقرر کر دیا گیا ہے۔"

(پیغمبر اعظم مسلم اور ابو داؤد)

بیت المال کے مالی وسائل

مدات آمدنی ریاست عامہ کے خزانہ مرکزی بیت المال کے مالی وسائل اور مداتِ آمدنی (محاصل وغیرہ) مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ **زکوٰۃ**[2]۔ سالانہ خدائی محصول جو سرمایۂ اصلی (سونا، چاندی)، مال تجارت اور تجارتی مکانوں کو پاک رکھنے، ترقی دینے اور برکت حاصل کرنے کے لیے دیا جاتا ہے[3]۔ (چالیسواں حصہ)

۲۔ **صدقات**۔ وہ مال جو فیاض لوگ اپنی خوشی سے غریبوں کی امداد اور فائدہ کے لیے بیت المال کو دیتے ہیں[4]۔

۳۔ **خمس** (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ[5]) مال رکاز، دفینوں اور کانوں سے نکلے ہوئے سونے چاندی کا پانچواں حصہ[6]

۴۔ **فئ**۔ وہ مال جسے مرعوب دشمن چھوڑ جاتا ہے اور جنگ کے بغیر بیت المال کے قبضہ

---

[1] للرجال نصیب مما ترك الخ (قرآن حکیم) دیکھو تفصیل البیان جصاص علی کتاب الاحکام ج ۲ ص ۱۶۱۔

[2] خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها (قرآن حکیم توبہ ع ۱۳)

[3] الزکوٰۃ الطهارة والنماء والبرکة الخ النہایۃ فی غریب الحدیث ج ۲ الزاء مع الکاف ص ۱۳۷، مفردات امام راغب (زکا)، تعریفات سید شریف (زکوٰۃ) ص ۷۷، طبع آستانہ۔ صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ (فتح الباری)

[4] قرآن عظیم (بقرہ ع ۳۷۔ صدقات کو ظاہر کر کے دو تو اچھا ہے الخ) (بقرہ ع ۳۶ صدقات کو احسان جتا کر باطل نہ کرو) بخاری کتاب النفقات (فتح الباری) (علی کل مسلم صدقة عن ابی بردہ)

[5] واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه قرآن حکیم انفال ع ۵۔

[6] عن ابی هریرة وفی الرکاز الخمس (الحدیث) بخاری (فتح الباری) رکاز وہ سونا چاندی ہے جو خدا نے زمین کے اندر پیدا کیا ہے (دیکھو حدیث بروایت امام ابو یوسف) کتاب الخراج ص ۲۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں آتا ہے[1]۔

۵۔ **خراج۔** وہ سرکاری لگان ہے جو غیر مسلم کاشتکاروں کی غیر مقبوضہ زمین پر سالانہ عائد ہوتا ہے[2]۔ اور باہمی مرضی سے طے پاتا ہے۔

۶۔ **عُشر۔** مسلمان کاشتکاروں پر عائد شدہ لگان (بارانی زمین پر دسواں حصہ اور چاہی زمین پر بیسواں حصہ)[3]

۷۔ **جزیہ۔** وہ ٹیکس جو ریاستِ عامہ کے قلمرو میں بسنے والے غیر مسلم افراد سے ان کی طے شدہ مرضی کے مطابق لیا جاتا ہے۔ یہ ٹیکس باشندوں کے مال، جائیداد، عزت اور آبرو کی حفاظت کے لیے وصول کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا جو مقصد بھی بیان کیا جائیگا وہ قانونِ شرع کے خلاف ہوگا۔

۸۔ **عشور۔** تجارتی درآمد محصول جو غیر ملکی مال کی آمد پر لیا جاتا ہے[4]۔

۹۔ **کراء الارض۔** مملکت کی زمینوں کا مقررہ لگان جو کاشتکاروں کی باہمی رضا مندی سے وصول کیا جاتا ہے[5]۔

---

[1] تعریفات سید شریف باب الفاء ص ۱۱۳ قرآن حکیم (ما افاء اللہ) حشر رع ۱۔ احزاب رع ۶۔ مفردات القرآن راغب (فیئ) باب الفاء [2] تعریفات سید شریف (الخراج ہو الوظیفۃ المعینۃ توضع علی الارض کما وضع عمرؓ علی سواد العراق) باب الخاء ص ۷، ۶۔ کتاب الخراج ابی یوسف ص ۲۳۔

[3] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ (فتح الباری) عن عبد اللہ بن عمرؓ۔ فیما سقت السماء ــــ العشر الخ النہایۃ فی غریب الحدیث ابن اثیر ج ۳ باب العین (عشر) زکوٰۃ ما سقتہ السماء ص ۱۱۰۔ کتاب الخراج ابی یوسف ص ۶۹ درمختار ج ۲ ص ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ج ۳ ص ۳۵۰۔

[4] النہایۃ فی غریب الحدیث (عشر اموال اہل الذمہ فی التجارت) باب العین مع الشین ج ۳ ص ۱۱۰۔ (انما العشور علی الیہود والنصاریٰ الحدیث) ما کان من اموال تجارتھم۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ محصول معاہدہ کے مطابق ہونا چاہیے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان ملکوں کے مال پر واجب ہوگا جنہوں نے ریاستِ عامہ کے شہریوں کے مال پر اس قسم کا محصول عائد کیا ہو" کتاب الاموال لابی عبید قاسم بن سلام ص ۵۳۲۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵ کتاب الخراج ص ۱۳۲۔ [5] درمختار ج ۳ ص ۲۵۲۔ باب العشر والخراج۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ وقف (سرمایہ اور جائیداد) جو خدا کے نام پر شخصی ملکیت سے نکال کر اجتماعی ملکیت میں دے دی جائے۔[1]

۱۱۔ ضرائب۔ وہ مالی امداد جو امیروں سے غریبوں کے لیے وصول کی جاتی ہے۔ امدادِ باہمی کا یہ ٹیکس اس وقت لیا جاتا ہے جب سوسائٹی اپنی مرضی سے معاشی قوانین پر عمل نہیں کرتی اور سرمایہ دار طبقہ دولت جمع کر کے عوام کی غربت کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر کھاتے پیتے لوگ معاشی توازن برقرار رکھنے میں معاون نہیں تو یہ ٹیکس جبراً وصول کیا جائیگا۔[2]

۱۲۔ اموالِ زائدہ۔ وہ سرمایہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اور جو مندرجہ بالا مدات کے علاوہ دوسری مدات سے متعلق ہو۔[3]

اسلام کا اشتراکی دستور

معاشی حقوق اور قانونِ مساوات

(۱) زمین کی تمام پیداوار تمام انسانوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ دنیا کے تمام سرمایہ میں دنیا کے جملہ باشندوں کا حصہ ہے، ہر انسان ایک خدائی اشتراکی ہے اور اس سرمایہ میں برابر کا شریک ہے۔

یادداشت ہر انسان کی فطرت معاش کا مطالبہ کرتی ہے۔ زمین کی پیداوار اس مطالبہ کی تکمیل کرتی ہے۔ قرآن حکیم کا بیان ہے: قدر فیھا اقواتھا (ہم نے زمین میں کھانے پینے کے سامان رکھے) سواء للسائلین (برابر ہیں تمام انسانوں کے لیے جو حاجتمند ہیں) یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء

---

[1] جو مال بیت المال کے نام پر وقف ہونگے ان کا انتظام بیت المال کے ہاتھ میں ہوگا۔ صحیح البخاری (فتح) عن ابی ہریرۃ۔ دیکھو حدیث (خالد کے اسلحہ بطور مال وقف) ما نقم ابن جمیل الخ

[2] محلی ابن حزم ج ۶ ص ۱۵۶۔۱۵۸۔ [3] بدائع صنائع (اموال فاضلہ) ج ، کتاب السیر، ص ۱۳۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس ہے۔ (تمام انسانوں کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے) کوئی شے فی حد ذاتہ کسی کی مملوکِ خاص نہیں، بلکہ ہر شے اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے۔ ہاں بوجہ رفع نزاع وحصولِ انتفاع قبضہ کو علت ملک فرمادیا گیا۔ ہاں خود مالک وقابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے کیونکہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس سے متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالِ کثیر حاجت سے زائد رکھنا بہتر نہ ہوا گو زکوٰۃ بھی ادا کردی جائے اور انبیاء و صلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے۔ بعض صحابہ اور تابعین نے حاجت سے زیادہ رکھنے کو حرام ہی فرمادیا۔ بہرکیف غیر مناسب اور خلافِ اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زائد عن الحاجت سے اس کی تو کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک من وجہ اس میں موجود ہے تو گویا شخص مذکور من وجہ مالِ غیر پر قابض و متصرف ہے۔ (ایضاح الادلہ ص ۳۶۸۔

قرآن مجید کے اس بیان سے یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ جس طرح معاش کا سوال ہر انسان سے وابستہ ہے اسی طرح زندگی کی ضروریات میں انسانی سوسائٹی کے تمام افراد کا حصہ برابر ہے۔

قرآن نے دوسری جگہ ایک اور اعلان کیا ہے: خلق لکم ما فی الارض جمیعًا [1] (تم سب کے لیے وہ تمام چیزیں پیدا کی گئیں جو زمین میں ہیں) اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک طرف تمام انسان ہیں اور دوسری طرف زمین کی مجموعی پیداوار۔ یہ مجموعی پیداوار تمام انسانوں کے لیے ہے اور سب کی ملکیت ہے۔

(ب) دنیا کی تمام پیداوار انسانوں میں تقسیم ہونی چاہیے۔

یاد داشت | قرآن حکیم نے معاشی پیداوار کی تقسیم کے متعلق دو خیال ظاہر کیے ہیں، خدا نے معاشی

---

[1] تفسیر بحر محیط ابوحیان اندلسی (۶۵۴-۷۴۵ھ) مع دول سلطان قاہرہ (حتاہ مستوجمیاً امر منہ المخلوقات ونفعہا للمحتاجین الیہا من البشر فعبر بالسائلین عن الطالبین لانہم من شانہم ولا بد طلب یفتقرون بہ اذہم بحال حاجہ۔ قال الزمخشری لاجل الطالبین اما المحتاجین المقتاتین الخ[2] حوالہ روح المعانی سید آلوسی (۱۲۸۰ھ) ج ۲۴ ص ۱۰-۱۱

حوالہ الجواہر طنطاوی الجوہری (سواءً للسائلین ای المدین یطلبون الاقوات وہیکل حیوان علی وجہ الارض وذلک لسوال الطبیعی فہم مفروض عن جبلہ) ج ۱۹ (نوٹ صفحہ ہذا) [1] حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی آیت بالا کے ماتحت لکھتے ہیں۔ قرآن کے اس فرمان کے مطابق تمام اشیاء تمام بنی آدم کی ملکیت معلوم

www.KitaboSunnat.com

سامان جملہ انسانوں کے درمیان تقسیم کیا ہے اور اس میں سب برابر کے حقدار ہیں (نحن قسمنا بینھم معیشتھم ازخرف، فھو فیہ سواء) پیداوار کی تقسیم کے سلسلہ میں عہدِ نبوی ؐ کی روایات بہت ہی شاندار ہیں۔ آپ نے سب سے پہلے مدینہ کی زمینیں انصار و مہاجرین کے درمیان تقسیم کیں، اور زمین کے مالکوں سے ان لوگوں کو حصّہ دلایا جن کے پاس کچھ نہ تھا۔

ابتدائی عہد میں حملہ آور دشمنوں کا مالِ غنیمت کے طور پر آتا تھا۔ آپ اس تمام سرمایہ کو اسی وقت تقسیم کر دیتے تھے۔ اس زمانہ میں حکومت کا تمام سرمایہ یہی مال غنیمت ہوتا تھا۔

اسلام کے ابتدائی عہد میں کوئی رقم خزانہ میں جمع نہ ہوتی تھی اور نہ اس وقت بیت المال کا وجود تھا۔ جب کبھی غنیمت کا مال آتا اسی وقت آپس میں تقسیم ہو جاتا۔ صدقات اور زکوٰۃ کی آمدنی وصول ہوتی تو وہ مستحق افراد پر بانٹ دی جاتی تھی اور کچھ ہنگامی ضرورتوں کے لیے محفوظ کر لی جاتی تھی۔[1] پیغمبر اعظم کے زمانہ میں پہلی مرتبہ بحرین سے بڑی تعداد میں مال آیا۔ حکم ہوا کہ مسجد میں پھیلا دیا جائے۔ اس کے بعد اسی وقت مدینہ کے باشندوں میں تقسیم فرما دیا۔[2]

اشتراکی مساوات (حکومت کی ذمہ داری) اسلام اشتراکیت سے پہلے ہے اور اشتراکیت سے بالکل ایک جداگانہ اصول ہے۔ البتہ سرمایہ کی تقسیم اور اشتراکی مساوات یہ دونوں باتیں اسلام کے قانونِ معیشت میں اول دن سے موجود ہیں۔ سرمایہ کی تقسیم کا مسئلہ اسلامی حکمت عملی کا پرانا مسئلہ ہے۔ ابتدائی دور میں پیغمبر اعظم اور ان کے بلند پایہ جانشینوں کا عمل سامنے ہے۔ آخری دور کے متعلق آنحضرت ؐ کی پیشین گوئی موجود ہے جس کے الفاظ یہ کہتے ہیں کہ بڑی بڑی جنگوں اور زبردست زلزلوں کے بعد تمام دنیا میں اسلام کی حکومت چھا جائیگی اور یہ حکومت اشتراکی حکومت ہوگی۔ آنحضرت کے الفاظ یہ ہیں[3]:

---

[1] تاریخ التمدن الاسلامی جرجی زیدان (تمدن اسلام ج ۲ ص ۳ (عہد نبوی)) [2] بخاری (فتح الباری) کتاب الصلوٰۃ عن انس [3] مجمع الزوائد للہیثمی ج، ص ۳۱۳ (باب ما جاء فی المھدی) عن ابی سعید الخدری قال ابشرکم بالمھدی یرضی عنہ ساکن السماء والارض یقسم المال صحاحا ویملأ قلوب امۃ محمد غناً الخ رواہ الترمذی واحمد باختصار کثیر رجالھما ثقات الخ ۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی جھگڑوں اور زلزلوں کے بعد ایک رہنما تمام روئے زمین کی حکومت کا رہنما ہوگا زمین پہلے ظلم اور تشدد سے معمور ہوگی۔ اس کے بعد عدل وانصاف سے بھر جائیگی۔ اُس سے آسمان وزمین کا ہر فرد خوش ہوگا، آپ نے اس رہنما کے متعلق فرمایا: "یقسم المال صحاحاً" (وہ سرمایہ کو صحیح طور پر تقسیم کریگا) کسی نے دریافت کیا صحیح تقسیم کا معیار کیا ہوگا آپ نے فرمایا "بالسویۃ بین الناس" (تمام انسانوں میں برابر کا حصہ تقسیم کریگا) انتہا یہ کہ امتِ محمدیہ کا کوئی فرد محتاج نہ رہیگا۔

سرمایہ کی تقسیم کے متعلق اسلام کا یہی وہ رجحان ہے جو ابتدا سے انتہا تک اسلامی نظامِ حکومت کے نقشہ میں نظر آتا ہے۔ مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر انسان کو اس کی فطری ضرورت کے مطابق حصہ ملے حکومت اس کی ذمہ دار ہے اور وہ اس کام کو تقسیم کی رو سے انجام دیتی ہے۔ (دیکھو اہم نظائر)[1]

اسلام نے جمہور کی معاشی ضرورتوں کے معاملہ میں برابری کے اصول کا کس قدر لحاظ رکھا ہے اس کا قطعی اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حکومت کا رئیس بھی عوام کے برابر حق رکھتا ہے، نہ زیادہ نہ کم۔

---

[1] ا۔ فاروق اعظم نے بحرین سے آئے ہوئے مال (پانچ لاکھ درہم) کی تقسیم کے متعلق شوریٰ طلب کی (مقریزی ج ص ۹۲۔ تاریخ التمدن الاسلامی جرجی زیدان خلافت راشدہ ص ۵)

ب۔ فاروق اعظم نے ۱۵ھ میں درجہ بندی کرکے سالانہ وظائف کی تقسیم کا سلسلہ جاری کیا۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۶۲۔ ذکر فرض العطایا (فقیل لہ سویت) فاروق اعظم سے کہا گیا کہ آپ نے تقسیم میں برابری کا لحاظ رکھا ہے)

ج۔ جمہور نے فاروق اعظم کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا تھا اور ان کی ذمہ داری یہ ظاہر کی تھی (ردوا تقسیم بالسویۃ الخ) سرکاری خزانہ کا روپیہ برابر برابر تقسیم ہونا چاہیے تاکہ کوئی ضرورتمند خالی ہاتھ نہ رہے۔ طبری ج ۴ ص ۱۶۳ ۱۵ھ

د۔ دیکھو حضرت سعد کے اقوال کسریٰ کے مالِ غنیمت کے متعلق (بعد لقسم بین الناس۔ یتعلق قسمۃ طبری ج ۴ ص ۱۷۷ (فسوینا) ص ۱۶۳۔

ہ۔ حضرت عباس کی ہدایت حضرت عمر کے لیے "الامانۃ فی المال والتسویۃ فی القسم" (انصاف کے دو ستون ہیں۔ ۱۔ مال میں امانت، ۲۔ مال کی برابر کی تقسیم (طبری ج ۴ ص ۲۰۳ ۱۷ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہد فاروقی میں امیرالمؤمنین کے لیے عوام نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ ۱۔ خورد و نوش کا ضروری سامان۔ ۲۔ سردی و گرمی کے کپڑے۔ نقل و حمل، حج اور جہاد کے لیے سواری[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنا فیصلہ یہ دیا تھا "ما اصلحک واصلح عیالک بالمعروف لیس لک من ھذا المال غیرہ[2]" امیرالمؤمنین آپ کو عام معیار کے مطابق اپنی اور اپنے گھر کی ضرورت کے لیے روپیہ لینا چاہیے۔ اس کے علاوہ اور آپ کا حق نہیں۔ سب نے اس سے اتفاق کیا، اور یہی آخر میں طے پایا۔

فاروق اعظم نے عمر بھر اس فیصلہ پر عمل کیا۔ انہوں نے ان لوگوں کو سب کچھ دیا جن کے پاس کچھ نہ تھا۔ اور خود اتنا لیا جس قدر کہ حق تھا۔ انہوں نے کھانے پینے کی ضرورتوں کے سلسلہ میں تقسیم کا اصول رائج کیا[3]۔ چنانچہ خود ان کے یہ الفاظ موجود ہیں "میرا معاشی حق اتنا ہی ہے جس قدر قریش کے ایک عام انسان کا نہ کہ سرمایہ دار کا[4]" اگر میں پیٹ بھر کر کھڑا ہو جاؤں اور دوسرے انسان بھوکے ہوں تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ میں حکومت کا اچھا والی نہیں ہوں[5]" ان الفاظ سے دو اصول پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ تقسیم میں معاشی ضرورتوں کے ساتھ برابری کا لحاظ رکھا جائے۔ دوسرے یہ کہ حکومت ہر فرد کے کھانے پہننے اور فارغ رہنے کی ذمہ دار ہے[6]

معاشی اصول قرآن نے معاشی زندگی کا بنیادی اصول یہ قرار دیا ہے: کلوا من الطیبات واعملوا صالحا معیشت کے دائرہ میں کھانے کے لیے اعلیٰ اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور

---

[1] طبری ج ۴ (ص ۱۶۳ ۱۵ ہجری) تقوتہ قوت عیالہ الوکس ولہ شظط وکسوتہم وکسوۃ للشتاء والصیف ودابتان الخ
[2] طبری ج ۴ ص ۱۶۴) فقال القوم القول قول ابی طالب [3] قسم عمر الارزاق) طبری ج ۴ ص ۲۰۳ (سنہ ۱۷ ہجری)
(وامرنا لکم علی اعطائکم وارزاقکم) طبری ج ۴ ص ۲۰۴ سنہ ۱۷ ہجری)
[4] ابن کثیر ج ۷ ص ۱۳۵ (قوت رجلی کرجل من قریش لیس باغنیاہم [5] کیف انوالی اذا لم شبعت الناس جیاع
[6] بیت المال ان لوگوں کا ذمہ دار ہے جو غریب ہیں اور محتاج۔ مجمع الزوائد الہیثمی کتاب المناقب خالد (علی ضعفۃ المہاجرین) ج ۹ ص ۳۴۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عمل کے میدان میں اچھے عمل کرو" قرآن کی رو سے تمام انسان جو قانونِ قدرت کے فرمانبردار ہیں ایک متحدہ انسانی سوسائٹی کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان سب کے لیے ایک ہی حکم ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین کی پیداوار تمام انسانوں کے لیے ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ سب اتفاق و اجتماع اور یکسانیت کے ساتھ اس کو کھائیں پئیں اور اپنے استعمال میں لائیں۔ (یٰاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلاً طَیِّبًا)

قرآن میں جابجا کھانے پینے، پہننے، روپیہ خرچ کرنے پھل اور میوے کھانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ شیطان انسان کو مفلس اور غریب دیکھنا چاہتا ہے اور خدا خوشحال اور باروزی رکھنا چاہتا ہے۔ قرآن نے اعلان کیا ہے کھاؤ اور پیو جب درخت پر پھل آجائے تو پھل کو دیکھو اس کے پکنے کو دیکھو۔ جب پھل کا موسم آئے تو خوب پھل کھاؤ، پھل تمہارے لیے رزق ہے، کھانے کی چیز ہے۔ قرآن کہتا ہے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے اور تمام انسانوں کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ شائستہ لباس پہنیں۔ یہاں ہر حکم عام ہے، اور ہر خطاب عام انسانوں کے لیے ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام معاشی خوشحالی کا ایسا نظام بروئے کار لانا چاہتا ہے جس کے سایہ میں ہر انسان کو اس کی لازمی ضرورت کے مطابق کھانے، پینے، پہننے اور زندہ رہنے کا سامان میسر آئے اور جس میں پھل پھول کی بہار بھی نظر آئے۔

اسلام کے جملہ اقتصادی احکام اسی معاشی اصل کے تابع ہیں، وہ تمام کام جن کی وجہ سے اس مقررہ بنیاد پر اثر پڑتا ہے اسلامی روح کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے متعلق امتناعی احکام اور ہدایات موجود ہیں۔

امتناعی احکام (۱) سرمایہ داری کے لیے سرمایہ ممنوع ہے۔ دنیا کا سرمایہ چند سرمایہ داروں کی ملک ہو کر رہ جائے، قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ اس صورت میں انسانی سوسائٹی کے زیادہ تر افراد اپنے حق اور حصہ سے محروم ہو جائیں گے۔ سرمایہ آتا رہے اور جائز طور پر خرچ ہوتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اگر جمع ہو تو صرف امانتِ عامّہ کے طور پر۔ اس کے علاوہ سرمایہ جمع کرنا (اکتناز) اور سرمایہ جمع کر کے روک لینا (احتکار) دونوں ناجائز ہیں (دیکھو قرآن عظیم[1])

(ب) سود اور سود در سود قانوناً حرام ہیں۔ سود کی وجہ سے ایک فرد، ایک طبقہ اور ایک قوم کے بڑے لوگ دولتمند ہو جاتے ہیں، تمام سوسائٹی مفلس ہو جاتی ہے۔ سود کا سارا محل ضرورتمند انسان کی مجبوریوں پر تعمیر ہوتا ہے اس سے امدادِ باہمی اور اخلاقی تعاون کی روح پامال ہوتی ہے۔ اس لیے ممنوع ہے (دیکھو قرآنی احکام[2])

(ج) جوا (قمار) اور سٹہ دولت کا کھیل (جوا) ہر طرح خلافِ قانون ہو۔ قانون کی رو سے یہ شیطانی کام ہے۔ اس سے معاشی تعاون کی جگہ دشمنی پیدا ہوتی ہے اور انسان خدا کی یاد سے دور ہو جاتا ہے[3]۔ اس لیے قانون نے اس کو بڑا جرم قرار دیا ہے[4]۔

سرمایہ داری تاریخ کے قدیم زمانہ سے مال و دولت کی محبت کا سلسلہ جاری ہے۔ قرآن نے انسان کے رجحانِ سرمایہ داری کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے "اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ"

---

[1] قرآن عظیم والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذابٍ الیم (توبہ) جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدو"۔ کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء (حشر) دولت و سرمایہ اس لیے غریبوں فقیروں اور یتیموں پر خرچ ہونا چاہیے "تاکہ وہ دولتمندوں کے درمیان رُک کر نہ رہ جائے۔

[2] احل اللہ البیع وحرم الربوا" اللہ نے تجارت اور خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے) بقرہ۔ "لا تاکلوا الربوا اضعافاً مضعفۃ" (تم سود در سود کو ہرگز ہرگز اپنی روزی نہ بناؤ) آل عمران سورۂ بقرہ میں ہے کہ سود لینا خدا سے جنگ کرنا ہے (بحرب من اللہ) سود کو معاف کر دینا چاہیے۔ "غریب انسان کو تو روپیے سے مدد دینی چاہیے" اللہ سود کو مٹاتا ہے اور امدادی صدقات سے دولت کو بڑھاتا ہے۔ امدادِ باہمی سے دولت عام ہو جاتی ہے۔ سود کے طریقوں سے عام قومی تنگدستی رونما ہوتی ہے۔ دیکھو تفصیل البیان ممتاز علی ج ۲ کتاب الاحکام ص ۱۶۴۔ [3] قرآن عظیم انما الخمر والمیسر ۔۔۔ من عمل الشیطن الخ (بقرہ) [4] ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء۔ فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ ؁ والمیسر ۔۔۔ اثم کبیر۔ (بقرہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان مال کی محبت پر بہت پکا ہے، صرف فرد ہی نہیں بلکہ پوری جماعت (سوسائٹی) بھی رجحانِ سرمایہ داری رکھتی ہے "تحبون المال حبا جما" تم مال سے جی بھر کر محبت کرتے ہو، سرمایہ داری کی فطرت اپنے سرمایہ پر قانع نہیں ہوتی بلکہ یہ چاہتی ہے کہ روپیہ بڑھتا ہی چلا جائے۔ انتہا یہ کہ بہتات کی یہ حرص غفلت میں ڈال دیتی ہے "الھٰکم التکاثر" تمہیں بہتات کی حرص نے غفلت میں ڈال دیا۔

سرمایہ داری میں نشہ بھی ہوتا ہے اور طبقے بھی ہر طبقہ اپنی جمع پر فخر کرتا ہے "کل حزب بما لدیھم فرحون" آخر قرآن کو کہنا پڑا "اس کے لیے خرابی ہے جس نے مال جمع کیا اور اُسے گن گن کر رکھا۔ اُسے خیال ہے کہ اس کا مال سدا کو رہیگا، ہرگز نہیں بلکہ وہ ایک تباہ کن دہکتی ہوئی آگ میں پھینکا جائیگا" الذی جمع مالاً وعدده. یحسب ان ماله اخلده کلا لینبذن فی الحطمة الخ"

قرآن کی رو سے بنی اسرائیل (یہود) پہلی قوم ہیں جنہوں نے اپنے غرورِ سرمایہ داری کو ظاہر کیا۔ انہوں نے خدا کے مقرر کیے ہوئے حاکم طالوت کو نامنظور کر دیا تھا اور کہا تھا: "لم یوت سعة من المال" (یہ شخص تو محنتی اور مزدور طبقہ کا فرد ہے، بڑا سرمایہ دار نہیں ہے۔

دنیا میں پیغمبروں نے معاشی حقوق کا اکثر نام لیا مگر ہر دور میں سرمایہ داروں کا یہ نعرہ رہا "نحن اکثر اموالاً" (ہم بڑے مالدار ہیں) ہم کوئی بات نہیں سُن سکتے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف پوری توجہ کی۔ آپ نے فرمایا انسان سرمایہ داری کا اتنا دلدادہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کی دو بھرپور وادیاں ہوں تو وہ ایک تیسری وادی اور چاہیگا" انسان کے بڑھاپے اور جوانی کے دو سبب ہیں سرمایہ داری کی حرص اور عمر کی حرص"

آنحضرت نے قانونِ قرآن کے مطابق قدم اُٹھایا اور دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ وہ احکام نافذ کیے جن کا منشا ایک پسندیدہ معاشی نظام کا قیام تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ا) غربت اور فقر وفاقہ کا احساس یہ دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انسانیتِ عامہ کا نظام قائم ہے" الفقر وخوفہ سبب نظام امر الناس"

(ب) "دنیا کا نظام سرمایہ داری سے زیادہ غریبوں کی غربت پر قائم ہے"۔ قیام العالم بالفقر اکثر من قیامہ بالغنی۔ یہ ہے اسلام کا وہ نظریہ جو آج کے اشتراکی رجحانات سے نو سو سال پہلے پیش کیا گیا ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں سائنس اور صناعی کے تمام شعبہ محنت ومزدوری سے متعلق ہیں اور تمام محنتوں کا سرچشمہ غربت ہے[1]۔

مملکت کے عوام کی غربت کا علاج کرنا معاشی حقوق کی بنیاد ہے۔ اگر عوام زندگی کی لازمی ضرورتوں میں برابر کے درجہ پر آجائیں تو یہ حقوق پورے ہو جائینگے۔

(ج) نظامِ عالم کا مدار مال اور سرمایہ پر ہے۔ سرمایہ نام ہے سونے، چاندی کا اور ان دھاتوں کا جن سے سکہ بنتا ہے

لغات قرآن کے مستند عالم اسلامی مالیات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں سکہ (الناض[2]) ان اہم چیزوں میں سے ہے جن پر نظامِ زندگی قائم ہے۔ سکہ خدا کا نشان ہے وہ ایک حاکم کے مانند ہے۔ سکے اور سرمایہ کو چلتا رہنا چاہیے، کیونکہ اس کو جمع کرکے روک رکھنا ایسا ہی جیسے کہ ایک مدبر حاکم کو قید میں ڈال دیا جائے۔ اسلام سرمایہ کی بے ضرورت جمع آوری کے خلاف ہے اور خوشحالی کا ایک ایسا نظام چاہتا ہے جس میں سرمایہ کا توازن درہم برہم نہ ہو۔

الخلق کلھم عیال اللہ الخ الحدیث۔ تمام خلق ـــ جملہ انسان اللہ کا کنبہ ہیں، اور ان سب کی روزی ورزق اللہ کی ذمہ داری ہے۔ اللہ کی مرضی یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کا حق ملے۔ دنیا میں خدا کے پیغمبر کرے، معاشی ضروریات کی تنظیم وتکمیل میں حصہ لینا اُنھوں

---

[1] الذریعہ الی مکارم الشریعۃ ف۶ باب ۲ ص ۱۴۸-۱۴۹ (طبع الوطن ۱۲۹۹ھ)

[2] ایضاً ف۶ ب۲ ص ۳۰۵-۳۰۴ (ان الناض احد اسباب ما بہ قوام حیاۃ الدنیویہ الخ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بھی اپنا فرض تصور کیا۔ یہ اسلام ہے جس نے انسان کو حکم دیا ہے دنیا کے سرمایہ میں اپنے حصہ اور حق کو فراموش نہ کر" لا تنس نصیبك من الدنیا۔ قصص۔ ۸)

حضرت ابراہیم ؑ نے خدا سے امت مسلمہ کے لیے شہر امن اور پھلوں پھولوں کا رزق طلب کیا تھا۔ یہ آرزو پوری ہوئی۔

معاشی اصول | اسلامی قانون میں معاشی نظام جن معاشی نظریات پر مبنی ہے وہ یہ ہیں :۔

ا۔ زمین تمام انسانوں کا وطنِ اکبر اور مستقر ہے (ولکم فی الارض مستقر۔ بقرہ۔ اعراف)

ب۔ زمین ذریعۂ پیداوار ہے اور اس کی ہر پیداوار میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔

ج۔ زمین اور انسان کی پیدائش کے ساتھ سرمایہ (متاع) بھی پیدا ہوا ہے اور یہ سرمایہ جملہ انسانوں کا حق ہے۔

د۔ ارضی حکومت اور معاشی تشکیلات باہم مربوط اور لازم و ملزوم ہیں۔ خدا نے انسانوں کو زمین کی حکومت بھی دی ہے اور اس کے ساتھ زمین میں تمام انسانوں کی معاش کا سامان بھی رکھا ہے۔ (ولقد مکنّٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیہا معایش۔ اعراف)

ہ۔ سوسائٹی جسم واحد کی مانند ہے اس جسم کے ایک عضو کی تکلیف تمام اجتماعی نظام کی تکلیف ہے۔

و۔ ارضی حکومت اپنی قلمرو کے تمام انسانوں کی مساوی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کی ذمہ دار ہے۔ دنیا کی دولت میں ہر انسان کا ایک حصہ اور حق ہے جس کو کوئی انسان فراموش نہیں کر سکتا (لا تنس نصیبك من الدنیا۔ قصص)

ز۔ محنت (مزدور کی مزدوری) انسانی محنت پیداوار کا ایک قابلِ قدر ذریعہ ہے۔ قرآن نے اس سلسلہ میں دو امور کا ذکر کیا ہے۔

ا۔ انسانی محنت کی ایک صورت نہیں بلکہ مختلف صورتیں ہیں۔" اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی (الیل)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ ہر انسان اپنی محنت کے پھل کا حقدار ہے: لیس للانسان الا ما سعٰی۔

۷۔ امدادِ باہمی (انسانی معاشرہ کی وحدت) انسانی سوسائٹی ایک اکائی ہے اور اس کے تمام افراد انسانیت کے وحدانی مرکز پر یکساں حیثیت کے مالک ہیں۔ معاشی زندگی میں ان کا کام اسی طرح امدادِ باہمی کا محتاج ہے جس طرح ایک انسان کے تمام اعضاء۔

یادداشت | الخلق کلھم عیال اللہ[1] تمام انسان اللہ کا کنبہ ہے (حدیث) دنیا میں کوئی انسان دوسرے انسان کے تعاون کے بغیر اپنی معاش کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ روٹی کے ایک لقمہ کے لیے بھی کسان کی، چکی کے مالک کی اور رہٹوں کے مستری کی ضرورت ہے۔ ایک فرد کے لیے معاشی زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے انسانی سوسائٹی کا مدار امدادِ باہمی پر ہے اور اسی لیے اسلامی سوسائٹی کو بنیاد کی دیوار اور ایک ایسے جسمِ واحد سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ایک کی تکلیف تمام سوسائٹی کی تکلیف ہے[2]۔ (امام راغب)

---

[1] الذریعہ ف ب ص ۱۴۷۔ الوطن۔ ایضاً۔ ان الناس یحتاج بعضہم الی بعض ولا تمکن التعائش مالم یتظاہروا الخ
تمام انسان ایک دوسرے کی امداد کے محتاج ہیں۔ امدادِ باہمی کے بغیر معاشی زندگی کا بر روئے کار آنا ناممکن ہے۔ (الذریعہ حوالہ بالا ص ۱۵۳[2])۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی حکومت کا موازنہ قدیم حکومتوں سے

اسلامی حکومت ایک اٹل خدائی تنظیم ہے اس کو عہدِ قدیم کی تاریخی حکومتوں پر اسی طرح فوقیت حاصل ہے جس طرح سونے کو لوہے پر، سورج کو سیاروں پر اور خدا کو اپنی دنیا پر۔

تاریخ کے نامعلوم عہد میں طاقتور انسان کمزور انسانوں کو اسی طرح ختم کر دیتا تھا جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے[۱]۔ آخر انسان کے دل میں مل بیٹھنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ فرد سے افراد پیدا ہوئے، افراد سے گھر، گھر سے خاندان، خاندان سے قبیلہ وجود میں آیا اور قبیلہ سے معاشرہ (سوسائٹی) یہ تھا حکومت کا پہلا نظم جس کا حکمراں خاندان کا بزرگوار باپ، اور قبیلہ کا شیخ ہوتا تھا۔ اسی طرح مِلک سے مُلک اور مُلک سے مملکت (سلطنت State) کی بنیاد قائم ہوئی۔ جہاں پہلے قبیلے تھے وہاں قومیں آموجود ہوئیں، اس مرحلہ پر فنِ حرب پیدا ہوا جس نے زمانۂ حال کی سیاسی تنظیم (حکومت) کو دنیا میں لاکر کھڑا کر دیا جس کے معنی یہ ہیں کہ موجودہ انسانی حکومتوں کی ابتداء اور استحکام، تنظیم اور ترقی فنِ جنگ کی بنا پر ہوئی ہے۔

اسلام کو اس قسم کی کسی حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ ارتقائے معاشرت کی پہلی منزل جس سے اسلام آشنا ہے آبائی معاشرہ ہے جس میں گھر، خاندان اور قبائلی سوسائٹی کا سردار بزرگوار باپ ہوتا ہے۔ اسلام کی رو سے حضرت آدم اور حضرت ابراہیم اپنے زمانہ کی سیاسی تنظیمات کے سردار بھی تھے اور باپ بھی۔

یہ ماضی تھا جس نے مستقبل کو یہ سبق دیا کہ اُمت اولاد اور اُمت کا رہنما (امام) باپ کی مانند ہے اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ اسلام اپنے عروج وکمال کے زمانہ میں بھی شخصی خاندانی بادشاہت

[۱] ہندوستان کے قدیم فلسفی کوٹلیہ نے اس صورتِ حال کو متسیا نیاے (منطق ماہی) کا لقب دے کر سیاست میں ایک نئے لغت کا اضافہ کیا ہے۔ مبادی سیاسیات شیروانی ص ۳۱ بحوالہ مملکت ہند قدیم، بینی پرشاد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا حامی ہے پیغمبروں کے عہد میں خرابی کا احتمال نہ تھا اس لیے آبائی معاشرہ باقی رہا لیکن پیغمبر اعظم اور حکومتِ راشدہ کے عہد میں اس کی جگہ "شورائے جمہور" نے لے لی اور آبائی معاشرہ ختم کردیا گیا۔

اسلام کی نظر میں حکومت خدا کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور پہلے دن سے مکمل ہے، خدا نے انسان کو معیارِ احسن پر پیدا کیا تھا مگر وہ ٹھوکر کھا کر پستی میں گر گیا، اس نے خدائے واحد کی جگہ بہت سے خدا بنا ڈالے اور خدا کی جگہ خود حاکم بن بیٹھا۔ اسلامی حکومت اس پستیِ حال کو ارتقائے مستقبل سے بدلنے پر مامور ہے۔ اس نے جس طرح اب سے پہلے جابر اور ظالم شہنشاہیوں کا خاتمہ کرکے حکومتِ راشدہ کا نمونہ پیش کیا تھا۔ اسی طرح آج اس کا کام ایک ایسا انقلاب لانا ہے جو ساری دنیا میں خدائے واحد کی حکومت کا تخت بچھا سکے اور تمام انسانوں کو انسانیت کے خدائی قانون پر جمع کرسکے۔

دنیا کی قدیم ترین حکومتیں

دنیا کی قوموں کی تاریخ میں صدہا حکومتوں کا ذکر اس طرح موجود ہے جیسے افسانے، تین سو حکومتیں نمایاں اور قابل ذکر سمجھی گئی ہیں، ان سب میں ایک خرابی مشترک ہے اور وہ ہے "شاہی یا مطلق العنان شخصی بادشاہی"۔

مصر قدیم میں حکومت کے تین طبقے ہوئے۔ جن میں دولت فارس کے قیام تک بارہ خاندانوں کے ستر سے زیادہ بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ ہجرت عامہ بنی اسرائیل کے ۶۲۶ء ماقبل مسیح سے ۹۶۲ء ماقبل مسیح تک چار ہزار سال کے عرصہ میں انسان کی قسمت شخصی بادشاہت کی غلامی سے نجات نہ پاسکی۔

چین میں مذہبی پیشوا فوہی نے ۳۵۰۰ء قبل مسیح پہلی حکومت قائم کی، فوہی کے بعد شین ٹانگ، ہوونگ ٹی، ہیا، شانگ، چیو، چین شی، ہان خاندانوں نے حکومت کو اپنے شکنجہ میں رکھا۔ ہیان کے زمانہ میں چینیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ "حکومت مرکزی پھول ہے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت آسمانی ہے اور بادشاہ آسمان کا بیٹا ہے، مگر وو دانگ ٹی کے عہد (۵۰۰ قم) میں شاہی کا فساد ظاہر ہوا، حکومت کو شاہی خاندان نے پامال کر دیا۔

فوہی کے بعد لاؤچی اور اس کے بعد کنفوشش (گانگ فوچی) کا ظہور ہوا یہ دونوں مصلح تھے۔ کنفیوشش نے تعلیم دی "خدا دنیا کا خالق موحد اور بادشاہِ اعظم ہے۔ آسمان اور اس کے عناصر خدا کے دلائل ہیں۔ فرمانروا خدا کا نائب (خلیفہ) ہے" کنفیوشش کی یہ تعلیم اسلام کی تعلیم سے بہت قریب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دینِ فطرت اور قانونِ فطرت کا پیغام کنفیوشش ہی کے ذریعہ اہلِ چین کے دل و دماغ کی امانت بنا ہو۔ تاہم ایک بات صاف ہے اور وہ یہ کہ چین کے اس جلیل القدر حکیم نے شاہی اور شہنشاہی کے متعلق کوئی امتناعی قانون نہیں پیش کیا۔ چین میں ظہورِ اسلام کے وقت "ہان" خاندان کی حکومت تھی جس طرح وو دانگ ٹی (۵۰۰ قم) کے عہد میں ملک بادشاہی کے عملِ جراحی سے اور چین شی کے زمانۂ استبداد سے پامال ہو رہا تھا۔ اسی طرح "ہان" کے عہد میں فاسد شہنشاہیت موجود تھی۔

ہندوستان میں آریہ آئے اور انھوں نے ملک کے اصلی باشندوں کو اچھوت (بھنگی، چمار اور غلام) بنا کر چھوڑا۔ ہندوستان کے ایک سیاست داں کے اعتراف کے مطابق یہ آریہ مغرور تھے، خود بیں تھے، دوسروں کو ذلیل سمجھتے تھے، ملک ایک تھا اور حکومتیں بیشمار ایک جسم کے ہزار ٹکڑے۔ مگدھا اور ودیہ، یوپی میں کاشی۔ کوشل (اجودھیا) پنچال (گنگا جمنا کا دوآبہ) متھرا اور قنوج، پاٹلی پتر (دیسالی) کی حکومتیں قائم تھیں۔ اسلام سے پہلے ملک کی خراب حال حکومتوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ ان گنت حکومتیں، راجگان، ٹھاکر داریاں۔ نتیجہ یہ ہوا ملک کمزور ہوا اور اس پر زوال آ گیا۔

نینوی (موصل، کردستان) میں سینس کا اثوری خاندان سیاسی اور شاہی اقتدار کا مالک تھا اور بابل میں سلسلۂ نمرود کے پچاس بادشاہ اپنی تعمیر کے لیے ہمسایوں کو زیر و زبر کرتے رہے۔

فارس میں مطلق العنان شہنشاہیت کے چار طبقے ہوئے پیشدادی، کیانی، اشکانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(شاہان طوائف) ساسانی (اکاسرہ) ان چاروں طبقوں کے بے شمار بادشاہوں میں صرف نوشیروانِ عادل نے نام نیک چھوڑا۔ آخر میں شاہی کا فساد پوری طرح ظاہر ہوا جب اسلام کا ظہور ہوا فارس کے مجبور و مقہور جمہور اپنے چھ بادشاہوں کو قتل کر چکے تھے۔ درحقیقت یہ انجام تھا اس آغاز کا جس کا ظہور طبقہ مدیا کی "ماما ئی مملکت" کے شہزادوں کی جنگ میں ہو چکا تھا۔ تمام ایشیا اسی حال میں تھا۔ جابر حکومتیں، جنگی بادشاہ، جنگجو شہزادے اپنے ظلم و جبر کی جولانگاہ میں آزاد تھے۔ اسلام آیا اور اس نے صورتِ حال کو یکسر بدل دیا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی حکومت نے شہنشاہیت کے فاسد تصور کا خاتمہ کر کے حسب مرضی جمہور (شوریٰ) کا قانون جاری کیا تو اس سے مجبور و مقہور دنیا کو کتنی بڑی دولت ملی ہوگی۔

یونان و روما | دنیا کی تاریخ میں یونان و روما کا نام بہت اُچھالا گیا ہے اور اس سے دورِ جدید کا اسلامی فکر بھی بہت متاثر ہوا ہے لیکن جدید علمِ تحقیق نے ان دونوں یورپی سلطنتوں کی بربادی کی داستان بھی سامنے رکھ دی ہے۔ اس لیے یونان کی تمدنی مملکتوں اور روما کی جمہوریتوں کا افسانۂ درد و غم بھی ان مملکتوں کے وارثوں کی زبان سے سُن لینا چاہیے۔

یونانیوں کا نظریۂ حکومت | یونان دنیائے قدیم کا سیاسی پایۂ تخت رہا ہے، دنیائے جدید اس سے کافی مرعوب ہے اور یہ اقرار کرتی ہے کہ علم السیاست کی حقیقی ابتداء اور انسان کی خود آگاہی کا اظہار اول اول یونان میں ہوا۔ یہ دعویٰ بجائے خود صحیح، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یونانی تصورِ اجتماعی زندگی کا بہت ہی ناقص ظہور ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلامی حکومت ایک کامل و مکمل، اتم اور اکمل سلطنت کی جیتی جاگتی اور جگمگاتی تصویر ہے۔

یونانی سیاستداں شہر اور سلطنت کو ایک ہی لفظ پولیس کے نام سے ظاہر کرتے تھے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی سلطنت کا تصور شہر پر مبنی تھا۔

جرمن سیاستداں بلنچلی کہتا ہے کہ "اس کے حدود اراضی مختصر تھے۔ طاقت محدود تھی۔ مادی حیثیت بہت ہی حقیر اور اس کی حیثیت طفلانہ تھی۔" اکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ایڈورڈ جینکسن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھتے ہیں کہ "اس حکومت میں نا اتفاقی کے اتنے مہلک عناصر تھے جن کی وجہ سے اس پر وقت سے پہلے تباہی آگئی"۔

یہ تھی یونانی حکومت، اس کے برعکس اسلامی حکومت خلافتِ ارضی (روئے زمین کی غیر محدود نیابتی حکومت) ہے۔ اس سے چار فرائض متعلق ہیں: (۱) آبادکاری (۲) سیاسی رہنمائی (۳) تمدنی اصلاح (۴) احکامِ حکومت کا اجراء۔ اور یہ چاروں فرائض تمام قلمروئے ارضی سے متعلق ہیں۔

یونانی حکومت نسلوں کی تقسیم در تقسیم سے مرکب ہے، اسلامی حکومت اپنی شیرازہ بندی کے اعتبار سے ایک ایسی وحدت ہے جس میں نسلی تقسیم کا کوئی گزر نہیں۔ اسلام ایک عظیم الشان انسانی برادری ہے اور دنیا کی سب سے بڑی پارلیمنٹ جس کے سایہ میں تمام انسان اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ ہر وہ انسان جو اس کا رکن بن سکتا ہے یونان کی اس حکومت سے کوئی اثر نہیں لے سکتا جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے "اس کی وجہ سے قدیم نظام ٹوٹ پھوٹ گیا۔ جدید نظام بن نہ سکا، یورپی تہذیب بیباکانہ عیاشی میں تبدیل ہوگئی اور ایشیا کی پستی مکمل کر دینے میں معاون بن گئی۔

افلاطون کا نظریہ حکومت | افلاطون خدا کا قائل ہے۔ خدا کی بادشاہت کا بھی ذکر کرتا ہے شاید اسی لیے مسلمان اس کو افلاطون الٰہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ افلاطون حکومت کی چار قسمیں کرتا ہے: (۱) شخصی (شخصی بادشاہی) (۲) شخصی موتمری (چند فلسفیوں کی حکومت جس کا حکمراں شخصِ واحد ہو) (۳) حکومتِ خواص (اعلیٰ طبقہ کی سرمایہ دار حکومت) (۴) جمہوری (جس میں جمہور حکمراں ہوں اور حکام محکوم)۔ افلاطون شخصی موتمری حکومت کا قائل ہے۔

اسلام شخصی حکومت سے بلند و بالا ہے کیونکہ اس نے اپنے عہد میں شخصی حکومت کو ختم کر کے حکومت کی زمام جمہور انسانوں کے ہاتھوں میں دی ہے تعجب ہوتا ہے کہ افلاطون کا مشہور و معروف دماغ کیوں شخصی قید سے آزاد نہ ہو سکا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افلاطون کے نظریہ میں ایک اور تضاد ہے۔ وہ ایک طرف سوسائٹی کو جسم واحد مانتا ہے (اور یہ اسلام کے عین مطابق ہے) اور دوسری طرف اُس کو چار طبقوں میں اس طرح تقسیم کرتا ہے (۱) حکمراں طبقہ جو سونے سے بنا ہے (۲) فوجی طبقہ جو چاندی سے پیدا ہوا ہے۔ (۳) کاریگر جو فولاد سے ڈھلا ہے (۴) مزدور اور غلام، محنت کش طبقہ جو چوپایوں کی مانند ہے۔

اسلام کو اس تقسیم کے مسخرے پن پر ہنسی آتی ہے۔ افلاطون محدود یونانی تصور کی بنا پر صرف شہر والوں سے کہتا ہے۔ شہریو! تم سب بھائی بھائی ہو مگر اسلام ذاتوں، طبقوں اور نسلوں سے بلند ہو کر دنیا بھر کے انسانوں سے خطاب کرتا ہے۔ تم سب ایک انسان کی اولاد ہو، سب مٹی سے ہو اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو۔

آخری بات یہ ہے کہ افلاطون اور اس کا تصورِ حکومت ناکام رہا اور اسلامی حکومت حکمت عملی کے میدان میں انصاف پسند انسانوں سے خراج تحسین حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔

ارسطو کا نظریۂ حکومت ارسطو (ارسطاطالیس Aristotle) اونچے طبقے کے لائق و فائق اشخاص کی حکومت کا قائل ہے۔ افلاطون اس حکومت کو حکومتِ خواص کہتا ہے اور ارسطو ارسطو فراسی (ارسطوکریسی Aristocracy) کا نام دیتا ہے۔ موجودہ اصطلاح میں اس کو اعیانی اور امیر سری کہہ سکتے ہیں۔

دو ہزار برس سے زیادہ ہو گئے یونان کے اس فلسفی نے اچھی حکومت کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ۱۔ بادشاہی (منارکی Monarchy) ۲۔ ارسطوکریسی (Aristocarcy) ۳۔ حکومت عامہ۔ جسے ارسطو نے پولیٹی (Polity) کا نام دیا ہے۔ پہلی قسم میں ایک شخص کی حکومت ہوتی ہے دوسری قسم میں اعلیٰ طبقہ کے چند افراد (اقلیت) کا اقتدار رہتا ہے اور تیسری صورت میں حکومت کی زمام بہت سے افراد (اکثریت) کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ارسطو بذاتِ خود اونچے طبقہ کی اعیانی حکومت ارسطوکریسی کا حامی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حکومت میں طبقاتی امتیاز ناگزیر طور پر ہوتے ہیں۔ افلاطون نے کہا تھا "ادنیٰ طبقہ کو اعلیٰ طبقہ کی اطاعت کرنی چاہیے"۔ ارسطو کہتا ہے کسی شہری کی کوئی ہستی نہیں۔ ہر شخص سلطنت کا جزو ہے اور اس کے "تابع"۔ ظاہر ہے کہ حکومت میں خواص ہونگے اور تابع عوام۔ اور دونوں میں فرق و امتیاز بھی ہوگا۔ اسلامی حکومت میں اُمت کے بہترین افراد جو خدا اور عوام کی نگاہوں میں منتخب ہوتے ہیں۔ مرضیِ عامہ کے بعد حکومت کا کام امانت سمجھ کر اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور امیر ایک عامی کے برابر ہوکر اُمت کی خدمت کرتا ہے۔ یہ سیاسی تصور کی وہ بلندی ہے جہاں سکندرِ اعظم کے استاذ ارسطو کا دماغ نہیں پہنچ سکا۔

روما کا نظریہ حکومت رومی حکومت دنیائے قدیم کی حقیقی حکمراں طاقت تھی۔ زمانۂ حال کے علماءِ سیاست اور مدبرین اپنی حکومتوں کا سلسلہ حسب ونسب روما ہی سے ملاتے ہیں اور کہتے ہیں "دنیا ایک انگشتری تھی اور روما اُس کا نگینہ" مسلمانوں کا جدید علمی دماغ بھی روما کے بوجھ میں دبا ہوا ہے لیکن اسلام کے نقطۂ نگاہ سے یہ جاہلیت کا پہلا دور تھا اور بحرِ روم کی آخری تباہ حال شہنشاہیت تھی جس کو اسلام نے خدا کے حکم اور جمہور کی طاقت سے پاش پاش کردیا۔

رومی سلطنت میں ایک طرف تو توہم پرستی کی حد یہ تھی کہ دیوتا پوجے جاتے تھے اور دوسری طرف رومیوں کا خیال تھا کہ وہ دنیا کو اپنے اقتدار کے ماتحت لانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

بلنچلی کا بیان ہے کہ یونان کی بُنیاد قوموں کے اختلاط پر تھی، روما کی بنیاد ایک قوم کی اعلیٰ فطرت پر تھی جس نے چاہا کہ تمام دنیا کو رومی بنادے یہی اس کا جرم تھا کوئی قوم ایسی جلیل القدر نہیں ہوسکتی کہ دوسری قوموں کو اپنی آغوش میں فنا کردے یہی وجہ ہے کہ وہ نابود شدہ قوم کے تازہ جوشِ جوانی سے ٹکرا کر فنا ہوگئی[1]۔

---

[1] نظریہ سلطنت بلنچلی (رومیوں کا تخیل سلطنت) ص ۲۸۔۴۰۔ عثمانیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونانیوں نے شہری حکومت پیدا کی، رومیوں نے قومی مملکت کی داغ بیل ڈالی ان کا دعویٰ تھا کہ حکومت قوم کی تنظیم شدہ ہیئت سے بنتی ہے۔ کنا نیوس آگسٹس (روم کے پہلے قیصر) کے زمانہ (۲۴ سنہ ق م) سے لے کر اسلام کے ظہور تک روم کے شہنشاہ کو اب لاانتہائی اختیار حاصل تھا جو نہ حکمراں کے لیے مفید ہوسکتا ہے اور نہ قوم کے لیے۔ ایک رومی بادشاہ یہ دعویٰ کر بیٹھا "میں ہی سلطنت ہوں" یہی وجہ تھی کہ رومی شہنشاہ ذہنی اور اخلاقی حیثیت سے تباہ ہوگئے، رومی حکومت کا تخیل بہبودِ عامہ تھا جو بہت کم عمل میں آتا تھا۔ رومی قوم کی اخلاقی تباہی ان کی نہ سیر ہونے والی حرص کا جذبہ تھی جو انہیں فتوحات کے پیچھے لیے لیے پھرتی تھی۔

اسلامی حکومت ایک صاف آئینہ کی مانند تھی جس میں رومی دور کی کوئی خرابی نہ تھی۔ دیوتا پرستی ختم ہوچکی تھی، شہنشاہیت باقی تھی پیغمبرِ اعظم اسلام نے پہلے اسلام کا سفیر روم بھیجا اور سفارت کی ناکامی کے بعد فرمادیا: قیصر کے خاتمہ کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا!" اسلام کی قوت نے یہ معجزہ بھی کر دکھایا۔ یہ تھا وہ دن جب پہلی مرتبہ انسان کے کانوں نے جمہوریت کی زبان سے شہنشاہیت کی شکست کا اعلان سنا۔

دوسری تاریخی حکومتوں پر نظر

یونان و روما کے بعد جرمن فرانکی قبیلے نے رومی سرزمین پر ایک بہت بڑی سلطنت قائم کرلی، اس جرمن رومن متحدہ شاہی نے فرانکی شہنشاہیت کا نام پایا۔ مگر اسے دو چیزوں نے تباہ کردیا: ۱۔ موروثی اصول جس سے حکومت مختلف بیٹوں میں تقسیم ہوگئی اور اس سے قوم و سلطنت دونوں تباہ ہوئے۔ ۲۔ قومیت کا شعور۔ قومیتوں کے افتراق نے فرانس کو جرمنی سے علیحدہ کردیا اور فرانکی شاہی کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔

اس کے بعد مغربی شہنشاہیت پیدا ہوئی اور اس نے مذہب عیسوی کی پناہ لی عیسائیت نے یہ ظاہر کردیا کہ سلطنت اور مذہب دو مختلف چیزیں ہیں اور ان میں سخت اختلاف ہے یہی وہ منزل ہے جس سے مذہب و سیاست کی علیحدگی کا فاسد عقیدہ پیدا ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یورپ کی تمام حکومتوں میں شخصی بادشاہی، موروثی ولیعہدی، قوموں کی تفریق، طبقاتی امتیاز تباہی کی حد تک موجود تھا۔ فریڈرک ثانی جیسے مدبر اور ڈانٹے جیسے صاحبِ فکرِ معنی آفریں کا خیال شہنشاہیت ہی کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اسلام نے کارناموں کی دنیا میں جو کارنامہ انجام دیا اس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے سیاست و سلطنت کے دائرہ سے ان تمام خرافات الاصنام کا خاتمہ کر دیا جن کا تعلق شاہ پرستی اور فاسد قومیت پرستی تھا۔

موسیو گال لیبام کا بیان ہے: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" سے پہلے دنیا پر فتنہ و فساد کے گھرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہندوستانی سیاستدان پنڈت جواہر لال نہرو کہتے ہیں: اسلام سے پہلے قدیم چیزیں فنا ہو چکی تھیں جدید ابھی وجود میں نہ آئی تھیں، اس لیے سارے یورپ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی" اس حالت سے اندازہ کیجیے کہ اسلام نے اور اسلامی حکومت نے دنیا میں آکر انسان کے ہاتھ میں کیا تحفہ دیا۔ قدیم حکومتوں کا سارا فساد ختم کر دیا گیا اور حکومت کی بنیاد خدا کے حکم سے ظالم شہنشاہیت کی جگہ مرضی جمہور (شوریٰ) پر رکھی گئی۔ بادشاہ مٹ گئے یا مٹا دیے گیے اور ان کی جگہ امیر و امام (رہنمائے مملکت) کو دی گئی۔ حکمراں خدا، امام حکومت کا رہنما اُمت کی مرضی حکومت کی اصل۔

مورخ وان کریمر کا بیان ہے[۱]" آنحضرتؐ نے ایک مذہب کی بنیاد ڈالی۔ نیا طرزِ حکومت پیدا کیا اور جب آنحضرت کا وصال ہوا تو تمام قلمرو عرب پر خدائی امن چھایا ہوا تھا۔" ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈر نے بڑی عقیدت سے یہ تسلیم کیا ہے[۲]: اسلام نے بڑی سلطنتوں اور مستقل مذہبوں کو تہ و بالا کر کے نفوسِ اقوام کو نئی ترکیب دی اور ایک مکمل جدید دنیا یعنی دنیائے اسلام تعمیر کی جس کا اثر تمام نوع انسان پر پڑ کر رہیگا۔

عرب ہر شئے کو یک قلم بھول گئے اور اپنے حقیقی اور واحد خدا کے لیے دنیا کو فتح

---

[۱] پریچنگ آف اسلام (ترجمہ اُردو اشاعت اسلام ص ۸۔ ڈاکٹر آرنلڈ [۲] جدید دنیائے اسلام ڈاکٹر لوتھر ص ۱۶۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ اُنھوں نے نورِ اسلام سے منور ہو کر ایک عظیم خلافت قائم کی جو اوائل میں خدائی جمہوریت تھی۔

جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:۔ "اسلام کی سادگی سمجھ میں آنے والی حقیقت ہے، جمہوریت اور مساوات نے بنی نوع انسان پر بڑا اثر ڈالا مطلق العنان بادشاہ اور انہی کی طرح خودسر ظالم مذہبی پیشوا انہیں کچل رہے تھے، وہ تنگ آچکے تھے اور انقلاب کے لیے تیار بیٹھے۔ اسلام یہ انقلاب لے آیا اور وہ ان کے حق میں نعمت ثابت ہوا۔ نئی بھلائیاں اُبھر آئیں اور پرانی خرابیوں کا خاتمہ ہو گیا۔"[۱]

دورِ جدید کی حکومت
اور اسلامی حکومت کے خاص خاص فرق

اسلامی حکومت	دورِ جدید کی حکومت
۱۔ مذہب۔ اسلامی حکومت سرتاسر مذہبی حکومت ہے اور مذہب اسلام کے مکمل اٹل اور اساسی قانون کی پابند ہے[۲] اور اس اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔	۱۔ مذہب۔ دورِ جدید کا سیاسی تخیل مذہبی نہیں۔ دنیائے جدید مذہبی حکومت اور اس سے مشابہت پیدا کرنیوالی تمام چیزوں کے علانیہ خلاف ہے[۳]
۲۔ اسلامی حکومت میں مذہب کا تعلق زندگی کے تمام سیاسی، معاشی، اخلاقی اور تمدنی شعبوں سے ہے۔ مذہب محض عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ حیاتِ اجتماعی کا نظام	۲۔ زمانۂ حال کا قطعی میلان[۴] یہ ہے کہ سیاسی اور اجتماعی حقوق پوری طرح مذہبی اعتقاد سے آزاد ہیں اور مذہب کا تمام و کمال تعلق دل سے ہے[۵]

---

[۱] جگ بیتی جواہر لال نہرو (مکتبہ جامعہ) ص ۲۲۶ [۲] ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اکملت لکم دینکم الدین القیم (قرآن حکیم) [۳] نظریہ سلطنت ہنچلی ص ۶۳ [۴] ایضاً ص ۲۳۰۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جس کا تعلق روح کی اصلاح اور جسم کی فلاح
دونوں سے ہے۔

۳۔ جو حکومت مذہب کو نہیں مانتی اور اپنے قانون کی رو سے مذہبی نہیں ہے وہ نہ اسلامی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

۴۔ حکومت کا جدید تخیل مذہبی نہیں ہے مگر اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ غیر مذہبی ہے (سوائے سویٹ روس کے) کیونکہ دورِ جدید یہ مانتا ہے کہ حکومتِ عالم میں خدا کی مرضی شریک ہے[۱]

یادداشت | قرآن حکیم مذہب اور مذہبی سوسائٹی کو سیاسی دائرہ میں یکجا دیکھتا ہے۔ علماء قانون کہتے ہیں مذہب (دین) ایک ضابطہ ہے جو انسان کی عادت[۲] بن جائے اور جس کی اطاعت[۳] کی جائے۔ عادت اور اطاعت یہی دین کے معنی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے یہ ظاہر ہے کہ جس مذہب کی یہ تعریف ہے وہ مکمل ضرور ہوگا اور اس میں انسان کی عادت فطرت پر حاوی ہو جانے کی استعداد بھی بدرجہ اتم ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون میں دین کا لفظ اصطلاحی طور پر اجتماعی نظام کے لیے ہی مخصوص ہے۔ وہی مذہب جو خداوند اعلیٰ کا قانون ہے جب پیغمبر کی قوت سے انسانوں کو ایک محکم نظام کے اندر جمع کر دیتا ہے تو وہ ملت (نظامِ اجتماعی) بن جاتا ہے (دیناً قیماً ملۃ ابراھیم) اور اس مرحلہ پر مذہب کا مفہوم صرف "نظامِ ملی" ہوتا ہے[۴]۔ یہ مذہب یا نظام کوشش کرتا ہے کہ انسان کی اس کی بہتری اور ترقی کی طرف رہنمائی کرے۔ دنیا کی بہتری کی طرف اور دنیا کے بعد آخرت کی بہتری کی طرف[۵]۔

---

[۱] بنچلی ص ۶۳ [۲] کلیات العلوم ابی البقاء حنفی۔ الدین ص ۳۲۷ [۳] مفردات القرآن امام راغب اصفہانی (دان) حاشیہ النہایۃ ص ۲۶۔ [۴] الدین کالملۃ۔ مفردات القرآن امام راغب حاشیہ النہایۃ "حدیث" ج ۲ ص ۲۶۔ کلیات ابی البقاء (دین القیمہ الملۃ القیمہ) والملۃ منسوب الی الرسول) الدین ص ۳۲۷
[۵] دیکھو مندرجہ بالا حوالے۔ امام ماوردی فرماتے ہیں "الدین اقوی القواعد فی صلاح الدنیا وھو الفرد الاوحد فی صلاح الآخرۃ" مذہب دنیا کی سود بہبود کا سب سے زیادہ طاقتور قانون ہے اور اسی سے آخرت کی صلاح بھی ہوتی ہے" ادب الدنیا والدین" الماوردی ص ۸۰۔ دائرۃ المعارف بستانی ص ۲۳۶۔ (دین)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دورِ جدید کی حکومت مذہب کو اس سے مختلف سمجھتی ہے۔ وہ اپنے حقیر تصور کی رو سے اس کو دل کا عقیدہ گردانتی ہے۔ اس لیے یہ تعجب کی بات نہیں کہ وہ اسے ایک "خیال" سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ اسلام میں حکومت مذہب ہے اور مذہب حکومت۔ جدید دور میں نہ یہ ہے نہ وہ، مذہب سے دورِ جدید کی یہ جنگ عیسائیت کی متواتر ستم شعاریوں، تباہ کن خیال پرستی اور بیہودہ گردی سے شروع ہو کر مسیحیت سے وحشیانہ نفرت پر ختم ہوئی۔ اس کی ابتدا اور انتہا دونوں کا تعلق عیسائی مذہب سے ہے۔ یہ ایک مذہب کے لوگوں کا احتجاج ہے اپنے مذہب کی خرابیوں کے خلاف۔ اسلام جو دنیا کی تمام خرابیوں کے خلاف جہاد کر چکا ہے۔ اس احتجاج کا نشانہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے نظم و تنظیم کے دائرہ میں مکمل ہے اور قانون کی دنیا میں سب سے بڑا معجزہ ہے۔

امریکہ نے ۱۷۸۹ء کے اعلانِ حقوق انسانی کی رو سے مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا اعلان کیا تھا۔ جرمنی میں فرانکفورٹ اور برلن کے اعلان مصدقہ ۱۸۴۸ء اور سوئٹزرلینڈ میں ۱۸۷۶ء میں اسے مان لیا گیا۔ اشتراکی روس نے ۱۹۱۹ء سے مذہب اور کلیسا کو اپنی تلوار کا نشانہ بنا رکھا ہے، تاہم علیحدگی کا یہ اصول ابھی عالمگیر طور پر تسلیم نہیں کیا گیا[1]

۴۔ حکومت الٰہی (خدا کی بادشاہت) اسلامی سلطنت کے اختیار کا سرچشمہ خدا کو سمجھتی ہے۔ حکومت ایک تنظیم ہے جسے خدا نے اپنی مرضی سے پیدا کیا ہے۔ حکومت خدائے واحد کا حکم ہے جس کا اقتدارِ اعلیٰ خود خدا کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کے لیے یہ ایک نیابتی ذمہ داری (خلافت) ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے یہ ذمہ داری

۴۔ حکومت الٰہی (خدا کی بادشاہت) جدید علم سیاست خدا کے طریقوں پر حاوی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ دورِ جدید کی حکومت انسانی ذرائع سے وجود میں آتی ہے جسے انسان نے انسانی اغراض کے لیے بنایا ہے اور وہی اس کا انتظام کرتا ہے۔ دنیائے جدید صرف یہ مانتی ہے کہ حکومتِ عالم

[1] نظریۂ سلطنت جے کے بلنچلی (سلطنت کا تعلق افراد سے۔ مذہب) ص ۲۳۰۔۲۳۱ تفصیلی معلومات کے لیے دیکھو (طبقۂ مذہبی) ص ۱۳۲ (تصوری یا مذہبی حکومت) ص ۳۶۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔	میں خدا کی مرضی شریک ہے۔

یادداشت اسلام خدا کی بادشاہت کا بلند عقیدہ دنیا میں پیش کرتا ہے۔ کنفیوشس نے ۵۰۰ ق م میں کہا تھا۔ "خدا فرمانروائے اعظم ہے"۔ افلاطون الٰہی نے بھی ۳۰۰ ق م حکومتِ الٰہی کی طرف اپنا رجحان پیش کیا تھا لیکن کنفیوشس جلا وطن کر دیا گیا۔ افلاطون کو انسانی بادشاہوں نے ناکام بنا دیا۔ حضرت عیسیٰ اسلامی سلسلہ کے پیغمبر اور سردار تھے، انہوں نے اعلان کیا خدا کی بادشاہت آنے والی ہے مگر کلیسا نے ان کی طرف سے اعلان کر دیا جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو۔ اسلام کی "خدائی بادشاہت" ایک زندہ حقیقت ہے۔ خدا کی حکومت کے معنی یہ ہیں سب انسان برابر ہیں۔ خدا کا قانون سب کے لیے یکساں ہے انسان انسان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ خدا اپنے عرش سے سب کو اپنے احکام سناتا ہے "اچھے قوانین پر عمل کرو تمام برائیوں کو فنا کر دو"۔ تمام انسان اس حکم کو مان لیتے ہیں۔ اس میں کیا حرج ہے

مسیحی دور میں ظالم بادشاہوں نے اپنی شاہی کے وحشیانہ دور میں خدا کی بادشاہت کا نام لیا۔ یورپ کے سیاسی لوگوں نے اسے سراہا، لے بور نے کہا "سلطنت خدا کا سایہ ہے۔ ہالر (Haller) نے پلوٹارک کا جملہ نقل کیا "خدا پر ایمان کے بغیر مملکت کا قیام دشوار ہے۔ خدا تمام دنیا پر حکمران ہے[۲]۔ اوگسبرگ کا اقرار ۱۵۳۰ء فقرہ ۱۶۔ کہتا ہے "تمام قانونی نظم خدا کے حکم کا نتیجہ ہے"۔ انشٹال نے کہا "حکومت کا اقتدار خدا کا اقتدار ہے۔ بلمر کا عقیدہ ہے "قانون کی اصل خدا کی مرضی ہے۔ ایک اور مقولہ ہے "صرف خدا ہی حکمران ہے[۳]۔ (دیکھو بلنچلی)[۴]

قدیم توہم پرست مذہبی حکومتیں بھی اس تصور کو کسی نہ کسی شکل میں مانتی تھیں مگر حکمت عملی کو دیکھا جائے تو حکمراں خدا بن بیٹھے، بادشاہوں نے خدائی مرتبہ حاصل کر لیا۔ میروے میں قسیسوں کے خدائی اختیارات سے بادشاہ خودکشی کر لیتا تھا۔ مصر میں بھی قسیسوں کو یہی مہیب قوت حاصل تھی

---

[۱] زمانۂ انقلاب کی تاریخ ج ۱ ص ۲۱۴ [۲] سوانح عمری واشنگٹن اسپارکس ج ۲ تقریر پلوٹارک ۱۷۸۹ء
[۳] گینرو تصانیف (Menaires) ج ۲ ص ۲۳۷
[۴] دیکھو مندرجۂ بالا حوالوں کے لیے نظریہ سلطنت بلنچلی ص ۲۹۷-۳۱۴-۳۹۸-۴۴۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدیم ہندوستان کی بادشاہی میں خدائی موجود تھی۔ گشتاسپ کے زمانہ میں بھی بادشاہ خدائی اختیارات پر قابض تھا[۱]

یہ حکومتیں خدائی حکومتیں نہ تھیں کیونکہ ان کے دائرہ میں بادشاہ، قسیس، پروہت، برہمن اور دیوتا خدا کے خلاف بغاوت کر رہے تھے، اسلام کی حکومت راشدہ نے تمام ظالم، خودسر، وحشی انسانوں سے ظلم کی تلوار چھین لی، انہوں نے حکومتِ الٰہی کو صحیح معنی میں قائم کیا۔ صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے دنیا کے تاج اور تخت پر لات ماردی اور عام انسانوں کے برابر زمین پر بیٹھ کر اس طرح خدا کے حکم کی تعمیل کی جس کی مثال نہیں ملتی۔

۵۔ حکومت کے نام: دنیا کے تمام انسانوں کی طرح دنیا کی جملہ حکومتیں بھی اپنے ناموں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اسلامی حکومت بھی اپنے خاص اور اصطلاحی نام رکھتی ہے اور اس کو صرف انہی ناموں سے پکارا جا سکتا ہے، اس کے خاص خاص نام یہ ہیں:۔

ا۔ حکومتِ الٰہی (اللہ کی حکومت)

ب۔ امامتِ کبریٰ (عظیم الشان رہنمائی (قیادتِ عظمیٰ، زبردست لیڈرشپ)

ج۔ خلافتِ راشدہ (بہترین نیابتی حکومت)

۵۔ حکومت کے نام: دنیا کی مختلف قوموں نے حکومت اور سلطنت کے مختلف نام رکھے ہیں۔ یونانی سلطنت کو پولیس (Polis) شہر کہتے ہیں، رومی سیوٹاس (Civitas) بمعنی تمدن اور ریس پوبلکا (Raspublica) شاہی جمہوریہ کہتے تھے، جرمنوں نے اس کا نام رائش (Reich) سلطنت عظمیٰ اور انگریزوں نے دولت متحدہ کامن ویلتھ (Common wealth) تجویز کیا۔ اس کو لاطینی میں امپیریم (Imperium) اور انگریزی و فرانسیسی میں (Empire) قیصریت اور شہنشاہیت کا نام بھی دیا گیا ہے، صرف ریاست اسٹیٹ (State) بھی کہہ دیتے ہیں یہ مملکت کا عام نام ہے اور اس کے عام مفہوم کو ادا کرتا ہے ارسطو نے حکومت (مملکت) کو تین نام دیے۔ شاہی (Monarchi) حکومت امراء (اعیانی) (Arislocaroy)

۱؎ نظریہ سلطنت بلنچلی ج ۲ ص ۱۶ مذہبی حکومت ص ۳۶۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(نیابتی حکومت کی معراج)

۵۔ امارتِ شوریٰ (شوروی ریاستِ عامہ)

۵۔ ریاست عامّہ[1] (بااقتدار مرکزی ریاست، ہمہ گیر سیاسی ادارہ)

ان ناموں میں حکومتِ الٰہی کا نام سب سے زیادہ جلیل القدر ہے، اور سب پر حاوی ہے

دولت عامہ (پولیٹی (Polity

زمانہ حال میں سیاسی اوصاف کے لحاظ سے حکومت کو مندرجہ ذیل ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۔ شہنشاہی (Imperial) ۲۔ پارلیمنٹری حکومت (Parliamatary) ۳۔ جمہوری حکومت (Republic) ۴۔ آمریت (ڈکٹیٹر شپ (Dictatorship) ۵۔ اشتراکی سوویٹ سوشلسٹ جمہوریہ Soviet Socilistic Republic

۶۔ فاشی حکومت (Fascist Government

۷۔ نازی حکومت (Nazi Government)

یہ تمام نام اپنے اپنے جداگانہ مفہوم، طرزِ حکومت اور سیاسی حکمت عملی کو ظاہر کرتے ہیں ان کا مکمل مفہوم اسلامی حکومت کے مکمل مفہوم سے بالکل الگ ہے اس لیے ایک کو دوسرے کے نام سے یاد نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ کسی خاص وصف کی یکسانیت کی بنا پر باہمی مشابہت کا معمولی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ شوریٰ (استصواب رائے عامہ)

شوریٰ اسلامی حکومت کی اصل ہے، بلکہ شوریٰ ہی حکومت ہے (وامرھم شوریٰ بینھم)

اسلامی حکومت پہلا ادارہ ہے جس نے شاہی کو ختم کرکے استصوابِ رائے عام

۶۔ جمہوری پارلیمنٹ (ایوان نمائندگان جمہور)

دورِ جدید کے جمہوری ایوان، شاہی درباروں سے افضل ہیں۔ انہوں نے قابلِ تعریف طریقہ پر شخصِ واحد کی بادشاہی کو ختم کرکے مرضیٔ عامہ کی نمائندگی کا حق حاصل کیا ہے لیکن یہ تمام ایوان اسلامی شوریٰ کی طرح مجرد، مفید، کارآمد اور سادہ

---

[1] یہ نام علمائے قانون نے تجویز کیا ہے، درمختار ج ۱ ص ۱۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اصول جاری کیا اور بادشاہ کی جگہ عوام کے
انتخاب کردہ امام (قائدِ حکومت کو عطا کی۔ یہ
اولیت کا ایسا شرف ہے جو اسلامی حکومت
کو دنیا کی تمام جمہوریتوں (جمہوریہ فرانس، امریکہ،
جرمنی، سوئٹزرلینڈ، پارلیمنٹ انگلستان،
سویٹ اشتراکی یونین اور جمہوریہ چین) پر حاصل
ہے۔ شوریٰ پہلا عمومی ایوان ہے جو تمام قومی
ایوانوں پر فائق ہے۔

نہیں ہیں۔ جمہوری پارلیمنٹوں میں رائے عامہ
سونے چاندی کے ساتھ تلنے کے بعد اپنا
وزن پیدا کرتی ہے۔ ان میں سرمایہ دار حاکم ہیں
اور جمہور محکوم۔ جمہور معیارِ دولت کے مطابق
رائے تو دے سکتے ہیں مگر حکومت کی کرسی
پر جگہ نہیں حاصل کر سکتے۔ شوریٰ میں رائے
کا حصول اتنے سادہ طریقہ پر ہوتا ہے کہ اس کا
ذرا سا بار بھی غریب کی جیب پر نہیں ہوتا۔

یادداشت | اسلام کا شوریٰ اُس وقت وجود میں آیا جب مصر، چین، بابل، نینوی، یونان
روم کی پوری تاریخِ جمہوریت میں کسی جگہ جمہوریت موجود نہ تھی، قدیم حکومتوں میں مطلق بادشاہی
کارفرما تھی۔ یونان میں اکلیسا[1]، روم میں سینٹوریہ دو ایوان موجود تھے مگر بقول ملنچلی ایتھنز یونان میں
محض نام کی جمہوریت تھی۔ دراصل وہاں ایک شخص کی حکومت تھی۔ روما کی جمہوریت اعیانی تھی۔
سینٹوریہ میں امراء کا غلبہ تھا اور اس میں اعلیٰ طبقہ کی قطعی فوقیت تھی" اسلام کے شوروی تصور نے
یورپ کی شاہی جمہوریت پر ضرب رسید کی۔ دورِ جدید میں کچھ عمومیت پیدا ہوئی مگر ناکام رہی۔ جدید دور
کی جمہوریت میں دولتمند سب کچھ ہو سکتے ہیں، باقی محروم ہیں۔ عوام ووٹر ہیں اور امراء حکام۔

شوریٰ میں ہر شخص براہِ راست رائے دینے کا حق رکھتا ہے، مشورہ ایک حق ہے جس کے لیے
نہ ایوان کی شرط ہے نہ وقت ہے نہ سرمایہ کی نہ جائداد کی نہ نمائشی تعلیمی ڈگری کی نہ رنگ و نسل کی،
نہ ملک و قوم کی نہ ذات اور طبقہ کی، جمہوری ایوان میں ہر نکو کار غریب پہنچ سکتا ہے اور جب دولتمند
پہنچیگا اُس کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی طرح غریبوں کی سطح پر آنا پڑیگا۔ جب غریب ترقی کرینگے
حکومت اور حکام بھی ترقی کی طرف بڑھینگے۔

---

[1] اکلیسا میں چالاک لوگوں کی رائے چلتی تھی۔ دیکھو نظریۂ سلطنت ملنچلی ص ۴۵۸۔۴۶۰۔۴۶۱۔۴۶۲۔۴۷۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زنیوفوں یونانی نے لکھا ہے جمہوریت کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ بدکردار اچھے رہیں اور نکوکار پریشان ہوں۔
یہ بات آج کل جمہوریت کا خاص وصف ہے۔ شوریٰ اس کے خلاف چاہتا ہے، نکوکار اچھے رہیں اور بد کرداروں کو سزا دی جائے۔

ان فرقوں کے بعد شوریٰ شوریٰ ہے اور جمہوریت جمہوریت اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے بعد اسلام کی شوروی حکومت کو مطلق جمہوریت کا نام دینا کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔

۷۔ حکومت اور عمومیت (قومیت بین الاقوامیت اور انسانیت)" سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بنا انسانیت پر ہو" اسلامی حکومت دنیا کی پہلی حکومت ہے، جس نے اس منتہائے خیال کو پورا کرنے کے لیے اپنی حکومتِ راشدہ کی بُنیاد انسانیت پر رکھی ہے۔ اسلامی حکومت نہ قومیت پر مبنی ہے نہ بین الاقوامیت پر بلکہ ابتدا سے انسانیت اور عمومیت (Democracy) پر مبنی ہے۔

یہ حکومت اپنے کاموں میں مرضیِ عامہ، مساواتِ حقوق، آزادیِ ضمیر اور رسادگی کا بڑا خیال رکھتی ہے۔ جب تک ایک شخص بھی غریب ہے حکومت کا قائدِ اعظم سرمایہ دار حکومتوں کے سرمایہ دار صدر کی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتا اس میں عوام حکومت کا معیار ہیں عوام کے

۷۔ حکومت اور عمومیت (جمہوریت، عمومیت، انسانیت) دورِ جدید کی حکومت انسانیت کو سلطنت کا منتہائے سیاست سمجھنے سے انکار کرتی ہے۔ دورِ جدید کی حکومتیں یا تو قومی ہیں (جیسے انگلستان، جرمنی، جاپان، فرانس، اٹلی کی حکومتیں) یا بین الاقوامی ہیں جیسے جمہوریہ امریکہ یا سوویت یونین روس۔ یہ حکومتیں قوم متبوں کے وفاق سے بنی ہیں اور قوموں کی نام نہاد ہستی کو تسلیم کرتی ہیں۔ اگرچہ برائے نام بگران میں سے کوئی نا قابلِ تقسیم انسانیت اور بے واسطہ عمومیت کو نہیں مانتی۔ ان حکومتوں میں عام حقوق کا بہت ذکر رہتا ہے مگر غریب عوام کو ووٹ دینے کے علاوہ کسی حق کا پتہ نہیں ملتا۔ ان جمہوریتوں کے صدر اور غریب عوام میں اور حکام میں زمین و آسمان کا

۱؎ نظریۂ سلطنت (سلطنت کی عمومی صورتیں ص ۳، ۴ (کلیسا کی خصوصیت)

نظام حکومت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ساتھ حکومت کا معیار ترقی کرتاہے اور اسی کے ساتھ اس حکومت کا معیار بلند ہوسکتا ہے۔

فرق ہوتا ہے اور یہی فرق اس امر کی دلیل ہے کہ دور جدید کی جمہوریت ابھی عمومیت اور انسانیت سے دور ہے۔

یادداشت سادگی، عمومیت اور انسانیت اسلامی حکومت کا بنیادی اصول ہے۔ اس حکومت میں وہ تمام باتیں ناجائز ہیں۔ جن کا مظاہرہ غریب عوام کے مقابلہ میں سرمایہ دار جمہوریتوں کا طغرائے امتیاز ہیں، ضرورت سے زیادہ سرمایہ اندوزی، سودی لین دین، امیرانہ عیش، آرام، نمائش ہر چیز خلاف قانون ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے براہ راست انسان کو خطاب کیا ہے۔ اسلامی حکومت دنیا کی سب سے بڑی پارلیمنٹ ہے، عمومیت کا سب سے بڑا ایوان ہے۔ اس میں محمد عربی کے ساتھ بلال حبشی، صہیب رومی سلمان فارسی بھی نظر آتے ہیں اور ابوبکر مکی اور سعد بن معاذ مدنی بھی۔ یہ وہ عمومیت ہے جس کا اظہار صدیوں تک دورِ جدید کے جمہوری ایوان میں نہیں ہوسکتا۔ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے عمومیت اور سادگی کا جو معیار پیش کیا اُس کا اظہار سوویٹ یونین کے صدر، قصر کریملن کے مکین اور زار روس کے جانشین اسٹالن سے بھی نہ ہوسکا۔

۸۔ **خلافت (نیابتی حکومت)** اسلامی حکومت اصلاً انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے،[1] اصل حاکم خدا ہے انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت در حکومت کے اصول پر مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی پورا کرتا ہے۔

۸۔ **خلافت (نیابت سیاسی)** دورِ جدید کی کوئی حکومت معیارِ خلافت کو تسلیم نہیں کرتی حالانکہ اسلامی حکومت کی یہی وہ خصوصیت ہے جس نے اس طرزِ حکومت کو دنیا کی جدید تنظیمات سے الگ کر دیا ہے۔

یادداشت خلافت کا اصول خدا کی نیابت کے مقدس نظریہ پر مبنی ہے۔ مسلمان دنیا میں پہلی قوم ہیں جنہوں نے مکمل صبر، برداشت اور رضا کے ساتھ ہر حال میں خدا اور خدا کے قانون کی اطاعت کی ہے۔ خلافت کا تصور اُن کو یاد دلاتا ہے کہ وہ حکومت کو اپنی اصل شئے سمجھ کر مغرور نہ ہوں بلکہ خدا کے حکم کا لحاظ

[1] مفردات امام راغب (خلف)، النہایۃ ج ۲ ص ۳۴۱ ۔ مجمع البحار (خلف) ص، ۳۶ (طبع نولکشور لکھنؤ

www.KitaboSunnat.com

برعکس۔ چونکہ خدا کا قانون انسان کی بہتری اور تعمیر و ترقی کے اعلیٰ منہاج پر مبنی ہے اس لیے خلافت میں وہ تمام باتیں ناممکن ہیں جو موجودہ حکومتوں میں عام ہیں اور انسانی قانون کے نت نئے تغیرات کا لازمی نتیجہ ہیں۔ ظلم، قتل، عدالتوں کی بے انصافی، رشوت، بیکاری، بیماری، ناداری، غربت، فاقہ کشی، انفرادی غلامی، سیاسی غلامی۔ یہ سب باتیں اس امر کا نتیجہ ہیں کہ انسان سیاسی نیابت کے درجہ کو چھوڑ کر فریب خوردگی کے ساتھ خود حاکم بن بیٹھا۔

۹۔ رُشد (نکوکاری) اسلامی حکومت[1]
حکومتِ راشدہ ہے ایک ایسی حکومت جس کا اصول نکوکاری ہے۔ لفظ رُشد حکومت کے انتہائی اعلیٰ معیارِ حسن و خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن اور مملکت کے عوام کا نکوکار ہونا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت کو خلافتِ راشدہ اور اس کے برگزیدہ کارکنوں کو خلفاء راشدین کا لقب حاصل ہے۔

۹۔ رُشد (نکوکاری) دورِ جدید کی حکومت نکوکاری اور رُشد سے منکر ہے[2]۔ اس حکومت نے اپنے رجحانِ بدکاری کی وجہ سے نکوکاری کے تمام قوانین کو ترک کر دیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس حکومت میں تمام حرام کاریاں، (زنا، شراب، جوا، سود، گناہوں کی نمائش) ہر شے جواز کا جامہ پہنے ہوئے ہیں۔ اسلامی حکومت ان باتوں کو ایک لمحہ کے لیے برداشت نہیں کر سکتی خواہ اُس کا تعلق حکومت کی عیاشی سے ہو یا عوام کی بدکاری سے

اسلامی حکومت اور اشتراکیت کے خاص خاص فرق

۱۔ اسلام ایک مذہب ہے اور اسلامی حکومت

۱۔ اشتراکیت ایک مسلک ہے اور اشتراکی

---

[1] مفردات امام راغب (رُشد) الرُّشد خلاف الغیّ۔ ہر وہ شخص جو حکومت کے دائرہ میں خلافتِ راشدہ کے طرز پر عمل پیرا ہوگا۔ خلیفۂ راشد اور خلافتِ راشدہ کے لقب کا مستحق ہوگا۔ النہایۃ فی غریب الحدیث ج ۲ (رشد) ص ۷۱، ۷۲، مجمع البحار ج ۲ ص ۱۰، کلیات ابوالبقاء حنفی ص ۳۵۲ (الرشد)

[2] زینوفون کہتا ہے: جمہوریت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بدکردار اچھے رہیں اور نکوکار پریشان۔ دورِ جدید کی حکومت اسی نتیجہ پر عامل ہے اور اس کا مظاہرہ تمام دنیا میں ہو رہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مذہبی نظام ہے[1]۔	حکومت ایک معاشی نظام (الحاد) ہے[2]۔
۲۔ اسلام کا موضوعِ اصلی روح[3] ہے اور مادہ اس کے تابع ہے۔	۲۔ اشتراکیت کا موضوع خالص مادی ہے اور وہ روح کے حقائق سے انکار کرتی ہے۔
۳۔ اسلامی حکومت مذہب کی داعی ہے۔	۳۔ اشتراکی فلسفہ مذہب کا منکر ہے۔
۴۔ اسلامی حکومت مذہب کے فطری قوانین کو انسان کی بہتری کے لیے اٹل قرار دیتی ہے۔	۴۔ اشتراکیت، مذہب، اخلاق اور ابدی صداقتوں کو ختم کردیتی ہے اور انہیں جدید بنیاد پر بھی استوار نہیں کرتی۔
۵۔ اسلامی حکومت دنیا کو مجموعۂ اضداد[4] کہتی ہے۔ یہاں ایک چیز حق ہے اور دوسری باطل۔ دونوں کا تصادم ناگزیر ہے۔ فرد اور جماعت کو حق کا ساتھ دینا چاہیے۔ باطل کو حق بنا دینا چاہیے یا اس کو ختم کر دینا چاہیے[5]۔	۵۔ اشتراکیت دنیا کو مجموعۂ اضداد کہتی ہے۔ ہر چیز دوسرے کی ضد ہے دو ضدوں کے تصادم سے ایک نئی چیز (ترقی) پیدا ہوتی ہے جیسے سرمایہ اور محنت کے تصادم سے تیسری چیز اشتراکیت پیدا ہو گئی ہیگل فلسفۂ اضداد کو تصوری مانتا ہے اور کارل مارکس وجودی یعنی یہ کہ ضدیں اور ان کا تصادم اصلاً مادی موجودات میں ہوتا ہے۔
۶۔ اسلامی حکومت اپنی اصل سے شوریٰ پر مبنی ہے	۶۔ اشتراکی حکومت بہ لحاظِ انتظام شوروی ہے۔

[1] قرآن حکیم ان الدین عند اللہ الاسلام ۔ الدین النصیحۃ ۔ الدین یسر (الحدیث)

[2] سوشلزم کی بنیادی حقیقت کارل ڈیل "اجتماعی نظام کو اشتراکی اقتصادی پنچایت کہنا چاہیے" تقریر ص ۵۹ سوویٹ روس کی آزاد قومیں۔ سجاد ظہیر "ایک اشتراکی نظام معیشت کی بنیاد رکھی گئی" پیش لفظ ص ۶ کمیونسٹ مینفسٹو ص ۴۲

[3] الروح من امر ربی (قرآن حکیم) لکم فی الارض مستقر و متاع الخ قرآن حکیم۔

[4] قرآن حکیم میں جابجا اضداد کا ذکر ہے۔ فرشتہ، شیطان، نیکی، برائی، حق، ناحق، انصاف، بے انصافی، اطاعت، طغیان، محنت، سرمایہ داری، توحید اور تفریق [5] کمیونسٹ مینی فسٹو ۲ کوچک بورژوا اشتراکیت ص ۴۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ اسلامی حکومت خدائے واحد کے نام پر ساری دنیا کو فتح کرکے ایک نظام میں لانا چاہتی ہے۔

۷۔ اشتراکی حکومت تمام دنیا کے مزدوروں اور غریبوں کے لیے دنیا کو مسخر کرنا چاہتی ہے

۸۔ اسلام کا کوئی وطن نہیں۔ یہ دنیا تمام مساوی حق رکھنے والے انسانوں کا وطنِ اکبر ہے۔

۸۔ اشتراکی مزدوروں کا بھی کوئی وطن نہیں ہے۔

۹۔ اسلامی حکومت کے مطمحِ نظر اور پروگرام کا مخاطب انسان ہے نہ قوم نہ اقوام، نہ طبقے نہ ذاتیں۔

۹۔ اشتراکی حکومت دنیا کو دو طبقوں میں تقسیم کرکے ایک کو بناتی ہے دوسرے کو مٹاتی ہے اور انسان کی جگہ آزاد اقوام اور ان کے مزدوروں کا نام لیتی ہے۔

۱۰۔ اسلام سرمایہ داری اور سرمایہ اندوزی کے خلاف ہے[1]۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے (جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں) جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے، اُس کو دائر و سائر رکھنا چاہتی ہے مگر اس کام کو قانونی طریقہ پر عام خوش دلی، عدل اور اعتدال کے ساتھ کرتی ہے[2]۔

۱۰۔ اشتراکیت سرمایہ داری اور سرمایہ اندوزی کے یکسر خلاف ہے۔ اشتراکی حکومت اپنے حلقۂ اتحاد میں اور اپنے ہم مسلک افراد میں سرمایہ کی مساوی تقسیم کا حکم دیتی ہے اور اس حکم پر تلوار کی قوت سے عمل کراتی ہے[3]۔

۱۱۔ اسلامی حکومت ان لوگوں سے روپیہ لیتی ہے جن کے پاس بہت کچھ مال ہے، اور اُن لوگوں کو دیتی ہے جن کے پاس کچھ

۱۱۔ اشتراکی حکومت ان لوگوں کا سرمایہ ضبط کرلیتی ہے جن کے پاس کچھ بھی سرمایہ ہے اور ان لوگوں میں تقسیم کردیتی ہے جن کے

---

[1] رب کعبہ کی قسم جو سب سے زیادہ سرمایہ دار ہیں وہی سب سے زیادہ خسارہ میں ہیں الخ عن ابی ذر (الحدیث) اخرجہ الخمسۃ الا ابا داؤد ہر اُمت کے لیے ایک فتنہ ہے میری اُمت کا فتنہ مال ہے الخ عن کعب بن عیاض (الحدیث) الترمذی۔ تیسیر الوصول علامہ شیبانی ج ۱ ص ۸۰۔۸۲ (ذم المال) [2] کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء دولت سرمایہ داروں میں قید ہوکر نہ رہ جائے (قرآن حکیم، حشر)۔

[3] سرمایہ دارانہ نظام کی تباہی یقینی چیز ہے۔ سرمایہ داری (ملک) ص ۶۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے[1]۔	ہاتھ خالی ہیں۔
۱۲۔ اسلامی حکومت محدود شخصی ملکیت کو جائز سمجھتی ہے۔ مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے[2]۔ زائد سرمایہ کے لیے ملّی بیت المال قائم کرتی ہے اس میں سب کا اشتراک تسلیم کرتی ہے، اور اس سرمایہ کی تقسیم سے سرمایہ و غربت کے درمیان توازن اور مساوات کو بحال رکھتی ہے[3]۔	۱۲۔ اشتراکیت میں شخصی ملکیت سب سے بڑا فساد ہے[4]۔ اور قانوناً ناجائز۔ ہر سرمایہ اور ہر پیداوار (سرمایہ کا ہر حصہ) اجتماعی ملک ہے، تمام سرمایہ حکومت کی امانت میں رہتا ہے اور اشتراکی بیت المال میں جمع ہوتا ہے اس سرمایہ میں سب کا اشتراک ہے اور سب کو اس سے برابر کا حصہ ملتا ہے[5]۔

یادداشت اسلامی حکومت اور اشتراکیت کے ان خاص خاص فرقوں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے ایک کو کس حد تک دوسرے کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اسلام اشتراکیت ہے؟ اشتراکیت اسلام ہے؟ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اشتراکیت کے مادی خمیر میں اگر کوئی روحانیت موجود ہے تو اسلام اس کا اثر اپنے دل میں محسوس کرتا ہے! اشتراکیت نے مذہب کو ظالم سمجھا، اس کی سمجھ کا نقطہ عیسائی مذہب[6] تھا، اس نے مذہب کے خلاف تلوار اٹھائی اور اس میں اسلام کو بھی شامل کر لیا یہ اس کی قابلِ رحم اور لائق اصلاح بے خبری تھی[7]۔

[1] "اشتراکیت ان تمام جماعتوں کی رہنمائی کرتی ہے جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے" لینن، کارل مارکس۔ باری ص
[2] لکم رؤس اموالکم [3] عہد نبویؐ، عہد صدیقیؓ، عہد فاروقیؓ میں یہی قانونی تعامل تھا۔ قرآن حکیم۔ سواء للسائلین بحر المحیط ابو حیان اندلسی ج، ص ۴۸۶ روح المعانی ج ۲۴ ص ۹۰ تفسیر الجواہر جوہری ج ۱۹ الناس شرکاء۔ مجمع البحار (ضمنی حوالہ ص ۱۸۹) [4] اشتراکیت ملکیت کو ختم کر دینا چاہتی ہے۔ کمیونسٹ مینی فسٹو ص ۳۹ [5] مکتوب کارل مارکس ۱۸۵۲ء کارل مارکس، باری ص ۶۱۔
[6] خدا، کلیسا اور روح القدس کے نام پر مزدوروں کی اجرت میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ کارل مارکس ص ۱۱ مسیحی اشتراکیت ایک ایسا مقدس پانی ہے جس سے پادری امیروں کے دل کی آگ بجھاتا ہے۔ پادری اور جاگیردار کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ مینی فسٹو ص ۴۶۔
[7] اشتراکیت کو آج بھی معلوم نہیں کہ اسلام دنیا میں غریبوں کا واحد مذہب ہے۔ مشکوٰۃ ص ۴۴۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی حکومت اور اشتراکی حکومت میں سب سے پہلی جنگ فلسفہ کی جنگ ہے۔ اسلامی حکومت کا بنیادی نظریہ علیحدہ ہے اور اشتراکی حکومت کا فلسفہ الگ۔ جب تک اشتراکیت، مذہب اور اس کے قوانین کی منکر ہے اس وقت تک دونوں حکومتیں اس جنگ سے دست بردار نہیں ہو سکتیں۔ مادہ اور مادی پیداوار اخلاق کے تابع اور روحانی عوامل سے وابستہ ہے۔ سب انسان برابر ہیں[1]۔ اجتماعی پیداوار اجتماعی ملک ہے[2]۔ ہر انسان کو روٹی پانی کپڑا مکان ملنا چاہیے[3]۔ حکومت کے عہدیداروں کا معاشی حق فرد جمہور کے برابر ہے[4]۔ یہ سب اصول سب سے پہلے مذہب و اخلاق ہی نے پیش کیے ہیں۔ اگر یہ دونوں نہ ہوں تو انسان کا پیٹ بھر جائیگا روح کبھی مطمئن نہیں ہوگی۔

خدا نے انسانوں کو حق دیا ہے کہ غریب محنت کرے اور اپنی محنت کا مالک ہو اگر معاشی فساد کی وجہ سے ملی بیت المال قائم کیا جانا ضروری ہو اور اجتماعی محنت، اجتماعی سرمایہ اور برابر کی تقسیم ہی انسانی مصائب کا واحد علاج ہے تو یہ کام شوری انسانوں کی سب سے بڑی پارلیمنٹ طلب کر کے قانونی ذرائع سے مرضی عامہ کے مطابق کرنا چاہیے، افراد اپنی مرضی سے اپنی محنت کے حاصلات کو ملی بیت المال کی امانت میں دے سکتے ہیں اور حق کے مطابق لے سکتے ہیں۔ اس کے بغیر لوگوں کی محنت اور پیداوار کو ایک بڑی سرمایہ دار (حکومت) کے ہاتھ میں دینا اور ایک حاکم مطلق کے سپرد کرنا انصاف نہیں زیادتی ہے، اشتراک نہیں جبر ہے۔ مساوات نہیں اضداد کا مجموعہ ہے جس سے ترقی کی جگہ تنزل ہوگا اور جسے اسلام کا قانون پسند نہیں کرتا۔ اسلام سرمایہ کی جمع آوری اور سرمایہ کو ایک طبقہ میں محدود کرنے کے خلاف ہے۔ وہ اپنے نظام اقتصادی زکوٰۃ، صدقات، امداد، خیرات، محاصل، بیت المال کی امداد سے عام ضروریات کی حد تک سرمایہ کی مساوی تقسیم کا حامی ہے۔ اور فاسد سرمایہ داری کو ختم کرتا ہے

---

[1] تمام انسان ایک باپ آدم کی اولاد ہیں (ترمذی، مشکوٰۃ باب المفاخرہ۔ ص ۴۱۶)

[2] خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ زمین کی پیداوار سب کی ملک مشترک ہے۔ قرآن حکیم بتشریح شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، ابتداء الادلہ ص ۳۶۸ قضاء قاضی۔

[3] حقوق انسان، حدیث ترمذی، عن عثمان۔ التاج الجامع للاصول، ازہری ج ۵ ص ۱۷۷۔

[4] دیکھو صدیق اکبر و فاروق اعظم کا تعامل۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی حکومت کش غریبوں کو امیروں سے افضل سمجھتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اشتراکیت کی تمام خوبیاں اسلام میں موجود ہیں اور تمام خرابیاں اُس سے خارج ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اشتراکی انقلاب ایک ایسے عالمگیر انقلاب کا پیش خیمہ ہو جس کو اسلام برپا کرنا چاہتا ہے۔

اسلامی حکومت اور جمہوری حکومت کے خاص خاص فرق

اسلامی حکومت	جمہوری حکومت
۱۔ اسلامی حکومت کے لیے مذہب بنیادی قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ اسلامی حکومت مذہب اسلام کو عام انسانی فائدے کے لیے تمام انسانوں کا مطمحِ نظر بنانے پر زور دیتی ہے[1] لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والے افراد کو عقیدہ کی آزادی کا حق بھی دیتی ہے[2]	۱۔ جمہوری حکومت کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا ہے[3] جمہوری حکومت نہ مذہبی ہے اور نہ مذہب کی دشمن۔ ہر جمہوریت اپنے جمہور کو عقیدہ اور عمل کی آزادی کا پورا پورا حق دیتی ہے[4]
۲۔ اسلامی حکومت میں امام ہوتا ہے، اُمت ہوتی ہے، قانون کے علمبردار انسان ہوتے ہیں، بادشاہ نہیں ہوتا۔ تاج تخت اور ایوان شاہی نہیں ہوتا، ولیعہد نہیں ہوتا، شاہی شہزادے اور ان کا موروثی حق نہیں ہوتا[5]	۲۔ جمہوری حکومت کا صدر ہوتا ہے۔ ملکی حدود کے اندر ایک قوم ہوتی ہے، جمہور شہری ہوتے ہیں، بادشاہ، تاج و تخت، ولیعہد، شاہی شہزادے اور ان کا موروثی حق نہیں ہوتا۔ آخری بات میں جمہوری حکومت اسلامی حکومت کی مقلد ہے۔ کیونکہ

[1] فرمان نبویؐ یا ایہا الناس قولوا معی لا الہ الا اللہ وان تفلحوا" [2] لا اکراہ فی الدین [3] دنیا کی تمام جمہوریتوں نے مذہب کی حاکمیت قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اسے دستور اساسی میں سے حذف کر دیا ہے۔ [4] تمام جمہوریتوں کی حکمت عملی اسی اصول پر مبنی ہے [5] عہد نبویؐ سے لے کر عہد علیؓ تک تمام قانونی احکام روایات، سیاسی تعامل اس پر گواہ ہیں اسلام میں شاہی کا احیا یزید سے ہوا، اس زمانہ کی شاہی ایک یزیدی روایت ہے جس کو اسلام کے قانون سے کوئی تعلق نہیں۔ [6] دیکھو انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء۔ جمہوریت امریکہ ——— جمہوریہ سوئٹزرلینڈ ۱۷۹۸ء جمہوریہ روس ۱۹۱۷ء۔ جمہوریہ ترکی ۱۹۲۳ء جمہوریہ چین ۱۹۱۱ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

	اسلامی حکومت جمہوری حکومت کی پیشرو ہے۔
۳۔ اسلامی حکومت امامت، خلافت اور امارتِ شوریٰ کا نام ہے۔ اس حکومت میں خدا کی مرضی اصل ہے، جمہور کا اختیار منجانب اللہ ہے اور نیابتی ذمہ داری کے طور پر ہے۔ حاکم کا سرچشمہ "اللہ" ہے، رائے عامہ اسی کے زیر سایہ کام کرتی ہے۔	۳۔ جمہوری حکومت نام ہے جمہور کی حکومت کا جمہوریت میں حکم کا سرچشمہ مرضی جمہور ہے جمہور اپنی حکومت نظامِ حکومت، قانونِ حکومت سب کچھ خود بناتے ہیں اور خدا کے حکم کی پروا نہیں کرتے، جمہور حکومت بنا سکتے ہیں اور ہر نظامِ حکومت کو بدل بھی سکتے ہیں[1]۔
۴۔ اسلامی حکومت میں اُمت کا ہر فرد حکومت کی ذمہ داریوں میں براہِ راست شریک ہے۔ ہر شخص شوریٰ میں بذاتِ خود پہنچ کر ارکانِ حکومت کے سامنے رائے پیش کر سکتا ہے[2]۔	۴۔ جمہوری حکومت میں جمہور صرف ووٹ دیتے ہیں اور اپنے نمایندوں کے ذریعہ حکومت کے کام میں شرکت کرتے ہیں۔ اصل جمہور نہ حکومت کی کرسی تک پہنچ سکتے ہیں، نہ جمہوری ایوان میں داخل ہو سکتے ہیں[3]۔
۵۔ اسلامی حکومت کا امام طاقتور ہوتا ہے عام حالات میں اس کے حکم سے دنیا ادھر سے اُدھر ہو جاتی ہے، اس کا ہر فیصلہ قانونِ اسلام کے مطابق ہونا چاہیے۔ خاص حالات میں اسے شوریٰ کے فیصلے کو اپنا فیصلہ سمجھنا چاہیے، اس کے بعد اس کا ایک اشارہ کافی ہے جمہور اس کی اطاعت کرینگے، ورنہ باغی طاغی سمجھے جائینگے۔	۵۔ جمہوریت کا مرکز کمزور ہوتا ہے، صدر کو جمہوری ایوان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اگر جمہور خلاف قانون بھی کسی فیصلہ پر جمع ہو جائیں تو حکومت اُلٹ جاتی ہے۔ حالات عام ہوں یا خاص حکومت کے کاموں کی رفتار سست رہتی ہے۔ جمہور بے لگام آزادی کی وجہ سے ہر وقت مرکز کو پارہ پارہ کرنے اور مرکز سے جدا ہونے کے

[1] عربک انسائیکلوپیڈیا بستانی ج ۸ ص ۲۳۲۔ دائرۃ المعارف وجدی ج ۳ ص ۱۰۲
[2] زیر نظر کتاب میں شوریٰ کا عنوان دیکھیے۔ [3] نظریہ سلطنت سجے کے ملینجلی م ۲۳ ص ۴۸۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے تیار رہتے ہیں۔

۷۔ اسلامی حکومت کا امیر اُمت کا سب سے بڑا رہنما اور سب سے اعلیٰ ماہرِ قانون فرد ہوتا ہے اور زندگی بھر رہنمائے حکومت (امام) رہتا ہے۔ صرف دو شرطوں کے ساتھ اللہ کے قانون پر عامل رہے۔ خدا کے فرمانبردار جمہور کی مرضیِ عامہ اس کی حامی ہو[1]۔	۷۔ جمہوریت کا صدر جمہوری ایوان کی طرح وقت مقررہ کے لیے ہوتا ہے اور تاریخ مقررہ پر اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو جاتا ہے صدر ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ قوم کا سب سے اچھا فرد ہو اور قانون کا فرمانبردار بھی صرف ووٹوں کی اکثریت شرط ہے[2]۔

یادداشت بادشاہی میں حکومت کی باگ ایک ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اعیانی میں امیر طبقہ کے چند قابو یافتہ افراد کے ہاتھ میں۔ اور جمہوریت میں عوام کے ہاتھوں میں رہتی ہے۔ اس کا ہر حکم بہت سی زبانوں سے نکلتا ہے مگر اس طرح جیسے کہ ایک زبان سے ادا ہو رہا ہے[3]۔

یہ ہے جمہوریت، سوال ہے کہ جمہوریت کیا ہے۔ تاریخ میں اس کا نام موجود ہے روح موجود نہیں جمہوریت اسپارٹا (سنہ ۹۰۰ ق م) کے اٹھائیس رکن تھے اور اونچے طبقے کی جمہوریہ وینس سنہ ق م کا ڈوچے (صدر) مطلق العنان بادشاہ کی مانند تھا۔ روم و یونان کی جمہوریتیں بھی عجیب تھیں۔ ان کے سر پر بادشاہ بھی تھے اور بلند طبقہ کے سرمایہ دار اعیان بھی۔ زمانۂ حال کی جمہوریت کو اس زمانہ کے جمہور بھی جانتے ہیں[4]۔ بادشاہت سے ہزار درجہ اچھی ہے، مگر جمہور رائے دہی (ووٹ) کے قید خانہ میں سیاسی قیدیوں کی مانند ہیں، جن کا نام جمہور ہے۔ ان میں سے کوئی صدر جمہوریہ کی کرسی پر نہیں آ سکتا۔ ووٹ روپیہ کو ملتا ہے۔ غریب طبقہ کتنا ہی قابل ہو جمہوری ایوان کے قابل نہیں ہوتا۔

---

[1] دیکھو اسد الغابہ، ذکر خلفاء راشدین۔
[2] مبادی سیاسیات پروفیسر ہارون شروانی جامعہ عثمانیہ ۱۹ ب ص ۲۴۷ (جماعت عاملہ۔ جمہوریہ)
[3] انسائیکلوپیڈیا بستانی ج ۸ ص ۲۲۳
[4] مندرجہ بالا حوالوں کے علاوہ دیکھو ریاست افلاطون ص ۴۹۸ (ذکر جمہوریہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہی میں ایک کا شکنجہ تھا، اعیانی میں چند اعیان کا جمہوری میں چند سے زیادہ چالاک دولتمند اور زبان دراز مدبروں کا شکنجہ ہوتا ہے۔ جمہور آج بھی بھوکے ننگے، بیکار، بیمار اور نادار ہیں، ذلیل ہیں۔ پسماندہ ہیں اور غلام ہیں۔

اسلام آیا، اس نے شاہی محل گرایا، دربار توڑا، تاج چھینا، تخت اُٹھا، بادشاہ کو ختم کیا، ولیعہد کا نام مٹایا۔ اور جمہور کی مرضی پر خدائی جمہوریت قائم کی۔ اس حکومت کا امیر غریب بن کر رہتا تھا اور جب جمہور کا آخری فرد کھانا کھا لیتا تھا اُس وقت سوتا تھا۔ جمہوریت کے قول اور عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلامی حکومت کا جو قانون ہے وہی قانونی حکمت عملی ہے۔ جو بات امیر کے لیے جرم ہو وہی عوام کے لیے جرم ہو، امیر امیر نہیں، غریب غریب نہیں۔ جو امر خلافِ قانون ہو وہ سب کے لیے ہے۔ انصاف انصاف ہو، ظلم ظلم۔ رشوت رشوت ہو۔ اسلامی حکومت میں ہر قانون حقیقی ہے۔ جمہوریت میں ہر قانون جعلی ہے۔

اسلامی حکومت	فاشی اور نازی نظام
۱۔ اسلام کا تصورِ حکومت انسانیت پر مبنی ہے۔ اس کی رو سے حکومت ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے جس میں تمام انسان برابر کے حقدار ہیں۔	۱۔ فاشی اور آمری نظام کی بنیاد ایک خاص قوم اور نسل کی برتری پر موقوف ہے حکمران طبقہ اور نسل دوسرے تمام طبقوں اور نسلوں سے افضل ہوتا ہے۔
۲۔ اسلامی حکومت میں اختیارِ مطلق کا مرکز خدا کی بالادست ہستی ہے۔	۲۔ فاشی اور نازی نظام میں حکومت کا سردار آمرِ مطلق (ڈکٹیٹر) ہوتا ہے۔
۳۔ اسلامی حکومت میں اعلیٰ رہنمائی کے اوصاف ہوتے ہیں اور صدرِ حکومت کو رہنمائے حکومت (امام) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔	۳۔ فاشی اور نازی نظام میں رہنمائی کی قوت کام کرتی ہے اور حکومت کے صدر کو اٹلی میں ڈوچے (رہنما) جرمنی میں فیوہرر (رہنما) کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ اسلامی حکومت میں آزادی کا درجہ قانون کے بعد ہے اور قانون اللہ کی کتاب ہے

۴۔ فاشی اور نازی آمریت میں آزادی کا درجہ قانون کے بعد ہے اور قانون ڈکٹیٹر کا حکم ہے

۵۔ اسلامی حکومت کا امیر تاحیات عہدہ پر رہتا ہے اور مرکزی طاقت کا مالک ہوتا ہے۔

۵۔ فاشی اور نازی نظام میں بھی لیڈر تاحیات رہتا ہے۔ اس کی ہستی میں جبار قسم کی مرکزی طاقت ہوتی ہے۔

۶۔ اسلامی حکومت کا مرکز طاقتور ہوتا ہے مگر شوریٰ کی طاقت زندہ رہتی ہے حکومت کا کام جمہور کی مرضی سے ہوتا ہے۔ جبرِ مطلق سے نہیں ہوتا۔ ہر انسان حکمبردار بن کر ہر وقت قائدِ حکومت کو مشورہ دے سکتا ہے اور اس کے بعد زندہ رہ سکتا ہے۔

۶۔ آمری نظام میں مرکزِ حکومت زبردست طاقت کا مالک ہوتا ہے حکومت کے کام میں جمہور کی مرضی سے زیادہ حکومت کی مرضی کو دخل ہوتا ہے حکومت مملکت کے فائدے کے لیے جو پالیسی اختیار کرتی ہے انسان اس کے خلاف رائے دے کر کہیں پناہ نہیں حاصل کر سکتا۔

۷۔ اسلامی حکومت عوام کی اخلاقی، روحانی اور مادی ضرورتوں کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔

۷۔ نازی اور فاشی نظام اپنے قلمرو میں عوام کی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے پر بہت زور دیتا ہے۔ روحانی ضرورتوں سے تعلق نہیں رکھتا

۸۔ اسلامی حکومت برابر کے انسانوں کا اور دنیا بھر کے غریبوں کا شیرازہ بند نظام ہے

۸۔ نازی اور فاشی نظام میں اونچی طبقہ اور اعلیٰ نسل کے انسان حاکم ہوتے ہیں اور عوام محکوم۔

یادداشت: آمریت (فاشی اور نازی ڈکٹیٹر شپ) دورِ جدید کی جمہوریت کی ایک نئی قسم ہے۔ درحقیقت یہ نظامِ افلاطون کی حکومتِ خواص اور ارسطو کی اعیانی ارسطوکریسی طرزِ حکومت کا نیا نقشہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانہ بدلا، اس کے آب و رنگ بھی بدل گئے۔ سب سے پہلے کارل مارکس نے ۱۸۵۲ء میں ایک دوست کے خط میں غریبوں کی پرولتاری ڈکٹیٹر شپ آمریت کا ذکر کیا۔ اور ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے روس میں اس ڈکٹیٹر شپ کی بُنیاد رکھ دی ۱۹۲۲ء میں مسولینی نے روم پر کامیاب دھاوا بولا اور فاشی آمریت کی بُنیاد رکھی۔ ۳۰ جنوری ۱۹۳۳ء کو ہٹلر نے جمہوریہ جرمنی کے بوڑھے صدر جنرل ہنڈنبرگ کے ہاتھوں سے حکومت کی زمام اپنی مٹھی میں لی اور نازی ڈکٹیٹر شپ کی بُنیاد رکھی۔ ڈکٹیٹری حکومتوں میں ایک بات یہ ہوتی ہے کہ حکومت کی طاقت قوم کی طاقت سے فائق ہے۔ وہ نہ مخالف رائے کو گوارا کرتی ہیں نہ مخالف پارٹی کو۔ اسلامی حکومت میں پارٹی ایک ہی ہوتی ہے کوئی مخالف جماعت نہیں ہوتی۔ مگر مخالف رائے مشورہ ضرور سُنا جاتا ہے۔ ایک جگہ قوم کی ہستی اپنے قائدِ مطلق کی ذات میں مرکوز ہو جاتی ہے۔ دوسری جگہ اُمت اور قائدِ امت دونوں ایک سطح پر موجود رہتے ہیں فاشی نظام میں سینٹ ایوان کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ اسلامی نظامِ شوریٰ اہم ترین معاملات میں قائدِ حکومت کی زبردست رہنمائی کرتا ہے۔[1]

۱۔ اسلامی حکومت کا اصل حکمراں خدا ہے، اُمت خدائی اقتدار کا مظہر ہے اور امام (قائد حکومت) اُمت کی عظمت اور غلبہ کا نمائندہ اور پیکر ہے۔

۱۔ پارلیمنٹری حکومت کا اصل حکمران قانونی بادشاہ ہے جو سلطنت کی آئینی عظمت کا مجسمہ مانا جاتا ہے اور اس میں نام کی حد تک سلطنت کی اعلیٰ ترین قوت جمع ہو جاتی ہے۔

۲۔ اسلامی حکومت میں بادشاہ، تاج، تخت اور ولیعہد نہیں ہوتا۔

۲۔ پارلیمنٹری حکومت میں بادشاہ، تاج، تخت اور ولیعہد ہوتا ہے مگر برائے نام۔

۳۔ اسلامی حکومت ایک مکمل تحریری قانون کی پابند ہے جو اٹل ہے۔

۳۔ پارلیمنٹری حکومت کے لیے قلمبند دستور ہونا ضروری نہیں۔ پارلیمنٹ قانون

[1] ریاست افلاطون کتاب ۸ ص ۴۸۷۔ ۴۹۴۔ مبادی سیاسیات آمری کابینہ ب۱۷ ص ۳۵۶ (عامہ) ص ۳۴،۴ (جرمنی) تمثیلات فریق بندی ب۱ ص ۴۱۲ (اٹلی) ص ۴۱۵ جرمنی۔ یورپ کی حکومتیں، جعفری۔ اٹلی ص ۱۵۲۔ جرمنی ۲۱۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بناتی ہے اور چاہتی ہے تو قانون بدل بھی دیتی ہے[1]

۴۔ اسلامی حکومت میں شوریٰ ہوتا ہے۔ صرف واضعِ قانون مشیرِ قانون یا شارحِ قانون ہے اور دنیا کے ترقی پذیر معاملات میں زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنے فیصلے سناتی ہے۔

۴۔ پارلیمنٹری حکومت میں پارلیمنٹ (ایوان عام) ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ قانون سازی کا سرچشمہ ہے۔ اس نظام میں اختیار کا ایک مرکز تو ہے مگر یہ اختیار قانون سے محدود ہے[2]۔

یادداشت | پارلیمنٹری[3] حکومت سیاسی علم و تحقیق کے لیے ایک مضحکہ خیز معمہ ہے جسے سب سے زیادہ انگریزی دماغ نے حل کیا ہے۔ یہ ایک ایسی دستوری حکومت ہے جس میں جمہور کی رائے کو بڑا دخل ہے۔ یا ایک محدود شخصی حکومت ہے، اگرچہ ظاہر میں مطلق شخصی ہے لیکن کہنے کے لیے وہ ایک ایسی جمہوریت بھی ہے جس میں صدر کی جگہ قانونی بادشاہ ہوتا ہے۔ پارلیمنٹری حکومت میں پارلیمنٹ کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ وہ قانون کا سرچشمہ ہے مجلس وزراء کی قوت بھی محسوس ہوتی ہے کیونکہ وزیر اعظم پارلیمنٹ کے اختیار کا نمائندہ ہے مگر بادشاہ کی ہستی سمجھ سے بالاتر ہے۔ "بادشاہ کبھی نہیں مرتا" بادشاہ مختارِ کل ہے، بادشاہ بری اور بحری افواج کا سب سے بڑا سپہ سالار ہے بادشاہ انصاف کا سرچشمہ ہے قومی کلیسا کا سب سے بڑا حاکم اور محافظ ہے۔ بادشاہ عزت کا مرکز ہے اور دین کا نگہبان ہے۔ اور ان سب باتوں کے باوجود پارلیمنٹری بادشاہ کاروبارِ حکومت میں کچھ دخل نہیں رکھتا۔ بادشاہ کے اختیارات عملی نہیں اخلاقی (نام کے) ہیں۔ وہ حکومت کا نہ ذمہ دار ہے نہ جواب دہ[4]!

پارلیمنٹری حکومت کے یہ دونوں پہلو انسان کو ہنسنے پر مجبور کر دیتے ہیں، وہ کام جو بادشاہ کرتا ہے اس کو دستخط کرنے کی ایک مشین بھی کر سکتی ہے۔ اگر بادشاہ کی ہستی حقیقی ہے تو اُسے عملاً کاروبارِ حکومت

---

[1] دیکھو مرقع پارلیمنٹ انگلستان ص ۵۳، ۵۴۔ یورپ کی حکومتیں۔ ڈاکٹر نجم الدین ص ۴۰۔ ۵۶۔
[2] پارلیمنٹری حکومت اس جمہوری حکومت کے مشابہ ہے لہذا اس سلسلہ کے باقی فرق جمہوری حکومت کے بیان میں دیکھ لیے جائیں ۱۲۔ [3] اس طرزِ حکومت کی تفصیلات کے لیے دیکھو نظریہ سلطنت المنجیل ج ۶ ب ۱ ص ۳۴۴، ۳۵۰۔ [4] تھیوری اینڈ پریکٹس برٹش گورنمنٹ پی آر بی ۔ ایس ۱۹۰۴ء ص ۳ ب ص ۱۳، ۱۴

www.KitaboSunnat.com

پر اثر انداز ہونا چاہیے اور اگر حقیقی نہیں ہے تو اس کا، اس کے شہزادوں اور شاہی محلوں کا بار قومی خزانہ پر ڈالنا بے ضرورت چیز ہے۔

آئینی بادشاہ اپنے محل کی چوٹی پر اتنا بھی آزاد نہیں ہوتا جتنا ایک عامی انسان۔ بقول لوتھرؒ وہ شخص دوسروں کی آزادی کی کیسے وقعت کرے گا جس کی آزادی پر خود پابندیاں ہوں[1]"

پچھلی صدی انگلستان نے اس طرز حکومت کو چار چاند لگا دیئے۔ یہ صحیح ہے اسلام کا شوری دنیا بھر کے انسانوں کی سب سے بڑی آزاد پارلیمنٹ ہے۔ اور انگلستان کی پارلیمنٹ صرف انگریزی نسل کے لوگوں کا مجمع ہے، جس میں کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکتا، مگر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ انگلستان کی پارلیمنٹری حکومت اگرچہ دنیا بھر کے لیے ڈکٹیٹر شپ ہے مگر انگلستان کے لیے ایک جمہوریت ہے۔ یہ ایک آزاد قوم کی بادشاہی ہے جو ساری دنیا کو غلام بنانے کے ارادے سے نکلی تھی مگر اب سر پکڑ کر سوچ رہی ہے کہ اس ارادہ کو پورا کیا جائے یا ہندوستان کی سرحدوں پر اس کو ختم کر دیا جائے۔

اسلام کے نظامِ حکومت کا مختصر خاکہ

۱۔ حکومت دینی نظام ہے، محض دنیاوی تنظیم نہیں۔

۲۔ دین اصل فطرت انسانی پر مبنی ہے اور انسانی فطرت کے تمام روحانی، مادی، سیاسی میلانات اور سرگرمیوں پر حاوی ہے۔

۳۔ اسلام (دینی نظام) کی حیثیت سے عین فطرت ہے۔ زندگی کا وہ مکمل اجتماعی دستور جو روح کی امداد سے منجانب اللہ مادہ پر حکومت کرتا ہے اور وجود واجب کو مادہ پر حاوی مانتا ہے اور انسان کو روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے ارتقا پذیر تسلیم کرتا ہے "اسلام" ہے۔

۴۔ حکومت فطری (خدائی) تنظیم ہے اور فطرت کے ان اساسی قوانین کی علمبردار ہے جن کی سرحدوں پر انسانی بہتری ترقی اور معراج کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں جو یقینی طور پر خدا کے اٹل قوانین ہیں اور اس حیثیت سے ہر نقص اور ہر اعتراض سے پاک ہیں۔

[1] تجلی مئی ص ۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ اللہ دنیا کا خالق ہے، اللہ دنیا کا مالک ہے۔ وہ عرشِ عظیم کا پروردگار اور عرشِ عظیم کا شہنشاہِ اعظم ہے، دنیا کا حاکمِ مطلق ہے، حکومت اس کے حکم (مجموعۂ احکام کی تعمیل) کا نام ہے۔ اور قانون اس کے مستند، معتبر اور ہمیشہ باقی رہنے والے فرامین کا نام ہے۔ وہ انسان کا حکومت کا، قانون کا یکساں موجد ہے۔

۶۔ انسان کی اصل پیدائش (دین) فطرت (فطری نظام) پر ہوتی ہے۔ اس کے پیدا کرنے والے نے اُسے حُسن و خوبی کے معیارِ اصلح اور نمونۂ احسن پر پیدا کیا ہے۔ صالح اور صلاحیت مند انسان (کامل اور نکوکار انسان) خدا کی زمین پر خدا کی حکومت کے وارث اور نائب (خلیفۃ اللہ فی الارض) بنائے جاتے ہیں۔

۷۔ اصل حکومت اللہ کی ہے۔ انسان کو خدائی حکومت کی ذمہ داری سپرد کی گئی اور یہ ذمہ داری نیابتِ حق ہے، خداوندی میراث ہے۔ امامتِ کبریٰ (قیادتِ عظمیٰ) ہے۔ امارتِ شوریٰ (ریاستِ عمومی اور ریاستِ عامہ) ہے۔ خلافتِ راشدہ (تمام دنیا کے لیے اعلیٰ سیاسی کردار کا نمونہ) اچھے انسانوں کی اچھی نیابتی حکومت ہے۔ ایک عظیم الشان آسمانی امانت ہے جس کا امین انسان کو بنایا گیا ہے (مالک نہیں بنایا گیا) خلافتِ ارضی روئے زمین کی عالمگیر حکومت ہے مملکتِ عظمیٰ (معمورۂ ارضی کا عظیم و جلیل سیاسی قلمرو) ہے۔

۸۔ اس حکومت میں بادشاہ، تاج و تخت، شاہی محل اور شاہی ولیعہد نہیں ہوتے۔ صدرِ جمہوریہ اور اس کے سرمایہ دار اعیان نہیں ہوتے۔ ڈکٹیٹر اور ان کے قابو یافتہ ارکان کا وجود نہیں ہوتا، قوم نہیں ہوتی، اقوام نہیں ہوتیں۔ شیرازہ بند انسانی برادری (اُمتِ عظمیٰ) ہوتی ہے اور ان کا امام (رہنمائے اعظم) ہوتا ہے اور ان دونوں کا وجود خدا کے قانون کا سایہ ہوتا ہے۔

۹۔ اس حکومت کا سیاسی منتہائے خیال یہ ہے کہ انسان انسانِ کامل بن جائے، ترقی کرے اور ترقی کرتا رہے۔ اس کے دائرہ میں صالح فرد، صالح اُمت کو پیدا کرتا ہے، اور صالح اُمت صالح فرد کو۔ اس طرح سیاسی معاشرہ معراجِ آخرت تک ارتقاء کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ جب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تخلیقی ترتیب میں فرق پیدا ہوتا ہے تو حکومت میں بھی فساد، تباہی، انقلاب رونما ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ امام وہ ہوتا ہے جو خیرِ اُمت ہو۔ اُمت کا لقب اُسے حاصل ہوتا ہے جو خود خیرِ امت ہو۔ یعنی ساری دنیا کی قوموں میں سب سے بہتر اُمت ہو۔

۱۱۔ اُمت "شوروی تنظیم" ہے۔ رائے عامہ میں رائے دہی میں آزاد ہے، مگر یہ آزادی کتاب اللہ کے قانون کے بعد ہے اُس سے پہلے نہیں۔

۱۲۔ امام (رہنمائے حکومت) شوریٰ کا پسندیدہ اور مرضی عامہ کا مظہرِ اتم ہے۔ اس لیے اجتماعی طاقت کا زبردست نمائندہ ہے۔ اس کا درجہ جمہوریت کے صدر اور ڈکٹیٹر شپ کے ڈکٹیٹر کے درمیان ہے، نہ وہ سو فیصدی شوریٰ سے فیصلہ حاصل کرنے کا پابند ہے اور نہ شوریٰ کو سو فیصدی نظرانداز کرنے والا آمر بلکہ امیر ہے۔ اسلامی کارپوریشن کا میئر۔

۱۳۔ عناصر ترکیبی۔ امام (فرمانروائے اعظم کا نائب) اُمت جس میں چار قسم کے انسان ہوتے ہیں۔ مسلم (حکمبردار عنصر) کافر۔ وہ عنصر جو اس نظام پر عقیدہ نہیں رکھتا۔ منافق۔ جو ظاہر میں دوست اور دل میں اسلامی نظام کے دشمن ہوتے ہیں۔ باغی۔ نافرمان، جنگجو، طاغی۔ کافر دو قسم کے ہوتے ہیں: (۱) ذمّی۔ وہ لوگ جو کفر کے باوجود اسلام کے دائرۂ امن وسلامتی میں آجاتے ہیں اور اپنے عقیدہ میں آزاد رہتے ہوئے جزیہ (حفاظت کا خاص ٹیکس) دیتے ہیں۔ (۲) حربی جو کفرِ مطلق کے ساتھ اسلام کے ساتھ برسرِ جنگ ہوتے ہیں۔

۱۴۔ تمام انسان انسانی حقوق میں برابر ہیں کوئی شخص کسی دوسرے پر حاکم نہیں۔ حاکم ایک ما فوق الطبیعۃ بالادست، بالاتر ہستی ہے۔ جس نے عرش کی بلندی سے قانونِ مساوات جاری کیا ہے۔ روٹی، کپڑا، مکان، ہوا، پانی، چراگاہ سب کا حق ہیں۔ حکومت کا رہنما یہ دیکھنے پر مامور ہے کہ رات سے پہلے مملکت کے تمام انسان ان میں سے کسی چیز سے محروم تو نہیں رہے۔

۱۵۔ زمین کی تمام پیداوار تمام انسانوں کی ملک ہے شخصی (اصطلاحی) ملک ایک اشتراکی امانت ہے جس پر رفعِ نزاع کے لیے قبضہ کو علتِ ملک قرار دے دیا گیا ورنہ ہر انسان اپنی

(۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت کے مطابق مالک باقی بحد امانت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود زائد مال رکھنا قانوناً مکروہ ہے اور بعض صحابہ کے نزدیک حرام ہے۔ خلفاء راشدین اس سے ہمیشہ مجتنب رہے۔

۱۶۔ امن حقیقی شئ اور جنگ جوابی۔

۱۷۔ حق، حق ہے۔ انصاف انصاف ہے۔ باطل باطل ہے۔ ظلم ظلم ہے۔ نیکی نیکی ہے۔ بُرائی بُرائی۔ ہر نیکی قانون کا منشا ہے اور ہر بُرائی منشائے قانون سے خارج ہے۔ ہر جرم کی سزا ہر ایک کے لیے یکساں ہے۔ یہ قانون ہے اور قانون سے زیادہ حکمت عملی۔

۱۸۔ ضمیر اور عقیدہ آزاد ہے۔ اسلام اپنی آزاد روحانی قوتوں سے دنیا کے ضمیر کو فتح کرتا ہے اور تلوار کو میان میں رکھتا ہے۔ جب جنگجو قومیں اور سازشی طاقتیں اپنے مرکز میں سازشیں کرتی ہیں تو قانونِ جہاد سامنے آجاتا ہے اور ان طاقتوں کو جارحانہ حملہ کرکے ان کی سرحدوں کے اندر شکست دی جاتی ہے۔

۱۹۔ نظامِ شمسی کی طرح نظامِ دنیا ایک وحدت ہے۔ فرق یہ ہے کہ اُس کے عناصر عقل سے محروم ہیں اور اس کے عناصر عقل سے سرفراز ہیں۔ یہ دنیا ایک ہے۔ اس کا خدا ایک ہے، اس کا مذہب اور حکومت بھی ایک ہونی چاہیے۔ زمین انسان کا وطن ہے تمام انسانوں کو اپنی سلامتی، ترقی، بہتری، کامیابی اور نجات کے لیے ایک ہونا چاہیے۔ ستارے اپنی اپنی جگہ خدا کی قدرت سے سورج کے حکمبردار ہیں۔ انسان کو ایک خدا کا حکمبردار (مسلمان) ہونا چاہئے اور دنیا کو فتح کرکے ایک کردینا چاہیے۔ سب سے اشرف وہ ہے جو سب سے زیادہ نکوکار ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انقلاب اور حقِ انقلاب

پورے چودہ سو برس ہو چکے ہیں مسلمان خدا پر ایمان رکھنے کے باوجود خدا کے قانونِ اجتماعی کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔ بغاوت کی سزا کیا ہے؟ موت! اسلامی دنیا پر موت طاری ہے۔
موت کا علاج؟ بیداری، شعور، انقلاب ـــــ انقلاب کا طریقہ؟ فکری انقلاب!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا درجہ یہ ہے کہ دلوں میں یہ بات پیدا کر دی جائے کہ اسلام بادشاہت کے جیلخانہ کا قیدی نہیں ہے اور نہ دورِ جدید کی حکومت کا جمہوری، پارلیمنٹری، اشتراکی، آمری سپاہی ہے۔ اسلامی حکومت کی معراج خلافت راشدہ (دنیا بھر کے مسلمانوں کی معیاری ناقابلِ تقسیم وحدانی حکومت) ہے اسلامی دنیا کو پھر اس کی بلندی تک پہنچنا چاہیے۔

تبلیغی انقلاب، دوسرا درجہ ہے خلافت راشدہ کی تبلیغ کے لیے کروڑوں انسان پیدا ہو جائیں جن کے پاس ہتھیار کی جگہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہو اور وہ حکمراں طبقوں کو الدین النصیحۃ (دین خیر خواہی کا قانون) کے مطابق۔ فاتح عالم کی محبت سے کام لے کر سمجھائیں۔ ہزار جانیں جائیں تلوار نہ اٹھے، پیغام پہنچ جائے، سازش نہ کی جائے، ورنہ نتیجہ تباہ کن اور قانونِ شریعت کے خلاف ہوگا، فکری انقلاب اور تبلیغی انقلاب کا سلسلہ جاری رہے۔ اس زمانہ میں ایمان کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ مقرر ہو جائے کہ مسلمانوں کی حکومت اور اسلامی حکومت میں فرق ہے اور پہلی حکومت کی جگہ دوسری حکومت کو لینی چاہیے۔

شوروی انقلاب | فکری اور تبلیغی انقلاب کے بعد شوروی انقلاب کا نمبر آتا ہے اگر حکمراں طبقہ اور قوم شوریٰ کو حکم مان لیں تو شوروی انقلاب کا دروازہ کھل جائیگا۔ شاہی کی جگہ امامت اور بادشاہ کی جگہ امام، موروثی حق کی جگہ انتخاب کو حاصل ہو جائیگی۔

فوجی انقلاب | موجودہ انقلاب کو بدلنے کے لیے انتظار کرنا چاہیے خواہ اس کے لیے ایک صدی درکار ہو۔ فکری، تبلیغی، شوروی انقلاب کی حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان حکومت کے خلاف فوجی انقلاب کا حق نہیں رکھتا۔ فوجی انقلاب کا ایک وقت اور آتا ہے جب مسلمانوں کی حکومت صاف لفظوں میں کفر پر آمادہ ہو جاتی ہے اور خدا سے علی الاعلان بغاوت کا اعلان کر دیتی ہے۔ یہ بغاوت سیاسی نہیں ہوتی بلکہ مذہبی ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں تلوار کا مقابلہ تلوار سے ہوتا ہے۔ قانون اُمت کو باغی نہیں سمجھتا بلکہ نام نہاد مسلمان حکومت کو باغی قرار دیتا ہے اور مسلمان اس کو سزائے موت دینے پر مامور ہوتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتماعی منشور

دنیائے اسلام کے کروڑوں افراد کے نام

اسلام دنیا کی سب سے بڑی فاتح طاقت ہے مسلمان آج سے پہلے نصف صدی میں نصف دنیا کو فتح کر چکے ہیں[1]۔ اسلام کو ابھی ایک نئی دنیا فتح کرنی ہے مشرق سے لے کر مغرب تک، قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک ـــــ

ہماری دنیا کے سردار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۱ء میلاد مسیح (سنہ فیل) میں پیدا ہوئے، چالیس برس کی عمر میں آپ دین کے پیغمبر تھے اور دنیا کے سردار، ساری دنیا ایک طرف تھی اور آپ تن تنہا ایک طرف تھے۔

قرآن نے انسان کو بتایا تھا "دنیا میں تیرا حصہ مقرر ہے تو اپنے حصہ کو فراموش نہ کر"[2] (مفہوم) آپ نے انسان کو اطلاع دی "میں معمورۂ انسانیت میں خدا کی حکومت کا سفیر ہوں (انی رسول اللہ الیکم خاصۃ والی الناس عامۃ[3]) میں خدا کا رسول ہوں نہ صرف عربوں کے لیے بلکہ انسانیت عامہ کے تمام افراد کے لیے۔ اس کے بعد فرمان جاری ہوا (قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرۃ[4]) جو نصب العین میں لایا ہوں اس سے بہتر تمہارے لیے کوئی نہیں لایا۔ دنیا کی بہتری اور آخرۃ کی بہتری!

یہ تھا حکومتِ الٰہی کا نصب العین۔ آنحضرت نے اس کا اعلان فرمایا۔ اس کو اپنے عمل کا محور بنایا[5] اور آخر میں یہاں تک کہہ دیا "میں اللہ کے حکم کا بندہ ہوں یا تو یہ نصب العین فاتح اور غالب ہو کر رہیگا، یا میری جان اس پر قربان ہو جائیگی۔[6]

اسی سلسلہ میں ایک اور اعلان ہوا "انسانو! میرے ساتھ کلمۂ توحید پر جمع ہو جاؤ۔ یہی

---

[1] عربوں نے آدھی صدی میں آدھی دنیا کو فتح کر ڈالا۔ نپولین (حاضر العالم الاسلامی شکیب ارسلان) ریگستان کے ان باشندوں نے جن کی دنیا میں کوئی اہمیت نہ تھی معروف دنیا کا نصف حصہ فتح کر لیا۔ جواہر لال نہرو (جھلکیاں ج ۱ ص ۲۲۳)

[2] قرآن حکیم (لا تنس نصیبک من الدنیا) [3] تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲ [4] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہاری فلاح کا پروگرام ہے: "ایھا الناس قولوا معی لا الٰہ الا اللہ وان تفلحوا (تاریخ ابن کثیر)
انسانی تاریخ میں انسان کی یہ سرافرازی بالکل نئی چیز تھی، اس لیے مخالفت کی بنیاد بن گئی۔ مخالف بہرحال مخالف ہے۔ البتہ صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ مقصد کی محبت کے سوز سے پگھل گئے۔ مخالفت کی پہلی بال کمانی ٹوٹ گئی۔ انسانیت کے دشمن بگڑی ہوئی گھڑی کے پنڈولم کی طرح کبھی ادھر کبھی اُدھر سر دے کر مارتے تھے مگر اسلام ایک قلعہ تھا جو بنتا چلا گیا اور جس کی دیوار آسمان تک اور قلعہ بندیاں مدینہ سے سائبیریا تک پہنچ کر بھی نہ رکیں۔

قرآن کا فرمان تھا "حکومت خدا کی ہے کوئی اس کی حکومت میں شریک نہیں"۔ اللہ کا حکم آیا: "انا الملک انا اللہ" (ہم بادشاہ ہیں ہم اللہ ہیں) اس کے بعد کس کی جرأت تھی کہ یہ کہتا میں مسلمان ہوں، میں بادشاہ ہوں، حکومت میری ہے میرے بعد میرا ولیعہد خدا کے تخت پر بیٹھیگا۔

پلک جھپکنے کی دیر تھی دنیا کی تمام بڑی شہنشاہیتوں (روم، مصر، فارس) کے تخت اُلٹ گئے۔ فرمان ہوا۔ مصر، یمن، عراق، شام ہر ایک فتح ہوگا۔ ہر ایک فتح ہو کر رہا۔ حکم ہوا۔ اب نہ کسریٰ ہوگا نہ قیصر۔ اسلام کے مجاہدوں نے دونوں کے تاجوں پر پاؤں رکھ دیئے۔ دنیا میں پہلی مرتبہ شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا، خدا کی حکومت وجود میں آئی اور شاہی کی جگہ امارتِ عامۂ شوریٰ[1] کو عطا ہوئی۔

آنحضرت کی مکی زندگی کے دس سال مدنی زندگی کے گیارہ سال۔ اکیس برس کی مدت میں زمین و آسمان بدل گئے اور زمین کے سارے نقشہ میں نیا رنگ بھرا جانے لگا۔

عقل کے دشمنوں نے دولت کا خزانہ، حجی کی مسند اور بادشاہی کا تاج پیش کیا۔ فرمان ہوا: "اللہ نے مجھے رشوت نہیں دی، تم مجھ کو رشوت دیتے ہو!" پلک جھپکنے کی دیر تھی۔ چار چیزیں بگاہ وجود پر آراستہ ہوگئیں۔ نیا مذہب، نیا قانون، نئی اُمت اور نئی حکومت ـــــ حکومتِ الٰہی!

(نوٹ صفحہ ۴۵۴) ثم صدع بامر اللہ ومضی علی امر اللہ منظھرًا لامرہ (ابن اثیر ج ۲ ص ۲۳)
(نوٹ صفحہ ہذا) [1] فتح الباری (امارت عامہ) ج ۳ ص ۱۰۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مٹی سے جوہر پیدا ہوگیا اور جوہر بھی وہ جس کی قیمت میں روم، فارس اور مصر کے علاوہ آس پاس کے سارے شاہی تاج لگ گئے مگر قیمت برابر نہ ہوئی۔

آنحضرت نے گیارہ سال تک "امامت کبریٰ" کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں کو پورا کیا، آپؐ کے بعد صدیق اکبرؓ نے دو برس، فاروق اعظمؓ نے دس برس، عثمان غنیؓ نے گیارہ برس، علی مرتضیٰؓ نے چھ برس۔ امارتِ شوریٰ اور خلافتِ راشدہ کو زندہ رکھا۔ تاریخ عالم کے یہ چاروں بڑے اصحاب صاحبِ اولاد تھے مگر انہوں نے خدا کی حکومت کی حکمرداری میں شاہی تاج و تخت کو نگاہِ غلط سے بھی نہ دیکھا۔

آخر اسلامی تاریخ کا سب سے زیادہ مکروہ واقعہ رونما ہوا۔ یہ روشنی جلد تاریکی سے بدل گئی، اور فرمان "لانرث ولا نورث" کے خلاف امارتِ شوریٰ کی جگہ پھر مطلق العنان شاہی نے لے لی۔ دن ڈوب گیا، پھر رات آئی" وہی جوہر جو بادشاہوں کے تاج سے بھی زیادہ قیمتی تھا مٹی ہوگیا۔ وہ لوگ جو خدا کے حکم پر تیر کی طرح گئے بجلی کی طرح گرے اور قیصر و کسریٰ کے تاج چھین کر ہوا کی طرح واپس آئے، ان کے جانشین رومیوں کے ایک چھوٹے سے پایۂ تخت (دمشق) میں پہنچ کر قیصر کی شہنشاہیت کا شکار ہو گئے۔

تمام پرانے شاہی خاندان (اشکانی، پیشدادی، ساسانی، یونانی، رومی) مٹ گئے اور اُن کی جگہ اموی، عباسی، فاطمی، غزنوی، خلجی، تغلقی، تیموری (مغل) تاتاری (ترکان عثمانی) تختِ شاہی پر آگئے سنہ ۱ ہجری (۶۲۲ء) سے سنہ ۴۰ ہجری (۶۶۱ء) تک چالیس سال کا زمانہ منہاجِ نبوت اور سیاستِ شوریٰ کے مطابق گزرا، اس کے بعد چودہ سو سال کے اس تاریخی جنگل میں کسی مردِ خدا کو یہ خیال نہیں آیا کہ اسلام کا نظامِ حکومت اپنی اصل قانونی حقیقت کے اعتبار سے خدا کے دستورِ نبوت کے قائم کردہ معیار اور حکومتِ راشدہ کے اساسی اصولوں سے ہٹ چکا ہے۔

۹۹-۰۰ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر 08077
www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ